"تمثیلِ نو"
ادبی صحافت کا نقش

ترتیب و تہذیب

ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی

"تمثیلِ نو"

ادبی صحافت کا نقش

(مضامین، تبصرے، رائیں اور اشاریہ)

ترتیب و تہذیب

ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی

ایم۔ آر۔ پبلی کیشنز، نئی دہلی

کتاب : ''تمثیل نو'': ادبی صحافت کا نقش

ترتیب و تہذیب : ڈاکٹر ابرار احمد اجراوی

کمپوزنگ : احسان عالم، گلیکسی کمپیوٹرس، دربھنگہ

مطبع : ایچ ایس آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔

ناشر : الفاروق ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ، محلہ گنگواره، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۷ (بہار)

زیر نگرانی : ایم۔آر۔ پبلی کیشنز

10 میٹروپول مارکیٹ، 25-2724 کوچہ چیلان، دریا گنج، نئی دہلی

ملنے کے پتے:
☆ ناولٹی بکس، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۴ ☆ بک امپوریم، سبزی باغ، پٹنہ-۴
☆ شمسی بک سینٹر، اسٹیشن روڈ، سمستی پور ☆ عثمانیہ بک ڈپو، کولوٹولا اسٹریٹ، کولکاتا-۷۳
☆ 38/1 F/1، پہلی منزل، شاہین باغ، (نزد شاہین مسجد)، نئی دہلی-۱۱۰۰۲۵

"TAMSEEL-E-NAU": ADABI SAHAFAT KA NAQSH

(Articles, Reviews, Opinions & Index)

Compiled by: **Dr. Abrar Ahmad Ijravi**

AT & PO : Ijra, Dist. Madhubani-847237 Bihar (India)

Cell: 08651708079 E-mail: abrarahmadijravi@gmail.com

ISBN: 978-93-86125-76-7

First Edition :2017

Price: ₹ **400/-**

Library Edition: ₹ 525/-

Printed & Published by

M. R. Publications

Printers, Publishers, Book Sellers & Distributors of Literary Books

 # 10 Metropole Market, 2724-25 First Floor

Kucha Chelan, Daryaganj, New Delhi-110002

Cell: 09810784549, 09873156910 E-mail: abdus26@hotmail.com

انتساب

اردو کی تیسری بستی کے اہم شاعر اور دانش ور

اشرف گل

کے نام

جن کی وابستگی شروع سے ہی

"تمثیلِ نو"

کے ساتھ رہی ہے!

صاف کر کے آئینے کی گرد کو
ڈھونڈ کر لاؤ کوئی "تمثیلِ نو"

فہرست

منظومات

منثورات

(مضامین)

(تبصرے)

(اعترافیہ)

(خشونت سنگھ اپنے کالم میں)

(اشاریہ)

(فہرست)

اعتراف نامہ

(الف)

غالبؔ و مصحفیؔ و میرؔ و نسیمؔ و مومنؔ
طبع حسرتؔ نے اٹھایا ہے ہر استاد سے فیض

اکیسویں صدی میں ''تمثیل نو'' کی اہمیت مسلم ہے۔

دربھنگہ شمالی بہار کا مرکز اور متھلانچل کا دل کہلاتا ہے۔ یہ ہر دور میں علمی، فنی، مذہبی، اصلاحی اور ادبی سرگرمیوں کا محور رہا ہے۔ یہ عام قسم کا شہر نہیں، مخصوص تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہے۔ دربھنگہ صرف علاقائی، جغرافیائی اور سیاسی اعتبار سے ہی نہیں، علمی وادبی اعتبار سے بھی اپنی علاحدہ شناخت رکھتا ہے۔ یہ سرزمین بڑی مردم خیز اور زرخیز رہی ہے، اس دھرتی کی کوکھ سے بے شمار علما، صلحا، صوفیا، بزرگان دین، فن کاروں، قلم کاروں، ادیبوں اور شاعروں نے جنم لیا ہے۔ اس شہر کے سپوتوں کی تخلیقات وتحقیقات نے اردو زبان وادب کے فروغ اور اس کی توسیع وتشہیر میں نمایاں رول ادا کیا۔ فرزندان دربھنگہ نے اردو کی جڑوں کی آبیاری میں اپنا خون جگر صرف کیا ہے۔ یہ شہر دلی کی طرح عالم میں انتخاب تو نہیں، مگر اپنی علمی، ادبی فتوحات اور تخلیقی نگارشات وتحریری سرمایہ کے حوالے سے دلی نگری سے کم بھی نہیں ہے۔ یہی وہ دربھنگہ ہے جہاں سے مغل بادشاہ اورنگ زیب عالم گیر نے اپنی صاحب زادی زیب النسا، کی تعلیم و تربیت کے لیے نامور عالم دین ملا ابوالحسن کی خدمات حاصل کی تھیں اور انھوں نے فتاوی عالم گیری کی ترتیب وتدوین میں بھی اہم رول ادا کیا تھا۔ یہی وہ ضلع ہے، جس کے ایک قصبہ بسفی (اب مدھوبنی) میں میتھلی زبان کے عظیم اور عالمی شہرت یافتہ شاعر ودیاپتی نے جنم لیا ہے۔ اردو میں آزاد غزل کا علم بلند کرنے والے اور کئی ادبی رجحان کے لیے فضا سازی کرنے والے پہلے شاعر و ناقد مظہر امام اسی شہر کے باسی تھے۔ یہ شہر بظاہر معمولی اور پسماندہ شہر لگتا ہے کہ دربھنگہ کیا، پورا بہار ہی غربت اور پسماندگی کی چادر میں لپٹا ہوا ہے، مگر دربھنگہ اپنی علم دوستی اور ادب نوازی کے تعلق سے بہت سی ہندستانی ریاست کے دارالحکومتوں سے بھی آگے ہے۔ یہاں ادبا، شعرا کی ایک کہکشاں ہر وقت موجود رہتی ہے، جس کی روشنی سے یہ شہر علم و ہنر منور اور روشن رہا ہے۔ بڑے بڑے اہل علم نے اس شہر کو علمی اور ادبی مرکزیت عطا کرنے میں اپنا خون پسینہ ایک کیا ہے۔ چاہے وہ دربھنگہ مہاراج کا عہد رہا ہو، یا مسلم عہد، دونوں عہود میں اس کی جبین پر علم وادب

کا جھومر تلکتا رہا ہے۔ اس شہر میں کوئی اردو اکادمی، اردو کی سرکاری یا نیم سرکاری تنظیم اور کوئی ریسرچ ایسوسی ایشن تو نہیں مگر اس شہر کی کوکھ سے کئی ادبی علمی تحریکات نے جنم لیا ہے۔ کیا یہ بات قابل فخر و رشک نہیں کہ اس چھوٹے سے شہر کی گود میں دو دو یونی ورسٹیاں 'للت نرائن متھلا یونیورسٹی' اور 'کامیشور سنگھ سنسکرت یونیورسٹی' موجود ہیں۔

جدید تر ادبی رجحانات کا علم بردار اردو کا کثیر المقاصد اور معتبر ادبی جریدہ ''تمثیل نو'' کی جنم بھومی اور کرم بھومی یہی دربھنگہ ہے۔ اس کے مدیر تازہ کار شاعر و ناقد، ماہر تعلیم و دانش ور ڈاکٹر امام اعظم گرچہ چند برسوں سے شہر آرزو کلکتہ میں بغرضِ ملازمت سکونت پذیر ہیں، مگر اس ادبی رسالے کی شناخت اور پہچان اسی دربھنگہ سے وابستہ ہے۔ ''تمثیل نو'' کا آغاز ایک فولڈر کی شکل میں ہوا تھا، مگر اس نے بہت جلد ایک رسالے کی حیثیت اختیار کر لی۔ رسالے بڑی تعداد میں ہر دن نکلتے ہیں، مگر چند ماہ اپنی آب و تاب دکھلا کر گوشہ نشینی یا گم نامی کی اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ مگر امام اعظم کے اندر آندھیوں کے رخ پر چراغ جلانے کا جذبہ موج زن رہتا ہے، اس لیے ''تمثیل نو'' بلا انقطاع پابندی کے ساتھ سترہ سال سے افق ادب پر ضیاباری کر رہا ہے۔

دربھنگہ میں ادبی صحافت کے تاریخی نشیب و فراز پر سرسری نظر بھی ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس شہر کی ادبی صحافت کی تاریخ تقریباً دو صدی کے عرصے پر محیط ہے۔ بیسویں صدی کی ابتدا سے ہی یہاں ادبی رسالوں کا سراغ ملنا شروع ہو جاتا ہے۔ اردو کا پہلا ادبی رسالہ ''مسیحا'' ۱۹۰۴ء میں شائع ہوا۔ ۱۹۲۸ء میں ماہنامہ ''پروانہ''، ۱۹۲۹ء میں ادبی رسالہ ''البدر''، اس کے بعد کے ادوار میں ماہ نامہ ''بشریٰ''، ماہ نامہ ''آفتاب'' اور دار العلوم احمدیہ سلفیہ کا ترجمان ''مجلہ سلفیہ'' دربھنگہ کی ادبی صحافت کی قوس قزح کی تشکیل میں معاون ثابت ہوئے ہیں۔ ۱۹۴۱ء میں ماہ نامہ ''ہمالہ'' کا اجرا ہوا جس کی مجلسِ ادارت میں مشہور افسانہ نگار ش۔ مظفر پوری شامل تھے۔ ۱۹۴۹ء میں رجحان ساز رسالہ ''نئی کرن'' اور رسالہ ''صبح زندگی'' نے بھی آنکھ کھولی۔ ۱۹۵۳ء میں ''افق'' شائع ہوا۔ ۱۹۶۰ء میں ''رفتار نو'' کا اجرا عمل میں آیا۔ شمیم سیفی، شاکر خلیق اور شوکت خلیل کی مشترکہ جدوجہد کے نتیجے میں پندرہ روزہ رسالہ ''ہم اور آپ'' (۱۹۷۰ء) کا وجود عمل میں آیا۔ ڈاکٹر نجیب اختر کی ادارت میں ''توازن'' ۱۹۷۳ء میں منظر عام پر آیا۔ ۱۹۸۴ء میں ''آگ کا دریا'' عدم سے وجود میں آیا۔ ۱۹۹۷ء میں ماہ نامہ ''آواز نو'' اور رسالہ ''ادب'' نے ادبی منظر نامے پر اپنی موجودگی درج کرائی، لیکن یہ وہ عرصہ ہے جب دربھنگہ میں ادبی صحافت کا ہیولیٰ ہی تیار ہو رہا تھا، اس کے جسم و ڈھانچہ کی تکمیل نئے الفیہ کی پہلی صدی کی پہلی دہائی میں ہوئی۔ اکیسویں صدی کا

پہلا سال ۲۰۰۱ء دربھنگہ کی اردو صحافت میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے، کیوں کہ اسی سال دربھنگہ سے دو نئے رسالوں نے نمود اور شہرت پائی۔ ڈاکٹر مشتاق احمد کے ''جہان اردو'' اور ڈاکٹر امام اعظم کے ''تمثیل نو'' کا سن ولادت یہی سال رہا ہے۔ جنوری ۲۰۰۵ء میں منصور خوشتر کی ادارت میں ''دربھنگہ ٹائمز'' کا اجرا ہوا۔ گذشتہ دو برسوں سے اس کے دستاویزی شمارے منظرِ عام پر آرہے ہیں۔ ان ہی کی ادارت میں ''تحقیق'' نام کا رسالہ بھی ۲۰۱۶ء سے نکل رہا ہے۔

معاف کیجیے! پس منظر کے طور پر بات ذرا لمبی ہوگئی۔ مگر یہ کہ ع 'بنتی نہیں ہے بات بادہ و ساغر کہے بغیر'۔ یہاں ادبی صحافت کی تاریخ بیان کرنا میرا مقصد نہیں ہے، نہ مجھے بہار یا متھلانچل میں اردو صحافت کی سمت و رفتار کا خلاصہ و محاکمہ پیش کرنا ہے، بلکہ آمدم بر سر مطلب، مجھے ''تمثیل نو'' کے اجرا اور اس کی متنوع ادبی و صحافتی خدمات اور اس کی سمت سفر پر مختصر روشنی ڈالنا مقصود ہے کہ ''تمثیل نو'' فولڈر کی معمولی شکل کو چھوڑ کر مجلاتی ادبی رسالہ کیسے بنا۔ یہ ۱۹۸۷ء کی بات ہے جب ''تمثیل نو'' کے بانی مدیر ڈاکٹر امام اعظم نے غیر اردو داں حلقوں کی گھٹا ٹوپ ظلمتوں میں اردو کا چراغ روشن کرنے کے لیے ہندی میں ایک فولڈر ''تمثیل'' کا اجرا کیا تھا۔ اسے اتفاق زمانہ کہیے، فضلِ خداوندی سے تعبیر کیجیے، یا مدیر کو حسن نیت اور خلوص سے پکاریے کہ اس فولڈر کے مطبوعہ ۹ رشماروں کی ادبی اور علمی حلقوں میں گمان سے زیادہ پذیرائی ہوئی اور مارچ ۲۰۰۱ء میں وہ مقدس ساعت بھی آئی، جب امام اعظم نے حوصلہ اور ہمت سے کام لیتے ہوئے، اس فولڈر کو باضابطہ رسالہ ''تمثیل نو'' کی شکل میں نیا روپ اور نیا سانچہ عطا کیا۔ ''تمثیل نو'' سے پہلے بھی دربھنگہ میں اردو صحافت و ادب کا چرچا رہا تھا، دربھنگہ میں اردو صحافت لگ بھگ سو سال کا سفر طے کر چکی تھی مگر ''تمثیل نو'' نے دربھنگہ کی منجمد صحافت میں زندگی کا پتھر پھینک کر اس کو حرکت و نمو سے ہم دوش کر دیا۔ ''تمثیل نو'' کا پہلا شمارہ صرف ۶۵ رصفحات پر مشتمل تھا، مگر اب اس کے ۴۰۰ ر سے زائد صفحات پر مشتمل خصوصی شماروں نے ادبی صحافت کے میدان میں وہ تموج اور تحرک پیدا کیا ہے، جس سے اردو کی ادبی صحافت اپنی منزل مقصود کا لمبا فاصلہ بآسانی طے کر رہی ہے۔ ''تمثیل نو'' کے مضامین و مشمولات کا دائرہ کثیر جہتی ہے۔ اداریہ، ادبی مضامین، نظمیں، غزلیں، انشائیے، افسانے، انٹرویو، وفیات، ادبی و ثقافتی خبریں، سفرنامے، تبصرے، خطوط اس رسالے کے مستقل کالم رہے ہیں۔ بہت سے رسالوں نے بقا اور فنا کے گمبھیر مسئلہ سے دور رہنے کے لیے کسی ازم، تحریک اور گروہ کا دامن تھام لیا، کسی اکیڈمی اور انجمن کا ذلت سے معمور ٹوکرا اپنے سر پر رکھ لیا، مگر اردو کی محبت میں اپنا گریباں چاک کرنے والے، امام اعظم

کے عزم مصمم اور آہنی ارادہ اور ترقی پسند ذہن کی داد دیجیے کہ انھوں نے اس رسالے کو کسی خاص کھونٹے سے نہیں باندھا، بلکہ آزادانہ طور پر اس میں صوری و معنوی تبدیلیوں کو راہ دیتے ہوئے نئے نئے گل بوٹے لگاتے رہے۔ امام اعظم انفارمیشن ٹکنالوجی کی کروٹوں اور زمانے کی نیرنگیوں پر نظریں جمائے رکھتے ہیں۔ یوں بھی یہ عہد ہردم اور ہر پل تغیر پذیر ہے کہ 'ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'۔ چناں چہ ۲۰۰۵ء سے اس رسالے کو موضوعاتی رخ دینے کی کوشش کی گئی اور ۲۰۱۰ء سے یک موضوعی مضامین کی شمولیت کے علاوہ اس میں منتخب اور اہم شخصیات پر خصوصی گوشے بھی شائع ہونے لگے جب کہ دیگر کالم بھی شامل رہے۔ یہی تنوع اور تفنن تھا جس کی وجہ سے اس رسالہ کی ترسیل اور سرکولیشن میں بھی کافی اضافہ ہوا۔ ''تمثیل نو'' کا ترسیلی دائرہ کافی پھیلا ہوا ہے۔ ملک و بیرون ملک ہر جگہ اس کے قدرداں اور سبسکرائبر موجود ہیں۔ گرچہ اس میں دربھنگہ کے ادبی منظرنامے کی ترجمانی اور اس کی ادبی کارگزاریوں اور تخلیقی و تصنیفی سرگرمیوں کی تشہیر پر مبنی مواد بھی رہا ہے مگر اس میں دوسرے علاقے اور دور دراز کے ادیبوں اور فن کاروں کو بھی مناسب اور معقول نمائندگی دی گئی ہے۔ ''تمثیل نو'' کا مقصد یہی ہے کہ ادب میں صالح روایتوں اور مثبت اقدار کو استحکام اور فروغ دیا جائے۔ نسل نو کی فکری، علمی اور ادبی تربیت کی جائے، ان کی صلاحیتوں کو نکھرنے کا موقع اور اظہار خیال کے لیے انھیں آزاد فضا ہموار کی جائے، گمنام ادیبوں اور شاعروں کے جسم و ذہن سے گمنامی اور مجہولی کی گرد جھاڑی جائے۔ انھیں اپنے افکار و خیالات کے اظہار کا ایک اسٹیج فراہم کیا جائے۔ ان مقاصد کی حصول یابی میں یہ رسالہ بڑی حد تک کامیاب اور ظفریاب رہا ہے۔ امام اعظم نہ تو ماضی کی صالح اور مثبت روایات سے پیچھا چھڑانا چاہتے ہیں کہ ماضی کے ادبی اور علمی سرمایے سے کٹ کر ہمیں ادب کے گلوب میں عزت و وقار نہیں مل سکتا اور نہ مغرب کے پھینکے ہوئے نوالوں کی طرف لپکتے ہیں کہ مشرقی اقدار اور روایات سے جب تک اپنا رشتہ استوار نہ کیا جائے، اردو ادب کے کلاسیکی ادبی شعری رویہ کی تفہیم و ترسیل ممکن نہیں۔ مدیر محترم اپنے پہلے اداریے میں ہی یہ بات صاف کر دیتے ہیں، ان سطور سے رسالے کے مزاج و منہاج کا بھی بیک نظر اندازہ ہو جاتا ہے:

> ''ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا استقبال کرنے پر مجبور ہیں کیونکہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ نئی صدی میں نئے نئے سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان مسائل سے نبرد آزما بھی ہونا ہے اور انہیں حل بھی کرنا ہے۔ اب ہم کسی محدود معاشرے کے بجائے ایک عالمی معاشرہ کے فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسی صورت

میں ہمارے ادیب اور فنکار خود کو نئے سانچے میں ڈھال رہے ہیں، نئے انداز اور زاویے سے سوچ رہے ہیں۔ اور اپنے ادب پارے میں نئے عالمی معاشرے کی تصویر کشی کر رہے ہیں کہ یہی وقت کا تقاضہ ہے لیکن اس انداز کے ساتھ ہم نہ تو ادبی روایات کو ہی فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ہی نئے تقاضوں سے چشم پوشی کر سکتے ہیں۔'' (اداریہ 'تمثیل نو' دربھنگہ، مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء، ص: ۳)

امام اعظم زیرک، جینیس اور کھلے ذہن کے شاعر و ادیب ہیں، نہ صرف اپنی زندگی میں، بلکہ شعر و ادب کے حوالے سے بھی ایک کھلا ہوا رویہ رکھتے ہیں۔ وہ کسی ازم کا دامن تھامنا نہیں چاہتے اور نہ ہی اپنے رسالے کو خاص نظریاتی جبر کے تحت محبوس و مقید کرنا چاہتے ہیں۔ ان کے مطابق اس طرح کا نظریاتی جبر اور فکری انتہا پسندی تخلیقی عمل کے فطری بہاؤ میں مزاحم اور رکاوٹ بنتا ہے۔ وہ مدیر کی پیشہ ورانہ ذمہ داریوں کا شعور و ادراک بھی رکھتے ہیں اور مدیر و مضمون نگار کی ذمہ داریوں میں خط فاصل کھینچنے کے مدیرانہ ہنر سے بھی آشنا ہیں۔ انھوں نے ان سطور میں جہاں رسالوں کی اشاعت کی راہ میں در آنے والی دشواریوں کی عکاسی کی ہے، وہیں رسالوں کے ذریعے ادبی کارناموں کی تشہیر اور ادب کی معیار بندی کی جہات و نکات پر بھی روشنی ڈالی ہے:

''ادبی رسالوں کے نکلنے کا سلسلہ کم و بیش چلتا رہا ہے مگر یہ سفر دشوار تر ہے اور سنگلاخ بھی۔ ادبی کارناموں کی تشہیر دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ آج کل آسان ہے لیکن پرنٹ میڈیا کے ذریعے کسی ادب پارے یا ادبی تخلیقات کو پیش کرنا اور ادب نوازوں کے درمیان پھیلانا بڑا ہی مشکل اور دشوار کام ہے۔ اس وقت ادب میں معیار کا تعین کرنا اور کسی مدیر کے لئے یہ طے کرنا بھی مشکل ہے کہ وہ کس طرح کی تخلیقات کو اپنے رسالے میں جگہ دے کیوں کہ رسالہ کا معیار طے کرنا ادب نوازوں، ادبی تحریک چلانے والوں اور ادبی رجحان قائم کرنے والوں کا کام ہے۔ مدیر کا کام صرف مزاج کے نوک پلک کے اعتبار سے کسی تخلیق کو شریک اشاعت کرنا ہوتا ہے۔

جس عہد میں یہ رسالہ نکل رہا ہے اس میں مختلف نظریات، رجحانات اور تحریکات کا ملا جلا عکس ضرور نظر آتا ہے اور اسے خالص ادبی کرنے کی کوشش ایک طرح کی نئی تحریک یا میلان کو بڑھاوا دینا ہوتا ہے۔ مگر ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے کیوں کہ تحریکات اپنی مدت تک اچھی لگتی ہیں، میلانات ایک خاص طبقے اور نظریے تک پسند کئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک بڑا ادبی کام جسے منظر عام پر آنا چاہئے نہیں آسکتا۔ اس لئے اس طرح کا Free Axis ہم نے ''تمثیل نو'' کے لئے چھوڑ رکھا ہے تا کہ

ادیب وفنکار آزادانہ طور پر بغیر کسی لیبل کے تخلیقات پیش کرتے رہیں۔ یہی ہمارا مقصد اور یہی ہماری خدمت ہے۔.....'' (اداریہ ''تمثیلِ نو'' جنوری۔مارچ ۲۰۰۲ء، ص:۴)

امام اعظم نے اپنے سہ موضوعی اداریوں میں بار بار اپنے اغراض و مقاصد اور اہداف و منشور کا اعادہ کیا ہے اور اردو زبان کی کس مپرسی کا نوحہ کرتے ہوئے اس کا تدارک کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک اداریہ (جولائی۔ستمبر ۲۰۰۲ء) میں لکھتے ہیں، جس میں اردو کے نام پر ایوارڈ حاصل کرنے والوں کی تگ و دو پر تازیانے برسائے گئے ہیں:

''.....ہماری نئی نسل کا حال یہ ہے کہ اپنے مطالعہ کا گہرائی سے محاسبہ نہیں کرتے اور فوراً ایوارڈز حاصل کرنے کی دوڑ میں شامل ہونے کی سعی کرنے لگتے ہیں۔''

اردو کس طرح اردو داں گھروں میں ہی اجنبی اور بے گانی بن کر رہ گئی ہے۔ اور ہماری نسل کے اردو سے نابلد رہنے کی وجہ سے اردو کا املا مثلہ ہوتا جا رہا ہے۔ اردو زبان سے ناواقفیت کے سبب، اس کی ہیئت کذائی اور اس کا بنیادی اصلی تلفظ بگڑتا اور مسخ ہوتا جا رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

''.....جس وقت اردو کا کوئی بھی طالب علم اس کا تلفظ بگاڑتا ہے تو طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ آج اردو اسکول و کالج سے نکل کر مدرسہ و مسجد میں معتکف ہو گئی ہے۔.....'' (ایضاً)

ایک بار پھر اردو کی حالت زار کا نقشہ کھینچتے ہوئے ذرا تلخ آمیز طنزیہ جملوں میں لکھتے ہیں:

''.....سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس کی حالت دگرگوں ہے اردو اپنی فطری مقبولیت کی وجہ سے زندہ ہے۔ نام نہاد ''اردو ڈے'' کی بیساکھی کے سہارے چل کر یہ لنگڑی نہیں ہونا چاہتی اور نہ ہی ''یوم اردو'' کے جلسوں میں اردو کی لطیف و نازک گردن میں پھولوں کی مالائیں ڈال کر اسے بونا کیا جا سکتا ہے۔'' (اداریہ ''تمثیلِ نو'' جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء)

دوسرے اردو دانوں کی طرح، امام اعظم صرف مسائل کا رونا نہیں روتے، مشکلات پر نوحہ و ماتم اور سینہ کوبی نہیں کرتے، بلکہ نبض دیکھ کر مرض کی تشخیص کرنے کے بعد اس درد کی دوا بھی تجویز کرتے ہیں:

''.....اردو سے سچی ہمدردی یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں میں اردو کے چلن کو عام کریں۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا استعمال کر کے گرد و پیش کے ماحول کو متاثر کریں۔ اردو کے اخبارات و رسائل خرید کر اس کو استقامت عطا کریں اور اپنے بچوں کی زبان اور تلفظ پر توجہ مبذول کرتے ہوئے ابتدائی دنوں میں اس کی اصلاح کر دیں۔'' (ایضاً)

''تمثیل نو'' کے اداریوں میں جس قسم کی دردانگیزی، ہمدردی اور ادبی تخلیقی فضا سازی ملتی ہے، اس نے بہت سے نام ورادیبوں سے خراج تحسین حاصل کیا ہے۔ سچ یہ ہے کہ ادب میں مثبت قدروں کی تشہیر اور اردو زبان وادب کے فروغ واشاعت کے باب میں ''تمثیل نو'' کی مجاہدانہ وسرفروشانہ کوششوں کو سب نے سراہا ہے۔ ''تمثیل نو'' کے عزم وارادے اور اس کے تخلیقی کارناموں کی مدح وستائش میں بڑے بڑے ادبا رطب اللسان رہے ہیں۔ اس کا بیک نظر اندازہ ان خطوط اور مکاتیب سے ہوتا ہے، جو بڑی تعداد میں ''راہ ورسم'' کے کالم کے تحت ''تمثیل نو'' کی زینت بنے ہیں۔ اندرون ہندستان سے پروفیسر گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر قمر رئیس، مظہر امام، پروفیسر وہاب اشرفی، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، تو ہندستان سے باہر مشفق خواجہ، ڈاکٹر انور سدید، نقشبند قمر نقوی، احمد سہیل، سلطانہ مہر، اشرف گل، امان خاں دل اور محمد سالم جیسے حضرات نے اس رسالے کی تعریف وتوصیف میں خیال خاطر احباب کا نہیں، بلکہ حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے۔ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''تمثیل نو'' کے اداریے ڈاکٹر امام اعظم جس انہماک، وسیع مطالعہ اور غور وفکر کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں اور اردو دنیا کے مسائل اور سرگرمیوں کا احوال جس تنقیدی بصیرت اور دردمندی سے لکھتے ہیں اس سے ان کی علم دوستی اور اپنی مادری زبان سے والہانہ محبت کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں۔''

(پیش لفظ ''گیسوئے تنقید'' ص:۸)

اسی طرح جب ''پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار'' کے عنوان سے خصوصی شمارہ نکلا تو ہر حلقے میں توقع سے زیادہ اس کی پذیرائی ہوئی۔ اس میں ایسے چشم کشا مضامین اور پرمغز اور بصیرت افروز مقالے شامل تھے کہ ادبی حلقوں میں اس کی پذیرائی اور مدیر کے لیے تحسین وآفریں کے کلمات اور مبارک بادی کے پیغامات، فطری بات تھی۔ اس رسالے کے تنوع اور اس کے منتخب و چیدہ مضامین کی تعریف کرتے ہوئے نامور ادیب پروفیسر حامدی کاشمیری نے لکھا:

> ''......خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اس میں قیمتی مواد کو مرتب کیا ہے۔ جنگ آزادی میں اردو قلم کاروں نے جو تاریخی اور دردمندانہ کردار ادا کیا ہے، اس سے اردو زبان کے قومی، ملی اور تاریخی خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ نے اس ضمن میں جو کام انجام دیا ہے، وہ لائق تحسین ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے ''تمثیل نو'' کو چند سرسری قسم کے مضامین، تکراری غزلوں اور تعریفی خطوط تک محدود نہیں رکھا ہے۔ ..... یوں تو ہر رسالہ ایک واضح پالیسی یا مقصدیت کے تحت بازار

میں آتا ہے اور کسی نہ کسی specialization کے مطابق اپنے مزاج اور تفہیمیت سے سروکار رکھتا ہے لیکن یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ آپ لسانی، تمدنی اور معلوماتی نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کا ادارہ یہ اردو زبان وادب کے حوالے سے تازہ اردو تقریبات، ادیبوں کی کارکردگیوں، معلومات عامہ، اردو اکادمیوں اور اردو جامعات پر تنقیدی نظر وغیرہ کا احاطہ کرتا ہے۔......'' (راہ ورسم ''تمثیل نو'' اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء، ص:۱۹۸)

اس رسالہ کی عمر ۷ ارسال ہوگئی ہے۔ بہت سے رسالوں کی عہد شیر خواری یا عہد طفولت سے نکلتے نکلتے ہی سانس پھولنے لگتی ہے اور وہ طبعی عمر کو پہنچنے سے پہلی ہی لڑکھڑاتے، دم توڑ جاتے اور بہت سے زندہ درگور ہو جاتے ہیں مگر رسالہ ''تمثیل نو'' نے نہ صرف اپنے آپ کو نامساعد حالات میں بھی زندہ رکھا ہے، بلکہ مختلف عہود و ادوار کے تقاضوں کی تکمیل کرتے ہوئے اور نت نئے مطالبات زمانہ پر لبیک کہتے ہوئے میدان ادب میں سرگرم دوسرے افراد و رجال کو بھی زندہ رکھا ہے۔ یک موضوعی مضامین پر مشتمل خصوصی شمارے ''تمثیل نو'' کی پہچان بن گئے ہیں۔ اس کا تازہ ضخیم شمارہ جو'' اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر'' کے عنوان سے منظر عام پر آیا ہے، یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔ اسی عنوان سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ اس رسالے نے اپنے کو صرف ادب وتنقید اور شعر وشاعری تک محدود نہیں رکھا ہے، بلکہ اس نے ثقافت وسیاست اور سماج ومعاشرے کے دوسرے مفید شعبوں کو بھی اپنے دامن میں جگہ دی ہے کہ کسی بھی زبان کا ادب خلا یا ہوا میں پرورش نہیں پاتا، وہ سماج اور معاشرے کے ڈھنی سے ہی آب ودانہ اخذ کرتا ہے۔ اس رسالے کا یہ امتیاز ہے کہ اس نے تحریک ورجحان سے ناوابستگی کو اپنا ہدف مقرر کر رکھا ہے اور کسی ازم یا ادبی گروہ کی شرطوں کی تکمیل کو اپنا نشان راہ نہیں فرض کیا ہے۔ بلکہ اس نے ہر اس موضوع کو اپنے دامن تحریر میں جگہ عنایت کی ہے جس سے ادب وثقافت اور صحافت و سماج کی اصلاح وترقی کا مفید پہلو برآمد ہوتا ہے۔

اس کے جو موضوعاتی شمارے اب تک ادبی حلقوں میں پذیرائی اور تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ وہ اس طرح ہیں۔'' اردو ادب کے رجحان ساز...... شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ، مظہر امام'' (اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء)، '' تاریخ ادبیاتِ عالم، عہد ساز پیشکش'' (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)، '' کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے؟'' (جنوری تا جون ۲۰۰۶ء)، '' متھلا اردو زبان اور تہذیب وثقافت کا ایک قدیم مرکز'' (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء)، '' پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان کا کردار'' (جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء)، '' سہرے

کی ادبی معنویت'' (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء)، ''سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب'' (جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء)، ''بیسویں صدی کے مدبر و مفکر: مولانا ابوالکلام آزاد'' (اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء)، ''ہندوستانی فلمیں اور اردو'' (جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء)، ''اردو کا ہم عصر ادب: ۱۹۸۵ء کے بعد'' خصوصی مطالعہ اور گوشۂ سیّد منظر امام و خورشید اکبر (اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء)، ''موضوع: اکیسویں صدی میں اردو۔نشیب و فراز'' خصوصی مطالعہ اور گوشۂ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ (اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء)، ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' خصوصی مطالعہ اور گوشۂ پروفیسر وسیم بریلوی و یٰسین احمد (اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء)، ''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں'' خصوصی مطالعہ اور گوشۂ صلتو چودھری (جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء)، ''شہر کولکاتا'' خصوصی مطالعہ اور گوشۂ ڈاکٹر سیّد تقی عابدی اور پروفیسر منصور عمر مرحوم (جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء)، ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' (جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء)، اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر'' (جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء)۔ امام اعظم نے صرف شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ اور مظہر امام پر ہی خصوصی گوشہ شائع نہیں کیا، بلکہ بہت سے ایسے گم نام ہیروں کی گرد بھی جھاڑی ہے جو اپنی کُٹیا میں فن کی ریاضت میں مصروف تھے۔

ایک رسالہ جو اپنی عمر کی سترہ بہاریں دیکھ چکا ہو، اس پر تبصرے یا مضامین لکھنا اور لکھوانا ایک فطری امر ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے سارے تبصرے یا بہ الفاظِ دیگر تاثراتی مضامین ''تمثیلِ نو'' کے ارد گرد ہی مرکوز ہیں مگر ان تبصروں کا امتیاز ہے کہ یہ گرچہ ایک ہی رسالے پر مرتکز و ملتفت ہیں، مگر ان تبصروں میں ادب کے جدید تر رجحان پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور ادب گلوب پر ہونے والی ساری سرگرمیوں اور ادبی کارگزاریوں کو احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔ ان تبصروں میں صرف رسمی بات نہیں کی گئی ہے۔ صرف بے مثال، لازوال، اہم اضافہ اور غیر معمولی کارنامہ جیسے رسمی اور تعریفی الفاظ کہہ کر ان تبصراتی تحریروں کو گراں بار نہیں کیا گیا ہے، بلکہ رسالے کے مشمولات و مندرجات پر کھلی فضا میں بحث کی گئی ہے۔ جہاں اس رسالے کے مشمولات کی گردن میں مدح و ستائش کا ہالہ ڈالا گیا ہے، وہیں ان تبصروں کو نقد و بحث کی میزان پر بھی تولا گیا ہے۔ اس کتاب میں شامل تبصروں کو نقد کی میزان پر تولنے سے پہلے ضروری ہے کہ ایک نظر اردو میں تبصروں کی تعریف و تاریخ اور اس کے پس منظر پر ڈال لی جائے۔

....

(ب)

اکیسویں صدی میں تبصرہ اردو کی ایک اہم صنف کے طور پر معروف ومتعارف ہوگیا ہے۔ یہ غیر افسانوی ادب کا اہم اور معتبر جز ہے۔ تبصرہ اور ریو یولکھنا پرانے زمانے میں ادیبوں کا ایک شوق تھا، کلاسیکی عہد میں بھی تقریظ اور تبصرے لکھے جاتے تھے، مگر اس وقت صرف نام ملتا تھا، دام نہیں۔ عہد حاضر میں تبصرہ نگاری کافی مقبول مشغلہ بن گیا ہے کیوں کہ اب نام بھی ہوتا ہے اور کہیں کہیں دام بھی مل جاتا ہے۔ جن تبصرہ نگاروں کا 'عہد عتیق' میں کوئی پرسان حال نہ تھا، وہ اب صلہ اور معاوضہ سے نوازے جانے لگے ہیں۔ اس لیے اس فن میں وہ لوگ بھی کافی دلچسپی لیتے ہیں جو تصنیف وتالیف کے مشغلے سے وابستہ ہوتے ہیں اور وہ قارئین بھی جنھیں اس زبان کے ادب سے تھوڑی بہت شد بد ہوتی ہے، کیوں کہ تبصرہ کے ذریعہ کسی صنف یا دستاویز پر اظہار خیال کا بہترین موقع میسر آتا ہے۔ تبصرہ نگاری وقت گزاری اور تفریح طبع وتفنن قلب کا ذریعہ نہیں رہ گیا ہے۔ اب یہ ایک پروفیشن اور پیشہ کی شکل اختیار کرگیا ہے۔ رسائل وجرائد میں تبصرہ لکھنے والوں کو سر آنکھوں پر بٹھایا جارہا ہے۔ اس روش پر ستی شہرت کے طلب گار مصنفین بھی چل رہے ہیں اور وہ ناشرین اور پبلشر حضرات بھی جو کھرے کھوٹے کی تمیز کے بغیر مارکیٹ میں اپنا مال اتارنا اور بیچنا چاہتے ہیں۔

فی زمانہ تبصرہ نگاری کی دنیا میں ایک انقلاب آگیا ہے، یہ عہد کمپیوٹر کا ہے، ٹکنالوجی کے دوش پر سوار ہے، انسان کو منٹوں سیکنڈوں میں خبروں کی طلب ہوتی ہے، اس لیے کسی کتاب یا رسالہ پر تبصرہ اس کتاب کے لیے تعارف وشناخت کا ایسا زینہ ثابت ہوتا ہے جس پر چڑھ کر وہ مارکیٹ میں اپنا دام اور نام متعین کرتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ ناشر اور پبلشر کو ملتا ہے کہ اس مختصر یا طویل تشہیری عبارت سے کتاب اور رسالہ کی نکاسی میں آسانی ہوتی ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ تبصرہ کیا ہے؟ اس کے حدود اربعہ کیا ہیں؟ اس کی جامع تعریف کیا ہے؟ تبصرے کی شرائط اور ضوابط کیا ہیں؟ اس کی اخلاقی اور علمی اور ادبی حیثیت کیا ہے؟ تبصرہ طویل ہونا چاہیے یا مختصر؟ تبصرہ اور تاثر میں کیا فرق ہے؟ مبصر کے لیے اس فن کا ماہر ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ تبصرہ اور ایک تنقیدی مضمون میں کیا فرق ہوسکتا ہے؟ یہ وہ نکات ہیں، جن کی طرف بعض بزرگ ادیبوں کا نام منسوب کیا جاتا ہے، مگر ان سوالوں کا جواب خود انھی سوالات کے بطن میں مضمر ہے۔ یوں بھی اردو شعر وادب کسی بھی صنف کی تعریف کو اب تک جامعیت کے لقب سے نوازا نہیں گیا ہے۔ ایک ہی صنف کی متعدد تعریفیں ملتی ہیں اور سبھی ماہرین کو اپنی کی گئی تعریف کی صحت پر اصرار ہے کہ پڑھنے والا بھی کنفیوز ہوجاتا ہے۔ ایسے میں گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل۔

''کتاب شناسی'' والے ظ. انصاری ہی نہیں، کلیم الدین احمد اور شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی تبصرہ نگاری کے فن پر اظہار خیال کیا ہے اور اپنی تحریروں میں تبصرہ نگاری کے لوازم اور خصائص اور فی زمانہ تبصروں کے گرتے معیار پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ جہاں شمس الرحمٰن فاروقی نے صرف تبصرہ نگاری کے ایک پہلو یعنی تبصرہ کے اخلاقی مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے کہ تبصرہ کے اخلاقی پہلو میں مبصر قاری اور کتاب تینوں کی شراکت نظر آتی ہے، وہیں کلیم الدین احمد نے اپنے سخت مزاج کے مطابق تبصروں اور تبصرہ نگاروں پر صرف لعنت اور تبرا بھیجا ہے۔ ظاہری بات ہے کہ تین ساڑھے تین صفحہ کے سرسری مضمون میں تبصرہ جیسے پھیلے ہوئے موضوع اور لکھا بھی کیا جاسکتا ہے۔ ان اکابر کی رایوں سے بھی ہم نے استفادہ کیا ہے، اقتباسات انھی کی آرا سے مزین ہیں مگر جہاں تک میں سمجھتا ہوں تبصرہ کا مطلب ہے کسی کتاب یا دستاویز کا ایسا مختصر تعارف جس سے کتاب یا دستاویز کی اہم خصوصیات اور اس کا پس منظر اور اس کی خوبیاں اور خامیاں بھی واضح ہو جائیں اور قاری کو کتاب کی قدر و قیمت کی تعیین میں دشواری نہ ہو۔ تبصرہ ایسا ہو جس میں کتاب، صاحب کتاب، کتاب کا اسلوب، عمومی مزاج، اس کا موضوع اور غرض و غایت سب کچھ چند سطروں میں آشکار ہو جائیں، جس میں صرف مداحی نہ ہو، بلکہ ہلکی پھلکی تنقید بھی ہو جو مصنف اور صاحب کتاب کو اپنی اصلاح پر ابھارے۔ تبصرہ میں تنقید اتنی ہی ہو جتنی کھانے میں نمک کی مقدار ہوتی ہے، ورنہ وہ تبصرہ نہیں اچھا خاصا تنقیدی مضمون بن جائے گا۔ نہ حرف گیری بغرض حرف گیری ہو اور نہ عیب جوئی بغرض عیب جوئی، بلکہ تنقید و تنقیص میں بھی اصلاح و نظر ثانی کا جذبہ موجود رہے۔ بہر حال تبصرہ کی لغوی اور اصطلاحی تعریف بہت سے لوگوں نے اپنے اپنے انداز میں کی ہے۔ تبصرہ کا لغوی معنی تفصیل، تصریح اور تشریح کے ہیں۔ فیروز اللغات میں ہے:

''تبصرہ... (ع۔ا۔مذ) (۱) تنقید، ریویو، نقد و نظر (۲) توضیح، جمع تبصرہ جات۔''

اردو علمی لغت میں یہ لکھا ہے:

''تبصرہ زبرت، جزم ب، زیرص، زبرر، مذکر، ع۔ (لفظاً) کسی کو کوئی چیز دکھانا۔ (مجازاً) اظہار خیال، نقد و نظر۔'' (ص: ۲۶۳)

اردو لغت مرتبہ اردو ڈکشنری بورڈ میں ہے:

''کسی کتاب یا رسالے کو پڑھ کر اس کی خوبی یا خامی کے بارے میں رائے دینا، یا کسی امر یا واقعہ کے بیان میں خوبی اور خامیوں کا ذکر، تبصرہ کہلاتا ہے۔''

پروفیسر گیان چند جین نے تو تقریظ، مقدمہ اور تبصرہ کو تنقید کی ہی مختلف شکل کہا ہے اور یہ کہا ہے کہ مندرجہ بالا تینوں قسموں کو مستقل صنف کی حیثیت دی جا سکتی ہے۔ لکھتے ہیں:

''تقریظ۔ اس کا ماضی میں رواج تھا۔ اپنے ہم عصر مصنف کی کتاب پر اس کے دوست یا مداح کی ستائشی رائے کو تقریظ کہتے تھے۔ یہ بالعموم کتاب کے آخر میں شامل کی جاتی تھی۔ ممکن ہے کوئی تقریظ کتاب کی ابتدا میں رہی ہو لیکن میری نظر سے نہیں گزری۔ تقریظ میں لفاظی، عبارت آرائی اور مصنف یا کتاب کی غیر معتدل، غیر مدلل مداحی پر زور دیا جاتا تھا۔''

(ادبی اصناف، گیان چند جین، ص: ۱۳۵، گجرات اردو اکادمی، گجرات، ۱۹۸۹ء)

پھر مقدمہ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''مقدمہ: اب تقریظ کی جگہ مقدمے نے لے لی ہے۔ یہ کتاب کے شروع میں ہوتا ہے یہ کبھی مصنف ہی کا لکھا ہوا ہوتا ہے، کبھی دوسرے کا۔ یہاں مصنف کا پیش لفظ یا دیباچہ ہماری بحث سے خارج ہے۔ ہم صرف اس مقدمے کا ذکر کر رہے ہیں جو مصنف کے علاوہ کسی دوسرے نے لکھا ہو۔ اس میں مصنف کی سوانح اور تعارف نیز کتاب کی تنقید ہوتی ہے۔ چونکہ یہ فرمائشی تنقید ہے اس لیے اس میں غالب کی طرف داری سے کام لیا جاتا ہے۔

''اگر کسی اہل رائے کو مقدمہ لکھنے کی فرصت یا رجحان نہیں ہوتا تو وہ اپنی مختصر رائے دے دیتا ہے جو کتاب کے فلیپ یعنی گرد پوش کے اندرونی حصے پر درج کر دی جاتی ہے۔'' (ص: ۱۳۵)

اور پھر اخیر میں تبصرہ کے تعلق سے یہ تین جملے لکھتے ہیں، جسے تعریف کے زمرے میں رکھنا بھی مشکل ہے:

''تبصرہ: یہ کسی کتاب پر ریویو ہوتا ہے۔ اردو میں تبصروں کے رسائل بھی نکلتے ہیں اور بعض مجموعے بھی شائع ہوئے۔'' (ص: ۱۳۶)

گیان چند جین نے رواروی سے کام لیا ہے۔ اسی لیے شمس الرحمٰن فاروقی نے اس خلط مبحث پر ناراضگی بھی ظاہر کی ہے۔ ان کی اس ناراضگی کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے یہاں جو رسالوں میں بازاری قسم کے اشتہاری تبصرے لکھے جا رہے ہیں، اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں تبصرہ، تقریظ اور دیباچہ میں فرق قائم نہیں کیا جاتا۔ لکھتے ہیں:

''دراصل ہمارے یہاں تقریظ، دیباچہ اور تبصرہ ایک ہی قبیل کی چیز سمجھ لیے گئے ہیں، بس اس فرق

کے ساتھ کہ تقریظ میں تعریف زیادہ مبالغہ آمیز ہونا چاہیے۔ دیباچے میں تعریف تو ہو لیکن مبالغہ کی آرائش ذرا کم ہو، تبصرے میں تعریف تو دیباچہ نما ہو لیکن ساتھ ہی کتاب کی قیمت، پبلشر کا نام اور دیگر تفصیلات بھی درج ہوں۔ اگر تبصرہ نگار یا مدیر مصنف سے ناراض ہے تو مستقل عنوانات (قیمت، پبلشر کا نام وغیرہ) تو ویسے ہی رہیں۔ بس مبالغہ آمیز تعریف، مضحکہ آمیز تنقیص میں بدل جائے۔"

(شعر، غیر شعر اور نثر، ص:۲۸۵، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء)

کلیم الدین احمد نے تبصرے کو تنقید کی منزل اولیں کہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تبصرہ تنقید کے لیے زینہ ثابت ہوتا ہے مگر تبصرہ اور تنقیدی مضمون میں فرق بھی ہوتا ہے۔ تنقیدی مضمون میں بھرتی کے تعریفی جملے کم ہوتے ہیں، جب کے تبصرہ عموماً بھرتی کے تعریفی جملوں پر منحصر ہوتا ہے۔ اس میں طوالت اور اختصار کو بھی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا کہ تبصرہ مختصر ہوتا ہے اور تنقیدی مضمون مفصل اور مدلل ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں الگ الگ جہان میں پرواز کرتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان باریک فرق ہے۔ ظ. انصاری نے مسٹر سوئزٹن کے حوالے سے لکھا ہے:

"وہی تصنیف جسے تنقید نگار انسانی روح کے اظہار کی حیثیت سے دیکھتا ہے، تبصرہ نگار کے سامنے آتی ہے تو اس کا کام ہوگا دنیا کو آگاہ کرنا کہ آیا یہ کتاب بحیثیت تصنیف فوری اور نپی تلی خوبی رکھتی ہے یا نہیں۔ ناقد ایک فلسفی ہے۔ تبصرہ نگار وہ ہے جو ہاتھ میں ترازو پکڑے بیٹھا ہے۔"

(کتاب شناسی، ص:۴۵)

فاروقی صاحب نے بھی اس کو ذرا پھیلا کر اپنی رواں نثر میں یوں لکھا ہے:

"بنیادی بات یہ ہے تبصرہ نگار کا رویہ نقاد کے رویے سے سے مختلف ہوتا ہے۔ سب سے پہلا فرق تو یہ ہے کہ تبصرہ نگار کا مخاطب بہت فوری اور سامنے کا قاری ہوتا ہے۔ تبصرہ اس لیے نہیں لکھا جاتا کہ اسے دس سال بعد کا قاری پڑھے گا، تبصرہ اس لیے لکھا جاتا ہے کہ جو قاری اس وقت موجود ہے اسے کتاب سے متعارف کیا جائے۔ تنقیدی مضمون کا مخاطب آج [کا] بھی قاری ہوتا ہے اور کل کا بھی۔"

(شعر، غیر شعر اور نثر، ص:۲۹۰)

ممتاز ناقد کلیم الدین احمد نے بھی اپنی مشہور زمانہ کتاب "اردو تنقید پر ایک نظر" میں ساڑھے تین صفحے کا ایک مضمون سپرد قرطاس کیا ہے جس میں تبصرہ نگاری کے منفی پہلوؤں پر اپنی بات مرکوز رکھی ہے۔ ان کا طرز تخاطب یہاں بھی آمرانہ اور ڈکٹیٹرانہ ہے۔ تبصرہ نگاروں پر ڈنڈا لے کر پل پڑے ہیں۔

اور صرف اردو ہی نہیں، مغربی زبانوں میں بھی تبصرہ نگاری کی نچلی سطح پر تنقید کی ہے۔ انھوں نے تبصرہ نگاری کی نچلی سطح اور سستی اور سطحی رائے زنی پر تنقید کرتے ہوئے یہ تک لکھ ڈالا کہ تبصرہ تبصرہ نہیں، ''انجمن تعریف و توصیف باہمی'' کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ حالاں کہ انھوں نے تبصرہ کو ایک فن اور فن تنقید کی ایک شاخ سے بھی تشبیہ دی ہے۔ ان کا یہ کہنا بجا ہے کہ:

''تبصروں میں کتابوں کی جانچ پرکھ اصول تنقید کی بنا پر نہیں ہوتی ہے بلکہ کسی غیر متعلق لیکن زبردست سبب کے ماتحت کتابوں کی تعریف یا تنقیص ہوتی ہے۔''

(اردو تنقید پر ایک نظر، ص: ۳۲۶، بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ، ۱۹۸۳ء)

مزید تبصرہ نگاروں کی علمی کم مائیگی اور ادبی مفلسی کی جانب طنزیہ اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''تبصرہ نگار ''تیسرے درجہ'' کے لکھنے والوں میں ہوتے ہیں۔ وہ خود کوئی آزاد رائے نہیں رکھتے اور نہ کسی آزاد رائے قائم رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے تبصرہ نگار مصنف کے نام سے (اگر وہ معروف و مشہور ہے) مرعوب ہو جاتے ہیں، وہ کسی بااثر پبلشر کی شائع کی ہوئی کتاب کے خلاف لکھنے کی ہمت نہیں رکھتے اور سچ تو یہ ہے کہ جس کتاب پر تبصرہ لکھتے ہیں اس کی خوبیوں اور خامیوں سے واقف ہونے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتے۔'' (اردو تنقید پر ایک نظر، ص: ۳۲۷)

مگر انھوں نے آخری سطروں میں تبصرہ کی تعریف اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر بھی عالمانہ روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے تنقید کے معیار پست کا رونا تو رویا ہے، مگر اپنے مضمون میں تبصرہ جاتی تحریروں کی سطحیت اور غیر علمیت کو آشکار بھی کیا ہے۔ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، اس سے تبصرے کے مقاصد و اہداف پر بھی خاصی روشنی پڑتی ہے:

''تبصرہ کا مقصد ہے کسی کتاب کے جوہر کا پتہ لگانا اور اسے اجمال یا تفصیل کے ساتھ پیش کرنا اور جو کچھ کہا جائے اس سے کتاب کی اہم ترین خصوصیتیں (خوبیاں اور برائیاں دونوں) واضح ہو جائیں یہ اسی وقت ممکن ہے جب صحیح معیار موجود ہوں۔ ان کی عدم موجودگی میں تبصرہ لکھنا گویا ایسا ہے جیسے کوئی اندھا کسی تاریک کمرے میں کسی کالی بلی کا متلاشی ہو جو وہاں موجود نہیں۔''

(اردو تنقید پر ایک نظر، ص: ۲۹-۳۲۸)

ایک دوسرے ناقد رفیع الدین ہاشمی تبصرہ کے تعلق سے لکھتے ہیں:

''تبصرہ مصنف کو حوصلہ بخشتا ہے اور اسے سوچ کے نئے زاویے عطا کرتا ہے اور اسے اپنی تخلیق پر نظر ثانی کا موقع بھی دیتا ہے۔'' (ماخوذ از مضمون ''ادب میں تبصرہ نگاری کی اہمیت'' ڈاکٹر رئیس صمدانی کراچی)

شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی تبصروں کے اخلاقی پہلو پر بحث کرنے کے بعد فی زمانہ لکھے جانے والے تبصروں کے روبہ زوال معیار پر افسوس ظاہر کیا ہے:

''ہماری جدید ادبی صورت حال کا ایک عبرت ناک پہلو یہ بھی ہے ہم ایک طرف تو اپنے اوپر اچھے سے اچھا تبصرہ دیکھنے کے مشتاق رہتے ہیں اور اس کے لیے سعی بھی کرتے ہیں، اور دوسری طرف تبصرے کو اشتہار بازی کی سی گھٹیا چیز بھی کہنے پر مصر رہتے ہیں۔ یہ رویہ خود اعتمادی اور فنی ایمان داری کے فقدان کی دلیل ہے۔ اردو میں آزاد اور بے خوف تبصرہ نگاری کی روایت کے عدم استحکام کی ایک بڑی وجہ یہ [ہے] کہ ہمارے ادیبوں نے اکثر تبصروں سے اشتہار بازی کا کام لیا ہے یا لینا چاہیے۔ چنانچہ اب بھی اگر کسی کتاب پر تعریفی یا تنقیصی تبصرہ ذرا بھی معمول سے ہٹا ہوا نظر آئے تو فوراً یہ افواہ اڑادی جاتی ہے کہ مبصر یا رسالے کا مدیر مصنف کا دشمن ہے یا دوست ہے۔''

(شعر، غیر شعر اور نثر، ص: ۴۸۴، شمس الرحمٰن فاروقی، قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی ۱۹۹۸ء)

ریویو یا تبصرہ نگاری کب شروع ہوئی؟ تبصرے زبانی ہوتے تھے یا تحریری؟ ظاہر سی بات ہے جب سے تحریر کا وجود ہے تبھی سے تبصرہ (تنقید) کا رواج رہا ہوگا۔ عربی فارسی یا انگریزی کی بات اگر چھوڑ دیں تو اردو میں تبصرہ نگاری کی روایت زیادہ مشہور اور مستحکم نہیں رہی ہے۔ ظ۔ انصاری لکھتے ہیں:

''تبصرے زبانی یا تحریری تبھی سے ہوتے ہوں گے جب سے زبانی یا تحریری تصنیف کا وجود ہے، لیکن رسائل اور اخبارات کا وہ ایک اہم جزو بنے ہیں تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے جب کالرج (coleridge) نے تبصرہ نگاری کو مستقل فن کی صورت دی۔'' (کتاب شناسی، ص: ۱۰)

اردو زبان میں جس طرح دوسری ادبی اصناف ناول اور افسانہ وغیرہ نے انگریزی کے راستے سے داخلہ حاصل کیا ہے، اسی طرح تبصرہ نگاری کی بنیاد و رواج میں بھی انگریزی زبان و ادب کا خون ہی شامل رہا ہے۔ کالرج، میتھیو آرنلڈ اور میکالے اولین تبصرہ نگار تھے جنھوں نے انگریزی زبان میں اس نئی طرز تحریر کا سنگ بنیاد رکھا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ عربی زبان میں جس سے ہماری نومولود اردو زبان نے بہت خوشہ چینی کی ہے، انگریزی زبان سے کہیں زیادہ تبصروں کی روایت موجود رہی ہے۔ نہ صرف عربی زبان میں ادبی معرکے ہوتے تھے، بلکہ ادبا اور شعرا کی تخلیقات پر کھل کر رائے زنی بھی ہوتی تھی۔ بے لاگ تبصروں کی بنیاد عربی زبان نے ہی ڈالی ہے۔ اگر عربی کتابوں کے حواشی اور شروحات کو ہی تبصرہ اور تعارف کا پہلا زینہ متصور کرلیا جائے تو پھر عربی میں تبصروں کی روایت سینکڑوں سال پرانی ہو جائے

گی، لیکن اتنا دور نہ جائیے تب بھی عربی زبان میں بیسویں صدی کے آغاز سے ہی مفصل اور باضابطہ تبصرہ نویسی کی روایت ملتی ہے۔ عربی زبان میں جن ادیبوں اور ناقدوں نے تبصرہ و تعارف کی دنیا میں شہرت حاصل کی اور تبصروں کا ایک معیار مقرر کیا، اس میں یہ چند نام تو خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قدما میں ابراہیم الکاتب اور عبدالحمید کاتب کا نام ملتا ہے، وہیں جدید ادیبوں میں جرجی زیدان، طٰہٰ حسین، احمد امین، محمود عقاد، محمد حسین ہیکل، محمد عبدہ، جمال الدین افغانی لطفی السید، مصطفیٰ لطفی منفلوطی، نجیب کیلانی، ابراہیم عبدالقادر مازنی، احمد محرم، رشید رضا مصری، عبدالرحمٰن شکری وغیرہ نے برسوں تبصرہ کے میدان میں طبع آزمائی کی ہے۔ فارسی زبان میں بھی تبصروں کی روایت کا پتہ چلتا ہے، مگر یہ عربی کی طرح مستحکم اور منضبط و ثروت مند نہیں۔ خیر معاملہ کچھ بھی ہو، انگریزی زبان نے تبصروں کے میدان میں اردو زبان کو انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا۔ اگر چہ اردو میں انگریزی زبان کے ہم پلہ تبصرے نہیں لکھے گئے کہ اردو زبان کے ادیبوں اور ناقدوں میں یہ یارا کہاں کہ وہ بے لاگ اور دوٹوک اپنی رائے کا اظہار کر سکیں اور مصنف و ناشر کا عتاب جھیل سکیں، جس زبان میں ابتدا سے ہی درباروں اور امرا کی کوٹھیوں میں تملق و چاپلوسی کا کام لیا جاتا رہا ہو، جس زبان میں مثنوی کے بجائے قصیدوں کا دبدبہ رہا ہو، اس میں حقیقت نگاری کی بنیاد رکھنا بڑا مشکل کام تھا۔

تبصرہ اور تعارف لکھنا ایک مجبوری بھی ہے اور ایک فن بھی۔ نہ صرف مجبوری کے ہتھیار کے سامنے آدمی سپر انداز ہوتا ہے، بلکہ فن کی لاج رکھنا بھی ایک فنکار اور ادیب کا کام ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اردو کے بڑے بڑے ادیبوں نے تبصرے لکھے ہیں۔ اردو کی تاریخ میں شاید ہی کوئی ایسا شاعر و ادیب گزرا ہو جس نے کتابوں اور رسالوں پر تبصرے نہ لکھے ہوں۔ کبھی فن آڑے آتا ہے تو کبھی تعلقات نبھانے پڑتے ہیں۔ تبصرہ اس مروجہ شکل میں نہ سہی، تقریظ اور مقدمہ نویسی سے کسی کو بیر نہیں رہا ہے۔ تقریظ اور مقدمہ تبصرہ کا ہی ایک اور نام ہے۔ تقریظ میں تبصرہ اور تنقید کو ہی بعبارت دیگر پیش کیا جاتا ہے۔ اولین تبصرہ نگاروں میں مرزا غالب کو بھی شامل کیا جاتا ہے، کیوں کہ انھوں نے سرسید کی ''آئین اکبری'' پر جو فارسی تقریظ لکھی تھی، جس کو سرسید نے شامل اشاعت نہیں کیا، وہ تبصرہ ہی تو تھا اور فارسی کلیات پر غالب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی تبصرہ کے ہی ذیل میں آتا ہے۔

اردو میں مروجہ تبصروں کی بنیاد ان لوگوں کے ہاتھوں رکھی گئی جو مغربی زبان و ادب سے واقف تھے۔ اردو میں جن مرحوم رسالوں نے تبصرہ نگاری کی دنیا میں اپنا امتیاز پیدا کیا اور تبصروں کو ایک نئی صنف

کے طور پر متعارف کرایا، اس میں چند رسالے خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ قدیم رسائل میں مخزن، اردوئے معلیٰ، اودھ پنچ، دل گداز کا نام نہ لینا ادبی خیانت ہوگی مگر ان رسالوں کے مدیر اعلیٰ درجے کے ادیب و شاعر تھے، ان کا تخلیقی و تنقیدی شعور بالیدہ تھا، اس لیے ان رسالوں میں صرف معمولی رائے زنی نہیں کی گئی، بلکہ اعلیٰ پایے کے تبصرے لکھے گئے۔ تبصروں کی اس روایت کو بعد کے رسالوں معارف، جامعہ دہلی، برہان دہلی، ہمایوں اور ادبی دنیا لاہور، ساقی دہلی وغیرہ نے استحکام بخشا۔ اور اب تو جتنے بھی رسالے شائع ہو رہے ہیں، اس میں تبصروں کو خاص اہمیت دی جا رہی ہے کہ یہ حلقۂ یاراں کی توسیع میں ممد و معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اب تو صرف تبصروں پر مرکوز رسائل بھی اہتمام سے نکل رہے ہیں۔ ہندوستان سے ''اردو بک ریویو'' اور سرحد پار سے مجلّہ ''نقطۂ نظر'' کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔ اس دور میں اردو کے سارے رسالوں اور اخبارات میں تبصروں کے لیے کالم اور مستقل باب مخصوص ہوتا ہے۔ تبصروں کے باب کے بغیر اردو رسالے کا تصور کرنا محال ہے۔ جس 'آج کل' میں ظ۔ انصاری کو ایک تبصرے میں ساڑھے نو روپے ملتے تھے، اسی 'آج کل' میں چند سطری تبصرہ نگاروں کی خدمات میں ۷۵۰ روپے پیش کیے جاتے ہیں۔ اس سے تبصروں کی اہمیت اور قدر و قیمت میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق، سر عبدالقادر، حسرت موہانی، مولانا الطاف حسین حالی، نیاز فتح پوری، مولانا عبدالماجد دریابادی، شاہد احمد دہلوی، ظ۔ انصاری، آل احمد سرور، حسن عسکری، رشید حسن خان، فرمان فتح پوری، خلیل الرحمٰن اعظمی، وحید اختر، ماہر القادری، جمیل الدین عالی، وہاب اشرفی، کلام حیدری، محمد حسن، وارث علوی، وزیر آغا، اسلوب احمد انصاری، شمس الرحمٰن فاروقی، کوثر مظہری اور حقانی القاسمی اردو کے اہم اور بڑے تبصرہ نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان میں سے کئی کے ضخیم تبصراتی مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ مولانا حالی کو تبصرہ نگاری میں مہارت تامہ حاصل تھی۔ حافظ محمود شیرانی نے بھی بڑے معرکۃ الآرا تبصرے لکھے ہیں۔ مولوی عبدالحق کا ادبی مزاج تحقیق و تدوین کے جن عناصر سے تشکیل پایا تھا، اس کے سبب ان کے تبصرے بھی بلند مقام کے حامل رہے ہیں۔ اب تک اردو میں جن اہم لوگوں کے تبصرے کتابی شکل میں شائع ہو کر اردو دنیا میں اپنی اہمیت منوا چکے ہیں، ان میں یہ چند نام تو مشہور ہیں۔ ظ۔ انصاری کے تبصروں کا مجموعہ 'کتاب شناسی'، شمس الرحمٰن فاروقی کا 'فاروقی کے تبصرے'، کلام حیدری کا 'برملا'، آل احمد سرور کا 'آل احمد سرور کے تبصرے'، وہاب اشرفی کا 'نکتہ نکتہ تعارف'، 'شناخت اور ادراک معنی'، مولانا عبدالماجد دریابادی کا 'تبصرات ماجدی'، مظفر حنفی کا 'جائزے'، ماہر القادری کا 'ماہر القادری کے تبصرے'،

ہاشم قدوائی کے تبصرے (۲رجلد)، علیم اللہ حالی کا 'بیاں اپنا'، پروفیسر ظفر حبیب کا ''المیزان''، بدر محمدی کا 'امعانِ نظر'، علیم صبا نویدی کا 'متاع شعروادب'، الیاس احمد اعظمی کا 'کتابیں'، سہیل انجم کا 'مطالعات'، ڈاکٹر ہمایوں اشرف کا 'معنی نما'، ڈاکٹر کوثر مظہری کا 'بازدید اور تبصرے'، صفدر امام قادری کا 'نئی پرانی کتابیں'، انوار الحسن وسطوی کا 'نقوش قلم' اور 'رشحات قلم'، ڈاکٹر آفتاب عالم صدیقی کا 'نمائق'۔ مگر یہ سوال بھی بجا ہوگا کہ ان مذکور الصدر مبصرین میں کتنے لوگوں نے تبصروں کے ساتھ انصاف کیا؟ ان میں سے کتنے لوگوں نے تبصروں کے لیے مطلوب شرائط و کوائف کی پاس داری کی؟ اگر کلیم الدین صاحب زندہ ہوتے تو خدا جانے کیا لکھتے۔ ان میں بھی کچھ تبصرے حقیقت پسندی کی میزان پر تول کر لکھے گئے ہیں کہ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں، نام لینا کیا ضروری ہے۔ اور یوں بھی تبصرے کو تنقید کا پہلا زینہ کہا گیا ہے اور جب ہماری تنقید ذاتی تعصبات و نجی تحفظات کے عیب سے مبرا اور منزہ نہیں ہے تو پھر تبصرے کس قطار و شمار میں آتے ہیں۔ خوبیوں اور خامیوں کا اعتراف ہر کسی نے کیا ہے۔ ان میں سے ظ. انصاری کی تبصرہ نگاری تو بہت ہی مشہور ہے۔ انھوں نے اپنے تبصروں بعنوان 'خدالگتی' میں کھری کھوٹی سنانے کی روایت ایجاد کی۔ ورنہ ان سے پہلے (اگر اردو کے اکابر کا استثنا کر دیجیے جو کسی مالی منفعت کے حصول اور شہرت و نام وری سے گریزاں رہ کر تبصرے اور ریویو قلم بند کرتے تھے)، تبصرے مدلل اور مکمل مداحی کے زمرے میں ہی آتے تھے۔ تبصرہ نگاری کے میدان میں بہت سے لوگوں نے دوست کم بنائے دشمن زیادہ پالے، کیوں کہ تبصرہ نگاری وہ پل صراط ہے جس پر سے سلامت گزرنا دل گردے کا کام ہے۔ حقیقت بیانی کیجیے تو پبلشر کا عتاب نازل ہوگا، مصنف بھی لٹھ لے کر دوڑ سکتا ہے۔ اسی لیے ظ. انصاری نے اپنے تبصروں کے مجموعے کے شروع میں اس تجرباتی حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:

''تبصروں سے مصنفوں کو خفا زیادہ کیا ہے، خوش کم، لیکن جو خوش ہوئے ان کے کارنامے اردو دنیا پر روشن ہیں یا ہو جائیں گے۔'' (کتاب شناسی، ص:۹)

ظ. انصاری نے تبصروں کے لیے بہت سی شرائط، یا کہیے کہ گائیڈ لائن تیار کرنے کی بھی وکالت کی ہے۔ تبصرہ نگار کا مقام و مرتبہ کیا ہے؟ وہ ناقد ہے، وہ تعارف نویس ہے، وہ مصنف کا گائیڈ ہے یا کچھ اور، لکھتے ہیں:

''تبصرہ نگار تو مصنف اور پڑھنے والے کے درمیان ایک ہمدرد منصف بن کر آتا ہے جس کی نگاہ قضیہ کے تمام سیاہ و سپید پر ہونی چاہیے، اگر وہ بیچ کی مسل یا فائل گم کر دے، حوالے کے نام بھول جائے

یا خلط ملط کر دے، جیسے ہم کسی محفل میں اچانک اپنے مخاطب کا نام بھول جاتے ہیں یا کنوارے سے اس کے بال بچوں کی خیریت پوچھنے لگتے ہیں تو اسے دوہری شرمندگی ہوگی۔ دونوں فریقوں کی نظر میں ہکی۔"
(کتاب شناسی، ص: ۳۰)

افسوس کا مقام ہے کہ اس وقت اردو میں تبصرے وہ لوگ زیادہ تر لکھ رہے ہیں، جن کے اندر بد قسمتی سے تنقیدی شعور اور تحریری وفور نہیں ہوتا۔ ہر شخص ہر کتاب پر تبصرہ لکھنے کو اپنا پیدائشی فرض گردان رہا ہے۔ اس کو علم عروض اور شعر و شاعری سے کوئی مناسبت نہ ہو، وہ نہ مطلع کا شعور رکھتا ہو اور نہ مقطع کو جانتا پہچانتا ہو، تب بھی وہ شعری دواوین پر تبصرہ کرنے کا جوکھم مول لے لیتا ہے۔ اس کو تاریخ کی الف باسے واقفیت نہ ہو مگر وہ سستی شہرت اور چند ٹکوں کے لیے تاریخی کتابوں پر اپنی رائے تحریر کرنے لگتا ہے۔ مبالغہ آمیز تعریف و تحسین سے ہمیں گریز اور انحراف نہیں، مگر ہر بات میں استدلال و استنباط کی روشنی ہونی چاہیے۔ اپنی بات کو مدلل کرنے کے لیے دوسری کتابوں اور اس سے ملتی جلتی دوسری تحریروں کا مطالعہ بھی ہونا چاہیے۔ موضوع سے آگہی اور اس کی سوجھ بوجھ شرط اولیں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ استدلال کی بات ہم نے ہی نہیں کی، پروفیسر کوثر مظہری نے بھی اس کی حمایت کی ہے، انھوں نے بلا جواز یا استدلال کے کسی کتاب کی مبالغہ آمیز تحسین و تعریف کو ریت کے ڈھیر سے تشبیہ دی ہے۔ کوثر مظہری صاحب نے مولانا حالی کا اقتباس نقل کرنے کے بعد لکھا ہے:

> "یہاں جونکتہ تبصرے اور تنقید کے لیے مساوی طور پر اہمیت کا حامل ہوسکتا ہے وہ ہے طریقۂ استدلال، یعنی یہ کہ جس طرح کسی کتاب کی تحسین یا تنقیص دونوں صورتوں میں طریقۂ استدلال کی اہمیت ہوتی ہے، اسی طرح کسی بھی موضوع پر تنقیدی اظہار رائے کے لیے طریقۂ استدلال کی اہمیت ہوتی ہے۔ اگر کوئی دعوا کیا گیا اور بغیر استدلال کے کیا گیا اور اگر استدلال کیا بھی گیا تو نہایت ہی لچر انداز میں، تو اس دعوے کو اعتبار حاصل نہیں ہوسکتا۔"

(بازدید اور تبصرے، ص: ۱۶، عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ۲۰۱۳ء)

ہر مصنف کے اپنے تعصبات اور اس کی ترجیحات ہوتی ہیں، مگر ان تعصبات اور ترجیحات میں فن کی آبرو کو لٹا دینا دانشمندی کی بات نہیں ہوسکتی۔ ہمارے یہاں لوگوں نے تبصروں پر سرسری باتیں تو لکھیں مگر اس کے اصول اور شرائط پر زیادہ بات نہیں کی۔ لے دے کے ظ۔ انصاری ہی بچتے ہیں، جنھوں نے اپنی مشہور زمانہ کتاب (کتاب شناسی) پر مقدمہ لکھتے ہوئے تبصرہ کے لیے ضروری اصول و آداب بھی شمار

کرائے ہیں۔ انھوں نے تبصرے کو چار اہم رجحانوں میں منقسم کیا ہے۔ تحقیقی تبصرے، تنقیدی تبصرے، تعبیری تبصرے اور تکلف برطرف تبصرے۔ ظاہری بات ہے کہ انھوں نے اپنے مزاج کے اعتبار سے یہ تقسیم کی ہے۔ اس تقسیم کی دوسری اور تیسری..... شکل بھی ہو سکتی ہے۔ پھر انھوں نے تبصرہ نگار کے کام کے ذیلی عنوان سے جو نکات اٹھائے ہیں، اس میں بھی تبصروں کی تقسیم ہی تو کی گئی ہے۔ جیسا کہ اگلی سطور سے اندازہ ہوگا۔ چوں کہ تبصرہ تنقید کی ہی ابتدائی شکل ہے، اس لیے تنقیدی تبصرے کی تعریف کا اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لکھتے ہیں:

> ''جو کسی اہم اور بحث طلب تصنیف کے ہر پہلو سے بحث کرکے، اس کے علمی اور جمالیاتی پہلو کبھی لپیٹ کر، کبھی بے رو رعایت بیان کرے اور اصل تصنیف کی خامیاں اور خوبیاں جتانے میں خود اس کی ترمیم و تکمیل کر دے۔'' (ص:۳۱)

اس میں کئی باتیں قابلِ غور ہیں۔ مثلاً یہی کہ تبصرہ نگار اپنی منصبی ذمہ داریوں کی ادائیگی کرتے ہوئے، خامیاں اور خوبیاں گنوانے کا ادھیکار تو رکھتا ہے، مگر اس تصنیف کی ترمیم و تکمیل کس طرح کر سکتا ہے، یہ چونکانے والی بات ہے۔ پھر مصنف اور مبصر میں کیا فرق رہ جائے گا۔ مگر تبصرہ اور تبصرہ نگاری کے تعلق سے انھوں نے اپنے ۴۸ر صفحات پر مشتمل مقدمہ میں بہت سی کام کی باتیں لکھی ہیں، جو تبصرہ نگاری کے میدان میں نو آموزوں کے لیے ٹارچ کا کام دے سکتی ہیں۔ انصاری صاحب کی ان باتوں سے تو اتفاق کرنا ہی پڑے گا کہ مدح سرائی نہ تبصرے کا عیب ہے نہ ہنر، مصنف کے نوٹ اور دیباچہ سے یہ اندازہ کر لینا چاہیے کہ تصنیف کس حلقے، کس عمر، کس ذوق اور معیار والے کے لیے ہے۔ تبصرہ اسی نسبت سے گرم یا نرم رہے۔ تبصرہ نگار کو یہ بھی نظر میں رکھنا چاہیے کہ صاحب تصنیف نیا ہے، یا پرانا۔ دونوں کا تعارف کرانا اچھا ہے۔ مصنف کے پچھلے کارناموں سے زیرِ تبصرہ کارنامے کو جوڑ کر اس کی نمایاں خوبی یا خامی گنائی جا سکتی ہے۔ بے شمار کتابیں، ان گنت مضامین، اتھاہ گہرائی، بے مثال حسن، لاجواب انشا پردازی، بے پناہ قوت، بے انتہا قابلیت قسم کے فالتو الفاظ کی گردان سے بچنا لازم ہے۔ وہ تعریف و تنقیص میں غیر جانب دار رہے۔ موضوع، متن، اسٹائل اور دوسری تفصیلات سے آگاہی دینا بھی مبصر کے فرائض میں شامل ہے۔ تبصرے میں تبصرہ نگار خود کو اتنی ہی نمایاں کرے جتنا کتاب کے تعارف کے لیے اس کی چھان بین + ناپ تول + جانچ پڑتال یا یوں کہیے کہ مرتبان پر قیمت وغیرہ کا لیبل لگانے کے لیے لازم ہے۔ انھوں نے ''تبصرہ نگار کا کام'' کے ذیلی عنوان سے جو فرمودات قلم بند کیے ہیں، وہ فنِ تبصرہ نگاری کے لیے منشور کی حیثیت رکھتے ہیں:

- اول کتاب کا عام پڑھنے والے سے تعارف کرانا، اگر تعارف پر بس کیا گیا تو یہ تعارفی تبصرہ ہوگا۔
- دوسرے کتاب میں سے اس کا مرکزی خیال، اور یجنل پہلو، انکشاف یا اضافہ چن کر دکھانا، اسے اجاگر کرنا، اگر اسی پر بس کیا جائے تو یہ تفسیری تبصرہ ہوگا۔
- متعلقہ معلومات کی نشاندہی کرتے ہوئے پہلے کی ہم موضوع تصانیف اور تحریروں سے تقابلی مطالعہ کرنا۔ حوالوں اور اقتباسوں سے اسے آراستہ کرنا، ہمدرد اور رفیق بن کر کم آزار لفظوں میں مصنف پر [بلکہ پڑھنے والوں پر] کوتاہیاں جتانا، ان کے ازالے کی تدبیر بجھانا، یہ ایک بھرپور علمی تبصرہ ہوگا۔
- کتاب میں خود کو گم کر کے، اس کی روح کے ہمراز ہو کر منظر عام پر ابھرنا۔ خوبیوں اور خامیوں میں جو مصنف سے زیادہ دوسروں کے کام کے نکتے ہوں، انھیں اپنے طور پر اچکانا، مصنف کے نقطۂ نظر کی وضاحت کے ساتھ ہی کتاب کی قدر و قیمت ظاہر کر دینا اور اس طرح کہ کتاب کے مطالعے کا اُکساہٹ ہو، اس سے اکتاہٹ نہیں، یہ تاثراتی اور تعمیری تبصرہ ہوگا۔

....

(ج)

''تمثیلِ نو'' پر مضامین، تبصروں، رایوں اور اشاریہ کا یہ مجموعہ سابقہ تبصراتی مجموعوں سے ذرا مختلف بھی ہے اور متنوع بھی۔ اردو میں کسی ایک نثر نگار کے شخصی تبصروں کے مجموعے ہر دور میں شائع ہوئے ہیں اور روز اس قسم کی کتاب کا اردو کے کیٹلاگ میں اضافہ ہو رہا ہے، مگر زیر نگاہ ان تبصروں کا سب سے بڑا امتیاز و انفراد یہ ہے کہ یہ سارے تبصرے ایک ہی رسالے ''تمثیلِ نو'' کے مختلف شماروں کے مشمولات پر مرکوز ہیں۔ اردو میں نئے پرانے رسالوں کے اشاریے تو بہت تیار ہوئے ہیں، کئی رسالے جو ابھی نوعمری کے مرحلے میں ہیں، ان پر ایم فل کے تحقیقی مقالے بھی لکھے گئے ہیں، مگر کسی ایک رسالے پر جس کی عمر ابھی سولہ سترہ سال سے متجاوز نہ ہو، اس کے مختلف شماروں پر اہل نظر اردو داں کے اتنے سارے تبصرے اور مضامین اپنے آپ میں ایک ریکارڈ ہے اور دوسروں کے لیے محرک اور مشعل راہ بھی۔ ان تبصروں سے تحقیق و تنقید کے میدان میں کام کرنے کے نئے انداز و اسلوب کی راہ کھلے گی اور یہ بھی کہ ایک ہی مضمون کو سو ڈھنگ سے کس طرح مرقوم کیا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ تبصرے تبصرے نہیں ہیں، بلکہ جامع پر مغز مضمون اور جائزاتی مقالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کئی تبصرے صرف مداحی اور ستائش کی نذر ہو گئے ہیں کہ یہ بھی خاص قسم کے تبصروں کا مزاج اور شناخت ہے، مگر بہت سے تبصروں نے تنقیدی رخ اپناتے ہوئے شمارے میں شامل مضمون اور

مشمولات کے کمزور پہلو کی نشان دہی بھی کی ہے۔ اور ہم نے ایمان داری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے، ان تبصروں میں کوئی کانٹ چھانٹ بھی نہیں کی ہے کہ کڑوا کڑوا تھو تھو اور میٹھا میٹھا ہپ ہپ کا مصداق بن جائے۔

یہ تبصرے منظوم بھی ہیں اور منثور بھی۔ طویل بھی ہیں اور مختصر بہت مختصر بھی۔ مطالعہ کرنے پر معلوم ہوگا کہ منثور تبصرے زیادہ بھرپور، چشم کشا اور معلومات افزا ہیں کہ وزن وقافیہ کی بندشوں سے آزاد عبارت میں کھل کر اظہار رائے کا موقع ملتا ہے۔ منثور تبصرہ کرنے والوں میں ایک ہی تبصرہ نگار کے کئی کئی تبصرے بھی شامل ہیں، مگر سب کا رنگ الگ اور سب کا ذائقہ مختلف ہے۔ بچید انند سنہا کالج اورنگ آباد (بہار) کے صدر شعبۂ اردو پروفیسر قاسم فریدی نے تو کل اکیس شماروں کو اپنا مرکز تحریر بنایا ہے۔ یہ ان کی ذاتی دلچسپی اور ذوق تحریر پر منحصر کرتا ہے۔ تبصروں کا مقصد تعارف و مختصر تجزیہ ہوتا ہے جس سے کتاب اور رسالے کی خوبیاں اور خامیاں واضح ہو جائیں، ان تبصروں میں بھی یہ سارے عناصر جلوہ گر ہیں۔ 'اچھا برا، ہلکا اور وزنی' ہر قسم کا مال اس شاپ میں موجود ہے۔ ایک دو تبصرے صرف نام شماری تک محدود ہیں، کسی تحریر یا صنف پر تنقیدی تجزیاتی اظہار خیال نہیں کیا گیا ہے، کیا کیجیے گا، ہر آدمی کا اپنا ظرف ہوتا ہے۔ بس یہ سمجھ لیجیے نا کہ جس طرح مدیر محترم نے اپنے رسالے میں نئے اور نو آموز قلم کاروں کی حوصلہ افزائی اور ان کی اصلاح و تربیت کے مقصد سے کچی پکی تحریروں کو شامل کرلیا ہے، اسی طرح یہ کچے پکے تبصرے بھی 'خیال خاطر احباب' کے تحت شامل کر لیے گئے ہیں۔ تمثیل نو کے مبصرین میں ہما شما شامل نہیں، بلکہ اردو کے بڑے بڑے نام ہیں، جن سے یہ بزم تبصرہ تشکیل پاتی ہے۔ مضمون نما تبصرہ نگاروں میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر قاسم فریدی، پروفیسر سلیمان اطہر جاوید، پروفیسر ثوبان فاروقی، نقشبند قمر نقوی بخاری، پروفیسر وہاب قیصر، پروفیسر مجید بیدار، حقانی القاسمی، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر فیاض احمد وجیہ، رفیق شاہین، جاوید ہمایوں، ڈاکٹر محسن جلگانوی، حلیم صابر، ڈاکٹر ریحان غنی، انوار الحسن وسطوی، عارف حسن وسطوی، سلمان عبدالصمد وغیرہ اردو ادب کے وہ ستارے ہیں جن کی شمولیت کسی بھی تحریر یا تقریب کو وقار و اعتبار عطا کرتی ہے۔ ان تبصرہ نگاروں نے حروف کا طوطا مینا نہیں بنایا ہے، صرف لفظوں کی کرتب بازی نہیں دکھائی ہے، بلکہ تعریف وستائش کے ساتھ اپنی تحریروں کو تنقید و تبصرہ کے تقاضوں سے بغل گیر کر دیا ہے۔ مختصر تبصرہ نگاروں کی محفل میں بھی خلیق انجم، ظہیر غازی پوری، پروفیسر قمر جہاں، اسد رضا، فاضل حسین پرویز، ڈاکٹر اسلم جمشید پوری، حماد انجم، احمد جاوید اور عبدالقادر شمس جیسے نمایاں چہرے شامل ہیں۔ "تمثیل نو" پر لکھنے والوں میں ممتاز صحافی، کالم نویس اور ادیب آں جہانی خشونت سنگھ (۲۰۱۵-۱۹۱۵ء)

بھی ہیں، جنھوں نے اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۳ء کے شمارے کی صرف ایک نظم سے متاثر ہو کر جو کچھ لکھا تھا اور جو اس وقت انگریزی روزنامہ "دی ٹیلی گراف" کولکاتا، "دی ٹریبون" جالندھر اور "دکن ہیرالڈ" بنگلور کی بھی زینت بنا تھا، وہ بہت سی طویل تحریروں پر بھاری ہے۔ ڈاکٹر سرور کریم کا جو طویل تحقیقی وتنقیدی مقالہ شامل کتاب ہے، وہ ان کی حال ہی میں شائع کتاب "دربھنگہ کا ادبی منظر نامہ: ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی و صحافتی خدمات کے حوالے سے" ماخوذ ہے۔ یہ ایک بھرپور اور مفصل مضمون ہے، جس سے بیک نظر "تمثیل نو" کے آغاز وارتقا اور اس کا سولہ سالہ تحریری سفر نظر کی اسکرین پر گھوم جاتا ہے۔ اخیر میں نوجوان شاعر و ادیب شاہد اقبال کا اشاریہ بھی شامل کتاب ہے، کیوں کہ رسائل وجرائد اور ڈائجسٹ ومجلّات کے انبوہ میں شامل تحریروں تک رسائی میں اشاریہ خضر راہ کا کام کرتا ہے۔ اس اشاریہ میں قلم کاروں کے ناموں کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی اشاریہ سے پہلے اشاریہ سازی کے فوائد ومحاسن اور اشاریہ سازی کی تاریخ کو بھی باختصار احاطۂ تحریر میں لایا گیا ہے۔

ان تبصروں میں جہاں نرم وشائستہ لہجے میں تعریف کی گئی ہے کہ یہ تبصروں کا مابہ الامتیاز عنصر ہے، وہیں کہیں کہیں تنقید کا سنجیدہ روپ بھی اختیار کیا گیا ہے اور محتاط انداز میں قلم کاروں کو اصلاح کی رائے بھی دی گئی ہے۔ ڈاکٹر قاسم فریدی نے اپنے ایک تبصرے (شمارہ مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء) میں اس طرح "تمثیل نو" کی خدمات کو الفاظ کا پیکر عطا کیا ہے، جس میں مدح وستائش کا عنصر تو غالب ہے، مگر حقیقت بیانی سے متصف ہے:

> "رسالہ "تمثیل نو" صوری ومعنوی اعتبار سے خوب سے خوب تر ہے۔ آپ نے ایک معیاری ادبی رسالہ شائع کیا ہے۔ اس کے بیشتر مندرجات نے متاثر کیا ہے۔ یقیناً آپ ادبی صحافت کی نئی شیرازہ بندی اور معیار سازی میں نمایاں کردار انجام دے رہے ہیں۔"

قاسم فریدی نے رسالے کے مشمولات پر تنقید بھی کی ہے۔ جنوری-مارچ ۲۰۰۲ء کے شمارے میں شامل سید احمد قادری کے ایک مضمون پر اس طرح تبصرہ کیا ہے:

> "سید احمد قادری کا مضمون "ذوقی کا ناول 'ذبح' کا تجزیاتی مطالعہ" ناول کے بیشتر اقتباسات پر مشتمل ہے۔ تجزیاتی نقوش واضح نظر نہیں آتے مگر جہاں جہاں سید احمد قادری نے فنکارانہ احتساب کرنے کی کوشش کی ہے وہاں ان کا تنقیدی موقف زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ قادری ایک مستند اور معتبر ادیب ہیں اس لئے قاری ان کے تجزیے اور محاکے میں فن پارے کی امتیازی خصوصیات کے نمایاں ہونے کی توقع رکھتا ہے۔"

اسی شمارے میں شامل جوگندر پال کے افسانچے کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جوگندر پال کا افسانچہ ''نہیں رحمٰن بابو'' وحدت تاثر کی جلوہ گری سے یکسر خالی ہے۔ اس شمارے میں ''راہ ورسم'' کے تحت جوگندر پال کا ایک خط شامل ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''نہیں رحمٰن بابو'' کے عنوان کے تحت چھ نئے افسانچے حاضر ہیں۔ اگر مدیر نے ان چھ افسانچوں کو بیک وقت شامل کرلیا ہوتا تو رائے قائم کرنے کا موقع فراہم ہوتا۔''

اسی طرح اپریل-جون ۲۰۰۲ء کے شمارے میں یوں خامہ فرسائی کی ہے:

''نگار عظیم کی کہانی ''بیل'' ایک عورت کی محرومی اور نا آسودگی کی المناک داستان ہے۔ جوگندر پال کے افسانچے دیرپا تاثر نہیں رکھتے۔ ان میں وہ چچویشن بھی موجود نہیں ہے جو افسانچے کو زندگی کی رمق عطا کرتا ہے۔''

اسی طرح جولائی-ستمبر ۲۰۰۳ء کے شمارے پر تبصرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''پروفیسر شائق احمد یحییٰ کے مضمون نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ ان کے مضمون کے مطالعہ سے قاری کی طبیعت میں سیر وسیاحت کا عنصر داخل ہوتا ہے اور وہ ان مقامات کی سیر کے لیے آمادہ ہوجاتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحسن نے ڈاکٹر منظر حسین کی کتاب پر محض تبصرہ لکھا ہے جسے مضمون کے خانے میں رکھا گیا ہے۔...... ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''ایک لہر نئی'' میں کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ پرانے خیالات کو بار بار دہرانا کہاں کی دانش وری ہے۔ ساختیات، پس ساختیات، تخلیقیت پسندی اور موضوعیت وغیرہ پر عالمانہ گفتگو واقعتاً ضروری ہے مگر ان کے حوالے میں مغربی افکار کا جو تسلط ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحریر میں نظر آتا ہے وہ ان کے مضمون کو بوجھل بنا تا ہے۔ ایس۔ ایم۔ ابوذر نے شموئل احمد کی کہانی ''ایڈس'' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے مگر انہوں نے عجلت پسندی سے کام لیا ہے۔''

اور لوگوں نے بھی صرف رواداری میں تبصرے قلم بند نہیں کیے ہیں۔ بلکہ متن کے عمق میں اتر کر اس کے بطن سے ابھرنے والے معانی سے مکالمہ قائم کیا ہے۔ مشمولات پر ایمان داری اور دیانت داری کے ساتھ اظہار خیال کیا ہے۔ انھوں نے کلیم الدین احمد کے بقول 'انجمن تعریف وتوصیف باہمی' تشکیل نہیں کی ہے۔ امریکہ میں مقیم نقشبند قمر نقوی بخاری نے انشائیہ کے انداز میں جو تبصرے قلم بند کیے ہیں، وہ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کردیتے ہیں۔ ''تمثیل نو'' (جولائی ۲۰۱۶-۲۰۱۷ء) کے شمارہ پر تبصراتی مضمون لکھتے ہوئے کہتے ہیں:

''شاعری کو چارہ سمجھ کر سب ہی...اشرف المخلوقات... چرنے لگے ہیں درآں حالیکہ ان میں سے شاعر واقعی کم ہیں۔ الفاظ بھی عجیب شئے ہیں، اول تو ان کا استعمال ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں، اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ زبان داں ہیں ان کی زبان اس بری طرح، بیان کے دامن کو ہ پر بے ساختہ پھسلتی ہے کہ لڑھکتی چلی جاتی ہے، اور خود ان کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ جو دوسروں کی تحریروں سے نقل مار کر بڑی دقیق اردو رقم فرما رہے ہیں، وہ ان کی زبانی مفلسی کی آئینہ دار ہے، آپ کے رسالے میں ایک مضمون میں یہ اتفاق بہت نمایاں ہے، مجھے اپنی جان پیاری ہے کسی کا نام نہیں لیتا۔ اس سارے بیان سے آپ یہ فرض کر لیں... یعنی فرض کر لیں... آخر فرض کرنے میں حرج ہی کیا ہے... کہ میں ہر شعر کی تعریف کر رہا ہوں۔''

اسی تبصرے میں انشائیہ نما کے انداز میں یہ تنقیدی طرز تخاطب کہ:

''آپ نے جو مصاحبے منعقد کیے وہ اچھے ہیں۔ نواز دیو بندی اور احمد سعید ملیح آبادی کے نام میں نے نہیں سنے تھے۔ اس میں میری ہی کم علمی کا دخل ہے۔ وہ سب تو بین الاقوامی سطح پر جانے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم ہر شاعر اور ادیب اب کس سبب سے بین الاقوامی شہرت کا حامل ہونے لگا ہے، بلکہ بعض شعرا کے لئے تو یورپ یا امریکہ کے کسی مشاعرے میں شرکت گویا ایک سند امتیاز بن گئی ہے۔''

رفیق شاہین نے بھی اپنی زبان و بیان کو حقیقت سے ہم رشتہ رکھا ہے۔ اکتوبر-دسمبر کے شمارہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''فاروق راہب کی کہانی ''کرفیو'' اچھی تو ہے لیکن کہانی کار کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی اپنی کہانی ''ہائی جیکرز'' میں خوبصورت، حسین مریضہ کو دوشیزۂ اردو سے تعبیر کرتے ہیں وہ بھی بغیر جواز کے۔ وہ مریضہ کو اردو اور وہاں موجود ڈاکٹروں کو اغوا کار گردانتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ دوشیزہ اردو ہی کیوں یہ دوشیزہ پنجابی بھی تو ہو سکتی ہے اور یہ ڈاکٹر ڈاکٹر نہ ہو کر سیاست داں جو اس دوشیزہ کو قتل کرے ووٹ بینک کے سہارے اقتدار پر قبضہ جمانے کے خواہاں ہیں۔ جواز نہ وہاں ہے نہ یہاں۔ معاملہ گمان کا ہے جب کہانی گمان پر ٹکی ہوگی تو اس میں حقیقت کہاں سے آئے گی۔''

کس کس تبصرے سے مثالیں دی جائیں، اقتباسات نوٹ کیے جائیں، ایک دفتر درکار ہوگا، حقیقت یہ ہے کہ دوسرے تبصرہ نگاروں نے بھی عدل و انصاف کا دامن تھامے رکھا ہے۔ مبالغہ آمیز تعریف کے پل نہیں باندھے ہیں۔ نظریاتی جبر اور شخصی پسند و ناپسند سے اوپر اٹھ کر متن سے مخاطبہ کیا ہے اور تبصرہ اور تنقید کے درمیان مساوات اور مماثلت پیدا کرنے کی ہمت دکھائی ہے۔

فی زمانہ مقدمہ یا پیش لفظ کسی بھی کتاب کے لیے لازمی شے بن گیا ہے۔ یہ لفافہ دیکھ کر خط پہچاننے کا کام کرتا ہے اور موضوع و مواد کے ہجوم میں قاری کی ادبی رہ نمائی کا کام بھی کرتا ہے کہ قارئین کے لیے اور بھی کام ہیں زمانے میں محبت کے سوا۔ کسی بھی کتاب کے لیے مقدمہ یوں بھی ضروری ہے کہ مشتاق احمد یوسفی نے لکھا ہے: ''کوئی کتاب بغیر مقدمہ کے شہرت عام اور بقائے دوام حاصل نہیں کر سکتی بلکہ بعض معرکتہ الآراء کتابیں تو سراسر مقدمہ کی چاٹ میں لکھی گئی ہیں۔'' ترتیب و تدوین کاری سے مجھے بیر نہیں رہا، ہم نے اس سے پہلے بھی کتاب ترتیب دی ہے، مگر مولانا محمد ولی رحمانی کی طرح ناچیز کو بھی مقدمہ بازی اور مقدمہ نویسی دونوں سے کوئی خاص مناسبت نہیں۔ ہاں رسالوں اور اخبارات میں تبصرے اور تبصرے نما تنقیدی مضامین ضرور لکھے ہیں، جنھیں گیان چند جین کی زبان میں تنقید کی ہی ایک شاخ متصور کر لیا جائے تو کیا برائی ہے۔ تبصرہ نگاری من وجہ میری مجبوری بھی ہے اور مطالعہ و مراقبہ، لکھنے لکھانے اور پڑھنے پڑھانے کا ایک معقول بہانہ بھی۔ جب تک پریشر اور خارجی دباؤ نہ ہو، آدمی اتنا سہل نگار واقع ہوا ہے کہ وہ کسی کام پر آمادہ نہیں ہوتا۔

''تمثیل نو'' پر تحریر کیے گئے ان تبصروں اور تاثراتی تنقیدی مضامین کے مجموعہ پر میری یہ تحریر بس اشتہار کی سی حیثیت رکھتی ہے، جس میں مبالغہ آمیز تعریف تو نہیں، ہاں حقیقت بیانی کا عنصر ضرور شامل ہے۔ جو کچھ ہے، وہ ان قلم کاروں کا اثاثہ ہے، جنھوں نے ''تمثیل نو'' پر اپنے ذہن و قلم کو حرکت دی ہے۔ میں تو ترتیب و تقدیم کے شارٹ کٹ کے ذریعے انگلی کٹا کر شہیدوں کی صف میں شامل ہو گیا ہوں۔ نہ میں ناقد ہوں اور نہ تبصرہ نگار بس ادب کا ادنیٰ طالب علم رہا ہوں، جو ادب کو ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت یا کسی اور عینک سے نہیں، بلکہ افادیت اور غیر افادیت کے آئینے میں دیکھنے کا عادی رہا ہے۔ تو یہ تبصرے جمع کر کے مزید چند ٹوٹی پھوٹی سطریں اس لیے لکھ دی ہیں کہ مجھے اسی بہانے کچھ پڑھنے کا موقع مل جائے اور یہ تبصرے بھی چراغ خانہ کی بجائے شمع انجمن بن جائیں اور ایک جگہ جمع ہو کر گرد و غبار کی غذا بننے سے محفوظ ہو جائیں۔ ورنہ مقدمہ کے لیے جو علمیت، خبریت، صلاحیت اور قابلیت درکار ہے، اس سے میں یکسر عاری ہوں۔ مشتاق یوسفی کی بات اگر مان لی جائے تو مقدمہ وہ لوگ لکھتے ہیں جو پڑھے لکھے ہوتے ہیں مگر اس عہد میں جون ایلیا کے بقول وہ لوگ لکھ رہے ہیں جنھیں پڑھنا چاہیے تھا۔ یہ جملہ میں ہی کیا بہتوں پر صادق آتا ہے، مگر کیا کروں کہ یہ ڈاکٹر امام اعظم کا حسن ظن ہے کہ انھوں نے مجھے

''تمثیل نو'' پر شائع تبصروں اور تبصرہ نما مضامین کی ترتیب وتقدیم کا اہم کام سپرد کرنے کے قابل سمجھا ورنہ میں کہاں اور کہاں یہ نکہت گل۔ یہ چند صفحاتی مقدمہ بھی انہی کے امر وحکم کا زائیدہ ہے۔ کتاب بغیر مقدمے کے بھی مارکیٹ میں آسکتی تھی۔ مقدمہ دو تین صفحہ کا بھی لکھا جا سکتا تھا، مگر یہاں مجھے وہی خدشہ لاحق تھا کہ لوگ مجھ پر یہ تبرا بھیجیں گے کہ بغیر متن دیکھے ہی مقدمہ لکھ مارا ہے۔ سو میں نے ان تبصروں کو غور سے پڑھا، ان سے ضروری اقتباسات نوٹ کیے کہ یہ صرف تبصرے نہیں، تنقیدی مضمون کے زمرے میں آتے ہیں۔ بہت سے تبصرے تو اتنی گہرائی اور تعمق کے ساتھ لکھے گئے ہیں کہ ان پر مضمون کیا، مقالے کا گمان ہوتا ہے۔ یہ تبصرے ترقی پسندوں کی طرح ہم میں حرکت، ہنگامہ اور بے چینی کی فضا بھی پیدا کرتے ہیں۔ ان تبصروں کی زبان بھی انتہائی رواں، شستہ اور سلیس ہے۔ ان کے بیانیہ کا تانا بانا بڑا دل چسپ ہے۔ بعض تبصرے تو انشائیہ کا رنگ وروپ لیے ہوئے ہیں۔ ظ۔ انصاری نے جو یہ کہا ہے کہ تحریر سکڑے تو تبصرہ اور پھیلے تو تنقیدی مضمون۔ سو اس مجموعے میں بھی دونوں قسم کی تحریریں یعنی تبصرے اور تنقیدی مضامین مل جائیں گے۔

قارئین سے ایک اور التجا کرنی ہے کہ صرف یہ مقدمہ پڑھ کر سانس نہ توڑ دیں، کیوں کہ مولانا حالی مرحوم ومغفور کے مقدمہ کے بعد تو کچھ نہیں ہے، جس کو مطالعہ کی نظروں سے گزارا جائے کہ انھوں نے نہ جانے کس خیال میں مقدمہ لکھ کر قلم توڑ دیا، مگر یہ مقدمہ تو صرف چند صفحاتی ہے اور اصل مال تو مقدمہ کے بعد ہی ہے۔ یہ مقدمہ اتنا لمبا بھی نہیں ہے کہ اگر نکال دیا جائے تو حالی کی ''مقدمہ شعر وشاعری'' کی طرح صرف سرورق باقی رہ جائے۔

مضامین، تبصروں، رایوں اور اشاریہ کا یہ مجموعہ ''تمثیل نو: ادبی صحافت کا نقش'' باذوق قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ امید ہے کہ انھیں کچھ کام کی چیز اس میں مل جائے گی۔ تبصرہ کیسے کیا جاتا ہے، اس کے آداب وشرائط کیا ہیں، اس فن کا بھی اندازہ ہوگا اور یہ بھی کہ ایک ہی موضوع ومضمون کو مختلف الفاظ وحروف کے قالب میں کس طرح پیش کیا جا سکتا ہے۔ اگر یہ سطریں پسند نہ آئیں، تو معذرت کے ساتھ غالب کا یہ مصرع نظر میں رکھیں کہ:

سیر کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

موضع: اجرا، مدھوبنی (بہار) — (ڈاکٹر) ابرار احمد اجراوی

□□□

• ڈاکٹر سرور کریم

''تمثیلِ نو'': ایک تجزیاتی مطالعہ

دربھنگہ میں اردو صحافت کی ایک مستحکم روایت رہی ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ہی اس کے اولین نقوش ملتے ہیں۔ حکیم ابوالحسنات ناصر دہلوی نے ۱۹۰۴ء میں ادبی رسالے ''مسیحا'' کا اجرا کیا۔ یہ دربھنگہ سے شائع ہونے والا پہلا ادبی رسالہ تھا۔ 'مسیحا' کے علاوہ پروانہ، البدر، ہمالہ، الہدیٰ، نئی کرن، صبح زندگی، افق، رفتارِ نو، توازن، آوازِ نو، آگ کا دریا اور دیگر رسالوں نے نہایت آب وتاب سے دربھنگہ کے صحافتی افق کو منور کیا لیکن ان رسالوں میں تواتر اور تسلسل کی کمی رہی نیز ان کی حیات بھی مختصر ثابت ہوئی۔ اپنی محدود زندگی اور مخصوص دائرہ کار کے باوجود ہر رسالے نے دربھنگے میں ادبی صحافت کے فروغ اور ارتقا میں اپنا کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر امام اعظم نے بھی اس ارتقائی سفر میں اپنی حصہ داری ثابت کی ہے۔ انہوں نے ۱۹۸۷ء میں غیر اردو دانوں میں اردو کا ذوق بیدار کرنے کے لئے ہندی رسم الخط میں ایک فولڈر ''تمثیل'' کا اجرا کیا جس کے نو شمارے شائع ہوئے۔ اس فولڈر کی ہندی اردو حلقوں میں کافی پذیرائی ہوئی۔ فولڈر ''تمثیل'' کے علاوہ وہ مختلف رسالوں کی ادارت سے بھی وابستہ رہے ہیں۔ جن میں سہ ماہی رسالہ ''توازن'' مالیگاؤں، ''دوردیس'' امریکہ و کراچی اور ہندی ماہنامہ ''انچھر گندھا'' (سمستی پور) خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۲۰۰۱ء میں امام اعظم نے اپنے ہندی فولڈر ''تمثیل'' کو اردو رسم الخط میں ماہنامہ ''تمثیلِ نو'' کے نام سے زیادہ ترقی یافتہ شکل میں جاری کیا۔ اس رسالے نے دربھنگہ کی ادبی صحافت کی روایت کی توسیع کی ہے۔ یہ رسالہ پوری آب وتاب کے ساتھ اب تک جاری ہے بلکہ اپنی قوت نمو کو ثابت کرتا ہوا بتدریج ارتقا پذیر ہے۔ ''تمثیلِ نو'' کا پہلا شمارہ ۶۵ صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ شمارہ چار مضامین، ایک افسانہ، کچھ افسانچے، ایک انشائیہ، چند غزلیں نظمیں، تین کتابوں پر تبصرے اور ایک مختصر اداریہ پر مبنی تھا۔ ''تمثیلِ نو'' کا حالیہ شمارہ جلد ۱۲، شمارہ ۱۵ تا ۲۶ (اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء) ۳۲۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ ۴۵ صفحات پر مشتمل اداریہ کے علاوہ اس کے مشمولات میں ۳۲ مضامین، دو انشائیے، تین افسانے، دو خودنوشت، ۵۹ نظمیں غزلیں اور ۴۹ کتابوں پر تبصرے شامل ہیں۔ ''تمثیلِ نو'' کے اولین اور حالیہ شمارے کے موازنے سے اس رسالے کے دائرہ کار کی وسعت اور اردو دنیا میں اس کی مقبولیت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ امام اعظم

نے ''تمثیل نو'' کو بدلتے ادوار سے ہم آہنگ رکھنے کی کوشش کی ہے اور اسے صوری و معنوی دونوں اعتبار سے خوب سے خوب تر بنانے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ چنانچہ ''تمثیل نو'' کے ہر شمارے میں کچھ نہ کچھ نئی تبدیلیاں محسوس کی جاسکتی ہیں۔ ۲۰۰۵ء سے اس رسالے کو موضوعاتی پیرہن عطا کیا گیا جس کی وجہ سے اس میں نیا رنگ و آہنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ دسمبر ۲۰۱۰ء سے موضوعات کے علاوہ رسالے میں شخصی گوشے بھی شامل ہونے لگے۔ اب اس رسالے کا سرکولیشن کافی وسیع ہو چکا ہے۔ اندرون ملک کے علاوہ اس رسالے کی پہنچ بیرون ملک تک ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دربھنگہ سے شائع ہونے والا یہ پہلا رسالہ ہے جس کی ترسیل اردو کے عالمی گاؤں تک ہے۔ ''تمثیل نو'' میں نہ صرف قومی اور بین الاقوامی ادیبوں کی تخلیقات شائع ہوتی ہیں بلکہ اس میں دربھنگے کے ادیبوں کی خاطر خواہ شمولیت رہتی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے نئے لکھنے والوں کی بھی حوصلہ افزائی کی اور ''تمثیل نو'' کے صفحات پر ان کی تخلیقات کو جگہ دی ہے۔ ''تمثیل نو'' کا ایک اہم وصف یہ ہے کہ اس کے مشمولات میں اکثر و بیشتر دربھنگہ کے ادبی منظرنامے کا کسی نہ کسی جہت سے مطالعہ موجود رہتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ''تمثیل نو'' نے نہ صرف اس خطے میں ادب کی فضا سازی کی ہے بلکہ اردو کے ہمہ جہت فروغ میں بھی اہم رول ادا کیا ہے۔

''تمثیل نو'' کی ادارت امام اعظم کی شناخت کا ایک اہم حوالہ ہے۔ اپنے اس جریدے کے توسط سے انہوں نے اردو کے عالمی منظرنامے پر بحیثیت صحافی اپنی ایک مستحکم پہچان قائم کی ہے۔ یوں تو اس رسالے سے قبل اور بعد میں بھی دربھنگہ سے کئی رسالے شائع ہوتے رہے ہیں لیکن جس تواتر اور تسلسل سے یہ رسالہ شائع ہو رہا ہے، وہ یقیناً امام اعظم کی لگن اور صحافتی انہماک کا ثبوت ہے۔ مشمولات کی فکر انگیزی اور تنوع نے اہل قلم اور ناموران ادب کو ''تمثیل نو'' کی جانب متوجہ کیا ہے۔ پروفیسر قمر رئیس نے لکھا ہے:

> ''ڈاکٹر امام اعظم سے میری شناسائی زیادہ قدیم نہیں۔ لیکن ان کے جریدے 'تمثیل نو' اور تنقیدی نگارشات کے وسیلے سے جو قربت پیدا ہوئی وہ بڑی معتبری اور الگ سی لگتی ہے۔ شاید اس لئے کہ ان کی عمر کے بیشتر اردو اساتذہ اور قلم کاروں میں مجھے ایسی توانائی، جوش اور صلاحیت کا احساس نہیں ہوتا۔ امام اعظم صاحب صرف متحرک اور مستعد ہی نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اپنی توانائیوں کو کس مصرف میں لائیں؟ اردو زبان کی ترویج و ترقی اور تدریسی کاموں کے علاوہ وہ ایک معیاری مجلہ 'تمثیل نو' کی ادارت کے صبر آزما مشغلہ میں بھی فعال رہتے ہیں۔ یہی نہیں نہایت محنت اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس کے خاص نمبر نکالتے رہتے ہیں۔ مثلاً متھلا دیس کی تہذیبی اور ادبی و علمی سرگرمیوں اور اداروں کو انہوں نے جس جانفشانی اور سلیقہ سے متعارف

کرایا ہے وہ سچ مچ ایک دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔" (پیش لفظ: "گیسوئے تنقید" ص: ۷)

مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

"آپ کا رسالہ مجھے پسند ہے کہ قابل مطالعہ تحریریں، عام رسالوں کی نسبت زیادہ ہوتی ہیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آپ کے ہاں کی ادبی سرگرمیوں کا بھرپور اندازہ ہو جاتا ہے۔"

(راہ و رسم: "تمثیل نو" جلد: ۴ شمارہ ۱۵-۱۶ ص: ۱۱۹)

منظر شہاب کا خیال ہے:

"...... ہر شمارہ پہلے سے بہتر ہے۔ آپ کی محنت اور خوش ذوقی دونوں نے متاثر کیا ہے۔ خوب سے خوب تر کی جستجو بلکہ دیوانگی ہر شخص میں نہیں ہوتی ہے۔ یہ قدرت کا عطیہ ہے۔ اور آپ اس سے نہ صرف گرانقدر مصرف لے رہے ہیں بلکہ دوسروں کو بھی مستفید کر رہے ہیں۔......" (ایضاً جلد ۱، شمارہ ۵ ص: ۸۹)

منظر شہاب مزید فرماتے ہیں:

"تمثیل نو، کا تازہ شمارہ ملا۔ دن بہ دن اس کے حسن میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ہر نیا شمارہ دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ جیسے احاطہ کی چھوٹی سی پھلواری میں ہر صبح کوئی نیا پھول نظر آ جائے۔ ویسی ہی خوشی حاصل ہوتی ہے۔ تخلیقات جاندار ہیں۔ آپ نے کوہ بے ستوں سے جوئے شیر لانے کا فن کہاں سے سیکھا ہے؟......"

(ایضاً جلد ۳ شمارہ ۹ ص: ۸۴-۸۵)

"تمثیل نو" کی ایک اہم خصوصیت اس کے وقیع اداریے ہیں۔ اداریہ وہ تحریر ہوتی ہے جس میں رسالے کی پالیسی اور مدیر کے ذاتی افکار و نظریات کی عکاسی ہوتی ہے۔ ایک اچھا مدیر عصری رجحانات اور مسائل پر مثبت انداز سے روشنی ڈالتا ہے اور اس کی یہ بھی کوشش ہوتی ہے کہ منطقی اور استدلالی طور پر قاری کو اپنے افکار و نظریات سے متاثر و متفق کر سکے۔ ایک باشعور اور بالغ نظر مدیر تعصب اور جانبداری سے پرہیز کرتا ہے اور وہ موضوع پر اختلاف رائے کو مناظراتی انداز میں پیش کرنے کی بجائے اپنی بات مدلل انداز میں پیش کرتا ہے۔ 'تمثیل نو' کے اداریے اپنے موضوعاتی تنوع اور فکر انگیزی کے سبب وقعت اور اہمیت کے حامل ہیں۔

"تمثیل نو" کے اداریے عموماً تین عنوانات کے تحت ہوتے ہیں: مجھے کچھ کہنا ہے، ادبی و ثقافتی خبریں اور وفیات۔ 'مجھے کچھ کہنا ہے' کے ذیل میں امام اعظم اردو کے تعلق سے عصری مسائل اور رجحانات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ 'ادبی و ثقافتی خبریں' قومی اور بین الاقوامی سطح پر ادب کی تازہ ترین سرگرمیوں

اور ادبی صورت حال کا تفصیلی احاطہ کرتے ہیں۔ 'وفیات' کے کالم میں علمی، ادبی، ثقافتی شعبے سے وابستہ افراد کی وفات پر ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اظہار تعزیت کی جاتی ہے۔ ''تمثیل نو'' کے پہلے شمارے میں اداریے کا انداز مختلف تھا۔ یہ اداریہ ''سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے'' کے عنوان سے قلمبند کئے گئے ہیں۔ لیکن دوسرے شمارے سے امام اعظم نے اداریے کو مخصوص عنوان ''مجھے کچھ کہنا ہے'' سے تحریر کرنا شروع کیا۔ تیسرے شمارے سے اداریے میں ''وفیات'' کے کالم کا اضافہ ہوا۔ ''تمثیل نو'' کے چوتھے شمارے سے اداریے کے دائرہ کار میں وسعت نمایاں ہونے لگی۔ اب ادبی وثقافتی خبریں بھی اداریہ کا حصہ قرار پائیں۔

''تمثیل نو'' کے پہلے اداریے سے ہی مدیر کی اردو سے والہانہ دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ گلوبلائزیشن کے اس عہد میں اردو ادب کو نئی صورت حال سے ہم آہنگ کرنے کی تڑپ ملتی ہے۔ اس اداریے میں ادب کی صالح روایتوں کے احترام کیساتھ نئے تقاضوں کی خیر مقدمی کا رویہ بھی ملتا ہے:

''ہم اکیسویں صدی میں داخل ہو چکے ہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا استقبال کرنے پر مجبور ہیں۔ کیونکہ حالات تیزی سے بدل رہے ہیں۔ نئی صدی میں نئے نئے سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔ ہمیں ان مسائل سے نبرد آزما بھی ہونا ہے اور انہیں حل بھی کرنا ہے۔ اب ہم کسی محدود معاشرے کے بجائے ایک عالمی معاشرہ کے فرد کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ایسی صورت میں ہمارے ادیب اور فنکار خود کو نئے سانچے میں ڈھال رہے ہیں، نئے انداز اور زاویے سے سوچ رہے ہیں اور اپنے ادب پارے میں نئے عالمی معاشرے کی تصویر کشی کر رہے ہیں کہ یہی وقت کا تقاضہ ہے لیکن اس انداز کے ساتھ ہم نہ تو ادبی روایات کو ہی فراموش کر سکتے ہیں اور نہ ہی نئے تقاضوں سے چشم پوشی کر سکتے ہیں۔''

(''سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے'' (اداریہ) ''تمثیل نو'' دربھنگہ، مارچ تا مئی ۲۰۰۱، ص: ۳)

اس اداریے سے رسالے کے مزاج کے سلسلے میں مدیر کی حکمت عملی بھی سامنے آتی ہے اور کسی بھی مکتبہ فکر کے نظریاتی جبر سے آزادی کا واضح اظہار بھی ہوا ہے۔ مدیر کو اس بات کا احساس ہے کہ رسالے یا جریدے جس ذوق وشوق سے منظر عام پر آتے ہیں، نکاسی کی کمی کی وجہ سے جلد ہی ان کی اشاعت کا سلسلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس ضمن میں وہ اردو کے ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس دلانا چاہتے ہیں کیونکہ ادب کی بقا اور اس کے فروغ کے لئے ادبی رسائل وجرائد کا زندہ رہنا لازمی ہے۔

اردو زبان وادب کے فروغ، اس کے استحکام اور ترویج واشاعت کی ذمہ داریوں کا احساس امام اعظم

کے اداریوں کا جزو لاینفک ہے۔ وہ اپنے اداریوں میں بار بار قارئین کو بھی ان کے فرائض کی جانب متوجہ کرتے رہتے ہیں۔ ان کی نظر اردو کے عالمی گاؤں پر بھی ہے جہاں اردو کی ترویج واشاعت کے سلسلے میں کوششیں ہو رہی ہیں۔ اس تناظر میں وہ اردو کو اس کے اہم مراکز میں سرد مہری کا شکار ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں:

''اردو زبان وادب کے فروغ اور اس کی بقا کے لئے اب یہ ضروری ہوگیا ہے کہ ادیب وفنکار اور قارئین ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوکر اردو کی آبیاری کے لئے جان کی بازی لگادیں۔ کیونکہ گذشتہ نصف صدی سے مسموم ہوائیں اس زبان کی شاداب شاخ کو مرجھانے کے در پے ہیں۔...... دوسری طرف اس زبان کی ترویج و اشاعت کیلئے عالمی پیمانے پر جدوجہد چل رہی ہے۔...... اردو کے فروغ کے لئے تحریکیں بھی چل رہی ہیں اور بین الاقوامی سطح پر اردو کے مثالی اسکولوں کے قیام کی بھی کوششیں ہو رہی ہیں۔...... یہ باتیں خوش آئند ہیں، لیکن کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری سرد مہری کی وجہ سے خود ہمارے یہاں اس زبان کے پڑھنے والے عنقا ہو جائیں۔'' (''مجھے کچھ کہنا ہے......!'' سہ ماہی 'تمثیل نو' دربھنگہ جون تا اگست ۲۰۰۱ء، ص:۳)

امام اعظم اردو کی بقا کی جدوجہد میں اہل اردو کی شرکت کے متمنی رہتے ہیں۔ وہ ان خطرات اور تعصبات کی جانب بھی اردو داں طبقے کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کرتے ہیں جو آزادی کے بعد برسر اقتدار طبقہ نے اردو پر اپنی تہذیب اور زبان کو مسلط کرنے کی کوشش کے طور پر کیا ہے۔ اس پس منظر میں وہ کہتے ہیں:

''اردو کو ملک بدر کرنے کی تیاریاں زور شور سے چل رہی ہیں۔ اس لئے ہمیں اگر اپنی زبان، اپنی روایت اور اپنی تہذیب سے محبت ہے تو پھر اردو زبان کی بقا کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔''

(ایضاً، ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء، ص:۳)

امام اعظم نے اپنے رسالے ''تمثیل نو'' کو کسی مخصوص نظریے کی ترویج کا آلہ کار یا ترجمان بنانے کی کوشش سے پرہیز کیا ہے۔ ان کے خیال میں اس طرح کی پابندی یا جبر تخلیقی عمل کے فطری نمو میں مزاحم ہوتی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''جس عہد میں یہ رسالہ نکل رہا ہے اس میں مختلف نظریات، رجحانات اور تحریکات کا ملا جلا عکس ضرور نظر آتا ہے اور اسے خالص ادبی کرنے کی کوشش ایک طرح کی نئی تحریک یا میلان کو بڑھاوا دینا ہوتا ہے۔ مگر ہم ایسا نہیں کرنا چاہتے کیونکہ تحریکات اپنی مدت تک اچھی لگتی ہیں، میلانات ایک خاص طبقے اور نظریے تک پسند کئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک بڑا ادبی کام جسے منظر عام پر آنا چاہئے نہیں آسکتا۔ اس

لئے اس طرح کا Free Axis ہم نے ''تمثیل نو'' کے لئے چھوڑ رکھا ہے تا کہ ادیب و فنکار آزادانہ طور پر بغیر کسی لیبل کے تخلیقات پیش کرتے رہیں۔ یہی ہمارا مقصد اور یہی ہماری خدمت ہے۔''

(ایضاً ''تمثیل نو'' جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء، ص:۴)

امام اعظم اردو زبان سے والہانہ لگاؤ رکھتے ہیں۔ اردو زبان و ادب کی ترویج و اشاعت کی جانب سے بے اعتنائی کا عمومی رویہ انہیں ذہنی اذیت سے دوچار کرتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اردو زبان سے بے اعتنائی کا مسئلہ خطرناک حد تک پہنچ گیا ہے۔ زبان سے بے اعتنائی نہ صرف حکمراں طبقہ برت رہا ہے بلکہ پورا سماجی ڈھانچہ اس میں شریک ہے۔ سیاسی اور سماجی صورت حال کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات تسلیم کرنا ہوگی کہ اردو کی خدمت جہاں مدرسوں اور مسجدوں کے ذریعے ہو رہی ہے وہیں ادبی اور ثقافتی طور پر الکٹرونک میڈیا کا بھی اہم رول ہے۔ اس سچائی کو قبول کرنے سے کسی کو پریشانی نہیں ہونی چاہئے کیونکہ ہر زبان کے ساتھ ایسا وقت آتا ہے جب اس کی ادبی اپیل کم ہو جاتی ہے۔ اس ادبی اپیل کے کم ہو جانے کا ذمہ دار محض سیاسی اور سماجی ڈھانچہ نہیں ہے۔ اس سسٹم میں ہر وہ فرد جو اپنے کو دانشور کہتا ہے یا دانشور ہے وہ بھی ذمہ دار ہے۔ ...... کیا اردو زبان کے دانشور ادیب اور شاعر اس ضمن میں کبھی سوچتے ہیں۔ کیا کبھی ایسا تحریری احتجاج کا نقشہ ملک گیر پیمانے پر کسی پلیٹ فارم کے ذریعے تیار کیا گیا ہے۔ کیا حکومت تک اپنی ناراضگی کا اظہار کیا گیا ہے، کیا اردو سے بے اعتنائی کے سلسلے میں جمہوری انداز سے احتجاج کی صورت پیدا کی گئی ہے۔ ......'' (''مجھے کچھ کہنا ہے!'' ''تمثیل نو'' اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء، ص:۳)

اردو زبان کی یہ صورت حال انہیں بے چین تو کرتی ہے لیکن مایوس نہیں۔ انہیں اردو زبان کے تئیں بے اعتنائی کے اندھیرے میں بھی امید کی کرن نظر آتی ہے:

''بہر حال اس سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس صورت حال سے نپٹنے کی تیاری کرنے کی ضرورت ہے اور ادبی حلقے میں اس بحث کو مزید ذمہ دار طریقے سے جاری رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس سے ہم اپنی کمیوں کا تجزیہ کر سکتے ہیں اور آنے والے وقتوں میں اپنی زبان کی حفاظت، اہمیت اور افادیت کی باتیں اپنے لوگوں تک پہنچا سکتے ہیں۔ امید ہے کہ ان باتوں کو دانشورانہ رنگ دیا جائے گا اور صحتمندانہ رجحان کو فروغ دینے کی کوششیں ہوں گی۔'' (ایضاً)

اردو زبان ایک شیریں اور لطیف ترین زبان ہے۔ اس زبان کی اسی خصوصیت نے اسے عوام میں مقبولیت عطا کی اور یہی اس کی بقا کا ضامن ہے۔ ہماری عدم توجہی کے باوجود اگر یہ زبان زندہ ہے تو

اپنے اسی وصف کی بنا پر لیکن امام اعظم کے خیال میں اردو کی ترویج و اشاعت محض 'یوم اردو' کے اہتمام اور جلسوں و مشاعروں کے انعقاد سے ممکن نہیں ہے بلکہ ان کی رائے میں:

''اردو سے سچی ہمدردی یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں میں اردو کے چلن کو عام کریں۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا استعمال کر کے گرد و پیش کے ماحول کو متاثر کریں۔ اردو کے اخبارات و رسائل خرید کر اس کو استقامت عطا کریں اور اپنے بچوں کی زبان اور تلفظ پر توجہ مبذول کرتے ہوئے ابتدائی دنوں میں ہی اس کی اصلاح کر دیں۔'' (''مجھے کچھ کہنا ہے......!'' تمثیل نو جلد ۳ شمارہ ۲ ص: ۳)

امام اعظم کے ان اداریوں میں اپنی زبان سے گہرے جذباتی لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔ وہ نہایت سنجیدگی سے اردو کے مسائل پر اپنے خیالات پیش کرتے ہیں اور اردو داں طبقے کو متحرک کرنے کے لئے صدائے جرس بلند کرتے ہیں۔ امام اعظم کے اداریوں کے اس امتیازی وصف کو محسوس کیا گیا ہے۔ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

''تمثیل نو کے اداریے ڈاکٹر امام اعظم جس انہماک، وسیع مطالعہ اور غور و فکر کے ساتھ قلمبند کرتے ہیں اور اردو دنیا کے مسائل اور سرگرمیوں کا احوال جس تنقیدی بصیرت اور دردمندی سے لکھتے ہیں اس سے ان کی علم دوستی اور اپنی مادری زبان سے والہانہ محبت کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں۔''

(پیش لفظ ''گیسوئے تنقید'' ص: ۸)

''تمثیل نو'' کے ابتدائی شماروں سے ہی امام اعظم کا ادارتی سلیقہ نمایاں ہوتا ہے۔ انہوں نے سنجیدہ علمی اور فکری مضامین کو اپنے رسالے میں اولیت دی ہے۔ ان مضامین کے انتخاب سے نہ صرف امام اعظم کی ترجیحات کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ ان کا حسن ترتیب بھی ظاہر ہوا ہے۔ ایسے مضامین میں دربھنگے میں اردو ادبی صحافت (مظہر امام)، دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ (پروفیسر حافظ عبدالمنان طرزی)، نئی سمت، نئے تقاضے (محمد سالم)، ایک لہر نئی نئی (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، متھلانچل میں قومی یکجہتی (ڈاکٹر شاکر خلیق)، قبر حضرت ایوبؑ (پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن)، ہستی پور...... ماضی کے آئینے میں (ڈاکٹر انیس صدری)، اکیسویں صدی میں اردو تحقیق کو درپیش چیلنجز (پروفیسر محمد محفوظ الحسن)، نواب میر عثمان علی خان آصف جاہ سابع کے دور اقتدار میں تعلیمی اور علمی ادارے (ڈاکٹر مجید بیدار)، صنعت حرفیہ (عبدالمنان طرزی) گیتا میں صحائف کے مضامین (اسرار اکبر آبادی)، اردو افسانے پر علاقائی لسانی اثرات (ڈاکٹر نسیم احمد نسیم)، انڈومان نکوبار کے قدرتی مناظر (پروفیسر حافظ شائق احمد یحیٰ)، اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت

(منصور عمر)، شعریات کوئی منجمد چیز نہیں ہے (جمال اویسی) وغیرہ بے حد اہم ہیں۔

ابتدائی دور کے ''تمثیل نو'' میں ان تنقیدی و تحقیقی مضامین کے علاوہ شخصیات اور تخلیقات کے مطالعے پر مبنی مضامین بھی کثیر تعداد میں ملتے ہیں۔ ایسے مضامین میں سید احمد شمیم: بے در و دیوار کا شاعر (پروفیسر سید منظر امام)، سانحہ بابری مسجد اور منصور عمر (پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن)، پروین شاکر کی نسائی شاعری (ڈاکٹر امام اعظم)، انیس رفیع کا افسانوی سفر (ڈاکٹر منصور عمر)، محمد سالم کی تنقید: مداحی یا احتساب (سرور کریم)، ایک گفتگو شکیل الرحمٰن سے (شعیب شمس)، نگارشات آرزو جلیلی: ایک تعارف (حسن امام درد)، لمیات نظیر ک: سیرت کا جمالیاتی بیانیہ (حقانی القاسمی)، ذوقی کا ناول ''ذبح'' کا تجزیاتی مطالعہ (سید احمد قادری)، ''گائے'' جدیدیت کا علمبردار افسانہ (ڈاکٹر اسلم جمشید پوری)، عبدالمنان طرزی اور ''رفتگاں و قائماں'' (سید منظر امام)، ''روپ - انوپ'' (سید احمد شمیم)، صدیق مجیبی کی غزلیں (عطا عابدی)، لیبارٹری: جلتے ہوئے گجرات کی کہانی (نعمان شوق)، جگن ناتھ آزاد: ایک کثیر الجہت فنکار (پروفیسر سید محفوظ الحسن)، عبید قمر کے افسانے اور نیا معاشرتی نظام (احمد یوسف)، گفتنی (پرکاش فکری) وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان فکر انگیز مقالات کے علاوہ شاعری، افسانے، انشائیے، تبصرے، سفرنامے اور انٹرویوز وغیرہ دیگر ادبی رسالوں کے لوازمات کی طرح 'تمثیل نو' میں بھی شامل رہے ہیں۔ ان لوازمات کے علاوہ ''تمثیل نو'' کا ایک امتیاز 'وفیات' کا کالم ہے۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی اور پروفیسر منصور عمر مشاہیر ادب کی وفات پر قطعات تاریخ وفات تحریر کرتے رہے ہیں۔ جلد ۱، شمارہ ۶ سے تمثیل نو میں 'پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط ڈاکٹر امام اعظم کے نام' نے ایک مستقل کالم کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ نظیر صدیقی سے امام اعظم کی خط و کتابت کم و بیش سات برسوں تک رہی ہے۔ اس عرصے میں نظیر صدیقی نے امام اعظم کے نام تقریباً پچاس خطوط تحریر کیے ہیں۔ ان خطوط میں پاکستان کی ادبی سرگرمیوں اور ہندوستانی ادبیات میں نظیر صدیقی کی دلچسپی کا اظہار ہوتا ہے۔ اس کالم کے سلسلے میں مشفق خواجہ لکھتے ہیں:

> ''نظیر صدیقی مرحوم کے خطوط کی اشاعت کا سلسلہ مجھے پسند آیا۔ مرحوم کی بے شمار لوگوں سے خط و کتابت تھی۔ ان کے وقت کا خاصا حصہ خط لکھنے میں گذرتا تھا۔ یہ خط رسمی نہیں ہوتے تھے۔ ان میں عموماً ادب کے کسی مسئلے پر کسی کتاب پر یا کسی ادبی شخصیت پر اظہار خیال ہوتا تھا۔ میرا خیال ہے کہ نظیر صدیقی کے خطوط کی اشاعت کے بعد انہیں ایک منفرد خط نگار کی حیثیت سے بلند مقام حاصل ہوگا۔ وہ نثر بہت عمدہ لکھتے تھے لیکن خطوں میں ان کی نثر کا حسن کچھ اور نکھر کر سامنے آتا ہے۔'' (راہ و رسم تمثیل نو جلد: ۴، شمارہ: ۱۵-۱۶، ص: ۱۱۹)

انور سدید نے اس کالم اور امام اعظم کے اداریے کے سلسلے میں لکھا ہے:

''اس پرچے کی ایک خصوصی خوبی یہ ہے کہ اس میں نظیر صدیقی کے خطوط بنام ڈاکٹر امام اعظم چھپ رہے ہیں۔ ان کی وفات کے بعد ان کا نام نظروں سے اوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ آپ ان کی یاد تازہ کرتے رہتے ہیں۔ تمثیل نو کا اداریہ 'مجھے کچھ کہنا ہے...!' بھارت کی پوری ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے۔ میں اس کا ایک ایک لفظ بالاستعیاب پڑھتا ہوں اور اپنے مضامین میں اس سے استفادہ بھی کرتا ہوں۔''

(راہ و رسم، تمثیل نو، جلد۵، شمارہ ۱۹ ص: ۱۱۴)

ابتدائی دور کے مقابلے میں ۲۰۰۵ء سے ''تمثیل نو'' کے تیور میں نمایاں تبدیلی پیدا ہوئی اور یہ رسالہ کسی نہ کسی اہم موضوع پر محیط ہونے لگا۔ اردو ادب کے رجحان ساز اور فضا ساز ادیبوں کے گوشے بھی اس میں جگہ پانے لگے۔ دربھنگہ علم و دانش کا اہم گہوارہ رہا ہے اور علم و ادب کے ساتھ ساتھ اس علاقے کا سیاسی شعور بھی بالیدہ رہا ہے۔ امام اعظم نے اس کے اعتراف کے طور پر یہاں سے وابستہ معروف سیاست داں محمد علی اشرف فاطمی اور ڈاکٹر شکیل احمد کو ''متھلا کے دو روشن چراغ'' قرار دیا اور اپنے پہلے موضوعاتی شمارے کی ابتدا کی۔ انہوں نے اپنے اداریے میں علی اشرف فاطمی کی علمی خدمات...... مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ریجنل سنٹر کا دربھنگہ میں قیام، دو سنٹرل اسکول اور نو ودے اسکول کی منظوری، نیشنل اوپن اسکول کا بہار میں سنٹر، سی بی ایس ای کا علاقائی سنٹر، بہار کے مدارس اور سنسکرت اسکول کو سرو شکشا ابھیان سے وابستہ کرنا، دربھنگہ میں پہلی بار این سی پی یو ایل کے زیر اہتمام سہ روزہ قومی سمینار اور عالمی مشاعرے کا انعقاد وغیرہ کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر شکیل احمد کو انہوں نے اردو کا مخلص اور خاموش خادم قرار دیا ہے جنہوں نے زبان و ادب کے فروغ میں مثبت رول ادا کیا ہے۔ شکیل احمد ٹیلی مواصلات کے مرکزی وزیر رہے ہیں۔ امام اعظم نے اس خطے میں ان کی انفارمیشن ٹکنالوجی سے متعلق پیش رفت کو نمایاں کیا ہے۔

اس شمارے کے مشمولات میں حمد و نعت اور نظیر صدیقی کے خطوط بنام امام اعظم کے علاوہ ''سفر نامہ جنوبی افریقہ'' (پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ)، تاثرات: ''دربھنگہ: دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری'' (پروفیسر سید منظر امام) اور ''عاشق اقبال: محمد حسنین سید جامعی'' (اے یو آصف) اور مضامین میں ''عصمت جاوید'' (پروفیسر رفیع الدین ہاشمی)، ''اک لہر نئی نئی-۱۴'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''ترجمے کے تقاضے'' (ڈاکٹر مجید بیدار)، ''دھارمک گرنتھوں میں بنیادی صداقتیں۔ قسط اول'' (اسرار اکبر آبادی)، ''اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت۔ آخری قسط'' (ڈاکٹر منصور عمر)، ''فیض احمد فیض کا فن: نظموں اور

غزلوں کے آئینے میں" (ڈاکٹر رضوانہ پروین ارم) اور افسانے، انشائیہ، نظمیں، غزلیں، تبصرے اور خطوط (راہ ورسم) وغیرہ ہیں۔ "تمثیلِ نو" کے شماروں میں قطعات تاریخِ وفات بھی مستقل کالم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس شمارے میں ڈاکٹر منصور عمر نے مشاہیر ادب اور سیاست...... بے حس الہ آبادی، سید ضمان اللہ ندیم، احمد حسن چونچوں، ڈاکٹر ملک راج آنند، غلام سرور، عزیز بگھروی، یاسر عرفات، پروفیسر نثار احمد فاروقی، علی جواد زیدی، پروفیسر عتیق احمد صدیقی، پروفیسر اعزاز افضل، حسنین سید جامعی، ڈاکٹر معین احسن جذبی، پروفیسر امیر عارفی اور مشفق خواجہ کی رحلت پر قطعات تاریخ وفات تحریر کئے ہیں۔

وقت کا مزاج ہر دور میں بدلتا رہتا ہے اور ادب بھی چونکہ وقت کے فریم سے باہر نہیں ہے لہٰذا یہ بھی خارجی تبدیلیوں سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ ادب میں در آنے والی ان تبدیلیوں کو کبھی تحریک کا نام دیا جاتا ہے تو کبھی رجحان کا۔ امام اعظم نے تین ایسے تغیرات کی نشاندہی کی ہے جو اردو ادب میں تخلیقی سطح پر رونما ہوئے اور ان تغیرات کے بانیوں...... شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ اور مظہر امام کو" اردو ادب کے رجحان ساز" قرار دیتے ہوئے ان کے نام "تمثیلِ نو" کے ایک شمارے کو مختص کر دیا۔ اپنے اداریے میں انہوں نے ان تغیرات کا احاطہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> "جدیدیت کے امام شمس الرحمٰن فاروقی نے ایک Established قاعدے اور اصول جو کل تک تحریک کی شکل میں سکہ جمائے ہوئے تھے اسے یکلخت خارج کر دیا اور نئی راہ متعین کرنے کیلئے کچھ ایسی سمتیں متعین کیں جن سے وقت کے تقاضے پورے ہو رہے تھے۔...... اور جب یہ اپنے نقطۂ عروج تک پہنچنے کے قریب ہوئی تو اس میں شدت پسندی کا عنصر غالب ہونے لگا اور یہی اس کے زوال کا سبب بھی بن گیا۔"
>
> ....
>
> "اور اس کے بعد ایک نئے رجحان کے آمد کی دھمک محسوس ہونے لگی...... جسے مابعد جدیدیت کا نام دیا گیا اور جس کے سالار گوپی چند نارنگ نے اس کو فروغ دینا شروع کیا۔ مابعد جدیدیت کے خدوخال، عکس در عکس، رنگ، نور، جمال، ماورائیت کا کہر سب کچھ سمٹنے لگا اور ایک نئی دنیا کی سیر کے لئے ادب میں تجربے ہونے لگے۔ کامیاب تجربے ہوئے اور آج مابعد جدیدیت اپنی شناخت قائم کرنے کی جدوجہد میں مصروف ہے۔"
>
> ....
>
> "غزل کا میکانکی عمل بہر حال ذہن کو بوجھل تو کرنے لگا تھا۔ بھرتی کے الفاظ غیر ضروری ایمائیت غنائیت

کو سمجھنے کی ناسمجھی، آمد کی تیز روفکری اور میلانی بہاؤ کو قید کرنے کا میکانکی عمل شاعری کے دوسرے ڈھانچوں میں تو ٹوٹ ہی چکا تھا۔ غزل جس آن بان شان سے اپنا ایک متعین سانچہ بنائے ہوئے تھی اس میں بھی شگاف پڑنے لگے اور ایسا عمل وقت کے تقاضے سے شروع ہو کر لاشعوری عمل سے شعوری عمل تک جاری ہونے لگا۔ ایسے تو بہت سارے شاعروں کے یہاں ایسا عمل ہوا ہوگا لیکن اسے وہ کوئی نام نہیں دے سکے ...... مگر مظہر امام کے جرأت مندانہ اقدام کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے انہوں نے آزاد غزل کا نام دے دیا اور اچھی تخلیقات جو کل تک تلف ہو رہی تھیں وہ سامنے آنے لگیں اور غزل کے سرمایے میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گیا۔'' ("مجھے کچھ کہنا ہے......!" تمثیل نو، جلد ۵، شمارہ ۱۷-۱۸ ص: ۳-۴)

جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل کے حوالے سے اس شمارے کے مشمولات بے حد اہم ہیں۔ فکری اور عملی ڈسکورس (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، نئے رجحان نئے تجربے (ڈاکٹر منصور عمر)، تحریک، ایجاد اور ادب کی زندگی: منتشر خیالات (ابوذر ہاشمی) جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل (جمال اویسی)، اس رنج بے خمار کی اب انتہا بھی ہو (حقانی القاسمی) کے علاوہ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل کے متعلق فاروقی، نارنگ اور مظہر امام کے نظریاتی افکار بھی اس رسالے میں شامل ہیں۔ مشمولات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ امام اعظم موضوعات سے متعلق مضامین یکجا کرنے کی مدیرانہ تگ ودو میں کامیاب ہیں۔

اردو ادب کے رجحان سازوں میں امام اعظم نے شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ کے ساتھ مظہر امام کو شامل کیا ہے۔ مظہر امام اردو کے ممتاز شاعر و ادیب ہیں۔ انہوں نے کئی نسلوں کی ذہنی آبیاری کی ہے اور انہیں متاثر کیا ہے۔ ان کی ادبی کاوشیں اصناف کے ہیئتی تجربوں پر مبنی ہیں۔ لہٰذا انہیں آزاد غزل کے موجد کی حیثیت تو دی جاسکتی ہے لیکن انہیں رجحان ساز کہنا مبالغہ ہوگا۔ پروفیسر رئیس انور لکھتے ہیں:

'' ...... شمس الرحمٰن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کو یقیناً رجحان ساز کہا جائے گا کہ ان کی تحریروں میں وہ تاب و تواں ہے جس سے کئی پیڑھیاں متاثر ہوئی ہیں۔ اپنے فکری و فنی رویے میں تبدیلی کرنے پر مجبور ہوئی ہیں اور ادب کے تازہ کار منظرنامے کا سبب بنی ہیں۔ اس لئے پچھلی ادبی تحریکیں ہوں یا جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے رجحان، نہ ان کی افادیت سے انکار کیا جاسکتا ہے نہ ان کے مبلغین کی خدمات سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے۔ ...... جہاں تک مظہر امام کا تعلق ہے، وہ ایک بڑے شاعر ضرور ہیں اردو ادب میں ان کی مستقل پہچان بھی ہے مگر انہیں رجحان ساز کے طور پر پیش کرنا درست نہیں۔ اتنا کہا جا

سکتا ہے کہ وہ کھلا ذہن رکھتے ہیں، وسیع مشرب ہیں، ادبی تغیرات کو انسانی فطرت کا عطیہ سمجھ کر ان کا استقبال کرتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ وہ ترقی پسندی اور جدیدیت سے ہوتے ہوئے مابعد جدیدیت کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ اسی طرح ان کی ایجاد کی ہوئی صنف آزاد غزل کسی رجحان کی نمائندہ نہیں ہے۔ آزاد غزل کیا کوئی بھی صنف کسی ایک تحریک یا رجحان تک محدود نہیں رہ سکتی۔ ......''

(''راہ و رسم''،تمثیل نو، جلد ۵، شمارہ ۱۹ ص:۱۱۵-۱۱۶)

اس شمارے میں مستقل کالم کے تحت قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب و سیاست، حمد و نعت، پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط، افسانے، تاثرات، نظمیں، غزلیں، اس شمارے کے مخصوص شاعر، تبصرے اور راہ و رسم نے حسب سابق جگہ پائی ہے۔ 'اک لہر نئی نئی' کی پندرہویں قسط اور ''در بھنگہ: دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری'' کی اگلی قسط اور 'دھارمک گرنتھوں میں بنیادی صداقتیں' کی دوسری قسط شائع ہوئی ہیں۔

پروفیسر وہاب اشرفی اردو کے ممتاز نقادوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ انہوں نے اپنی تنقیدی و تحقیقی تحریروں میں عالمی ادبیات کے پس منظر میں فن پارے کی تشریح و تعبیر کا جیسا منطقی اور استدلالی نقطہ نظر پیش کیا ہے وہ بلا شک و شبہ اردو تنقید کا گرانقدر سرمایہ ہے۔ وہاب اشرفی کا تنقیدی و تحقیقی منظر نامہ اردو کلاسک کی تفہیم و تعبیر سے شروع ہو کر عالمی ادبیات کی تاریخ تک ایک وسیع کینوس پر محیط ہے۔ ان کی تصنیفات میں ''تاریخ ادبیات عالم'' کو خاص اہمیت حاصل رہی ہے۔ اردو میں اس اعتبار کی کوئی تاریخ اس سے قبل موجود نہیں تھی۔ وہاب اشرفی نے اپنی اس تصنیف سے اسی کمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے۔ امام اعظم نے وہاب اشرفی کے اس وقیع کارنامے کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''تاریخ ادبیات عالم ان کا تاریخ ساز کارنامہ ہے جو ۷ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ کام کافی یکسوئی سے انہوں نے کیا ہے۔ تنہا اتنا بڑا پروجکٹ مکمل کرنا کافی دشوار تھا۔ انہیں کہیں نہ کہیں احساس ہوا کہ اردو ادب عالمی ادب کی آشنائی کے بغیر ٹھوس بنیادوں پر اپنا تخلیقی سفر تازگی کے ساتھ جاری نہیں رکھ سکتا۔ اسی تلاش و جستجو کے مراحل سے گذرتے ہوئے وہاب اشرفی نے پتہ نہیں عمر کے کتنے حصوں میں کتنی بار غور و خوض کیا ہوگا اور یہ پروجیکٹ دھیرے دھیرے، جب ان کے ذہن میں مکمل ہونے کی صورت تک پہنچ گیا تو انہوں نے 'تاریخ ادبیات عالم' جیسا بڑا تاریخی کارنامہ انجام دے دیا۔ ......''

(''مجھے کچھ کہنا ہے......!'' تمثیل نو، جلد ۵، شمارہ ۱۹ ص:۳)

امام اعظم نے وہاب اشرفی کی اس معرکۃ الآرا تصنیف کو عہد ساز پیشکش قرار دیا ہے۔ ''تمثیل نو''

کا ایک شمارہ ''تاریخ ادبیات عالم'' کی مبادیات اور مباحث کے لئے مخصوص کیا ہے۔ رسالے کے آغاز میں ہی انہوں نے وہاب اشرفی کی تحریر ''تاریخ ادبیات عالم پر ایک نوٹ'' شامل کی ہے جس سے ان کے نقطۂ نظر کی بھی وضاحت ہوتی ہے اور تاریخ ادبیات عالم کی ساتوں جلدوں کی تفصیلات بھی ملتی ہیں۔ یہ شمارہ اپنے مشمولات کے اعتبار سے کافی وقیع ہے۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر مجید بیدار، ڈاکٹر منصور عمر، ابوذر ہاشمی، حقانی القاسمی، پروفیسر ایم اے ضیا، جمال اویسی، ڈاکٹر ہمایوں اشرف، ڈاکٹر قاسم فریدی وغیرہ نے 'تاریخ ادبیات عالم' کا مطالعہ مختلف جہتوں سے کیا ہے اور وہاب اشرفی کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کیا ہے۔

''تمثیل نو'' کے ایک اور موضوعاتی شمارے 'کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے؟' نے بحث و مباحث کے نئے در وا کیے ہیں۔ امام اعظم کے خیال میں ترقی پسندی وقت کی اہم ضرورت تھی جو تاریخی حالات کے ردِعمل کے طور پر وجود میں آئی تھی۔ اس تحریک نے اپنا تاریخی رول بخوبی ادا کیا اور اب یہ تاریخ کا حصہ ہے۔

دراصل ترقی پسندی کے مقصدی ادب کے ردِعمل کے طور پر جدیدیت کے رجحان کا فروغ ہوا اور ادب برائے ادب کو ماحصل بنایا گیا لیکن جدیدیت کا رجحان بھی بہت جلد افراط و تفریط کا شکار ہو گیا۔ ایسے عہد میں ادب میں ایک نیا رجحان، نیا مزاج سامنے آیا اور بعض دانشوران نے ترقی پسندی اور جدیدیت کی صحت مند قدروں کی آمیزش سے ادب کو ہم آہنگ کیا جس کے تحت ادب میں مقاصد کا تخلیقی اظہار کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔ اس رجحان کو مابعد جدیدیت کا نام دیا گیا۔ مابعد جدیدیت مسلسل روبہ ارتقا ہے اور اس میں نیا بانکپن نمودار ہو رہا ہے۔ اس رجحان میں نمایاں ہونے والی حالیہ تبدیلیوں کے پیش نظر اردو کے بعض حلقوں میں اسے ترقی پسندی کی توسیع قرار دیا گیا۔ امام اعظم اس رویے کو ترقی پسندی کی توسیع قرار دینے سے انکار کرتے ہیں اور اس موضوع سے متعلق اپنے نظریے کی وضاحت کرتے ہیں:

''سجاد ظہیر سے قمر رئیس تک جو کچھ ہوتا رہا وہ ایک تاریخی تقاضہ تھا، اس کی ضرورت تھی اور اس کی تکمیل ہو گئی۔ اب آگے کا مرحلہ جاری و ساری ہے۔ یہ الگ سی بات ہے کہ اس نئے رجحان کا جو مابعد جدیدیت سے الگ ہو کر طرح طرح کے جلوے دکھا رہا ہے۔ پہچاننے کی ضرورت ہے اور اس کو نیا نام ملنے کا انتظار ہے۔ کسی قسم کی غلط فہمی یا خوش فہمی میں رہ کر مابعد جدیدیت کے بدلتے ہوئے انداز کو ترقی پسندی کی توسیع کہہ دینا صحیح نہیں ہے۔ مابعد جدیدیت کے حاشیہ پر کھڑی ہوئی تخلیقات کا بھی جائزہ لیں تو یہ اندازہ

ہوگا کہ یہ ترقی پسندی کی تجدید نہیں ہے۔ ان کے رنگ وروپ، ان کے نکھار، ان کے بانکپن، ان کے تیور، ان کی ہم آہنگی اور ان کے دائرہ کا اگر ہم جائزہ لیں تو اس میں امکانات کی ایک بڑی دنیا آباد ہے اور اس کا ترقی پسندی سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ ترقی پسندی کا زوال ہو چکا ہے۔"

("مجھے کچھ کہنا ہے..... "تمثیل نو، جلد ۶، شمارہ ۱-۲ ص:۴-۵)

امام اعظم نے "تمثیل نو" کے پلیٹ فارم سے اہل نظر اور اہل قلم کو مذکورہ موضوع پر دعوت فکر دی ہے جس میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر مجید بیدار، ابوذر ہاشمی، حقانی القاسمی، ڈاکٹر مسرت جہاں اور پروفیسر ایم اے ضیا نے حصہ لیا ہے اور اپنے مضامین میں اپنے اپنے نظریات کو پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اس موضوع پر قمر رئیس کے نقطہ نظر کو ان سے ایک مکالمہ کے ذریعے واضح کیا ہے۔ اس شمارے کے سلسلے میں پروفیسر حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

"ترقی پسندی کے عروج وزوال کے بارے میں مختلف حضرات کے تاثرات خوب ہیں، یہ بات ظاہر ہے کہ بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ فکری، معاشرتی اور ادبی تصورات اور تناظرات تغیر پذیر ہوتے ہیں، اس بارے میں دو رائے نہیں کہ ترقی پسندی اپنا تاریخی رول ادا کر کے ماضی کا حصہ بن چکی ہے، تاہم ترقی پسند مصنفین کے وہ افسانے اور شعری تخلیقات جو نظریاتی اور شخصی حد بندیوں سے اوپر اُٹھنے کی طاقت رکھتے ہیں، دائمی قدر کے حامل ہیں۔...... آپ نے ترقی پسندی کے بارے میں کئی قلم کاروں کی آرا کو "تمثیل نو" میں شامل کر کے ماقبل کے ادب کا جدید تر تنقیدی ادراک کی روشنی میں بازدید کی ضرورت کی جانب توجہ دلائی ہے، اداریے میں آپ نے ترقی پسندی کے مثبت رول کی سراہنا کرنے کے ساتھ ساتھ عصر حاضر میں اس کی عدم معنویت کا ذکر بھی کیا ہے اور ایسا کرتے ہوئے معروضیت اور ادبی اور ادراکیت سے کام لیا ہے۔"

("راہ ورسم" تمثیل نو، جلد ۶، شمارہ ۳-۴ ص:۱۸۶-۱۸۷)

"تمثیل نو" جلد ۶، شمارہ ۳-۴ "متھلا: اردو زبان اور تہذیب وثقافت کا ایک قدیم مرکز" کے موضوع پر مبنی ہے۔ تمثیل نو کے بیشتر شماروں میں متھلا یا دربھنگہ کسی نہ کسی اعتبار سے نمایاں ہوتا رہا ہے۔ متھلا کا علاقہ تہذیب وتمدن اور علمی وادبی اعتبار سے ممتاز رہا ہے۔ مسلم اور برہمنزم کی مشترکہ تہذیب کے زیر سایہ یہاں علم وادب نے فروغ پایا۔ متھلا کی سرزمین زرخیز ہی نہیں مردم خیز بھی رہی ہے۔ علم وادب کے متعدد روشن ستاروں نے یہاں کے فلک کو منور کیا ہے۔ امام اعظم نے مختلف قلم کاروں کے مقالات کے توسط سے متھلا کے اس وصف کو مختلف جہتوں سے نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس رسالے کے مشمولات

درج ذیل ہیں: ''دربھنگہ: یادوں کے جلتے بجھتے چراغ'' (ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری)، ''متھلا اور ادب: ۱۹۴۷ء تک'' (حسن امام ورد)، ''ودیاپتی: میتھلی ادب کا عظیم فنکار'' (منظر شہاب)، ''دربھنگہ: اردو کا ایک اہم مرکز'' (پروفیسر رئیس انور، ''متھلا میں اردو شاعری'' (ڈاکٹر منصور عمر)، ''متھلا میں اردو صحافت'' (ڈاکٹر امام اعظم)، ''متھلا میں اردو افسانہ: سمت و رفتار'' (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)، ''اردو اور میتھلی کا باہمی رشتہ'' (ڈاکٹر منظر سلیمان)، ''دربھنگہ کے مشہور مسلم وکلا اور اطبا'' (ڈاکٹر آفتاب اشرف)، ''سمستی پور: ماضی کے آئینے میں'' (ڈاکٹر انیس صدری)، ''متھلا کی تاریخی اور تہذیبی روایت کا امین: مدھوبنی'' (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)، ''پیغمبر پور اسٹیٹ کی ادبی اور ثقافتی خدمات'' (سید محمود احمد کریمی)، ''نواب بریول: ایک استعارہ'' (ڈاکٹر انیس صدری)، ''علی نگر کی علمی و ادبی سرگرمیاں'' (غلام فرید)، ''ململ اور ریکھہ کی ادبی، تہذیبی اور سیاسی خدمات'' (نیاز احمد)، ''متھلا کی ایک بستی: ہرسنگھ پور'' (ڈاکٹر ایم صلاح الدین)، ''علم و ادب کا گہوارہ: مہدولی'' (صفی اختر)، ''ادب و تہذیب اور علم و عرفان کا مرکز: گنگوارہ'' (ڈاکٹر ایم صلاح الدین)، ''دربھنگہ کا محرم'' (حسن امام ورد)، ''چندن پٹی: ایک تعارف'' (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد) اور ''دربھنگہ: دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری'' (سید منظر امام)۔ مؤخر الذکر مضمون دربھنگہ کے حوالے سے سید منظر امام کی خودنوشت ہے جو تمثیل نو کے شمارے میں بالاقساط شائع ہورہی ہے۔

''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ دستاویزی اہمیت کا حامل ہے۔ اس شمارے سے متھلا کی علمی، تہذیبی و ادبی وراثت اور موجودہ صورت حال مکمل طور پر نمایاں ہوتی ہے۔ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

> ''...... بہت محنت اور بصیرت سے آپ نے متھلا دیس میں اردو زبان اور کلچر کا احاطہ کیا ہے۔...... بس ایک کمی محسوس ہوئی۔ متھلا اور اس خطے کا لوک ادب، لوک گیت؟ جاننا چاہتا ہوں کہ اردو گھرانوں میں شادی بیاہ اور دوسری تقریبات میں جو گیت گائے جاتے ہیں وہ کس زبان میں ہیں اور ان میں اردو کا کتنا اثر ہے؟ یہ میری دلچسپی کا موضوع ہے۔ اداریہ میں آپ نے اس خطہ کے عوامی مصوری کا ذکر کیا ہے۔ اداریہ کے دوسرے شذرات میں آپ نے یہاں کی دوسری علمی، ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کا احاطہ کیا ہے جو ہم لوگوں کی معلومات میں اضافہ کا موجب ہے۔ ......''
>
> (''راہ و رسم''، تمثیل نو، جلد ۷، شمارہ ۵-۶ ص: ۱۸۸)

منظر شہاب لکھتے ہیں:

''دربھنگہ کی ادبی، ثقافتی اور معاشرتی ہماہمی کو روشناس کرنے کا حق ادا کر دیا ہے۔...... آپ کے اداریے

کی تعریف میں کہنا چاہوں گا کہ وہ بے حد اچھا ہی نہیں بلکہ تمام مضامین اور مشمولات کی تلخیص ہے۔......
سرورق متھلا پینٹنگ کی شمولیت نے بھی متاثر کیا ہے۔ میری خواہش ہے کہ آپ کسی شمارے میں مدھوبنی پینٹنگس پر ایک جامع مضمون شائع کیجئے۔ مزید یہ بھی کہ دربھنگہ راج کی کارگذاریوں کا جائزہ سپرد قلم کیجئے، خوب صورت عمارتوں (بشمول) سر بلند دیوار کے علاوہ بے شمار کارگذاریاں ایسی ہیں جن سے دربھنگہ کی مخصوص پہچان منسوب تھی۔......" (ایضاً ص:۱۸۸)

امام اعظم نے "تمثیل نو" کے ایک شمارے کو "پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار" کے لئے مخصوص کیا ہے۔ انہوں نے جنگ آزادی کی اس اولین تحریک کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے جسے انگریزوں نے نہایت بے دردی سے کچل ڈالا تھا اور اس تحریک کے موقف کو سامنے نہیں آنے دینے کی غیر منصفانہ سعی کی تھی۔ اس عہد کے اردو اخبارات و رسائل نے مجاہدین کے نظریات اور ان کی جدوجہد کو نہایت حوصلہ مندی سے پیش کیا تھا۔ اردو اخبارات و رسائل نے نہ صرف قومی نظریات کو تقویت بخشی تھی بلکہ تحریک آزادی کو مہمیز بھی کیا تھا۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، ریجنل سنٹر، دربھنگہ اور این سی پی یو ایل، نئی دہلی کے اشتراک سے دو روزہ قومی سمینار بعنوان "پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار" کا انعقاد دربھنگہ کی سرزمین پر ہوا۔ یہ دو روزہ قومی سمینار تین سیشن پر محیط تھا جس کے موضوعات "۱۸۵۷ء سے متعلق لسانی وادبی نقوش"، "اردو میں مجاہدین قلمکار اور عوام کے وطنی جذبات وخیالات" اور "اس عہد کی اردو زبان اور عہد پر برطانوی نو آبادیاتی نظام کے منفی اثرات" تھے۔ اس شمارے میں امام اعظم نے سمینار کے مختلف سیشن کی کارروائیوں کو رپورتاژ کی شکل میں پیش کیا ہے، جس سے موضوعات کے تنوع، ان کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس قومی سمینار کا ایک خاص پہلو "جنگ آزادی کی کہانی، تصویروں کی زبانی" کی نمائش تھا۔ اس میں لارڈ ڈلہوزی سے رابرٹ کلائیو تک انگریزی حکمراں طبقہ کے مظالم کی ۶۷ رمنہ بولتی تصویریں روزنامہ "سیاست" حیدرآباد کے تعاون سے نمائش میں پیش کی گئی تھیں جو اس شمارے میں بھی شامل ہیں۔

پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کے قائدانہ رول پر منعقد ہونے والے اس بھرپور سمینار کی روداد کے علاوہ اس شمارے میں مستقل کالم اور اصناف کے علاوہ کئی اہم مضامین بھی شامل ہیں جن میں "پورنیہ کی مختصر ادبی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ" (شمس جلیلی)، "شکری جو ایک گاؤں تھا متھلا میں انتخاب" (ڈاکٹر ایم صلاح الدین)، "متھلا کے دو محقق: الیاس وشاداں" (فیاض احمد وجیہ)، "ابوریحان

البیرونی اورڈاکٹر عبدالسلام" (محمد زکریا ورک)، "اردو تعلیم اور تعلّم" (تشنہ اعجاز)، "محسنہ جیلانی کے افسانے" (سلطانہ مہر)، "پروفیسر ایس کی عجیب داستان وایا سونامی" (تسنیم فاطمہ)، "اقبال تنقید: مسائل اور مضمرات" (الطاف انجم) وغیرہ خاص اہمیت کے حامل ہیں۔

"تمثیلِ نو" کا امتیاز یہ ہے کہ کسی خاص موضوع پر بھرپور مواد فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ ہر شمارے میں باقاعدہ کالم اور شعری ونثری اصناف کے علاوہ دیگر موضوعات پر بھی اہم مضامین شامل رہتے ہیں جس کی وجہ سے یہ رسالہ یکسانیت کا شکار نہیں ہو پاتا۔ "تمثیلِ نو" کے اس متنوع مزاج اور امام اعظم کے ادارتی سلیقے کے متعلق پروفیسر حامدی کاشمیری لکھتے ہیں:

> "خوشی کی بات ہے کہ آپ نے اس میں قیمتی مواد کو مرتب کیا ہے۔ جنگ آزادی میں اردو قلم کاروں نے جو تاریخی اور دردمندانہ کردار ادا کیا ہے، اس سے اردو زبان کے قومی، ملی اور تاریخی خدمات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ آپ نے اس ضمن میں جو کام انجام دیا ہے، وہ لائق تحسین ہے۔ مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ آپ نے تمثیلِ نو کو چند سرسری قسم کے مضامین، تکراری غزلوں اور تعریفی خطوط تک محدود نہیں رکھا ہے۔ یوں تو ہر رسالہ ایک واضح پالیسی یا مقصدیت کے تحت بازار میں آتا ہے اور کسی نہ کسی specialization کے مطابق اپنے مزاج اور تفہیمیت سے سروکار رکھتا ہے لیکن یہاں کا باوا آدم ہی نرالا ہے۔ خوشی اس بات کی ہے کہ آپ لسانی، تمدنی اور معلوماتی نصب العین کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ اس ضمن میں آپ کا اداریہ اردو زبان وادب کے حوالے سے تازہ اردو تقریبات، ادیبوں کی کارکردگیوں، معلومات عامہ، اردو اکادمیوں اور اردو جامعات پر تنقیدی نظر وغیرہ کا احاطہ کرتا ہے۔"
>
> ("راہ ورسم" تمثیلِ نو، جلد ۸، شمارہ ۳ ص: ۱۹۸)

برصغیر میں شادی کی تقریبات کو ادبی رنگ عطا کرنے میں سہرا نویسی کا اہم رول رہا ہے۔ یہ ہماری تہذیبی اور معاشرتی زندگی میں خوشیوں کے مواقع پر اپنے جذبات کے تخلیقی اظہار کا اہم وسیلہ رہی ہے۔ شادی کی تقریبات میں سہرا نویسی کی روایت رہی ہے۔ اردو کے ممتاز شاعروں نے بھی سہرے یا تہنیتی نظمیں کہی ہیں۔ لیکن ان سب کے باوجود اسے باضابطہ ادبی اہمیت نہیں دی گئی۔ امام اعظم کا اس سلسلے میں خیال ہے:

> "......اگر سہروں اور تہنیتی نظموں کی ادبی حیثیت اور معنویت نہ ہوتی تو غالبؔ اور ذوقؔ نے اپنے دواوین میں سہرے شامل نہ کیے ہوتے اور اس کے بعد بھی جمیل مظہری کے مجموعہ "نقشِ جمیل"، پرویز شاہدی کے

مجموعہ "رقصِ حیات"، اجتبیٰ رضوی کے مجموعہ "شعلہ ندا"، محسن دربھنگوی کے مجموعہ "تلخ و شیریں"، شاکر کلکتوی کے مجموعہ "پریخانہ الفت"، مظہر امام کے مجموعہ "زخمِ تمنا"، منظر شہاب کے مجموعہ "پیراہن جاں"..... افتخار اجمل شاہین کے مجموعہ "رنگ و بو کا سفر"، مولانا عبدالعلیم آسی کے مجموعہ "منظومات آسی" وغیرہ میں ہمیں یہ سہرے نظر نہیں آتے۔..... آج جب کہ نت نئی اصناف سخن پر طبع آزمائی ہو رہی ہے اور بحث بھی جاری ہے، سہرے جیسی قدیم صنف سخن پر بحث افادیت سے خالی نہ ہوگی۔....."

("مجھے کچھ کہنا ہے.....!" "تمثیل نو" اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء ص:۶)

سہرے کی ادبی اہمیت، معنویت اور اردو میں اس کی روایت کے مدنظر امام اعظم نے "تمثیل نو" جلد-۸، شمارہ-۳ میں سہرے کا خصوصی مطالعہ شامل کیا ہے۔ اس خصوصی مطالعے میں سہرا کے حوالے سے متعدد اہل قلم نے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ "سہرا نویسی" (پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق)، "اردو میں سہرے کی معنویت" (پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی)، "شاعری میں سہرا اور اس کی عصری معنویت" (پروفیسر سید مجید بیدار)، "سہرے کی ادبی معنویت" (پروفیسر عبدالمنان طرزی)، "سہرے کی عظمت اور ادبی معنویت" (پروفیسر شاکر خلیق)، "غالب وذوق کے سہرے" (پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق)، "سہرا بندھا تے بابو سوئے رہا جی" (احسان ثاقب)، "سہرے کی معنویت اور فنکاری" (سیف رحمانی) اور "سہرے کے پھول، میں امان خاں دل کا شعری اسلوب" (مامون ایمن) وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن سے سہرے کی اہمیت وافادیت اور ادبی معنویت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

سہرا نویسی ہماری معدوم ہوتی ہوئی تہذیبی روایات کا ایک اہم حصہ رہی ہے۔ امام اعظم نے نہایت عرق ریزی اور ادارتی تگ ودو سے یہ خصوصی شمارہ ترتیب دیا ہے اور حسب معمول روایتوں کی پاسداری کی ہے۔ اس خصوصی مطالعہ کے علاوہ اس شمارے میں کئی اہم مضامین شامل ہیں جن میں "کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد 'پہلی' جنگ آزادی تھی؟" (مولانا ولی رحمانی)، "فاصلاتی تعلیم اور حوا کی بیٹی" (ڈاکٹر عبدالرشید خان) دعوت غور وفکر دیتے ہیں۔ اس شمارے میں کئی مضامین کسی تصنیف یا شعری مجموعے کے تجزیاتی مطالعہ پر مبنی ہیں۔ "منظر شہاب کے 'مجروح پرندے کی صدا'" (اقبال انصاری)، "آئینہ بہار ایجاد" (اسرار اکبرآبادی)، "عکس ہستی کا شاعر: وقار صدیقی" (ڈاکٹر امام اعظم)، "کانگیرو ننگی جاپانی اور انگریزی کے بعد اردو ترجمہ" (سلطانہ مہر)، "پانچویں درویش کا ادھورا قصہ" (نیر جہاں)، "نوید سحر: ایک تاثر" (افروز عالم) وغیرہ ایسے ہی مضامین ہیں۔

برصغیر کے بہت سے افراد تلاش معاش اور بہتر مواقع کے حصول کے سلسلے میں یوروپی ممالک میں سکونت پذیر ہو گئے اور وہاں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے ان کی وابستگی ہوئی۔ ایسے مہاجرین میں اردو سے دلچسپی رکھنے والے افراد کی بھی معتد بہ تعداد تھی۔ جس نے اپنے ذوق کی تسکین کے لئے ادب سے اپنا رشتہ قائم رکھا۔ ان لوگوں نے نہ صرف انفرادی طور پر تخلیقی سرگرمیاں جاری رکھیں بلکہ متعلقہ ممالک میں اردو کی فضا بندی کی کوششیں بھی کیں۔ یوروپین ممالک سے مختلف اردو رسائل و جرائد اور اخبارات کی اشاعت اردو سے ان کے جذباتی رشتے کا بیّن ثبوت ہے۔

امام اعظم نے اپنے وطن سے ہزاروں میل دور مقیم اردو کی محبت کا دم بھرنے والے ادیبوں کی خدمات کے اعتراف کے طور پر "تمثیل نو" جلد-۹، شمارہ-۶ کو "سات سمندر پار کا ہمعصر اردو ادب" کے نام مختص کیا ہے۔ اس موضوع کے انتخاب کے سلسلے میں ان کا کہنا ہے:

"میں نے سوچا کہ سات سمندر پار کے ادبا شعرا سے خود اپنے اردو کے لوگ ناواقف ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ سات سمندر پار کے ہمعصر اردو فنکاروں کے کارناموں سے قارئین کو واقف کرائیں اور اسی غرض سے یہ خصوصی شمارہ ترتیب دیا ہے۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ یہ خلیج پاٹنے کا کام کتنا ضروری تھا۔"

("مجھے کچھ کہنا ہے.....!" تمثیل نو، جلد ۹، شمارہ ۶ ص: ۳-۴)

'تمثیل نو' کے حوالے سے امام اعظم کے روابط برصغیر کے علاوہ تیسری دنیا کے ادیبوں سے بھی قائم ہوئے۔ اس باہمی ارتباط سے انہیں محسوس ہوا کہ اپنے ملک سے ہجرت کرنے والوں نے بھی اردو سے وابستگی کی وجہ سے اپنی شناخت برقرار رکھی ہے لیکن برصغیر اور سات سمندر پار کے ایسے ادیبوں کے احساسات میں ہجرت کے حوالے سے نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"تقسیم ہند کے بعد ہندوستان سے پاکستان ہجرت کرنے والے اور پاکستان سے ہندوستان ہجرت کرنے والے ایک ناسٹلجیا کے شکار رہے اور یہ احساس اردو ادب میں ہنوز آج بھی جا بجا دیکھا جا سکتا ہے۔ سات سمندر پار جانے والے اور یوروپی ممالک میں سکونت پذیر حضرات جو اردو سے بنیادی طور پر جڑے ہوئے تھے، ان کے یہاں برصغیر کے مٹی کی خوشبو تو ملتی ہے لیکن عموماً ہجرت کا کوئی درد ایسا نہیں ملتا جس سے یہ اندازہ کیا جا سکے کہ وہاں انہیں بے اطمینانی کا سامنا ہے یا سب کچھ کھو کر آنے کی کسک ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ مٹی کی خوشبو سے اپنا رشتہ جوڑے رکھنا چاہتے ہیں اور جوڑے رکھنے میں اردو شعر و ادب نے انہیں بہت سکون دیا ہے۔" (ایضاً)

اس شمارے کے مشمولات میں اس موضوع سے متعلق ''سات سمندر پار کا ہمعصر اردو ادب'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''سرحد پار کے نثری ادب کا حقیقت پسند تجزیہ'' (مجید بیدار)، ''یادوں کی دستک' پر ایک نظر'' (افتخار اجمل شاہین)، ''عطیۂ 'تاثرات'' (رؤف خیر)، ''سہ رنگ امیجز کی شاعرہ: پروین شیر'' (ایم اے ضیا)، ''غزل کا خمار: سات سمندر پار'' (ڈاکٹر حسن رضا)، ''عصری لوازمات کے جمالیاتی شاعر: نقشبندی قمر نقوی'' (رفیق شاہین)، ''اقبال اور غالب مخفی گوشے اور ڈاکٹر سید تقی عابدی'' (ڈاکٹر امام اعظم)، ''اردو عالمی گاؤں کی فنکارہ: نعیمہ ضیاء الدین'' (فیاض احمد وجیہ) وغیرہ مضامین خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس شمارے میں ڈاکٹر امام اعظم کا سفرنامہ ''جدہ کا سفر'' بھی شامل ہے۔ خصوصی مطالعے کے علاوہ مستقل کالم اور اصناف (قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر علم و ادب، حمد و نعت، خود نوشت، افسانے، نظمیں، غزلیں، شمارے کا مخصوص شاعر، تبصرے، خطوط) کے ساتھ ساتھ مظہر امام کا دلیپ کمار سے لیا گیا انٹرویو اور ''باتیں ان کی یاد رہیں گی'' (تشنہ اعجاز)، ''زندگی کے تلخ حقائق کا شاعر: احمد فراز'' (ڈاکٹر امام اعظم)، ''حامیانِ اردو کی خدمت میں'' (حافظ منشی عبد الغفور)، ''موجودہ ہندوستان میں اردو تدریس'' (ڈاکٹر حلیمہ سعدیہ)، ''فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات'' (ڈاکٹر محمد ظفیر الدین انصاری)، ''سید منظر امام: تری تحریر سے خوشبو پھوٹے'' (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ مضامین بھی اس شمارے کی زینت ہیں۔

''تمثیل نو'' جلد ۹، شمارہ ۷-۸، ''بیسویں صدی کے مدبر و مفکر: مولانا ابوالکلام آزاد'' کے خصوصی مطالعے پر مبنی ہے۔ مولانا آزاد کی شخصیت بڑی ہمہ جہت تھی۔ ہندوستان میں ان کی خدمات کی کئی جہتیں ہیں۔ وہ جنگ آزادی کے عظیم رہنما، مصلح قوم، بلند پایہ عالم دین اور آزاد ہندوستان کی تعلیمی پالیسی کے معمار اعظم تھے۔ امام اعظم مولانا آزاد کی عظیم الشان خدمات کے معترف رہے ہیں۔ انہوں نے اپنے دونوں تنقیدی مجموعوں ''گیسوئے تنقید'' اور ''گیسوئے تحریر'' کا آغاز مولانا آزاد کی شخصیت اور ان کی خدمات کے جائزے سے کیا ہے۔ ''گیسوئے تحریر'' کا انتساب بھی انہوں نے مولانا آزاد کے نام کیا ہے۔ مولانا آزاد کے ہمہ جہت کارناموں کو ایک وسیع کینوس میں دیکھنے کی جستجو کی خاطر انہوں نے تمثیل نو کے اس شمارے کو مخصوص کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''میں نے سوچا کہ مولانا آزاد کے ان گوشوں کو اس رسالے کے ذریعے سامنے لاؤں جو آج کے تناظر میں بھی ہمیں راہ دکھانے کے لیے کافی ہیں۔ جنگ آزادی کا ذکر آتا ہے۔ تقسیم ہند پر بحث جاری ہے۔

منفی و مثبت نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ایک مدبر کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ سو سال آگے تک کے حالات کو سمجھ لے اور اپنی رائے قائم کرے اور دوسروں کو بھی اس کی حقیقت سے واقف کرا دے۔ مولانا آزاد ایک مدبر کی حیثیت سے کھرے اترے..... وہ تقسیم ہند کی مخالفت کرتے رہے، اس کے نتائج ہمارے سامنے ہیں۔..... نظریے تو بنتے اور بگڑتے ہیں لیکن قومیں آباد رہتی ہیں اور مذہب کی بنیاد پر قائم نظریہ کسی ملک اور سیاست کے لئے مہلک ہوتا ہے۔ یہ بات کل بھی مولانا نے سمجھائی تھی اور آج بھی اس بات سے ہر آدمی اتفاق کرے گا کیونکہ انہوں نے تاریخی پس منظر میں ملکوں کے عروج و زوال کی داستانوں کو دیکھا تھا اور اس کے نتائج بھی مولانا کے ذہن میں تھے اس لئے وہ عوام کو ہلاکت خیزی سے بچانے کے لئے مسلسل جد وجہد کرتے رہے۔..... مولانا صحافی بھی تھے۔ 'الہلال' اور 'البلاغ' کی اشاعت کا طنطنہ اس کا شاہد ہے۔..... عالمی سطح پر علمی کوششوں کو جس میں سائنسی کوششیں بھی شامل ہیں، پر مضامین لکھنا ان کی وسیع النظری اور وسیع القلبی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ ان کی انشا پردازی، ان کی تحریر کی لطافت، ان کا Sense of Humour بام عروج پر تھا۔..... عملی سیاست میں وزیر تعلیم کی حیثیت سے کابینہ میں شرکت اور اس سے قبل Constituent Assembly میں ان کی موجودگی اور آئین سازی میں ملک کی تہذیب و بقا کے لئے کی گئی کوششیں تعلیمی میدان میں ملک کو خود کفیل بنانے کے لئے ان کے اقدامات آج بھی سیاست دانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔''

(''مجھے کچھ کہنا ہے.....!''، تمثیل نو، جلد ۹، شمارہ ۷-۸ ص: ۳-۴)

مولانا آزاد کے خصوصی مطالعے کے ضمن میں کئی اہم مضامین مثلاً ''مولانا آزاد اور تقسیم ہند'' (مترجم: آنجہانی شانتی رنجن بھٹاچاریہ)، ''ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال'' (ڈاکٹر عقیل ہاشمی)، ''مولانا ابوالکلام آزاد: ایک عظیم نقاد'' (ڈاکٹر عبدالواسع)، ''ابوالکلام آزاد اور زلیخا بیگم'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''افکار آزاد: مکتوبات کے حوالے سے'' (ڈاکٹر وہاب قیصر)، ''مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی صحافت'' (ڈاکٹر مجید بیدار)، ''مولانا آزاد اور مسلم سیاست'' (پروفیسر ایم اے ضیا)، ''ذکر آزاد'' (ڈاکٹر محمد ارشد جمیل)، ''لسان الصدق اور سوشل ریفارم'' (ڈاکٹر محمد ظفر الدین)، ''فرانسیسی طرز کی انشا پردازی اور مولانا آزاد'' (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ شامل کئے گئے ہیں۔

بدقسمتی سے آزاد ہندوستان میں مولانا آزاد کا وسیع القلبی اور کشادہ دلی سے ویسا اعتراف نہیں ہوا جس کے وہ حق دار تھے۔ امام اعظم لکھتے ہیں:

''مولانا سے متعلق جتنے مضامین اس شمارے میں شامل کئے گئے ہیں ان میں کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کے کارناموں کو ازسرِنو نئے زاویے سے دیکھا اور پرکھا جائے۔......اس صدی میں گرچہ بہت ہی تاخیر کے بعد مولانا آزاد کی یوم پیدائش یوم تعلیم کے طور پر ہندوستان میں منانے کا فیصلہ کیا گیا ہے اس لئے اور بھی ضروری ہے کہ ہم آنے والی نسلوں کو مولانا کی شخصیت سے واقف کرائیں اور جو ناانصافیاں ان کے ساتھ ہوتی رہیں وہ آگے نہ دہرائی جائیں اور انہیں مسلمان رہنما کے طور پر نہیں بلکہ قومی رہنما اور معمارِ قوم کے طور پر وہ مقام حاصل ہونا چاہئے جو ان سے کمتر درجے کے لوگوں کو حاصل ہو چکا ہے۔''

(''مجھے کچھ کہنا ہے......!'' تمثیل نو، جلد ۹، شمارہ ۷-۸ ص:۴)

''تمثیل نو'' کا جلد ۱۰، شمارہ ۹-۱۰ 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' کے موضوع پر محیط ہے۔ ہندوستانی فلموں کا اردو سے گہرا تعلق رہا ہے بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ہندوستانی فلموں نے اردو کی گود میں پرورش پائی اور اردو کی انگلی پکڑ کر ہی اس نے ارتقا کی سیڑھیاں طے کیں۔ فلموں کی اسکرپٹ، اس کے مکالمے اور اس کے نغمے مکمل طور پر اردو کے لباس میں ملبوس ہوتے ہیں۔ فلموں کی سوسالہ تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جب بھی کسی فلم نے (ہندو مذہبی فلموں کے علاوہ) اردو سے دامن کش ہو کر ہندی مکالموں اور گانوں کو اپنایا، عوام نے اسے بری طرح مسترد کر دیا۔ یہ تصویر کا ایک رخ ہے۔ دوسری جانب اس حقیقت سے بھی انکار ممکن نہیں کہ فلم عوامی تفریح کا ذریعہ ہے اور فلموں کے توسط سے اردو زبان کی شیرینی اور نغمگی نے عوام کے دلوں میں گھر کیا اور بول چال کی سطح پر عوام میں اردو زبان مقبول ہوئی۔ امام اعظم نے اس شمارے میں فلم اور اردو کے اسی گہرے رشتے کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ ''لیش چوپڑہ کی اردو فلمیں'' (مظہر امام)، ''ابتدائی دور کی ہندوستانی فلمیں'' (حسن امام درد)، ''امیتابھ بچن اور راجکمار سے میری ملاقات'' (پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''مولانا ابوالکلام آزاد اور فلم'' (محمد خالد عابدی)، ''ہندوستانی فلموں میں طرز معاشرت'' (رشید انجم)، ''اردو کی کہانی فلموں کی زبانی'' (پروفیسر شاکر خلیق)، ''ہندوستانی فلموں میں موسیقی اور گیت'' (ابراہیم اشک)، ''ہندوستانی فلمیں اور اسکرین پلے'' (مراق مرزا)، ''فکشن، الکٹرونک میڈیا کے تناظر میں'' (پروفیسر خالد سعید)، ''فلمی ادبی عناصر: اردو زبان کی طاقت'' (پروفیسر ایم اے ضیا)، ''بہار کی ایک میتھلی فلم'' (نیتا جوگن)، ''ادبی اوصاف سے مزین فلمی جریدہ: شمع'' (ڈاکٹر امام اعظم)، ''ہندوستانی فلموں میں ادبی عناصر'' (فیاض احمد وجیہ) اور ''ہندوستانی فیچر فلم کی حقیقت'' (ڈاکٹر قمر علی) وغیرہ مضامین کے توسط سے فلم اور اردو کے باہمی رشتے کے مختلف پہلوؤں پر تجزیاتی نظر ڈالی گئی ہے۔

''تمثیل نو'' کے حوالے سے امام اعظم کی مدیرانہ صلاحیتوں کے مثبت پہلو ابتدا سے ہی سامنے آتے رہے ہیں۔ ان کی فعالیت اور ان کا صحافتی وصف رسالے میں جمود کی کیفیت طاری نہیں ہونے دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ رسالہ نت نئی مثبت تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہوتا رہتا ہے۔ موضوعاتی شمارے کے ساتھ ساتھ 'تمثیل نو' کی ایک اور پیش رفت 'گوشہ' کی شکل میں سامنے آئی ہے۔ ''تمثیل نو'' کا جلد ۱۰، شمارہ ۹۔۱۰، 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' کے موضوع پر مبنی ہونے کے علاوہ ''گوشۂ وہاب قیصر'' سے بھی مزین ہے۔ اسی شمارے سے تمثیل نو نے موضوعاتی پیشکش کے ساتھ ساتھ گوشے کی روایت بھی قائم کی ہے۔

وہاب قیصر سائنس کے رمز شناس ہیں اور ادب کی توجیہات انہوں نے اسی نقطہ نظر سے کی ہے۔ ان کی تصنیفات میں ''سائنس کے نئے افق''، ''سائنس اور غالب''، ''سوالوں میں رنگ بھرے''، ''مولانا آزاد کی سائنسی بصیرت''، ''مولانا آزاد کے سائنسی مضامین'' وغیرہ خاص طور پر اہم ہیں۔ وہاب قیصر کے متعلق امام اعظم لکھتے ہیں:

> ''گمان اور قیاس کی منزلوں سے آگے نکل کر کوئی سائنسداں حقیقی زندگی کے پہلوؤں پر نگاہ ڈالتا ہے تو اسے پتہ چلتا ہے کہ زندگی کے ہر عمل کی سائنسی تفسیر ہو سکتی ہے... شاعر یا ادیب جو کچھ لکھتا ہے وہ سماج کا عکس ہوتا ہے۔ ان کہی یا غیر محسوس باتیں جب سامنے آتی ہیں تو لوگ متحیر ہو جاتے ہیں اور ایسا لگتا ہے کہ فنکار نئی تلاش وجستجو کے مرحلے سے گذر رہا ہے۔ وہاب قیصر نے ان تمام پہلوؤں کا سائنسی نقطہ نظر سے تجزیہ کیا ہے اور انہوں نے وہ پرتیں کھولی ہیں جو الہام کی صورت میں شعری یا فکری لوازمات کے ساتھ اردو ادب میں موجود ہیں۔''

(''ادب میں سائنس کا رمز شناس: وہاب قیصر'' مشمولہ تمثیل نو، جلد ۱۰، شمارہ ۹۔۱۰ ص:۱۱۱)

'گوشۂ وہاب قیصر' میں پروفیسر عبدالمنان طرزی نے ''پروفیسر وہاب قیصر: غالب اور سائنس'' کے حوالے سے منظوم تبصرہ کیا ہے۔ ''غالب کا سائنسی شعور اور وہاب قیصر کی سائنٹفک تنقید'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''سائنس اور غالب: ایک جائزہ'' (ڈاکٹر منصور عمر)، ''ادب میں سائنس کا رمز شناس: وہاب قیصر'' (ڈاکٹر امام اعظم)، ''ڈاکٹر وہاب قیصر: مطالعہ آزاد کا ایک معتبر نام'' (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد) اور 'وہاب قیصر کی غالب شناسی: ادب میں نئے افق کی تلاش'' (شکیل احمد سلفی) وغیرہ مضامین میں وہاب قیصر کے فکر وفن کی مختلف جہتوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس شمارے میں ڈاکٹر امام اعظم کا سفرنامہ ''کلکتے کا ایک یادگار سفر'' اور کئی دیگر مضامین بھی شامل ہوئے ہیں۔

زمانہ تغیر پذیر ہے اور اسی تناسب سے ادب میں بھی تبدیلیاں وقوع پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ایک با شعور مدیر کی طرح امام اعظم کی نگاہ ان تمام تبدیلیوں کا باریکی سے جائزہ لیتی رہی ہے۔ادب کے مختلف رجحانات اور اس کے پیچ و خم کو بھی وہ "تمثیل نو" کے توسط سے گرفت میں لینے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بدلتے ہوئے رنگ و آہنگ، سبھی ان کی ادارت کا موضوع بنے ہیں۔

"تمثیل نو" جلد ۱۱، شمارہ ۱۱-۱۲ میں امام اعظم نے ۱۹۸۵ء کے بعد کے ادب کی صورت حال کو موضوع بحث بنایا ہے۔ان کے خیال میں ۱۹۸۵ء کے بعد ادب عبوری دور سے متصادم تھا جس میں ادیبوں نے پرانے معیار سے بے اطمینانی کا اظہار کرتے ہوئے بت شکنی تو کر ڈالی لیکن نئے معیار کا نیا بت تراشنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔

"اردو کا ہمعصر ادب: ۱۹۸۵ء کے بعد" اس رسالے کا خصوصی موضوع ہے۔"اردو افسانہ ۱۹۸۵ء کے بعد: نظریہ و تجزیہ" (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، "مابعد جدید تنقید کے نئے فکریاتی زاویے" (نظام صدیقی)، "جنوبی ہند میں ۱۹۸۵ء کے بعد ہمعصر ادبی تنقید" (پروفیسر مجید بیدار)، "۱۹۸۵ء کے بعد کی غزلیں: اپنی ذات کا مسیحا" (پروفیسر ایم اے ضیا)، "اردو نظموں کا پس منظر اور پیش منظر" (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ مضامین سے ۱۹۸۵ء کے بعد کی ادبی پیش رفت اور عمومی رجحان کا اندازہ ہوتا ہے۔اسی موضوع کے پس منظر میں امام اعظم نے ایک مذاکرے کا اہتمام کیا ہے جس کا موضوع "جدید اردو غزل میں ریپٹیشن کا مسئلہ" ہے۔اس سلسلے میں ان کا خیال ہے:

> "اردو شاعری میں غزل انتہائی مقبول صنف سخن ہے۔ ہر عہد میں اس کا سلوب بدلتا رہا ہے۔ پہلی بار مظہر امام نے اس کی ہیئت میں تبدیلی آزاد غزل کی صورت میں کی ہے۔ تجربے روز ہو رہے ہیں لیکن ۱۹۸۵ء کے بعد یہ شکایت عام طور پر سامنے آ رہی ہے کہ اب غزلوں میں ریپٹیشن جیسی کیفیت عام ہے۔ وہی مخصوص الفاظ، وہی مخصوص احساسات اور وہی عام ہیئت کا ذکر ہے۔ اگر بیس شاعروں کی غزلیں دیکھی جائیں تو ان میں ایک ہی طرح کے الفاظ پائیں گے، ایک ہی طرح کے محسوسات ان کے اندر موجود ہوں گے، یا تو شعرا اپنے آپ کو دہرا رہے ہیں یا پھر کسی حد تک ان محسوسات کو مزید خوب صورت الفاظ میں پیش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو واقعتاً شاعر ہیں اور جن کے تجربے گہرے اور سچائی پر مبنی ہیں انہوں نے علامتوں کو اس خوب صورتی سے برتا ہے جس سے ترسیل و ابلاغ کی پیچیدگیاں پیدا نہیں

ہوتیں اور اسے خاص و عام میں سند قبولیت بھی عطا ہوگئی ہے۔...... لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کچھ علامتیں مقبول خاص و عام ہوجاتی ہیں اور اس کے بعد رپٹیشن کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے...... اور ادب کے اندر ایک جمود کی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو ۱۹۸۵ء کے بعد اردو غزل میں دیکھنے کو ملتی ہے۔''

(''جدید اردو غزل میں رپٹیشن کا مسئلہ'' (مذاکرہ) مشمولہ تمثیل نو، جلد ۱۱، شمارہ ۱۱-۱۲ ص: ۴۸)

امام اعظم نے یہ سوال قائم کیا ہے کہ 'کیا اردو غزل ۱۹۸۵ء کے بعد جمود کی شکار ہے؟ اور ان پچیس برسوں میں اردو غزل میں رپٹیشن کا مسئلہ سامنے آ کھڑا ہوا ہے؟' حسن امام درد، سید امین اشرف، سید احمد شمیم، مناظر عاشق ہرگانوی، عبد المنان طرزی، رئیس انور، منصور عمر، خورشید اکبر، ایم اے ضیا، ابوذر ہاشمی، عطا عابدی، مشتاق صدف، ہمایوں اشرف، مولا بخش اور نسیم احمد نسیم وغیرہ نے اس مذاکرے میں حصہ لیا ہے اور اپنی آرا پیش کی ہیں۔

۱۹۸۵ء کے بعد اردو ادب میں ہونے والی تبدیلیوں کے سلسلے میں اس رسالے میں اہم مضامین شامل ہوئے ہیں۔ ان مضامین کے توسط سے ۱۹۸۵ء کے بعد کی ادبی صورت حال کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ نے ''تمثیل نو'' کی اس پیش رفت کو مثبت قدم قرار دیا ہے اور اس عہد کے ادب کی تفہیم کے لئے طریقہ کار کا تعین کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''آپ نے ''تمثیل نو'' میں ۱۹۸۵ء کے بعد اردو شاعری، فکشن، اردو تنقید کے منظرنامے میں جو تبدیلیاں آئی ہیں ان پر مباحثہ قائم کر کے ایک اچھا اقدام کیا ہے۔ ایسے موضوعات پر جم کر اور ڈوب کر گفتگو کرنے کی ضرورت ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ یہ دس بارہ معتبر حضرات جنھوں نے اس مباحثے میں حصہ لیا ہے یا مضامین لکھے ہیں ان سب نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ ادب بہتا ہوا دریا ہے اور تبدیلی برحق ہے جیسے پانی کی روانی جاری رہتی ہے ویسے اگر تازہ ہوا نہ ہو تو سرانڈ پیدا ہو جاتی ہے..... نظام صدیقی صاحب چونکہ مسائل کو سمجھتے ہیں اور ایک عرصے سے دانشورانہ مضامین لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے بہت سی گرہوں کو کھولا ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے فکشن والے مضمون میں بہت اہم سوال اٹھائے ہیں لیکن ضرورت ہے کہ علمیاتی زمرے میں جو تبدیلیاں ہوئی ہیں اور نئی بصیرتوں نے پرانی چیزوں کو پلٹ دیا ہے اور زبان، معانی، مصنف، متن، ثقافت اور آئیڈیالوجی کے بارے میں نئی سچائیاں قائم ہوگئی ہیں۔ آج کا اردو ادب جس طرح سماجی سروکاروں سے آزادانہ جڑ رہا ہے اور قاری بھی جیسے دوبارہ ادب کے منظرنامے میں ابھر رہا ہے ان سب باتوں کو سمجھنے اور آئیڈیالوجی کی وسیع تر کارکردگی کو جاننے اور تہذیبی

تشخص پر زیادہ سے زیادہ اصرار کرنے کی ضرورت ہے۔ نئی تخلیقیت میں یہ سب چیزیں اپنے آپ نشان زد ہو جاتی ہیں۔ شرط صرف متن کو کھلے دماغ سے پڑھنے کی ہے۔ ان موضوعات پر لکھنا اور لکھوانا آسان نہیں ہے۔"
("راہ و رسم" تمثیل نو، جلد ۱۱ شمارہ ۱۳-۱۴ ص: ۲۴۵)

"تمثیل نو" کا یہ شمارہ روایت کی توسیع کرتے ہوئے اس بار دو شخصیات، سید منظر امام اور خورشید اکبر کے خصوصی مطالعے پر مبنی ہے۔ سید منظر امام کی دلچسپی کا محور افسانہ نگاری اور صحافت رہی ہے۔ انہوں نے کم لکھا ہے لیکن اپنے معیار کے اعتبار سے ان کی واضح شناخت رہی ہے۔ دربھنگہ کے ادبی منظرنامے پر اپنی فعالیت سے انہوں نے اپنی پہچان قائم کی ہے۔ ۱۹۶۰ء میں دربھنگہ سے ایک سہ ماہی جریدہ "رفتارِ نو" شائع کیا۔ جمشید پور اور دھنباد میں قیام کے دوران بالترتیب رسالہ "ترسیل" اور "وقت" کا اجرا کیا۔ انہوں نے منظر کاظمی کے اشتراک سے چینی جارحیت پر لکھے گئے مضامین کو "ہمالہ کے آنسو" کے عنوان سے مرتب کیا تھا۔ وہ دربھنگہ میں گذرے ہوئے بچپن اور نوجوانی کی خواب آسا یادوں کے حوالے سے ایک دلکش اور دل پذیر خودنوشت "یہ سرگزشت ہی ہے" تحریر کر رہے ہیں جو "تمثیل نو" میں بالاقساط شائع ہو رہی ہیں۔

سید منظر امام کے اس خصوصی مطالعے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، عبدالمنان طرزی اور ڈاکٹر امام اعظم کے مضامین شامل ہیں جن سے سید منظر امام کے تخلیقی ابعاد روشن ہوتے ہیں۔ اس مطالعے میں سید منظر امام کا ایک افسانہ، چند نظمیں اور غزلیں شامل کی گئی ہیں اور ان کا ایک تعارف خود ان کی زبانی بھی اس مطالعے کا حصہ ہیں۔

دوسرا خصوصی مطالعہ جدید شاعر خورشید اکبر پر مبنی ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد ادبی افق پر اپنے مخصوص لب و لہجے کی وجہ سے جن شاعروں نے اپنی شناخت قائم کی ہے، ان میں ایک نمایاں ترین نام خورشید اکبر کا ہے۔ ۱۹۸۰ء کے بعد کی غزل کا مطالعہ خورشید اکبر کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتا۔ ان کے شعری مجموعوں "سمندر خلاف رہتا ہے"، "بدن کشتی بھنور خواہش" اور "فلک پہلو میں" نے اردو غزلیہ شاعری کے آفاق کو وسیع کیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے ہمعصر خورشید اکبر کے شعری امتیازات کے اعتراف کے طور پر "گوشۂ خورشید اکبر" ترتیب دیا ہے۔ اس خصوصی مطالعہ میں سوانحی خاکہ ڈاکٹر زہرہ شمائل نے ترتیب دیا ہے۔ "خورشید اکبر اپنے ہمعصروں میں سب سے ممتاز" (پروفیسر سید منظر امام)، "خورشید اکبر کی غزلوں میں عصری رجحان کی عکاسی" (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، "بدن کشتی بھنور خواہش: ایک تجزیاتی مطالعہ" (ڈاکٹر منظر اعجاز)، "فلک پہلو میں خورشید اکبر" (ابوذر ہاشمی)، "خورشید اکبر کی شاعری: فلک پہلو میں

کے حوالے سے" (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)، "کیا کیا خطوط کاتب نایاب نے چنے (خورشید اکبر: شاعر و محقق)" (فیاض احمد وجیہ)، "حسرت شعر کو تھی ان چھوئے لہجے کی تلاش" (وصیہ عرفانہ)، "نئے ڈکشن کا شاعر: خورشید اکبر" (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ مضامین کے حوالے سے خورشید اکبر کے تخلیقی امکانات پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ان کے علاوہ خورشید اکبر کی رہائش گاہ پر منعقد ہونے والی شعری نشست کی روداد وصیہ عرفانہ نے "برف کی جھیل میں جس طرح روانی ہو جائے" (رپورتاژ) کے عنوان سے قلمبند کی ہیں۔

موضوعاتی مطالعے اور دو شخصی مطالعے کے علاوہ اس شمارے میں ڈاکٹر امام اعظم کا سفرنامہ "بھوبنیشور کا ایک مختصر سفر" اور چند مضامین اور مستقل کالم واصناف حسب دستور شامل ہیں۔

"تمثیل نو" کا اگلا پڑاؤ یعنی شمارہ ۱۳-۱۴ 'اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و فراز' کا منظر نامہ پیش کر رہا ہے۔ تاریخ کا عروج و زوال یا نشیب و فراز قوموں کی طرح زبانوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اردو زبان کو بھی اپنے سفر میں ان نشیب و فراز سے نبرد آزما ہونا پڑا ہے۔ امام اعظم نے اپنے اس رسالے کے توسط سے اکیسویں صدی میں اردو کی صورت حال اور اس کے نشیب و فراز کا جائزہ پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ انہیں اس بات کا اعتراف ہے کہ ابھی اس صدی کی صرف ایک دہائی گذری ہے اس لئے کوئی واضح نشانات نہیں ملتے لیکن اس کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ ادب کی ان تبدیلیوں کا سرا انہوں نے تغیر پذیر سماجی، سیاسی، معاشی اور اقتصادی حالات سے جوڑ کر دیکھنے کی کوشش کی ہے:

> "تاریخ بدل جانے سے شخص، سماج، ماحول یا گردوپیش نہیں بدل جاتے۔ بدلنا کسی کاوش کا نتیجہ نہیں ہوتا بلکہ گذرے ہوئے وقت کی اصلاح کے طور پر سامنے آتا ہے جو گذرے ہوئے وقت میں غلطیاں اور خامیاں رہ جاتی ہیں ان کی نئے وقت میں اصلاح کی جاتی ہے یا پھر یکسر اس کے اندر نئے جذبے کے ساتھ نئی روح پھونکی جاتی ہے۔ اردو ادب میں یہ دیکھا کہ اگر کسی نے محسوس نہیں کیا تو حیرت کی بات ہے کیونکہ اردو کے صحافیوں نے یہ تبدیلی محسوس کی ہے۔ اکیسویں صدی کے اداریے اس بات کے گواہ ہیں کہ کسی نے سیاسی تبدیلیوں کی طرف اشارہ کیا ہے تو کسی نے معاشی اور اقتصادی سمجھوتوں کی بات کی ہے۔ کسی صحافی نے ادبی ایجنڈہ بھی ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے کسی نے عام انسان کی کھوکھلی زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہیں بے اطمینانی کے ماحول کا جائزہ لیا گیا ہے۔ بڑی طاقتوں کے درمیان مفاہمت کی صورت نہیں دکھائی دیتی۔ اس کی بنیادی وجہ ساری دنیا میں اقتصادی بحران ہے۔۔۔۔۔۔" ("مجھے کچھ کہنا ہے۔۔۔۔۔!" تمثیل نو جلد ۱۱ شمارہ ۱۳-۱۴ ص: ۴-۵)

اپنے اداریے میں امام اعظم نے ادب میں رونما ہونے والی تبدیلیوں کی جڑوں کو تلاش کرنے کی

کوشش کی ہے۔انہیں اس بات کا احساس ہے کہ دنیا کی تیز رفتار ترقی نے معاشرے کو مادیت کی جانب راغب کردیا ہے اور سہولیات کا حصول ہی زندگی کا ایجنڈہ بن کر رہ گیا ہے۔ادب ہر دور میں فرد یا معاشرے کی ہی عکاسی کرتا ہے۔لہٰذا آج کا ادب بھی آج کے فرد اور اس کے رویے کو پیش کررہا ہے۔وہ لکھتے ہیں:

"...... برق رفتاری کے ساتھ تبدیلیوں نے نئی ضرورتوں اور جدید معاشیاتی تقاضوں کو جنم دیا ہے۔سب کچھ حاصل کرنے کی دوڑ میں اس قدر مقابلہ ہے کہ کوئی بھی کسی سے پیچھے رہنا نہیں چاہتا۔اس کے لئے راستے صحیح ہیں یا غلط اس کو جانچنے اور پرکھنے کی کسی کو فرصت نہیں ہے اور نہ کوئی میزان ہی اس کے پاس موجود رہ گیا ہے اور وہ ساری کتابی باتیں، اخلاقی تعلیم، رواداری، رشتوں کی پاسداری، سماجی تقاضے اور معاشرتی حسیت سب کچھ ایک کھیل تماشہ بن کر رہ گئے ہیں۔ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی اور اعلیٰ سے اعلیٰ شخص بدعنوانی کے دلدل میں پھنسا ہے۔اس کی نوعیت جو بھی ہو، جیسی بھی ہو کسی کا دامن صاف نظر نہیں آتا۔ اگر کسی کا دامن صاف ہے تو اس کو موقع ہی نہیں ملا۔ایسے پیچ و خم میں ملک کا سماج اور دنیا کی آبادی گھری ہوئی ہے۔اس لئے ادب کے زاویے بھی ایک مرکز پر آکر یہ محسوس کررہے ہیں کہ مذہب کا ذکر، سیاست کی باتیں، اخلاقیات کے چرچے، بدعنوانی کے خلاف تحریکات، ناجائز آمدنی کے ذرائع، غیر ملکوں میں رشوت سے حاصل کی ہوئی دولت کی ذخیرہ اندوزی یہ ساری چیزیں آج کے ادب کا موضوع ہیں اور اب تک ان موضوعات کو جستہ جستہ اردو میں بھی اور علاقائی زبانوں کے ادب میں بھی مختلف طریقہ سے پیش کیا جارہا ہے۔ان کا رنگ و روپ الگ ہے۔اس لئے کلاسی فائیڈ کوریلیشن (درجہ بند باہمی ربط واشتراک) پیدا کرنے میں دشواری ہورہی ہے اور گہرائی سے جب تک اکیسویں صدی کی آہٹ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے انہیں آج کا ادب بھی کوئی نیا تجربہ نہیں لگےگا۔..... آج کے ادب میں بھی یہ تبدیلی دبے پاؤں داخل ہورہی ہے اور وقت گذرنے کے ساتھ یہ پوری صدی پر محیط ہوجائے گی۔......"

("مجھے کچھ کہنا ہے.....!" تمثیلِ نو، جلد ۱۱، شمارہ ۱۳-۱۴ ص: ۵-۶)

"تمثیلِ نو" کے اس شمارے کے مشمولات اکیسویں صدی کے ادب کو مختلف زاویے سے جانچنے پرکھنے کی سعی کررہے ہیں۔"اکیسویں صدی میں اردو: سمت و رفتار" (نظام صدیقی)، "اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و فراز" (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، "اکیسویں صدی میں اردو کا مستقبل" (ڈاکٹر سید محمود دیوان)، "تخلیقات کے بدلتے رنگ اکیسویں صدی میں" (ڈاکٹر ایم اے ضیا)، "اکیسویں صدی میں اردو ادب کا عروج و زوال" (ڈاکٹر رونق شہری)، "فروغ اردو: مسائل اور امکانات" (ڈاکٹر حسن رضا)، "

حامیانِ اردو کی خدمت میں دعوتِ فکر و عمل" (منشی عبدالغفور)، "اردو کے روشن نقوش: اکیسویں صدی میں" (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ ایسے مضامین ہیں جن سے اکیسویں صدی کے ادب کے نقوش روشن ہوتے ہیں۔

"تمثیلِ نو" کے اس موضوعاتی شمارے میں عالمِ اسلام کے ممتاز فقیہ حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمی پر ایک خصوصی مطالعہ بھی شامل ہے۔ جس میں ڈاکٹر امام اعظم، پروفیسر منصور عمر، ابوذر ہاشمی، اے یو آصف اور صفی اختر کے ایسے مضامین شامل ہیں جن سے قاضی صاحب کی شخصیت کے کئی گوشے سامنے آتے ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم نے قاضی صاحب کا سوانحی خاکہ پیش کیا ہے۔ جس میں ان کی تمام تر علمی اور ملی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اپنے دوسرے مضمون میں انہوں نے قاضی صاحب کی اردو دوستی اور اردو نوازی کا جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر نے قاضی صاحب کا منظوم خاکہ قلمبند کیا ہے۔ اے یو آصف نے قاضی صاحب کو ادب اور میڈیا کے حوالے سے دیکھنے اور دکھانے کی کوشش کی ہے۔ ابوذر ہاشمی اور صفی اختر قاضی صاحب کے خاص قرابت داروں میں ہیں لہٰذا انہوں نے قاضی صاحب کی نہ صرف ملی اور علمی خدمات کو روشن کیا ہے بلکہ ان کی شخصیت اور نجی زندگی کے بعض گوشوں کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس شمارے میں "ہندوستانی فلم اور اردو" کے موضوع پر ہونے والے سیمینار پر ڈاکٹر امام اعظم کا ایک جامع رپورتاژ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ گوپی چند نارنگ کی تصنیف "کاغذ آتش زدہ" کا دیباچہ 'بول کہ لب آزاد ہیں تیرے' کو بھی ڈائجسٹ کیا گیا ہے۔ اس شمارے کے دیگر مضامین میں "میری یادوں کا دیار- دربھنگہ" (عاطمہ شبلی)، "پریم چند کی اردو صحافت" (ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی)، "بند آنکھوں کا تماشہ دیکھنے والے" (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، "تعلیم میں تبدیلیاں اور اس کے چیلنجز" (ڈاکٹر اجیر الحق)، "رابندر ناتھ ٹیگور- کچھ نئے زاویے" (انجینئر خورشید غنی)، "مناظر عاشق ہرگانوی اور بچوں کا جاسوسی ادب" (وصیہ عرفانہ)، "متھلا میں اردو نثر کا ارتقا: ایک طائرانہ نظر" (ڈاکٹر محمد رستم انصاری)، "لسانی جامعات اور فاصلاتی تعلیم: اردو زبان کے حوالے سے" (ڈاکٹر امام اعظم) کے علاوہ حمد و نعت، انشائیے، افسانے، افسانچے، نظمیں، غزلیں، تبصرے، نظیر صدیقی کا مکتوب، پروفیسر سید منظر امام کی خودنوشت "یہ سرگزشت ہی ہے" وغیرہ گذشتہ شماروں کی طرح اس میں بھی شامل ہیں۔

"تمثیلِ نو" کی تازہ ترین پیشکش (جلد ۱۲، شمارہ ۱۵-۲۶) 'اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر' کے موضوع پر مبنی ہے۔ اس شمارے کے موضوع اور خصوصی مطالعے کے سلسلے میں امام اعظم لکھتے ہیں:

"جہاں تک اردو ناول کے پس منظر اور پیش منظر کا سوال ہے، اردو ناول کی نشو و نما غلامی کے دورِ آخر کی

تحریکات کے زیر اثر ہوئی۔ حالات کی تبدیلی کے ساتھ یہ نئے افکار وخیالات اور تجربات ومشاہدات کو روشناس کرانے کے لئے تکنیکی تجربات سے گذرتا رہا۔ کبھی اصلاحی، کبھی تاریخی، کبھی رومانی، کبھی جاسوسی تو کبھی ہیئتی وعلامتی سانچوں میں بھی ڈھلا۔ اپنے ارتقائی سفر میں بیشتر خارجی حالات ووسائل کی عکاسی کرتا رہا۔ اردو ناول کی خاصی عمر تقسیم ہند، ہجرت کے کرب، اور فرقہ واریت کی چیرہ دستیوں کے اظہار میں بیتی۔ تب یہ داخلی ونفسیاتی کشمکش کے اظہار تک پہنچا۔ بیسویں صدی کی آٹھویں دہائی کے بعد عصری حسیت کے ساتھ حقیقی زندگی کے نت نئے روپ کو نئی نئی تکنیک کے کینوس کو اجالنے کی طرف گامزن ہو پایا اور اب گلوبلائزیشن اور کنزیومر کلچر سے پیدا گوناگوں حالات ومسائل حتیٰ کہ سائنسی کرشمات سے جھلستی زندگیوں کا کرب بھی خوش اسلوبی سے ناولوں میں ظہور پانے لگا ہے۔ لہٰذا اکیسویں صدی میں اردو ناول کا مستقبل اب زیادہ خوش آئند اور تابناک نظر آتا ہے۔''

(''مجھے کچھ کہنا ہے.....!'' تمثیل نو، جلد ۱۲، شمارہ ۱۵-۲۶ ص:۴)

اس شمارے میں مذکورہ موضوع پر تین مضامین شامل کئے گئے ہیں جن سے موضوع کی مبادیات اور صورت حال واضح ہوتی ہے مثلاً ''نئے عہد کی ناولاتی تخلیقیت کی بوطیقا'' (نظام صدیقی)، ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی) اور ''اردو ناول کل اور آج۔ ایک جائزہ'' (ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی)۔ اس کے علاوہ غضنفر کے ناول ''مانجھی''، پیغام آفاقی کے ناول ''پلیتہ'' مشرف عالم ذوقی کے ناول ''لے سانس بھی آہستہ.....'' اور مناظر عاشق ہرگانوی کے ناولٹ ''آنچ'' کا تجزیہ بالترتیب ڈاکٹر امام اعظم، حقانی القاسمی، ناظم خلیلی اور ڈاکٹر ایم اے ضیا نے کیا ہے۔

اس شمارے میں گوشوں کی روایت برقرار رکھتے ہوئے وسیم بریلوی اور یٰسین احمد پر خصوصی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔ وسیم بریلوی عہد حاضر کے ایک مقبول ومعروف شاعر ہیں۔ ان کا سوانحی خاکہ ادارے کی جانب سے تحریر کیا گیا ہے۔ ''وسیم بریلوی کی نظمیہ شاعری میں تخلیقی آگہی'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''وسیم بریلوی غزل کے حوالے سے'' (نذیر فتح پوری)، ''نئی کلاسیکل غزل کا نمائندہ شاعر: وسیم بریلوی'' (اسلم چشتی)، ''وسیم بریلوی: زمین شاعری میں آسمان بونے والا شاعر'' (احمد معراج) اور ''وسیم بریلوی کی غزلوں میں رومانیت کی عکاسی'' (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ مضامین کے ذریعے وسیم بریلوی کی شاعری کی مختلف جہتوں کو نمایاں کیا گیا ہے۔

اس شمارے کا دوسرا خصوصی مطالعہ افسانہ نگار یٰسین احمد پر مبنی ہے۔ یٰسین احمد کا سوانحی خاکہ ادارے

نے ترتیب دیا ہے۔ یٰسین احمد عصر حاضر کے معروف افسانہ نگاروں میں شمار کیے جاتے ہیں۔ ''یٰسین احمد کے افسانوں میں فن اور فکر کے روشن پہلو'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''یٰسین احمد کے افسانوں کی فکری جہتیں'' (وصیہ عرفانہ)، ''سماجی ڈسکورس اور یٰسین احمد کے افسانے'' (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد) اور ''یٰسین احمد کے افسانوں میں کرب آمیز زندگی کی جھلک'' (ڈاکٹر امام اعظم) وغیرہ مضامین اس خصوصی مطالعے میں شامل ہیں۔ یہ مضامین یٰسین احمد کے افسانوی فن اور ان کی فکری جہت و ابعاد کو روشن کرتے ہیں۔

''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ اب تک کا سب سے ضخیم شمارہ ہے۔ یہ ۳۲۰ر صفحات پر مشتمل ہے۔ ایک موضوعات اور دو خصوصی مطالعات کے علاوہ اس میں ۱۴ر مختلف موضوعات پر مضامین ''ابن صفی کے جاسوسی ناول میں طنز و مزاح'' (مناظر عاشق ہرگانوی)، ''آواز میری گیسوئے شب کھول رہی ہے'' (اختر جاوید)، ''سرسری اس جہاں سے گذرے: ایک مطالعہ'' (سید صابر حسن)، ''تنقیدی گوشے پر ایک نظر'' (سرور کریم)، ''فیض احمد فیض کا جمالیاتی و غنائی اسلوب'' (رضوانہ پروین ارم)، ''نہیں ملتا کسی مضمون سے ہمارا مضمون'' (اسلم چشتی)، ''دربھنگہ کے ادبی منظرنامے کا ایک اہم دستخط: ڈاکٹر امام اعظم'' (سرور کریم)، ''ہندوستانی فلمیں اور اردو: ایک مطالعہ'' (مجیر احمد آزاد)، ''منٹو ایک منفرد افسانہ نگار'' (شبانہ خاتون ثمن)، ''ذکی احمد کی شاعری'' (محمد سمیع)، ''قرۃ العین حیدر کے افسانوں کی انفرادیت'' (بی بی شہناز بانو)، ''راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر کے افسانے مماثلت اور فرق'' (اعجاز احمد)، ''نقش سفر کی تابندگی اور ڈاکٹر امام اعظم: ایک اجمالی جائزہ'' (مجیر احمد آزاد)، ''ارشد مینانگری کی تخلیقی بصیرت 'ماں' کے آئینے میں'' (ڈاکٹر امام اعظم) شامل ہیں۔ حمد و نعت، انشائیے، افسانے، نظمیں، غزلیں، تبصرے حسب دستور موجود ہیں۔ ان سب کے علاوہ مرحوم شخصیات کے ذیل میں حسن امام درد، مظہر امام، وہاب اشرفی، ایم اے ضیا پر تعزیتی نظمیں اور قطعہ تاریخ وفات بھی شامل ہیں۔ شمارے کے اخیر میں رخشندہ جلیل سے گوپی چند نارنگ کی گفتگو کو ڈائجسٹ کیا گیا ہے جو انگریزی روزنامہ 'دی ہندو' کلکتہ میں ۶ر جنوری ۲۰۱۳ء کو شائع ہوا تھا۔

''تمثیل نو'' کے اس ارتقائی سفر کے جائزے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کا ہر شمارہ نت نئی مثبت تبدیلیوں سے ہمکنار ہوتا رہا ہے۔ یہ رسالہ اردو زبان کی ترویج و اشاعت، اس کے مسائل، اس کے فروغ میں حائل رکاوٹوں اور ان کے تدارک کے سلسلے میں امام اعظم کی دلچسپی، ان کے انہماک اور ان کی سعی پیہم کا شفاف آئینہ ہے۔ ایک باشعور مدیر کی طرح انہوں نے ان سنجیدہ مسائل کو اردو قارئین کے سامنے پیش کیا ہے اور انہیں دعوت غور و فکر دی ہے۔ ادب کے مختلف رجحانوں پر بھی ان کی نظر رہی ہے۔ اردو ادب پر ان

رجحانات کے اثرات اور اس کے نشیب و فراز پر بھی ان کی گہری نگاہ ہے۔ ان موضوعات پر انہوں نے نہ صرف اپنے اداریے میں خود لکھا بلکہ اہل قلم سے مضامین بھی لکھوانے کی سعی کی ہے۔ تمثیل نو میں انہوں نے نہ صرف اردو کے روایتی مراکز کو توجہ دی بلکہ سات سمندر پار اردو کا علم بلند کرنے والوں کی خدمات کا بھی اعتراف کیا ہے۔ ''تمثیل نو'' کے اس سفر میں کئی اہم موضوعات پر بحث و مباحث کے مواقع آئے، اردو کے قائدانہ کردار پر روشنی ڈالی گئی اور کئی اہم شخصیتوں کی خدمات کا اعتراف کیا گیا۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۱۳ء تک کے 'تمثیل نو' کے شماروں میں موضوعاتی تنوع کو واضح طور پر دیکھا اور محسوس کیا جاسکتا ہے۔ 'تمثیل نو' کا ایک امتیازی پہلو یہ ہے کہ اس کے ہر شمارے کے توسط سے قدیم تہذیب و تمدن کا گہوارہ متھلا کسی نہ کسی زاویے سے روشن ہوتا رہا ہے۔ امام اعظم نے اپنے اس رسالے کے ذریعے اردو کے عالمی قارئین کو اس خطے کی تہذیب و ثقافت اور ادبی ہلچل سے متعارف کرایا ہے۔ جس کا اعتراف اردو دنیا نے بار ہا ''راہ و رسم'' (مکتوبات کا کالم) کے وسیلے سے کیا ہے۔ امام اعظم نے اردو کے فروغ اور ادب کی فضا سازی کے لئے کئی سمجھوتے بھی کئے ہیں۔ انہوں نے ''تمثیل نو'' کو خالص ادبی مقاصد کے لئے ہی وقف نہیں کیا بلکہ ادبی، نیم ادبی اور کبھی کبھی غیر ادبی تحریروں کو بھی اپنے رسالے میں شامل کیا ہے۔

امام اعظم کے رسالے ''تمثیل نو'' کے اداریے میں ادبی و ثقافتی خبروں کا ایک مستقل کالم شامل رہتا ہے جس میں قومی اور بین الاقوامی سطح کی علمی، ادبی اور تہذیبی خبروں کا احاطہ کیا جاتا ہے اور مختلف انعامات و اعزازات کی تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

''تمثیل نو'' کی ادارت امام اعظم کی شناخت کا ایک اہم حوالہ ہے۔ اپنے اس مقبول ترین جریدے کے توسط سے انہوں نے اردو کے عالمی منظرنامے پر بحیثیت صحافی اپنی ایک مستحکم پہچان قائم کی ہے۔ یوں تو اس رسالے سے قبل اور بعد میں بھی دربھنگہ سے کئی رسالے شائع ہوتے رہے ہیں لیکن جس تواتر اور تسلسل سے یہ رسالہ شائع ہو رہا ہے، وہ یقیناً امام اعظم کی لگن اور صحافتی انہماک کا ثبوت ہے۔ مشمولات کی فکر انگیزی اور تنوع نے اہل قلم اور نامو ران ادب کو ''تمثیل نو'' کی جانب متوجہ کیا ہے۔ اس کا ہر شمارہ مختلف تبدیلیوں کے ساتھ سامنے آتا رہا ہے۔ ''تمثیل نو'' کے ارتقائی سفر کے جائزے سے اس کی نیرنگیاں اور اس کا موضوعاتی تنوع نمایاں ہوا ہے۔ انہوں نے اردو کے روایتی مراکز کی جانب ہی توجہ محدود نہیں رکھی بلکہ سات سمندر پار اردو کا علم بلند رکھنے والوں سے بھی رابطہ بحال رکھا۔ اس رسالے کا ایک امتیازی وصف یہ ہے کہ ابتدائی چند شماروں کو چھوڑ کر اس کا ہر شمارہ کسی نہ کسی موضوع پر محیط ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں،

''تمثیل نو'' کے بیشتر شمارے تہذیب وثقافت کے اہم مرکز متھلا کو کسی نہ کسی زاویے سے روشن کرتے ہیں۔

''تمثیل نو'' کی ایک اہم خصوصیت اس کے اداریے ہیں۔ یہ اداریے موضوعاتی تنوع اور فکر انگیزی کے سبب وقعت اور اہمیت کے حامل ہیں۔ ان اداریوں سے امام اعظم کی اردو سے گہری دلچسپی اور اردو کے مسائل سے قلبی وابستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ ایک باشعور اور بالغ نظر مدیر کی طرح انہوں نے ان مسائل کو اردو حلقوں تک پہنچانے کی کوشش کی ہے اور انہیں غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ اردو ادب کے بدلتے رنگ و آہنگ پر بھی انہوں نے اپنے اداریوں میں بلیغ بحث کی ہے اور مباحثے کے باب وا کئے ہیں۔ اردو زبان وادب کے فروغ، اس کے استحکام اور ترویج واشاعت کی ذمہ داریوں کا احساس امام اعظم کے اداریوں کا جزو لاینفک ہے۔ ''تمثیل نو'' کے اداریے میں وہ اردو اور ادب کے حوالے سے اپنے موقف کے اظہار کے ساتھ ادبی اور ثقافتی خبروں کے علاوہ وفیات کی اطلاع بھی فراہم کرتے ہیں۔ ان ادبی، ثقافتی اور علمی خبروں سے واضح طور پر ان کی رپورٹنگ کی ہمہ رنگی اور موضوعاتی تنوع کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام اعظم کی یہ ادبی وثقافتی خبریں صرف دربھنگہ اور اطراف وجوانب کی سرگرمیوں تک محدود نہیں ہیں بلکہ قومی اور بین الاقوامی سطح پر منعقد ہونے والی علمی، ادبی اور ثقافتی تقریبات نے بھی ان کی تحریروں میں جگہ پائی ہے۔ ان پروگراموں کی تفصیلی روداد کے علاوہ وہ اپنے اداریوں میں مقامی، قومی اور بین الاقوامی منظرنامے پر اپنے انمٹ نقوش قائم کرنے والی علمی، ادبی، سیاسی، ثقافتی شخصیتوں کی رحلت کی خبریں اور ان کی جامع خدمات کا ذکر 'وفیات' کے عنوان کے تحت تحریر کرتے رہے ہیں۔ علمی وادبی تقریبات کی خبریں ہوں یا رحلت کا ذکر، پیشکش کا ایسا اہتمام 'تمثیل نو' کے علاوہ کسی اور رسالے میں کم پایا جاتا ہے۔ اس نوع کی رپورٹنگ سے اردو دنیا مختلف خطوں کی علمی اور ادبی سرگرمیوں سے آگاہ ہوتی ہے اور اسے یہ تقویت بھی حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں اردو زبان وادب کی آبیاری کا سلسلہ جاری ہے۔

ڈاکٹر امام اعظم ۴؍اپریل ۲۰۱۲ء سے ملازمت کے سلسلے میں کولکاتا میں ہیں اور اپنی سیماب صفت شخصیت کی وجہ سے پورے مغربی بنگال میں مقبول ہیں۔ ہر ادبی حلقے میں اپنی علمی وادبی بصیرت واضح کرتے رہے ہیں۔ نتیجے کے طور پر ''اکیسویں صدی میں مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت'' کو سامنے لانے کیلئے اپنے ادبی جریدہ ''تمثیل نو'' کے شمارہ جولائی ۲۰۱۳ء- جون ۲۰۱۴ء میں وقیع انداز میں تعارف نامہ عطا کیا ہے جس میں پیش رفت اور مقبولیت کا گراف نمایاں ہے۔ اس پیش کش سے ہمیشہ استفادہ کیا جائے گا۔ اس شمارے میں شہر کولکاتا کی ایک باغ وبہار شخصیت جناب صلو چودھری پر خصوصی گوشہ بھی شامل ہے۔

ڈاکٹر امام اعظم کی سوچ نے ایک اور اڑان بھری اور انھوں نے "تمثیلِ نو" کے شمارہ جولائی ۲۰۱۴ء-جون ۲۰۱۵ء نثری نظم کی ہیئت میں شہرِ کولکاتا کی منظوم مختصر تاریخ "یہی کولکاتا ہے!" رقم کر ڈالی۔ اس طویل نظم سے مشاطگیِ فکر، مشاہدۂ ذاتی اور مطالعہ سوافر کے مظاہر آشکار ہوتے ہیں۔ گوشۂ ڈاکٹر سیّد تقی عابدی اور گوشۂ پروفیسر منصور عمر میں فن اور شخصیت کو اعتبار بخشا گیا ہے اور معیاری مضامین کے ذریعہ شناخت کی آشنائی دی گئی ہے۔ "تمثیلِ نو" کا یہ شمارہ بھی اپنی موجودگی کو نمایاں کرتا ہے۔

"تمثیلِ نو" کا شمارہ جولائی ۲۰۱۵ء-جون ۲۰۱۶ء "اکیسویں صدی میں اردو صحافت" پر مرکوز ہے۔ زبان و ادب اور تحقیق و تنقید کی ترقی میں "تمثیلِ نو" کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ تیز رفتار اور زوال پذیر اردو معاشرے میں تہہ در تہہ ادبی مسائل پر ڈاکٹر امام اعظم دھڑلے سے مواد فراہم کرتے رہتے ہیں جس کی تازہ مثال یہ شمارہ بھی ہے جس میں ذہن کو آسودہ کرنے والے مواد کی سچائی ہے، گہرائی ہے اور نگارشات کی شرر باری ہے۔ یہ شمارہ استفادہ کرنے کے لئے ہے تاکہ فکری اور فنی بصیرتیں مثال بنتی رہیں۔

امام اعظم نے اردو کے فروغ اور ادب کی فضا سازی کے لئے کئی سمجھوتے بھی کیے ہیں۔ انہوں نے "تمثیلِ نو" کو خالص ادبی مقاصد کے لئے ہی وقف نہیں کیا بلکہ ادبی، نیم ادبی اور کبھی کبھی غیر ادبی تحریروں کو بھی اپنے رسالے میں شامل کیا ہے۔ دراصل وہ ادب کی فضا پر چھائے جمود کو توڑنے کے درپے ہیں۔ اسی تعطل کو ختم کرنے کے مقصد سے بعض اوقات وہ کمتر درجے کی تحریروں کا بھی انتخاب کر لیتے ہیں۔ "تمثیلِ نو" میں شائع ہونے والی تخلیقات میں معیار کا جو فرق نمایاں ہوتا ہے اس کے پس پشت امام اعظم کا یہی رویہ کارفرما نظر آتا ہے۔ نئی نسل کی ذہنی آبیاری میں بھی اس رسالے کا رول اہم ہے۔ اس رسالے کی شکل میں نئے لکھنے والوں کو ایک پلیٹ فارم ملا جس کی وجہ سے ان کی حوصلہ افزائی ہوئی۔ امام اعظم نے نہ صرف نئی نسل کی حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ اردو کے ایسے ادیبوں، جن کی فعالیت کم ہوگئی تھی، انہیں بھی متحرک کیا ہے۔ چنانچہ "تمثیلِ نو" کے صفحات کے ذریعہ ایسے ادیبوں کی کثیر تعداد سامنے آئی ہے جن کی بازیافت کا سبب امام اعظم ہیں۔ لہٰذا یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ امام اعظم نے اپنی صحافتی خدمات کے توسط سے اس خطے میں اردو کی آبیاری، اس کے فروغ اور ادب کی فضا سازی میں اہم رول ادا کیا ہے۔

(ماخوذ از کتاب "دربھنگہ کا ادبی منظر نامہ: ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی و صحافتی خدمات کے حوالے سے" اشاعت: ۲۰۱۶ء)

□□□

صدر، شعبۂ اردو، آر این اے آر کالج، سمستی پور (بہار)

• پروفیسر عبدالمنان طرزی (فیض اللہ خاں، دربھنگہ)

''تمثیلِ نو''

''تمثیل نو'' کی کاپی اک میز سے اٹھائی
جب اس کو میں نے دیکھا حیرت کا لمحہ آیا
''اک مختصر سی مدت اور اس کی اتنی شہرت
راز اس کے پیچھے کیا ہے شاید کوئی دعا ہے''
اک دوست جو تھے آئے
وہ مسکرا کے بولے
''اعظم نے کی ہے محنت بلکہ کہیں ریاضت
اتنا حسیں جریدہ جوڑے کا پھول تازہ
اعظم کی انگلیوں میں قاری کی مٹھیوں میں
بن کے بہار آیا وجہ قرار آیا
اس کے مدیر اعظم عزم و عمل کے سنگم
گیسو سنوارنے میں اک بُت تراشنے میں
فن کی مصوری پر شرما گیا ہے آزر''
میں ان کی بات سن کر
اب متفق ہوں اس پر
ذوق نظر بھی اپنا خون جگر بھی اپنا
بازو کی اپنی طاقت اپنے قلم کی قدرت
رعنائی نظر بھی تابانی قمر بھی
بینائی اور بصیرت اپنی ہر اک لیاقت

ان سب کو جب ملایا — اک نقش پھر بنایا
"تمثیل نو" اسی کا — اعظم نے نام رکھا

پائی عظیم دولت
"تمثیل نو نے شہرت"

۱۴۲۲ھ

(مطبوعہ: "تمثیل نو" دربھنگہ شمارہ: اپریل تا جون ۲۰۰۲ء)

....

(۲)

"تمثیلِ نو" سہ ماہی — امام اعظم

اعتبارِ صحافت ہے "تمثیل نو" — ارمغانِ صداقت ہے "تمثیل نو"
ہیں امام اعظم اعلیٰ مدیر اس کے جب — ناز حسنِ ادارت ہے "تمثیل نو"
گوہرِ بے بہا قلزم فن کا — موجِ بحرِ لطافت ہے "تمثیل نو"
پا کے تزئین زہرا شمائل[1] ہی سے — مہر و مہ کی رفاقت ہے "تمثیل نو"
منزلیں طے ہوئیں ایک ہی جست میں — وہ قلم کی ریاضت ہے "تمثیل نو"
ترجماں ہے وہ رجحان نو کا اگر — فکر تازہ بلاغت ہے "تمثیل نو"
شاخسارِ ادب کی ہے شاخِ جواں — برگِ گل کی نزاکت ہے "تمثیل نو"
حسن معنی کا کہئے مرقع اگر — کسبِ فن کی مہارت ہے "تمثیل نو"
تازہ کاری کے پھولوں کا ہے اک چمن — آگہی کی علامت ہے "تمثیل نو"
کہنا ہے کچھ مجھے[2] نقش اعظم کا ہے — ذکرِ فن و ثقافت[3] ہے "تمثیل نو"
اُٹھ گئے ہیں جہاں سے جو اہلِ قلم[4] — ان کی شعری شہادت ہے "تمثیل نو"
گفتنی[5] پائی پرکاش فکری سے ہے — دیدہ ور کی عنایت ہے "تمثیل نو"
ایک عاشق نئی لہر[6] گنتا رہے — شوق کی وہ عبادت ہے "تمثیل نو"

راہ و رسم[۷] ایک عنوان ہے مستقل — قارئیں کی خطابت ہے 'تمثیل نو'
ہر شمارے کا مخصوص شاعر ہے اک — خوشگوار اک روایت ہے 'تمثیل نو'
عمدہ مضمون و افسانہ نظم و غزل — برگِ گل سے عبارت ہے 'تمثیل نو'
یہ ہے معشوق جیسے کوئی معنوی — ہر ادا اک قیامت ہے 'تمثیل نو'
داد خشونت سنگھ سے بھی ہے مل گئی — معتبر تیری قامت ہے 'تمثیل نو'

قارئین اس کے ہیں عالمی سطح پر
گنجِ فہم و فراست ہے 'تمثیل نو'

۱۔بیگم ڈاکٹر امام اعظم و نائب مدیرہ ۲۔'مجھے کچھ کہنا ہے' اداریہ۔ڈاکٹر امام اعظم
۳۔ادبی اور ثقافتی پروگرام۔ڈاکٹر امام اعظم ۴۔قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب
۵۔گفتنی۔پرکاش فکری ۶۔ایک لہر نئی نئی۔ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی
۷۔'راہ و رسم'۔قارئین کے خطوط کا سلسلہ

(مطبوعہ: کتاب ''تعارف، تبصرہ، تاریخ'' شاعر: ڈاکٹر عبدالمنان طرزی اشاعت ۲۰۰۴ء)

....

(۳)

سہ ماہی ''تمثیل نو'' دربھنگہ (قطعۂ تاریخ بہ سالِ اجراء)

ہے فکر کی جلوہ گری — اور فن کی اس میں آزری
ہے ایک وجہِ دل بری — تمثیل نو اپنا یہی

۳۰۶ — ۱۱۱۵+۱۴۲۱ ہجری

صحافت کو ملا ہے نقش اعظم — جریدہ معتبر تمثیل نو ایک

۲۰۰۱ء

پائی عظیم دولت — تمثیل نو نے شہرت

۲۰۰۱ء

(مطبوعہ: ایضاً)

• اختر جاوید (مرحوم)، سابق معلم، سی ایم او ہائر سکنڈری اسکول، کولکاتا-۷۳ (مغربی بنگال)

"تمثیلِ نو" (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء)

تمثیلِ نو کے دونوں مدیروں کو ہے سلام
انجام دے رہے ہیں زبان و ادب کے کام

'ودیا پتی کے شعر و سخن کا نہیں جواب'
اُن کے دیارِ عشق میں اُردو ہے کامیاب

جو سرورق پہ نظم ہے تاریخ ساز ہے
متھلا کی سرزمین کی دانائے راز ہے

قیمت میں بیشتر ہے مثالِ نگینہ ہے
متھلا مصوّری کا یہ دلکش نمونہ ہے

ایک عہد سانس لیتا ہے تصویر و رنگ میں
تہذیب جلوہ گر ہوئی ہر انگ انگ میں

پچھلے ورق پہ ماضی کی کچھ یادگار ہیں
گذرے ہوئے زمانے کے کچھ یار غار ہیں

تصویر چھاپ دینا بھی تو اک خراج ہے
رکھتا ہے یاد کس کو یہی تو رواج ہے

رکھتا ہے کون یاد کسی کو زمانے میں
آتا ہے اُن کا ذکر بہت کم فسانے میں

تمثیلِ نو جریدۂ خوش رنگ آب ہے
تاریخ واقعات کی جامع کتاب ہے

جغرافیہ بھی شہر کا لکھا ہے آپ نے
نقشہ حدودِ اربعہ کا کھینچا ہے آپ نے

اک داستانِ پاستاں تمثیلِ نو میں ہے
دریا ہے ایک فکر کا جو اپنی رَو میں ہے

کل حمد نعت زیرِ شمارہ بلند ہیں
قطعات بر وفات مشاہیر چند ہیں

قطعات میں خلوص و وفا ڈال ڈال ہیں
اور جھلکیاں مبالغے کی خال خال ہیں

منظر امام لکھتے ہیں اک طرزِ نو کے ساتھ
ندی ہے ایک تیز، بہت تیز رَو کے ساتھ

مضمون سارے اچھے ہیں دلکش ہیں لاجواب
اک حُسنِ انتخاب ہے، اچھا ہے انتخاب

تمثیلِ نو میں سنکھ صدا بھی ہے تیز، تیز
آواز ہے اذان کی خطّے میں عطر بیز

مسجد شوالے ساتھ میں مل جل کے رہتے ہیں
واعظ کے ساتھ ساتھ برہمن بھی پلتے ہیں

تفریق کچھ نہیں ہے بڑی بات ہے اے دوست
ہر صبح ہے حسین، ہر اک رات ہے اے دوست

ہندی کے ساتھ ساتھ ہے اردو بھی ہم رکاب
تمثیلِ نو ادب بھی تاریخ کی کتاب

دربھنگا تیری شان نرالی ہے ہند میں
کچھ تفرقہ کہیں نہیں زاہد میں رند میں

ابنائے روزگار کا ذکرِ جمیل ہے
دربھنگا اپنی ذات میں اک سنگِ میل ہے

دربھنگا کہکشاں ہے شمالی بہار میں
روشن ہے اس کا نام ہزاروں ہزار میں

اک اک کا تذکرہ ہے رسالے میں کیا کہیں
بس پھول کھل گئے ہیں دوشالے میں کیا کہیں

خوشبو سے جس کی سارا چمن مست مست ہے
ساقی یہاں کا دوستو مینا بدست ہے

دربھنگا تیری زلف میں خوشبو غزل کی ہے
ٹھنڈک تری فضاؤں میں کچھ گنگا جل کی ہے

زمزم کا ذکرِ خیر ہے زمزم نہیں تو کیا
اُس آبِ جاں نواز کی خوشبو ہے ہر جگہ

تمثیلِ نو زبان و ادب کا امین ہے
مظہر امام، آسی[1] کی خوشتر زمین ہے

مولانا قاضی[2] قاسمی اس خاکداں کے ہیں
سارے نجومِ تاباں اسی آسماں کے ہیں

افسانہ چودھری[3] کا تو آئینہ رنگ ہے
تہذیب کے بدن پہ بڑا سخت سنگ ہے

تمثیلِ نو میں شعری ادب بھی ہے خوب تر
چرچا ہے اس کا گاؤں میں قریہ میں شہر شہر

جو تبصرے ہیں وہ بھی بہت باکمال ہیں
اچھے ہیں فکر والے ہیں اور حسب حال ہیں

اچھے ہیں وہ خطوط جو قاری نے لکھے ہیں
کچھ تبصرے ہیں صاف تو کچھ الجھے الجھے ہیں

اچھا یہ سلسلہ ہے رسالوں کے واسطے
ہموار ہوتے رہتے ہیں یوں فکری راستے

المختصر کہ ختم مری بات ہوگئی
آنکھوں میں نیند آگئی اب رات ہوگئی

....

١- مولانا عبدالعلیم آسیؔ ٢- حضرت مولانا قاضی مجاہدالاسلام قاسمیؒ ٣- جاوید اختر چودھری

(مطبوعہ: تمثیلِ نو، دربھنگہ جنوری تا دسمبر ۲۰۰۷ء)

....

• ڈاکٹر منصور عمر مرحوم (دربھنگہ)

تمثیلِ نو بقید صنعتِ توشیح

ت ـــــ تعلق کے شجر سوکھے پڑے ہیں
سلگتی دھوپ میں ہم تپ رہے ہیں

م ـــــ محبت کے گلے میں طوقِ لعنت
مگر دستِ ہوس پھیلے ہوئے ہیں

ث ـــــ ثنا خوانی کریں گے ہم بھی ان کی
جو عرش و فرش پر چھائے ہوئے ہیں

ی ـــــ یہی تو ہے طلسمِ خوابِ خوباں
مرے قدموں میں تارے آگرے ہیں

ل ـــــ لہو کا رنگ پھیکا پڑگیا ہے
مگر تمثیلِ نو کے کھلنے ہیں

ن ـــــ نئی دنیا بسانے کی تمنا
نئے انداز سے ہم سوچتے ہیں

و ـــــ وہ سارے لوگ نکلے دشمنِ جاں
جو مجھ سے دوستی کرتے رہے ہیں

(مطبوعہ: سہ ماہی تمثیلِ نو دربھنگہ مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء)

● احسان ثاقب (نوادہ، بہار)

تمثیلِ نو (بقید صنعتِ توشیح)

ت ــــــ تحقیق پر اتری ہوئی اک روشن تمثیل
یعنی کہ فکر و نظر جیسے اک قندیل

م ــــــ مبہم سی تھی جو روش اس میں بھی ایقان
ظاہر ہو کہ باطن ہو سب کردے حیران

ث ــــــ ثمرہ ہے یہ جہد کا یا لفظی انعام
بڑھنے والے پاؤں کا منزل ہی انجام

ی ــــــ یاس کا پہلو تھا کہاں تھی تو بس امید
امکاں بھر کا سلسلہ، تلمیحی تجدید

ل ــــــ لمحوں کے پھیلاؤ نے صدیوں کو دی مات
اب تک تو ہیں اوج پر قلمی ترجیحات

ن ــــــ نئی لسانی سوچ کی جب ہوگی تحقیق
کردے گی اس منطقی لہجے کی تصدیق

و ــــــ وجدانی ایجاد کا رواں دواں اظہار
قائم رہے گا حشر تک اس کا یہ معیار

....

● امان خاں دِل (نیویارک، امریکہ)

"تمثیلِ نو"

"تمثیلِ نو" ہے ایک رسالہ کمال کا
اس کا ہر ایک باب ہے اعلیٰ خیال کا

نظم و غزل کے ساتھ مضامیں بھی خوب ہیں
طرزِ بیاں میں آپ ہے اپنی مثال کا

اردو کی ہے بقا کا بہت خوب سلسلہ
ہے تذکرہ زبان و ادب کے جمال کا

آئندہ کی بھی سوچ سے غافل نہیں ہے یہ
بھرپور اس میں ذکر ہے ماضی و حال کا

پرچہ یہ اہلِ قوم کا خدمت گزار ہے
مقصد نہیں کہ اس سے ذخیرہ ہو مال کا

قیمت ہے اس کی اپنی مناسب حدود میں
اتنا تو ہو کہ کام ہو رزقِ حلال کا

اس اختصار میں بھی ہے تفصیلِ بے کراں
گو چار ہی شمار میں پرچہ ہے سال کا

کرتے رہیں فروغ ادب کا یہ کارِ خیر
پروردگار پر ہو بھروسہ مآل کا

تمثیلِ نو کے حق میں ہے اے دِل مری دعا
آئے نہ اس پہ دور کبھی بھی زوال کا

(مطبوعہ "تمثیلِ نو" دربھنگہ اکتوبر ۲۰۰۴ء – مارچ ۲۰۰۵ء)

• مختار ٹونکی (راجستھان)

"تمثیلِ نو" اور ڈاکٹر امام اعظم

اے گرامی قدر اور اعلیٰ مقام
بندۂ ناچیز کا لیجے سلام

مل گیا ہے آپ کا تمثیلِ نو
پڑھ لیا ہے آپ کا تمثیلِ نو

بے جھجک میں آپ سے کہہ دوں جناب
بے شبہ یہ خوب ہے اور لاجواب

کیوں کہ اظہار تشکر فرض ہے
اس شمارے کے لئے کچھ عرض ہے

کیوں نہ دوں صدہا مبارک بادیاں
دیکھ لیں بھرپور فلمی جھلکیاں

گوشہ وہاب قیصر خوب ہے
تذکرہ ان کا بہت مرغوب ہے

یوں سبھی مضمون بھی اچھے لگے
تبصرے مکتوب بھی پیارے لگے

ہر مقالہ پُر ہے بس تحقیق سے
لطف پایا ہے ہر اک تخلیق سے

بولو اعظم تم نے کیسے کر دیا
کس طرح کوزے میں دریا بھر دیا

ہے یہ اک گنجینۂ شعر و ادب
یا کہ پھر گلدستۂ شعر و ادب

مرحبا "تمثیلِ نو" پر مرحبا
آپ کی ان محنتوں پر حبذا

لب پہ ہے مختار کے یہ ہی دعا
کاش جاری رکھ سکو یہ سلسلہ

اس طرح دل شاد بس کرتے رہیں
گاہے گاہے یاد بس کرتے رہیں

کچھ نہ کچھ اب میں بھی بھیجوں گا ضرور
آپ سے وعدہ رہا میرے حضور

اور سب کچھ ٹھیک ہے مسٹر امام
والسلام و والسلام و والسلام

....

(مطبوعہ "تمثیلِ نو" دربھنگہ اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء)

(کتاب "ڈاکٹر امام اعظم: اجمالی جائزہ" ڈاکٹر ایم صلاح الدین اشاعت: ۲۰۱۲ء)

....

• علاءالدین حیدر وارثی (دربھنگہ)

تمثیل نو

مل گئی محبوبیت "تمثیلِ نو" کو دوستو
ذکر اس کا ہر طرف ہونے لگا تم دیکھ لو

قابلِ تحسین ہے اس کے لیے ذاتِ امام
مل گیا ان کو صحافت میں بھلا کیسا مقام

ہو گئے اس کے لئے خشونت سنگھ رطب اللساں
لکھ دیا اس پر ہے کالم آپ نے کیا خوش بیاں

ہیں دعا گو اس جریدہ کے لئے اب وارثی
"کر دے دائم اے خدا اس کی جہاتِ آگہی"

"تمثیلِ نو" (قطعات)

• حلیم صابر (کولکاتا)

ہیں "تمثیلِ نو" کے قلمکار جو
بہت عمدہ ان کے مضامین ہیں
امام اعظم اس پرچے کے ہیں مدیر
وہ بھی لائقِ داد و تحسین ہیں

مطبوعہ: روزنامہ "اخبارِ مشرق" کولکاتا ۹ رمارچ، ۲۰۱۴ء

• علقمہ شبلی (کولکاتا)

ہے رسالہ تازہ کار و منفرد "تمثیلِ نو"
آگیا تازہ شمارہ آئینۂ بنگال کا
ہر ورق پر چہرۂ بنگال آتا ہے نظر
ہو مبارک، علم وفن کے در ہوئے ہیں کتنے وا

مطبوعہ: روزنامہ "آزاد ہند" کولکاتا ۱۸ رمارچ، ۲۰۱۴ء

• انجم عظیم آبادی (کولکاتا)

لگاتے ہیں آنکھوں سے اہلِ ادب
ہے "تمثیلِ نو" جو سہ ماہی جریدہ
خبر ہے کہ اس کی ہوئی رونمائی
نئی شان سے آیا تازہ شمارہ

مطبوعہ: روزنامہ "آبشار" کولکاتا ۱۲ راپریل، ۲۰۱۵ء

• حلیم صابرؔ (کولکاتا)

صورتِ گلدستۂ علم و ادب
آیا منظر عام پر "تمثیل نو"
دیکھ کر بولے ادب کے قارئین
خوب سے ہے خوب تر "تمثیل نو"

مطبوعہ: روزنامہ "اخبارِ مشرق" کولکاتا ۱۸ راپریل، ۲۰۱۵ء

• حلیم صابرؔ (کولکاتا)

شمارہ آگیا "تمثیلِ نو" کا
امام اعظم کی کوشش رنگ لائی
تصوف کے حوالے سے مضامیں
عیاں ہے جن میں شانِ کبریائی

مطبوعہ: روزنامہ "اخبارِ مشرق" کولکاتا ۲۱ رمئی، ۲۰۱۷ء

• انجم عظیم آبادی (کولکاتا)

اس کی شہرت ہوگئی ہے ملک گیر
اچھے پرچوں میں ہے اب اس کا شمار
پیشِ خدمت تازہ ہے "تمثیلِ نو"
اہلِ علم و فن کو تھا اک انتظار

مطبوعہ: روزنامہ "آبشار" کولکاتا ۲۳ رمئی، ۲۰۱۷ء

• احمد علی برقی اعظمی (نئی دہلی)

اردو جریدہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء)

عہدِ نو میں مطلعِ انوار ہے ''تمثیلِ نو'' — اہلِ دانش کا معین و یار ہے ''تمثیلِ نو''

اس کے مندرجات ہیں نقد و نظر کا آئینہ — فکر و فن کا خوشنما معیار ہے ''تمثیلِ نو''

ہے نمایاں کلکتہ کی اس سے ادبی پیش رفت — ترجمانِ فکر اور فن کار ہے ''تمثیلِ نو''

اس کا یہ ادبی سفر ہے ۱۷ برسوں پر محیط — سر بسر گنجینۂ افکار ہے ''تمثیلِ نو''

یہ امام اعظم کی کاوش لائقِ توصیف ہے — جن کے احساسات کا اظہار ہے ''تمثیلِ نو''

مغربی بنگال کی عظمت ہے اس سے آشکار — سب کی برقی داد کا حقدار ہے ''تمثیلِ نو''

(بتوسط: فیس بک میسنجر ۲۰؍مارچ، ۲۰۱۷ء)

....

ماہنامہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء)

آج ہی مجھ کو ملا ''تمثیلِ نو'' — عہدِ نو میں ہے جو اردو کا سفیر

روح کو حاصل ہوئی آسودگی — اس کے رشحاتِ قلم ہیں دل پذیر

سرورق سے ہے عیاں ذوقِ سلیم — ہے امام اعظم کی کاوش بے نظیر

جاں فزا ہے یہ رسالہ جس کی آج — ڈاکٹر زہرہ شمائل ہیں مدیر

ہے دعا یہ صدقِ دل سے اس کی ہو — معترف خدمات کا بر صغیر

(مطبوعہ: روزنامہ ''فاروقی تنظیم'' پٹنہ ۲۵؍مارچ ۲۰۱۴ء)

....

قطعہ (ماہنامہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء)

''تمثیلِ نو'' کا تازہ شمارہ ملا مجھے — موضوعِ گفتگو ہے جہاں وحدت الوجود

اردو ادب میں نقشِ تصوف ہے لازوال — وہ وحدت الوجود ہو یا وحدت الشہود

(بتوسط ''فیس بک میسنجر'' مورخہ یکم جون، ۲۰۱۷ء)

• پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی

''تمثیلِ نو'' کی پیش رفت

(۱)

''تمثیلِ نو'' کا پہلا شمارہ مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء کا ہے۔ ۶۴ صفحے کے اس شمارہ میں اداریہ، مناجات، نعت، نظمیں، مضامین، تاثرات، افسانہ، افسانچے، منی کہانی، غزلیں، نظمیں، انشائیہ اور تبصرے کے کالم کے تحت مدیر امام اعظم، شاکر خلیق، مانی فاروقی، مظہر امام، مناظر عاشق ہرگانوی، رؤف خیر، اقبال انصاری، اختر پیامی، شہناز پروین، نسیم محمد جان، مظفر مہدی، علقمہ شبلی، اویس احمد دوراں، عبرت بہرائچی، ایم کمال الدین، مجاز نوری، غلام فرید، ناز قادری، ظفر اقبال ظفر، حیدر وارثی، ناشاد اورنگ آبادی، افتخار اجمل شاہین، شاہدہ نسیم سالک، رفیع الدین راز، ایم۔اے ضیاء، حنیف ترین، جابر حسین، منصور عمر، طفیل چترویدی، بدر عالم خلش، جمال اویسی، ارون کمل، نظیر صدیقی اور ابواللیث جاوید کی تخلیقات شامل ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم نے سلیقے سے ''تمثیلِ نو'' کا اجرا کیا ہے اور معیار پر خصوصی توجہ دی ہے۔ نئے ادبی رجحانات کے پیش نظر تخلیقی رفتار اُجاگر ہو اس کی بھی کوشش کی ہے۔ دربھنگہ سے پہلا ادبی جریدہ ''مسیحا'' ۱۹۰۴ء میں منظر عام پر آیا تھا۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اس روایت کو آگے بڑھایا ہے۔

(۲)

''تمثیلِ نو'' کا جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء کا شمارہ ۲۰۸ صفحے میں ہے۔ اس میں صفحہ ۲۵ سے ۷۶ تک پہلی جنگ آزادی پر خصوصی صفحات ہیں۔ سرورق بھی 'پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار' سے متعلق ہے۔ اس میں سب سے اہم صفحات ستر (۷۰) تصویروں کا البم اور تفصیلات ہیں جو پہلی بار ایک جگہ یکجا ہیں۔ یہ نایاب و نادر تصویریں پہلی جنگ آزادی کی مکمل تاریخ کی رعنائیاں ہیں، خون کی سرخی ہے، شہیدانِ وطن کی روشناسی ہے اور ماضی کے ورثے کی تہذیبی آن بان ہے۔ مدیر ڈاکٹر امام اعظم ہر شمارہ میں نئی سوچ اور نیا وژن دیتے ہیں اسی لئے یہ جریدہ بے حد مقبول ہے۔ اس شمارہ میں دس دیگر مضامین ہیں۔ انشائیہ، افسانے، نظمیں، غزلیں، تبصرے اور خطوط ہیں۔ گذشتہ کی طرح اس شمارہ کا اداریہ بھی اہم ہے۔ مستقل کالم ''قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب اور فن'' اس رسالے کی الگ پہچان ہے۔ زرِ سالانہ سو روپے ہے۔ اس خصوصی شمارہ کی قیمت چالیس روپے ہے۔

(۳)

''تمثیلِ نو'' ڈاکٹر امام اعظم نکالتے ہیں اور تجربہ کو جسم و جاں بناتے ہیں۔ روایت سے ہم رشتہ رہ کر جدت کو فوقیت دیتے ہیں اور ہر شمارہ میں نئی سوچ اور اظہار کی طناب ابلاغ اور ترسیل کے ساتھ ملاتے ہیں۔ رسائل کی بھیڑ میں نصیر عاجزاں اور مایۂ بے مایگاں کو سامنے رکھ کر فکر کی پرواز کی بلندی جون ۲۰۰۸ء کے ۲۱۶ صفحہ کے شمارے میں بھی نظر آتی ہے۔ اداریہ، خطوط، مزاج عقیدت، تاثرات، خودنوشت، مضامین، تجزیہ، افسانے، نظمیں، غزلیں، تبصرہ، اور 'راہ و رسم' جیسے مستقل کالم کے ساتھ اس شمارہ میں ''سہرا'' پر خصوصی مطالعہ یا گوشہ صفحہ ۲۹ر سے ۸۰ر تک شامل ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی، طلحہ رضوی برق، مجید بیدار، عبدالمنان طرزی، شاکر خلیق، احسان ثاقب، سیف رحمانی اور مامون ایمن کے مضامین اس صنف سخن کو اعتبار بخشتے ہیں۔ سید منظر امام کی خودنوشت کی چھٹی قسط میں الگ ذائقہ ہے۔ زبان کی روح اور بدن کی چاشنی کے اعتبار سے گوشہ نشیں اور خلوت گزینی فکری عرفان کی وجہ سے اس خودنوشت میں جذبات و محسوسات کی رنگ آرائی ہے۔ دیگر تنقیدی مضامین فکر کو مہمیز کرتے ہیں اور تجزیے اور تفہیم کو نشان زد کرتے ہیں۔ دوسری تخلیقات میں بھی شادکامی ہے اور ذہنی کشت بصیرت اور بصارت کے لئے بہت سارا مواد ہے۔ زرتعاون فی شمارہ ۴۰ روپے اور سالانہ سو روپے ہے۔

(۴)

ڈاکٹر امام اعظم ''تمثیلِ نو'' کے نام سے نو سال سے رسالہ نکال رہے ہیں۔ کئی اہم گوشے شائع کر چکے ہیں۔ موضوعات ایسے ہوتے ہیں جن کی طرف ماقبل توجہ نہیں دی گئی ہے۔ گذشتہ شمارہ ''سہرا'' کی ادبی معنویت پر تھا۔ مارچ ۲۰۰۹ء کے شمارہ میں ''سات سمندر پار'' کے حوالہ سے ۹ر مضامین شامل ہیں۔ اس طرح ایک بڑا اردو کا عالمی گاؤں تازہ شمارہ میں سمٹ آیا ہے۔ اداریہ، انٹرویو، خطوط، سفرنامہ، خودنوشت، مضامین، تجزیہ، افسانے اس شمارہ کے مخصوص شاعر، نظمیں، غزلیں، تبصرہ اور راہ و رسم جیسے مستقل کالم بھی ہیں۔ اداریہ بھرپور ہوتا ہے جس میں ادبی و شناختی خبریں بھی الگ انداز سے شائع کی جاتی ہیں۔ اس شمارہ کا اداریہ گیارہ صفحہ میں ہے۔ کتابوں اور رسائل پر تبصرے کا کالم ہمیشہ متوجہ کرتا ہے۔ اس بار تیس کتابوں پر تبصرے دیئے گئے ہیں۔ 'راہ و رسم' کا کالم بحث و مباحث کے دروازے کھولتا ہے اور گذشتہ شمارہ پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس بار ۲۷ مشاہیر ادب کے خطوط شامل ہیں۔ دلیپ کمار سے مظہر امام کا لیا گیا انٹرویو انکشافی ہے۔ امام اعظم کا سفرنامہ ''جدہ کا سفر'' معلومات سے بھرپور ہے۔ الگ الگ موضوعات پر سات تنقیدی مضامین قابل قدر ہیں۔ سید منظر امام کی قسط وار خودنوشت منفرد ذائقہ رکھتی ہے۔ دیگر

تخلیقات کی اہمیت جداگانہ ہے۔ چاروں سرورق پر دس تصویریں دی گئی ہیں۔ سرورق بیحد دیدہ زیب ہے۔ قیمت فی شمارہ چالیس روپے اور سالانہ سو روپے ہے۔

(۵)

"تمثیلِ نو" کا دسمبر ۲۰۱۰ء کا شمارہ دوسو چوبیس صفحے میں ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم اپنے رسالہ میں جیسا مواد دیتے ہیں اور پیش کش کا جو انداز اپناتے ہیں اس سے ہر شمارہ قابل توجہ بن جاتا ہے۔ تازہ شمارہ میں ابوالکلام آزاد پر گوشہ ہے۔ اس میں دس مضامین مولانا آزاد کی انفرادیت کو سامنے لاتے ہیں۔ اس رسالے کا اداریہ بھی اہم ہوتا ہے کہ عصری آگہی اور عالمی ادبی منظرنامہ سمیٹے ہوتا ہے۔ مکتوب، خودنوشت، مضامین، تجزیہ، افسانے، طنز، مخصوص شاعر، نظمیں، غزلیں، تبصرہ اور خطوط کے کالم کے تحت ڈھیروں مواد شامل ہیں۔ قیمت فی شمارہ چالیس روپے ہے۔

(۶)

ڈاکٹر امام اعظم کے رسالہ "تمثیلِ نو" کا مارچ ۲۰۱۱ء کا شمارہ ۲۵۶ صفحے میں ہے۔ اس رسالے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ الگ الگ موضوع پر ہر شمارہ میں وافر مواد دیا جاتا ہے۔ زیرمطالعہ شمارہ میں "اردو کا ہمعصر ادب: ۱۹۸۵ء کے بعد" کے تحت پانچ بے حد اہم مضامین شامل ہیں جن میں افسانہ، تنقید، غزل اور نظم پر نیا تناظر پیش کیا گیا ہے اور آٹھویں دہائی کے بعد کے ادبی منظرنامے کی تبدیلیوں کو اُجاگر کیا گیا ہے۔ اس شمارہ میں ایک اہم مذاکرہ بھی ہے۔ عنوان ہے "جدید اُردو غزل میں Repeatation کا مسئلہ"۔ سولہ دانشوروں نے اس مذاکرہ میں حصہ لیا ہے اور حوصلہ انگیز و حیات آمیز باتیں کی ہیں جن سے غزل کی نئی ہیئت اور نئی معنویت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس شمارہ میں سیّد منظر امام اور خورشید اکبر پر گوشے بھی ہیں۔ منظر امام کے مطالعہ کے تحت مضامین، کہانی، غزل اور نظمیں شامل ہیں۔ خورشید اکبر کے گوشہ میں دس مضامین کے ساتھ خورشید اکبر کی ایک غزل پر چھ شاعروں کی تضمین بھی ہے۔ دیگر مستقل کالم، مضامین (پانچ مقالے)، رپورتاژ، سفرنامہ، خاکہ، افسانے (تین افسانے)، اس شمارہ کے مخصوص شاعر، نظمیں (دس شاعر)، غزلیں (بیس شاعر)، تبصرہ (پچیس کتابوں پر)، خطوط (۳۸ قارئین)، مکتوب (امام اعظم کے نام نظیر صدیقی کے خطوط۔ اس شمارہ میں ۲۸واں خط ہے)، حمد، نعت اور اداریہ کے تحت ڈھیروں مواد دیا گیا ہے۔ ہر شمارہ کی طرح اس بار کا اداریہ بھی تفصیلی ہے۔ چودہ صفحے کے اداریہ میں بہت ساری معلومات ہیں۔ قیمت ۵۰/روپے ہے۔

(۷)

ڈاکٹر امام اعظم کے رسالہ "تمثیلِ نو" کا جون ۲۰۱۳ء کا شمارہ ۳۲۰ صفحے میں ہے۔ اداریہ 'مجھے کچھ کہنا ہے'

صفحہ۴ سے ۴۸ صفحہ تک ہے جس میں ادبی ثقافتی خبروں کی اہمیت الگ ہے۔ حمد و نعت، مکتوبات اور خود نوشت کے مستقل کالم کے ساتھ موضوعاتی گوشے کے تحت ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' (صفحہ ۵۴ تا ۹۱) بے حد اہم ہے۔ سات مضامین کے ذریعہ اردو ناول کا ارتقائی سفر اکیسویں صدی تک محیط ہے۔ وسیم بریلوی پر خصوصی گوشہ (صفحہ ۹۲ تا ۱۱۱) ان کی شخصیت اور فنکاری کی گنگا جمنی کو اُجاگر کرتا ہے۔ یٰسین احمد پر بھی خصوصی گوشہ (صفحہ ۱۱۲ تا ۱۳۳) ہے جس سے ان کی افسانہ نگاری کے روشن پہلو سامنے آتے ہیں۔ الگ الگ موضوعات پر ۴ تنقیدی مضامین اس شمارہ کو معیار کی اونچائی تک لے جاتے ہیں۔ دو انشائیے، تین افسانے، تہنیتی نظم، چند یادیں اور اس شمارہ کے مخصوص شاعر کے کالم کے ساتھ ۱۱ شاعروں کی نظمیں اور ۳۳ شاعروں کی غزلیں بھی رنگ بکھیرتی ہیں اور عصری آگہی کا پتہ دیتی ہیں۔ ''مرحوم مخصوص شخصیات'' کا کالم اس لئے متوجہ کرتا ہے کہ اس میں مظہر امام، ایم اے ضیاء، وہاب اشرفی اور حسن امام درد پر مضامین نثر و نظم سے عقیدت ظاہر کی گئی ہے۔ ۷۴ کتابوں پر تبصرے اس شمارہ کی الگ انفرادیت ہے۔ کسی بھی رسالے میں ایک ساتھ اتنی کتابوں پر تبصرے نہیں دیئے جاتے۔ ''تمثیل نو'' کی یہ اپنی مخصوص پہچان ہے۔ 'خطوط' کا کالم کے تحت چالیس مشاہیر ادب کے نام ہیں۔ جنہوں نے گزشتہ شمارہ پر اپنی رائے دی ہے۔ 'انٹرویو' اور 'مصاحبہ' کے کالم کے تحت بھی مواد ہے۔ غرض یہ دیدہ زیب شمارہ بھی لکھنے، پڑھنے اور استفادہ کرنے کے لئے ہے۔ قیمت سو روپے ہے۔

(مطبوعہ کتاب: 'ہمعصر اردو رسائل: جائزہ' اشاعت: ۲۰۱۵ء۔ ص: ۱۸۱ تا ۱۸۵)

(۸)

ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں 'تمثیل نو' کا جون ۲۰۱۵ء کا شمارہ ۲۷۶ صفحے میں بے حد اہم ہے۔ سرورق پر شہر کولکاتا کی چھ تصویریں اور پروفیسر منصور عمر اور ڈاکٹر سید تقی عابدی کی بھی تصویریں ہیں۔ اندرونی سرورق پر چھ رنگین تصویریں مشاہیر کی اور اندر کے صفحات پر بھی سات رنگین تصاویر ہیں۔ ہر بار کی طرح ڈاکٹر امام اعظم کا اداریہ، ادبی و ثقافتی خبریں اور وفیات پر مواد طویل ہے۔ یہ صفحہ۴ سے ۳۷ تک پھیلا ہوا ہے۔ حمد اور نعت کے بعد 'مظہر امام کی یاد میں' زبیر رضوی کی تاثراتی رائے ایک صفحہ میں دینے کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی۔ یہ مطبوعہ تحریر فروری ۲۰۱۲ء کے 'ذہن جدید' سے لی گئی ہے۔ ۳۰ر جنوری ۲۰۱۲ء کو مظہر امام کا انتقال ہوا تھا۔ دو صفحے میں شمس جلیلی کی منظوم روداد 'کولکاتا ہے'، منور رانا سے مختصر انٹرویو ہے۔ انجم عظیم آبادی کا انشائیہ، مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی اعزازیہ تقریب کا خطبہ اور ڈاکٹر امام اعظم کے منظوم و منثور 'کولکاتا مختصر ادبی تاریخ'، اور طویل نثری نظم کے ذریعہ (صفحہ ۵۲ سے ۸۷ تک) کولکاتا کے ہر ذرے پر روشنی ڈالی گئی

ہے۔ 'گوشۂ سید تقی عابدی' کے تحت ان کی سوانح، پانچ مضامین، منظوم تاثرات اور سید تقی عابدی کے تین مضامین شامل ہیں۔ گوشۂ منصور عمر کے عنوان سے ان کی سوانح، چھ مضامین اور ان پر منظوم خراج عقیدت دیئے گئے ہیں۔ مضامین کا حصہ متوجہ کرتا ہے۔ الگ الگ شخصیات اور اصناف پر ۲۵ مضامین مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں۔ مزید دو انٹرویو، افسانے، نظمیں، غزلیں، ماہیے اس شمارہ کے مخصوص شاعر اور منظوم خراج عقیدت کی کہکشاں نظر آتی ہے۔ ۴۱ کتابوں پر تبصرے ہیں اور ۲۴ مشاہیر کے مختصر اور تفصیلی آرا گذشتہ شمارے پر ہیں۔ فونٹ چھوٹا ہے اس لئے مواد بہت زیادہ ہے۔ قیمت فی شمارہ ۱۵۰/روپئے ہے۔

(مطبوعہ: ماہنامہ ''رنگ و بو''، حیدر آباد، دکن اگست 2015ء)

(۹)

'تمثیل نو' کا جون ۲۰۱۶ء کا شمارہ ۴۱۶ صفحے میں اکیسویں صدی میں اردو صحافت اور دیگر تخلیقات کے ساتھ ہے۔ الگ الگ تقریبات کی ۹ رنگین تصویریں بھی ہیں۔ مدیر ڈاکٹر امام اعظم کی محنت ہر صفحے سے عیاں ہے۔ ان کا اداریہ 'مجھے کچھ کہنا ہے' ۵۴ صفحے میں ہے جس میں ادبی و ثقافتی خبریں ہیں اور وفیات کی تفصیل ہے۔ ایک سال کا یہ جائزہ الگ اہمیت کا حامل ہے کہ ایک ہی جگہ بیشتر معلومات مل جاتی ہیں۔ حمد، نعت کے ساتھ شیم باروی کا سفرنامہ 'مسجد اقصیٰ کا سفر' دلچسپی سے پڑھا جائے گا۔ انجم عظیم آبادی کا مضمون، 'ٹیگور جینتی کا مشاعرہ اور ساحر لدھیانوی'، الگ نوعیت کا حامل ہے۔ شاہد حسین لعل پوری، ڈاکٹر ایم نہال، امام اعظم (مانو کے وائس چانسلر کے حوالے سے)، مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر عبدالمنان، ڈاکٹر سید تقی عابدی، میزہ احتشام، ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی، عشرت بیتاب، شائق احمد یحییٰ، صفی اختر، ایم صلاح الدین، مجیر احمد آزاد، ایم نصر اللہ نصر، سلیمہ بی کولور، سرور کریم، شگفتہ یاسمین، فرحت بانو، علیم الدین، عروسہ یاسمین زیبا، محمد افروز الہدیٰ، نزہت جبیں، عبدالسلام عارف اور سید ایاز احمد روہوی کے مضامین مسائل کے حل سے بھرے ہوئے ہیں۔ سات افسانہ نگاروں کے افسانے/ افسانچے، ۹ شاعروں کی نظمیں، چھ شاعروں کی منظوم خراج تحسین، ۲۷ شاعروں کی غزلیں۔ محمود احمد کریمی کا منظوم انگریزی ترجمہ، احمد معراج کا انٹرویو اور ۴۷ نئی کتابوں پر تبصرے کے ساتھ گذشتہ شمارے پر ۳۱ مشاہیر کے خطوط وغیرہ شامل ہیں۔ نوع بہ نوع اتنی ساری تخلیقات ۲۸ سطری صفحات اور ۱۳ر فونٹ کی کمپوزنگ میں ترتیب دینا ڈاکٹر امام اعظم کی انفرادیت ہے۔ قیمت فی شمارہ ۱۵۰/روپئے ہے۔ (مطبوعہ: ماہنامہ ''رنگ و بو'' حیدر آباد، دکن ستمبر ۲۰۱۶ء)

□□□

کوہسار، بھیکن پور-۳، بھاگل پور-۸۱۲۰۰۱ (بہار) موبائل: 9430966156

• ڈاکٹر قاسم فریدی

''تمثیلِ نو'': ایک مطالعہ

(مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء)

''تمثیلِ نو'' کا شمارہ ا/مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء باصرہ نواز ہوا۔ رسالہ اس قدر جاذب نظر اور اس کے مشمولات اس قدر پرکشش محسوس ہوئے کہ ایک ایک مضمون اور ہر ایک نظم و غزل کا مطالعہ نہایت انہماک اور دلچسپی سے کرنے کی توفیق حاصل ہوئی۔ آپ کا اداریہ فکری اور لائق عمل ہے۔ ادیب کے اچھا لکھنے کے ساتھ ادبی جریدے کا زندہ رہنا بھی ضروری ہے اور جو لوگ ادبی جریدے کو زندہ رکھنے میں تعاون دے رہے ہیں وہ یقیناً اپنی زبان کی بقاء کے لئے نمایاں کردار ادا کر رہے ہیں۔

پروفیسر شاکر خلیق کی نظم ''مناجات'' سادگی' سلاست' روانی' عاجزی اور انکساری کا بہترین نمونہ ہے۔ ان کی تخلیقی قوت نمو نے اس نظم کو ابر رحمت بنادیا ہے اور میرے خیال میں ایک مومن کے لئے شب و روز کی ایک بہتر دعا بن گئی ہے۔ مانی فاروقی کی نعت ان کے جذبات و احساسات کا اظہار ہے اور یہ نئے وسیلوں کا تلازمہ بن کر دل میں رقت پیدا کرنے کا باعث بنتی ہے۔

مظہر امام عہد حاضر کے ایک بڑے شاعر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں مگر اس شمارے میں ان کا مضمون ''دربھنگا میں اردو ادبی صحافت'' نے انہیں ایک معتبر اور باوقار محقق کی حیثیت سے متعارف کرایا ہے۔ انہوں نے ۱۹۰۴ء سے ۱۹۹۷ء بلکہ ۲۰۰۰ء تک کی اردو صحافت پر جس مدلل انداز میں روشنی ڈالی ہے وہ ان کی عالمانہ شخصیت کا اظہار ہے۔ میرے خیال میں تاریخی اعتبار سے اس مضمون کی اہمیت بڑھ جاتی ہے اور دربھنگہ کی اردو صحافت پر کام کرنے والے اسکالر کے لئے یہ مضمون نشان راہ کی حیثیت رکھے گا۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون نئی نسل کی بازیافت اور عرفان ذات کی تلاش ہے۔ واقعی نئی نسل ترقی پسندی اور جدیدیت سے انحراف کرتے ہوئے ادب میں نئے نئے وسیلوں' نئے تلازموں اور نئی جہتوں کا دخل چاہتی ہے تاکہ موجودہ ادب نئے تناظر اور نئے اصولوں کے مطابق آزادانہ فضا اور افق کی تلاش کر سکے۔ یہ مضمون بظاہر ایک مشورہ کی صورت میں سامنے آتا ہے مگر ایک اہم مسئلے کے حل کی تلاش کا اشاریہ بھی ہے۔ اگر تخلیقی فنکاروں نے اس مشورے پر عمل کیا تو نئی نسل کا Credit قائم ہوگا اور واقعی ایسا صالح' روشن اور افادی ادب پیدا ہوگا جس کی طرف فنکار، ناقد اور قاری بھی متوجہ ہوں گے۔

رؤف خیر نے اپنے مضمون ''بچوں کا اقبال'' میں سادہ اور سلیس پیرائے میں اقبال کی ان نظموں پر تبصرہ کیا ہے جو بطور خاص بچوں میں انکساری' خودداری' ہمدردی اور حوصلے کا جذبہ پیدا کرتی ہیں۔ رؤف خیر نے اپنے مختصر مضمون میں بڑی کار آمد باتیں کہی ہیں۔ اقبال کی چند نظموں کے حوالے سے انہوں نے افادی ادب کو پیش کرنے کی فنکارانہ کوشش کی ہے۔

اقبال انصاری کا مضمون ''ڈاکٹر امام اعظم: ایک سلیقہ مند محقق'' ایک جائزہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اقبال انصاری نے کچھ اس انداز سے ڈاکٹر اعظم کے تنقیدی اور تحقیقی اختصاص کو پیش کیا ہے کہ ''مظہر امام کی تخلیقات کا تنقیدی مطالعہ'' پڑھنے کی خواہش دل میں جاگ اٹھتی ہے۔ اقبال انصاری نے ڈاکٹر اعظم کی تحقیق و تنقید کے جن نکات اور جن پہلوؤں پر خصوصیت سے روشنی ڈالی ہے وہ واقعی تحقیق کی سنگلاخ سرزمین سے کامیاب گذر جانے کے ثبوت ہیں۔ امام اعظم جدید لب و لہجے کے منفرد شاعر اور نئی نسل کے حوصلہ مند نقاد ہیں۔ ان کی تنقید میں تحقیق کی رمق پیدا ہونا ان کی ذہانت کا ثبوت ہے۔

تاج پیامی کے تاثرات ذاتی ہیں۔ اس مضمون سے بیتے ہوئے لمحوں کی کیف آگیں فضا یادوں کے سمن زاروں سے جھانکتی نظر آتی ہے۔ شہناز پروین کی کہانی بڑی تیکھی لگی۔ معاشرتی برائیوں کو انہوں نے طنزیہ اسلوب میں پیش کر کے چاشنی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ ایک اچھی' دلچسپ کہانی ہے اور جس میں معنی کی کئی تہیں پوشیدہ ہیں مگر ترسیل میں دقت پیدا نہیں ہوتی۔

منی کہانیوں میں زبان، ٹوپی اور کرشمہ پسند آئیں۔ ڈاکٹر مظفر مہدی سے کہانیاں قریب ہیں۔ ان سے کہئے اپنے فن کا خاطر خواہ استعمال کریں۔ وہ اردو کو اچھی کہانیاں دے سکتے ہیں۔

غزلوں اور نظموں کے حصے معتبر اور پر وقار ہیں۔ بطور خاص جو لوگ پسند آئے ان میں پروفیسر ایم کمال الدین، ناشاد اورنگ آبادی، پروفیسر افتخار اجمل شاہین، رفیع الدین راز، پروفیسر ایم۔ اے ضیاء، مختار احمد عاصی وغیرہ کی غزلیں اثر انگیز ہیں اور نظموں میں اٹل بہاری باجپئی، حسن امام درد، محمد سالم، علقمہ شبلی، پروفیسر جابر حسین اور ارون کمل نے متاثر کیا ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر نے ''تمثیل نو'' کی صنعت توشیح کی وضاحت میں جو شعری اسلوب استعمال کیا ہے وہ ان کی فنکارانہ بصیرت کا ثبوت ہے۔

پروفیسر نظیر صدیقی کا انشائیہ بے حد دلچسپ ہے۔ انہوں نے اپنی فنکارانہ بصیرتوں کا بہ طریق احسن اظہار کیا ہے۔ نظر و قلب کو راحت پہنچانے والی اتنی اچھی تحریر کے لئے پروفیسر صاحب کو مبارکباد کہئے۔

اس رسالے میں شامل تینوں تبصرے بھی بہتر ہیں۔ مبصر نے کافی محنت اور عرق ریزی کی ہے مگر مطالعے میں وہ چمک نہیں ہے جو ایک مبصر کے لئے ضروری ہے۔ مبصر کو چاہئے کہ مشاہیر اور ناقدین ادب کے تبصروں کا مطالعہ کر کے اپنی تحریر میں زندگی کی رمق پیدا کریں۔

بحیثیت مجموعی رسالہ ''تمثیل نو'' صوری و معنوی اعتبار سے خوب سے خوب تر ہے۔ آپ نے ایک معیاری ادبی رسالہ شائع کیا ہے۔ اس کے بیشتر مندرجات نے متاثر کیا ہے۔ یقیناً آپ ادبی صحافت کی نئی شیرازہ بندی اور معیار سازی میں نمایاں کردار انجام دے رہے ہیں۔ میں خدا سے دعا گو ہوں کہ یہ رسالہ حادثات زمانہ کا شکار نہ ہو اور اس کی روشنی تادیر قائم رہے تاکہ ادب کی نئی قدروں کے تعین میں اس کی شرکت فیوض و برکت کا سبب بن سکے۔ آمین!

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم''، پٹنہ مئی، ۲۰۰۱ء)

(۲)

(جون تا اگست ۲۰۰۱ء)

سہ ماہی ''تمثیل نو'' (دربھنگہ) کا دوسرا شمارہ پیش نظر ہے۔ خوبصورت گیٹ اپ، علامتی تصویریں امام اعظم کے تخلیقی افکار بیان کرتی ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم کا اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' فکری جہت کے اعتبار سے پیغام ہوش مندی ہے۔ اس اداریہ کے ان دو جملوں کو بار بار پڑھے جانے کی ضرورت ہے:

''اردو زبان و ادب کے فروغ اور اس کی بقا کے لئے اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ادیب و فنکار اور قارئین ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اردو کی آبیاری کے لئے جان کی بازی لگا دیں۔''

''...ہمیں جی جان سے اردو کے تحفظ کے لئے کوشش کرنی ہے.....۔'' (ص:۳)

ڈاکٹر امام اعظم ایک نوجوان نقاد ہیں اس لئے ان کے مذکورہ بیانات میں جوش و خروش ہے مگر آج اردو کے نام پر مختلف مراعات پانے والے کتنے لوگ ہیں جن کو یہ فکر ہے۔ اردو کے نام پر اونچے اونچے عہدوں پر فائز ہونے والے حضرات ایئر کنڈیشنوں میں اور عالی شان عمارتوں میں زندگی کا سکھ بھوگ رہے ہیں، انہیں اردو کے مرنے اور جینے سے کیا واسطہ...... وہ اردو کی بقا اور تحفظ کی فکر کر کے اپنی صحت کو کمزور کیوں کرنے لگے البتہ ڈاکٹر امام اعظم جیسے سرپھرے اور کوہ کن اب بھی موجود ہیں جو اردو کا لاشہ اپنے کاندھوں پر اٹھائے پھر رہے ہیں۔

پروفیسر محمد مطیع الرحمان کا مضمون ''سانحۂ بابری مسجد اور منصور عمر'' کئی اعتبار سے اہمیت کا حامل ہے۔ اول تو یہ کہ اس کا ابتدائی حصہ منصور عمر کے خاکے کی حیثیت رکھتا ہے۔ منصور عمر کی شرافت نفسی اور انسان

دوستی کا ذکر جس صاف گوئی اور محبت کے ساتھ کیا گیا ہے اس کی بہت کم نظیر اردو ادب میں ملتی ہے۔ منصور عمر خوش نصیب ادیب ہیں جن کی زندگی میں ہی ان کے مختلف اوصاف حمیدہ کا تذکرہ پروفیسر محمد مطیع الرحمان نے شفقت و محبت کے ساتھ کیا ہے۔اس مضمون کی دوسری اہمیت یہ ہے کہ یہ سانحہ بابری مسجد کا ایک مفصل بیان بن گیا ہے اور تیسری خوبی کا سبب منصور عمر کی نظم ''ابابیل'' کی تاریخی اہمیت ہے۔ پروفیسر محمد مطیع الرحمان نے جس ایجاز و اختصار کے ساتھ اس مختصر سے مضمون میں اس نظم کا تجزیہ کیا ہے وہ ان کے فنی و علمی کمالات کا مظہر ہے۔ منصور عمر کی نظم ''ابابیل'' ایک کامیاب اور مسحور کن شعری کارنامہ ہے۔

محمد سالم نے ''نئی سمت نئے تقاضے'' لکھ کر فکری، معیاری اور باشعور اذہان کی ترجمانی کی ہے۔ اس مضمون میں متعدد موضوعات پر عالمانہ گفتگو ملتی ہے۔ مثلاً جدید فنکار اور عصری تقاضے ترقی پسندی کے اجتماعی مقاصد، شعروادب میں اصلاحی تجربے، فیشن گزیدہ جدیدیت اور صالح جدیدیت کے مابین امتیازات ترقی پسندوں کی نظریاتی وابستگی اور موضوعاتی واسلوبیاتی یک رنگی اور تخلیقیت پسند نظام تنقید وغیرہ موضوعات پر مختصراً مگر انہماک کے ساتھ روشنی ڈالی گئی ہے اور آخر میں مضمون نگار نے نظام صدیقی کے مضمون ''تخلیقیت پسند ادب کا اقداری اور جمالیاتی نظام'' کا ایک طویل اقتباس پیش کیا اور ان افکار کے وسیلے سے تخلیقیت کو اردو میں نظام تنقید کا ایک اہم باب تصور کرتے ہیں۔ یہ مضمون بہت مختصر ہے مگر بہت سارے نکات پر مباحث کے راستے وا کرتا ہے۔ اہل نقد ونظر کو اس گفتگو میں شامل ہونا چاہئے۔

''یادِ رفتگاں'' کے تحت پروفیسر حافظ عبدالمنان طرزی نے دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ لکھ کر اپنی فکر و فن اور شعری صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے۔ یہ منظوم ادبی تاریخ، تحقیقی دستاویز بن گئی ہے۔ چھوٹی بحر میں جس کروفر کے ساتھ پروفیسر طرزی نے اپنے خیالات کا اظہار کیا وہ ان کی ادبی فکری اور تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ جذبے کی شدت اور اظہار بیان کی قوت نے اس نظم کو کوہستان صفات سے مملو کر دیا ہے۔ اور جس کا اسلوب شیوہ ساحری رکھتا ہے۔ نظم کے آخر میں حواشی کی تفسیر نے ریسرچ اسکالروں کے لئے قطب نما کا کام کیا ہے۔ سید احمد شمیم کے شعری مجموعہ ''بے در و دیوار'' پر پروفیسر سید منظر امام کا جائزہ مختصر مگر جامع ہے۔ شمیم کی شعری کائنات کا احاطہ کرنے میں منظر امام نے اپنی تنقیدی اقتصادی ژرف بینی کا ثبوت دیا ہے۔ شمیم کے چند اچھے اشعار کا انتخاب جناب منظر امام کے ادبی ذوق کا پتہ دیتے ہیں۔ منظر امام کو چاہئے کہ فرصت کے لمحات میں سید احمد شمیم کی شاعری پر ایک مفصل مضمون لکھیں تا کہ ان کی شاعری کے تمام گوشے منور ہو سکیں۔

ڈاکٹر مناظر عاشق کا مضمون ''ایک لہر نئی نئی'' ایک فکری زاویہ ہے جس میں بنیادی طور پر ساختیات سے گفتگو کی گئی ہے اس کے اثرات کو نمایاں کرنے کے لئے مختلف حوالوں کی وضاحت نے مضمون کو گنجلک بنادیا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مضمون نگار نے ادب کی نوعیت و ہیئت کا احاطہ کرتے وقت مختلف تحریروں کے ترجموں میں خود کو گم کردیا ہے۔ اس لئے ان کی گفتگو کا ماحصل گم کردہ راہوں میں کھو کر رہ گیا ہے۔

پروفیسر محمد منصور عالم کا مضمون 'خواجہ خلیق' ایک رپورتاژ کا درجہ رکھتا ہے۔ انہوں نے ڈاکٹر خلیق انجم کی تحقیق اور لسانی کاوشوں کی رطب اللسانی کی ہے مگر اعتدال اور توازن میں کوئی کمی نہیں آئی ہے۔ خلیق انجم کے کارناموں کا اعتراف کیا ہے۔

پروفیسر شاکر خلیق کا مضمون ''متھلانچل میں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے ملک کی سالمیت اور خیر سگالی کا پیغام ہے۔ شاکر خلیق نے اس مضمون میں عرق ریزی سے کام لیا ہے۔ انہوں نے متھلانچل میں انسانیت کے بنیادی سرچشمہ وہاں کی تہذیبی رفعتوں، پھل پھول، آبشار، مرغزار، پہاڑوں، سمندروں، جاڑوں، گرمیوں کے اعتدال، برساتوں کی سرمئی فضا اور بدمست پھواروں کے تذکرے کے ساتھ ساتھ وہاں کی جغرافیائی صورت حال پڑوسی ممالک کا ذکر، علم وفضل، تہذیب و ثقافت، سیتا اور اہلیہ جا گیولک اور منڈن مصر کی فہم وفراست راجاؤں مہاراجاؤں کے ٹھاٹ باٹ، مہاکوی ودیاپتی کی ذہانت وانفرادیت سے لے کر متھلانچل کی رواداری، بھائی چارگی، یکجہتی اور آپسی میل ومحبت کے ساتھ موجودہ سیاست کی تلخ کامیوں کے سبب اس علاقے پر سوار فرقہ واریت، تنگ نظری اور علاقائی عصبیت کی تصویر کشی کی ہے۔ انہوں نے متھلانچل کے سادہ لوح اور نرم مزاج لوگوں کو اس مضمون کے ذریعہ ان کی پرانی قدروں سے آشنا کیا ہے تاکہ ان میں قومی یکجہتی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے جذبات پیدا ہوسکیں۔ یہ مضمون بے حد سود مند اور انسانی رشتوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی بہترین مثال ہے۔

جمال اویسی کے مضمون کا عنوان ''شعریات کوئی منجمد چیز نہیں'' ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کے خیال سے مستعار ہے۔ یہ مضمون ایک مباحثے کی صورت اختیار کرسکتا ہے کیونکہ جمال اویسی نے نارنگ کی حمایت میں فاروقی کے ساتھ تنازعات کی بے شمار راہیں کھول دی ہیں۔ بعض بعض جگہوں پر اختلافی نظریہ کے سبب ان کی عصبیت زیادہ واضح ہوگئی ہے۔ مثلاً صفحہ ۹۴ پر جمال اویسی لکھتے ہیں: ''نارنگ اور فاروقی کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ نارنگ کے اندر توسیع علم کی خواہش ہے اس لئے مزاج میں حلیمی اور قوت برداشت ہے۔ فاروقی کی علمیت ان کی حمیت میں تبدیل ہوگئی ہے۔ اور یہ بہت خراب ہوا ہے۔''

صفحہ ۵۱ پر ہی جمال اویسی کی یہ رائے بھی ملاحظہ کرنے کے لائق ہے: ''فاروقی کا دبدبہ اس قدر قائم ہے کہ ان کے رسالے میں چھپنے والا ہر تخلیق کار ''شب خونی'' انداز کو اپناتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کے شعر و افسانے میں ابہام پیدا ہو اس کی تخلیق چیستاں بن جائے۔''

میرے خیال میں جمال اویسی کے اس قسم کے خیالات و نظریات فاروقی کے خلاف قلمکار کے تعصب کا شاخسانہ تو ہو سکتے ہیں مگر نارنگ کے اسلوبیات اور ساختیات کی ان سے حمایت نہیں ہو سکتی۔ معاصرانہ چشمکیں اور مناظرین مذکورہ سر برآوردہ نقادوں کو زیب دے سکتے ہیں مگر حلقہ بگوشانِ فاروقی و نارنگ کو اظہار خیال میں اعتدال و توازن سے ہی کام لینا چاہئے ورنہ ان کے ادبی وقار کے مجروح ہونے کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔

اقبال انصاری کی کہانی ''مقامی آدمی'' ایک علامتی اظہار ہے۔ موجودہ سماج میں انسانی وجود خوف و ہراس کا شکار ہے یہ کہانی ایک ٹوٹے بکھرے انسانی نظام کی دردناک تصویر ہے۔

ڈاکٹر مظفر مہدی کی تینوں منی کہانیاں ان کی تخلیقی ہنرمندی کا ثبوت ہیں۔ ان کی منی کہانی ''سعادت مندی'' دیرپا اثر رکھتی ہے۔ وحدت تاثر کی جلوہ گری کو مختصر افسانے کی ایک اہم خصوصیت تسلیم کی جاتی ہے مگر منی افسانے میں جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے تو خالق معتبر بن جاتا ہے۔

ظفر اسلام ہاشمی کی منی کہانی ''دیر سے شادی'' ایک کامیاب فن پارہ ہے مگر حسن غنی ایک اچھا موضوع منتخب کرنے کے باوجود فنکارانہ ہنرمندیوں کو برتنے میں کوتاہی کر گئے ہیں۔ آئندہ ان سے بہتر اور کامیاب کہانیوں کی توقع کی جاتی ہے۔

غزلوں کا حصہ مقتدر اور لائق اعتبار ہے بطور خاص جو لوگ پسند آئے ان میں شاداں فاروقی، ڈاکٹر ہری ونش ترون، ناشاد اورنگ آبادی اور سیدہ نسرین نقاش وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

خالد عبادی کی رباعیات میں فنکاری اور فکری تعمق موجود ہے۔ نظموں میں ڈاکٹر عبرت بہرائچی، محمد سالم اور ڈاکٹر حنیف ترین نے اچھے تجربے کئے ہیں۔ ہندی کی طنزیہ و مزاحیہ نظم ''پھٹا پاجامہ'' کا ابواللیث جاوید نے اچھا اور دلچسپ ترجمہ کیا ہے۔ اس نظم کے مطالعے سے علاقائی عصبیت رکھنے والے ہندوستانی ارباب سیاست اور ہندوستان کی ٹوٹتی بکھرتی تصویر بے پردہ نظر آتی ہے۔

انشائیہ ''وعدہ'' پروفیسر ایم. کمال الدین کی ایک نادر تخلیق ہے۔ انہوں نے جس فنی مہارت کے ساتھ اس لفظ کی تاریخ اور اس کے کمالات کو بیان کیا ہے وہ ان کے قوت، مشاہدہ و تجربہ کا پتہ دیتے ہیں۔

اس شمارے میں شامل دونوں تبصرے بہتر اور قابل مطالعہ ہیں۔ مبصرین نے تخلیقات کے بطون میں اتر کر دیکھا ہے اور فکری عوامل کو برتنے کی کوشش کی ہے۔

آخر میں ''راہ و رسم'' کے تحت اردو کے مقتدر ناقدین اور تخلیق کاروں کے خطوط شامل ہیں۔ یہ خطوط اس رسالے کے لئے سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر مختار الدین احمد، پروفیسر گوپی چند نارنگ، شمس الرحمان فاروقی، مظہر امام، ڈاکٹر قمر اعظم ہاشمی، پروفیسر محفوظ الحسن اور رؤف خیر جیسے ناقدین و خالقین جس رسالے کے خیر طلب ہوں اس کی ادبی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ کہا جا سکتا ہے کہ 'تمثیل نو' شمارہ-۲ اردو کا ایک بہتر اور معتبر رسالہ ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے جس مصمم ارادے کا اظہار کیا ہے اس کی تکمیل میں وہ ہمہ وقت مصروف ہیں۔ ان کی باغ و بہار شخصیت، ان کے پاکیزہ اور بالیدہ ادبی ذوق، ان کی ادبی ایمانداری اور ان کے انہماک سے یہ توقع رکھی جا سکتی ہے کہ ان کی ادارت میں 'تمثیل نو' ادب میں ایک انقلاب لائے گا۔ نئے ذہنوں کی آبیاری ہوگی اور اردو زبان کی کھیتی پھر سے شاداب نظر آئے گی۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم''، پٹنہ ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۱ء)

(۳)

(ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء)

سہ ماہی ''تمثیل نو'' کا تیسرا شمارہ میری نظروں کے سامنے ہے۔ بروقت اس کی تیسری اشاعت رسالے کی مقبولیت کا ثبوت ہے اور پھر یہ تیسرا شمارہ عام شماروں کے مقابلے میں چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کی یہ موجودہ ضخامت مدیر کی اولوالعزمی اور حوصلہ مندی کی دلیل ہے۔ اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' اس بار بھی اپنے اندر فکری تعمق پنہاں رکھتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اردو کی خدمت اور اس کے فروغ و ارتقاء کے لئے جو جواز پیش کئے ہیں اور جن مشوروں پر عمل کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا ہے وہ بے حد اہم ہیں اور خصوصی طور پر اس دور ابتلاء و آزمائش میں اُن کے ان خیالات کو دیکھنے، پرکھنے اور جانچنے کی ضرورت ہے:

> ''آزادی کے فوراً بعد یہاں کے حکمراں طبقہ نے اپنی زبان اور تہذیب کو مسلط کرنے کی بھرپور کوشش شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ ہندی زبان کا روپ رنگ بدل گیا، درسی کتابوں کی ہندی ثقیل ہوگئی اور چند مخصوص سماجی اکائی کے علاوہ یہ زبان کسی کے پلے نہیں پڑی۔ اب اور آگے بڑھ کر ایک مردہ زبان سنسکرت جس نے عوامی ہندی کا روپ بدلا ہے، کو لازمی تعلیم بنانے، ساتھ ہی تہذیبی روایت کے نام تمام

دیومالائی کہانیوں اور اعتقادات کو لادنے کی کوشش شروع ہوگئی ہے جس سے اردو والوں سے زیادہ اپنے آپ کو دلت کہنے والے طبقات متاثر ہوں گے۔" (ص:۳)

ڈاکٹر امام اعظم کے مذکورہ خیالات کو ملکی پس منظر اور تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے۔ سیاسی طور پر ہندوستانی زبانوں کے ساتھ جو سازشیں رچی جارہی ہیں وہ انتہائی خطرناک اور مضرت رساں ہیں۔ ہندی کی ثقالت اور سنسکرت کے اتصال نے نظام تعلیم کے ساتھ ساتھ ہماری تہذیبی روایات کو جس طرح متاثر کیا ہے اس کے اثرات ابھی سے رونما ہونے لگے ہیں اور صرف دلت طبقہ ہی نہیں پوری ہندوستان برادری دیومالائی اعتقادات کے شکنجوں میں جکڑی جانے والی ہے۔ اگر ہم اردو والوں نے اپنی شناخت قائم نہیں رکھی تو ہمارا شمار بھی مردہ قوموں میں ہوگا۔ اس لئے ہمیں اپنی بقا اور تحفظ کے لئے اپنی زبان اردو کی محافظت کرنی ہوگی اور ڈاکٹر امام اعظم کے ان مشوروں پر عمل کرنا ہوگا:

"ویسے اردو کو ملک بدر کرنے کی تیاریاں زور شور سے چل رہی ہیں اس لئے ہمیں اگر اپنی زبان، اپنی روایت اور اپنی تہذیب سے محبت ہے تو پھر اردو زبان کی بقا کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اردو کتابوں اور اخباروں کے ساتھ ساتھ سنجیدہ ادبی پرچوں کی مالی معاونت ضروری ہے۔" (ص:۳)

مذکورہ جملوں میں سنجیدگی کے ساتھ جن سچائیوں کی طرف اشارے کئے گئے ہیں۔ ان نکات پر ہمیں متوجہ ہونے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے ورنہ وہ دن دور نہیں جب اربابِ اقتدار اپنی حکمت عملی سے ہماری تہذیب اور ہماری زبان کو نقصان پہنچادیں۔

اس شمارے میں "وفیات" کا گوشہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ گذشتہ دنوں اردو کے چار ستون زمین دوز ہوگئے۔ میری مراد نوشاد نوری، پروفیسر نظیر صدیقی، مانی فاروقی اور قتیل شفائی کے سانحۂ انتقال کے اذیت ناک لمحات سے ہے۔ صرف یہی نہیں کہ ان شعراء کا تعلق ہند و پاک سے تھا بلکہ اردو شعر و ادب میں یہ نمایاں اور منفرد مقام کے حامل تھے۔ خصوصی طور پر نظیر صدیقی اور قتیل شفائی نے تنقید اور شاعری میں جو ممتاز مرتبہ پایا ہے وہ اردو دنیا کے لئے قابلِ فخر ہے۔ اس شمارے میں امام اعظم کے تعزیتی کلمات مرحومین کے لئے خراج عقیدت کی حیثیت رکھتے ہیں۔

"قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب" پروفیسر حافظ عبدالمنان طرزی صاحب کی جودت فکر کا ترجمان ہے۔ انہوں نے نوشاد نوری، پروفیسر نظیر صدیقی، مانی فاروقی اور قتیل شفائی کی صرف تاریخ وفات نہیں لکھی ہے بلکہ ادب میں ان کا جو مقام ہے اس کا اعتراف شاعرانہ زبان میں کیا ہے۔ ان کی اس

قطعات تاریخ میں جذبے کی شدت اور صداقت دونوں موجود ہے۔ دراصل طرزی صاحب کو شعر کہنے کا فن آتا ہے۔ یہ ان کی ایک کامیاب فنکارانہ کاوش ہے اور اس کی تاریخی اہمیت بھی ہے اور یہ اہمیت اس وقت اور زیادہ بڑھ جائے گی جب ان مشاہیر ادب پر تحقیقی کام شروع ہوگا۔

اکمل یزدانی کا مضمون ''کھگڑا میلہ مشاعرہ ۱۹۵۵ء کی ایک جھلک'' عہد حاضر کے مشاعروں کے لئے نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں فاضل مصنف نے ۱۹۴۰ء میں ایک شاندار مشاعرہ کھگڑا اسٹیٹ کے تھیٹریکل ہال میں منعقد ہونے کی تفصیل بھی پیش کی ہے۔ ۱۹۵۵ء کے میلہ مشاعرہ کے تذکرے میں صرف صدر جلسہ کے کلام کو نقل کیا گیا ہے اور بقیہ شعراء کے اسمائے گرامی کو ضابطۂ تحریر میں لایا گیا ہے جبکہ ۱۹۴۰ء کے مشاعرے میں جن شعرائے کرام نے شرکت کی مثلاً حضرت دانا ندوی سہسرامی، حکیم سید مظہر علی بلگرامی، مولانا سید محبوب احمد باقی اور مولوی محمد بہاؤالدین آثر وغیرہ کی غزلوں کو بھی نقل کیا گیا ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے زبان کی صفائی، ندرتِ فکر اور تخیل آفرینی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مضمون نگار کو چاہئے تھا کہ عنوان کی مناسبت سے ۱۹۵۵ء کے میلہ مشاعرہ میں شامل ہونے والے شعرائے کرام کے منتخب اشعار کو بطور نمونہ درج کرتے تو اس مضمون کی اہمیت بڑھ جاتی۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''ایک لہر نئی نئی-۳'' ایک تاثراتی مضمون ہے جس کا تعلق بنیادی طور پر مبادیات ساختیات سے ہے۔ اس مضمون کی فلسفیانہ موشگافیاں ترسیل میں مانع آتی ہیں۔ مضمون نگار نے ساختیات کی حمایت میں یہ جملے نقل کئے ہیں:

> ''انسانی دماغ کے ساختیہ کے بارے میں چھ بنیادی باتیں بتائی جاتی ہیں کہ انسانی دماغ دو دماغوں پر مشتمل ہے۔ ان میں سے دائیں طرف کے حصہ کو ''پرانا دماغ'' اور بائیں طرف کے حصے کو ''نیا دماغ'' کہا گیا ہے۔ پرانا دماغ وہبی سوچ کا علمبردار ہے اور نیا دماغ منطقی سوچ کا... انسانی دماغ کی دو واضح جہتیں ہیں۔ ایک وہ جو افقی طور پر اشیاء کو جوڑتی ہے اور دوسری وہ جو عمودی طور پر انتخاب کرتی ہے۔''
>
> (ص: ۱۰-۱۱)

مضمون نگار کی مذکورہ باتوں کو پڑھنے کے بعد کون شخص ہوگا جو اس بات سے انکار کرے کہ یہ ساری گفتگو میڈیکل سائنس سے متعلق ہے، ان کا تعلق ادبی مسائل سے نہیں ہے مگر مضمون نگار نے ساختیات کی حمایت میں ان بوجھل اور بے فیض ادبی نکتوں کو زیادہ گنجلک بنا کر پیش کر دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ادب کا کوئی بھی سنجیدہ قاری ساختیات، تشکیل اور ردِ تشکیل کے نووارد فلسفوں کو پسند نہیں کرے گا۔ اسی

مضمون کے صفحہ نمبر ۱۲ اور ۱۳ پر مضمون نگار نے وزیر آغا کے حوالے سے زبان، اس کی ترسیل، آواز اور صورت و آہنگ پر ایک معیاری اور علمی گفتگو کی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اس گفتگو کے ذریعہ زبان اور علم زبان کے بہت سارے باریک بین نکات اجاگر ہوئے ہیں اور ساختیات کے طفیل میں لسانیات کے موضوع پر ایک اچھی گفتگو کا سلسلہ فراہم ہو گیا ہے۔

پروفیسر حافظ عبدالمنان طرزی کی ''دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ'' ایک قابل تحسین کاوش ہے۔ انہوں نے ''یادِ رفتگاں'' اور ''ذکرِ قائماں'' کا عنوان دے کر اپنی اس شعری کاوش کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے اور تقدیم و تاخیر کی الجھنوں سے قطع نظر کرتے ہوئے ابجدی حروف کے تحت ان فنکاروں اور ادیبوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ''دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ'' میں ڈاکٹر عبدالمنان طرزی نے شعرائے کرام اور ادیبوں کی انفرادی خصوصیات کو بھی ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے اور واقعہ ہے کہ منظوم ادبی تاریخ کو پڑھ کر ایک خوشگوار حیرت کا احساس ہوتا ہے کہ دربھنگہ کیسی مردم خیز جگہ ہے۔ بے شمار معروف و مشہور شخصیتوں سے تو ادبی دنیا پہلے سے ہی واقف تھی لیکن دربھنگہ کے تعلق سے مزید دیگر حضرات سے واقفیت حیرت خیز اور معلومات افزا ہے۔ طرزی صاحب کو ان کے اس شعری کارنامے پر یقیناً ہر طرف سے مبارک باد کے پیغامات موصول ہوں گے اور ادبی حلقے بھی اس کی پذیرائی کریں گے۔

''دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ'' کے ''یادِ رفتگاں'' کے حصہ پر میں تبصرہ کر چکا ہوں اور اب میرے پیش نظر اس کا دوسرا حصہ ''ذکرِ قائماں'' ہے۔ جس میں ان ممتاز فنکاروں کا ذکر خیر ہے جو میدان عمل میں ابھی تک اپنے جوہر دکھا رہے ہیں اور نئے لکھنے والے بھی اپنی انفرادیت کو نمایاں کرنے میں مشغول ہیں۔ ان ناموں میں جو زیادہ معروف ہیں ان میں مظہر امام، پروفیسر ابوالکلام قاسمی، قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، پروفیسر لطف الرحمٰن، پروفیسر قمر اعظم ہاشمی، پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن، علقمہ شبلی، اویس احمد دوراں، مشرف عالم ذوقی، ایس. ایم. اجمل فرید، ڈاکٹر انیس صدری، سید احمد شمیم، پروفیسر سید منظر امام، وفا ملک پوری، ناشاد اورنگ آبادی، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر مظفر مہدی، ڈاکٹر امام اعظم، عطا عابدی اور خالد عبادی وغیرہ ایسی معروف شخصیات ہیں جن سے علمی اور ادبی حلقے بخوبی واقف ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی نے دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ میں ان سارے ناموں کو باعتبار حروف تہجی یا ابجدی حروف کے تحت یکجا تو کر دیا ہے لیکن اپنی اس کاوش سے انہوں نے پھر اسی روش کی تجدید کی کوشش بھی کی ہے جو قدیم اردو تذکروں میں برتا جاتا رہا تھا اور محمد حسین آزاد نے ''آبِ حیات'' لکھ کر اس تاریخی تسلسل کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی تھی۔

''یادرفتگاں'' میں عدم ترتیب و تنظیم کا احساس کھٹکتا نہیں ہے لیکن ذکر ''قائماں'' میں یہ احساس شدت سے ابھرتا ہے کہ ان علماء، فضلاء، ادباء اور شعراء کے ذکر میں تاریخی تسلسل اور ترتیب کو پیش نظر رکھا جاتا تو ''دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ'' کی قدر و قیمت میں مزید اضافہ ہو جاتا مگر حواشی کی تفصیل اس احساس کو ذرا کم کرتی ہے اور یہ منظوم ادبی تاریخ محض ایک شاعرانہ بیان یا تاریخی دستاویز ہی نہیں بلکہ عرفان و آگہی کا نشان بھی ہے۔

ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون ''پروین شاکر کی نسائیہ شاعری'' ایک اچھا مضمون ہے مگر بہت مختصر ہے۔ پروین شاکر سے متعلق اس موضوع پر تفصیلی مطالعے کی ضرورت ہے۔ یہ اردو زبان کی ایک معتبر اور منفرد لب و لہجے کی شاعرہ ہے جس نے اپنے کلام سے محسوسات کا وہ جادو جگایا ہے کہ پڑھنے والے کی آنکھیں خیرہ رہ جاتی ہیں۔ پروین شاکر نے اردو غزل کو خالصتاً نسائی لب و لہجہ عطا کر کے ادبی دنیا میں اعتبار و وقار حاصل کیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ان کی شاعری کے اس پہلو پر ناقدانہ نظر ڈالنے کی بھرپور اور کامیاب کوشش کی ہے۔ انہوں نے پروین شاکر کی شاعری کا صرف مطالعہ نہیں کیا ہے بلکہ ایسے افکار و نظریات کو بھی وسعت دی ہے اور پروین شاکر کے تئیں اپنی خراج عقیدت بھی پیش کی ہے۔

اقبال انصاری کی کہانی ''دو سال'' ایک پُر اثر اور قابل عبرت کہانی ہے۔ اس کہانی کا پلاٹ بے حد compact اور پُر تجسس ہے۔ کہانی کی ابتدا میں میڈم افروز جہاں اور ان کے تعلیم بالغاں مشن کی تقریر سے یہ محسوس ہو رہا تھا کہ یہ کہانی سا کچھر تا مشن کا محض ایک پروپیگنڈہ ہے مگر کہانی اختتام پر پہنچ کر جو تاثر دیتی ہے وہ بہت حیرت خیز ہے اور متاثر کن بھی — آج کی اونچی سوسائٹی میں تہذیب اور ترقی کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے یہ کہانی اس کا نوحہ اور آئینہ ہے۔ اقبال انصاری نے اس کہانی میں اپنی فنکارانہ چابکدستیوں کا کمال دکھایا ہے۔ وہ اتنی مختصر، اچھی، پُر اثر اور صداقت پسند کہانی کی پیش کش کیلئے قابلِ مبارکباد ہیں۔

ابواللیث جاوید کی کہانی ''تیسری سمت کا سفر'' ایک بہتر علامتی کہانی ہے مگر عام قاری کے لئے ادق اور پیچیدہ بن گئی ہے۔ ابواللیث جاوید نے کافی محنت سے کہانی لکھی ہے۔ ان کے اندر ایک کہانی کار موجود ہے مگر انہیں اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اردو کہانی اب جدیدیت، علامت پسندی اور تجریدیت سے مراجعت کر چکی ہے اس لئے اگر ابواللیث جاوید بھی کہانی لکھتے وقت اسے قارئین تک پہنچانے کا جذبہ رکھیں گے تو ایک اچھے کہانی کار کی حیثیت سے انہیں مقبولیت مل جائے گی۔

اس شمارے میں شامل ظہیر غازی پوری، محمد سالم اور احمد سہیل کی نظمیں فکری زاویہ رکھتی ہیں اور

شدتِ جذبات سے مملو ہیں۔ رباعیات کے کالم میں ساحر شیوی کی دوسری رباعی اور ش۔م۔عارف ماہر آروی کی چاروں رباعیوں نے متوجہ کیا ہے اور فنکارانہ تعمق کا اظہار کرتی ہیں۔ ڈاکٹر حنیف ترین کی نظم ''مشورہ'' پسند آئی۔ اختصار میں تفصیل موجود ہے۔ انہوں نے فکر و خیال کے بحر بیکراں کو کوزے میں مقید کر رکھا ہے۔ رؤف خیر ایک مستند شاعر ہیں۔ ان کے ترائیلے صرف ایک شعری تجربہ ہیں۔ ان میں شعری وقار کا فقدان ہے اور یہ فطری بھی ہے کیونکہ یہ فن جب انگریزی ادب میں کوئی کارنامہ انجام نہیں دے سکا تو اردو زبان میں اپنے کون سے اثرات مرتب کر پائے گا۔ البتہ چند لوگ ڈفلی بجا رہے ہیں مگر ادب میں وہی فنون اور وہی قدریں پائیدار اور دائمی ہوں گی جن کا اپنا آسمان اور جن کی اپنی زمین ہے۔ اردو ادب میں داخل ہونے والی یہ نو وارد پھلجھڑیاں خود بخود گل ہو جائیں گی۔ اس لئے اچھے اچھے شاعروں کو چاہئے کہ محتاط رہیں۔ ''سوکھی ٹہنی پر ہریل'' عنبر بہرائچی کی معریٰ نظم ہے۔ اس نظم میں بڑی ایمائیت ہے۔ ماحول پر ایک سرسری نظر ڈالتے ہوئے اختتام کو شاعر نے معنیٰ خیز بناتے ہوئے ایسے نکتہ پر ختم کیا ہے جس کا انحصار خود قاری کی افتادِ طبع پر ہے۔ وبھوتی آنند کی میتھلی نظم کا ترجمہ ڈاکٹر امام اعظم نے کیا ہے اور اس کا عنوان ''خواہش'' رکھا ہے۔ امام اعظم نے اچھا ترجمہ کیا ہے مگر نظم میں وحدتِ تاثر اور جذبے کی جس شدت کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس کا یہاں فقدان نظر آتا ہے۔

اس بار غزلوں کا حصہ زیادہ مقتدر اور قابلِ اعتبار ہے۔ اس شمارے میں تقریباً اٹھائیس غزلیں شاملِ اشاعت ہیں اور یہ تمام غزلیں فکر و فن کے اعتبار سے انتہائی وقیع ہیں۔ بطور خاص جن لوگوں نے متاثر کیا ان میں سیدہ نسرین نقاش، جمال الدین ساحل، طارق حسین راز، محمد علی اثر، جمال ہاشمی، آشا شیلی، جاوید اکرام، مدہوش بلگرامی، ڈاکٹر معین الدین شاہین اور طارق متین قابلِ ذکر ہیں۔ اس شمارے میں غزلوں کے بعد تین عدد آزاد نظمیں بھی شامل ہیں۔ فرزانہ خانم کی نظم ''میں'' اپنے خیال کی وضاحت میں کامیاب نظر آتی ہے جبکہ نظم ''لا اکراہ'' اور ''بے چینی'' فکر و خیال کے دھندلکوں میں کھو کر رہ گئی ہے۔

ڈاکٹر امام اعظم کے شعری مجموعہ ''قربتوں کی دھوپ'' پر ابو اللیث جاوید کا تبصرہ بہتر اور معیاری ہے۔ محض پانچ اشعار کے حوالے سے ابو اللیث جاوید نے ڈاکٹر امام اعظم کی تخلیقی ہنرمندیوں کا ثبوت فراہم کرنے کی غیر جانبدارانہ کوشش کی ہے اور وہ کامیاب بھی ہوئے ہیں۔

''راہ و رسم'' کے تحت تقریباً چوبیس اہلِ قلم حضرات کے خطوط شامل ہیں۔ ان تمام اہلِ قلم حضرات کی رایوں کے درمیان جو چیز قدرِ مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ ''تمثیلِ نو'' کی پسندیدگی اور ''دربھنگہ کی

منظوم ادبی تاریخ'' کی ستائش ہے۔ ان خطوط کو پڑھئے تو اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر امام اعظم کے رسالے ''تمثیل نو'' کو ڈاکٹر مختار الدین احمد آرزو، جوگندر پال، نیر مسعود، وزیر آغا، مظہر امام، احمد یوسف، خلیق انجم، علقمہ شبلی، نظام صدیقی، ظہیر غازی پوری، پروفیسر عبد الواسع، پروفیسر علیم اللہ حالی، ڈاکٹر خالد حسین خاں، احمد سہیل، مشرف عالم ذوقی، ایوب جوہر، پروفیسر محمد محفوظ الحسن، اقبال انصاری، ابواللیث جاوید، محمود عالم، پروفیسر شائق احمد یحییٰ، سیدہ نسرین نقاش، عبید الرحمٰن اور قاسم فریدی تک نے نہ صرف پسند کیا ہے بلکہ اس کے مندرجات اور مشمولات کو مقتدر اور معیاری ادب کا ترجمان تسلیم کیا ہے۔ مذکورہ محققین، ناقدین اور خالقین کے یہ خطوط ''تمثیل نو'' کے لئے آب حیات کا درجہ رکھتے ہیں اور مدیر کے لئے یہ بشارت ہے کہ اس کا رسالہ شائستہ، مہذب، متین اور صالح قدروں کا امین ہے۔

مختصر یہ کہ ''تمثیل نو'' شمارہ ۳ ایک مؤقر ادبی جریدہ ہے اور یہ خوب سے خوب تر کی طرف گامزن ہے۔ اس کی خوبصورت اور پُرکشش تہذیب و ترتیب سے ڈاکٹر امام اعظم کی مدیرانہ صلاحیتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اگر آئندہ بھی تخلیقات کے انتخاب اور اس کی ترتیب و تزئین میں اپنی استعداد اور حسن نظر سے کام لیا تو یقیناً ''تمثیل نو'' اردو کے دیگر رسالوں کے مقابلے میں بے پناہ شہرت و مقبولیت کا ضامن بنے گا۔ آمین!

(مطبوعہ روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۱۱ر جنوری ۲۰۰۱ء)

(۴)

(جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء)

سہ ماہی ''تمثیل نو'' بہار کے اردو رسالوں کے درمیان اپنی شناخت الگ رکھتا ہے۔ پیش نظر شمارے میں مشمولات پر ایک نگاہ پڑتے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مدیر نے تخلیقات کے انتخاب میں اپنی حسن نظر اور ذوق ادب کا ثبوت دیا ہے۔ یہ شمارہ سابقہ شماروں کی طرح صوری و معنوی خوبیوں سے بھرپور ہے۔ خوبصورت گیٹ اپ اور دیدہ زیب سرورق نے مدیر کی نفاست طبع اور جمالیاتی حس کی گواہی دی ہے۔ اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' ڈاکٹر امام اعظم کی فکری و علمی بصیرت و بصارت کا گواہ ہے۔ قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کی جانب سے کل ہند کتاب میلہ (۳ر نومبر تا ۱۱ر نومبر ۲۰۰۱ء) میں شرکت کرنے اور اس سے استفادہ کرنے کے بعد ان کا یہ خیال:

> ''کتاب تہذیب و ثقافت کی امین ہوتی ہے اس کے ذریعہ ماضی کے ورثے کو مستقبل کے لوگوں تک پہنچا کر کامیابی کی راہیں متعین کی جاتی ہیں۔ انسانی تاریخ کے ہر عہد میں کتابوں کی اہمیت تسلیم کی گئی ہے۔''

صدیوں پرانی انسانی تہذیب کا وہ حوالہ ہے جو انسانیت کے فروغ میں اپنا نمایاں کردار ادا کرتی رہی ہے۔ کتابیں ہماری تہذیبی وراثت ہیں اور جن کی جڑیں ہمارے ماضی میں پیوست ہیں۔ ہم ان کے بغیر نظرو بصر کی دنیا قائم نہیں کر سکتے۔ تہذیب و تمدن کے اعلیٰ معیار تک نہیں پہنچ سکتے۔ یہ ہماری رہنمائی کرتی ہیں اور ہمیں راستہ دکھاتی ہیں۔ آج ہزاروں برس بعد درجہ بدرجہ تبدیل ہونے کے باوجود جو انسانی تہذیب، کلچر اور ثقافت موجود ہے، ان میں کتابوں کا بڑا ہاتھ ہے۔

اکیڈمک اسٹاف کالج' جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں فارسی ریفریشر کورس کی ایک الوداعی تقریب کے موقع پر ایک کل ہند مشاعرے میں محترمہ ڈاکٹر شیمہ رضوی صاحبہ (وزیر صحت حکومت اتر پردیش) کی تقریر کا یہ اقتباس ڈاکٹر امام اعظم نے اس شمارے میں شامل کیا ہے، بہی خواہان اردو کے حوصلوں کو طاقت و توانائی عطا کرتا ہے:

"اردو کو اسی وقت کوئی خطرہ لاحق ہو سکتا ہے جب ہم اس زبان کے تئیں احساس کمتری کے شکار ہو جائیں اردو ہماری شناخت ہے، تہذیب کی زبان ہے اور ایک ترقی یافتہ زبان ہے۔ ہر زبان پر اتار چڑھاؤ آتے رہتے ہیں۔ آج وہ لوگ اردو کی عظمت و شیرینی کا اعتراف کرتے ہیں جو اردو نہیں جانتے۔"

محترمہ ڈاکٹر شیمہ رضوی صاحبہ کا یہ خیال نہ صرف اردو کی حق و حمایت میں ہے بلکہ انہوں نے بڑی دلیری کے ساتھ اس بات کا اعلان بھی کیا ہے کہ اردو زبان سے ناواقف حضرات بھی اس زبان کی کرشمہ سازی اور دل نوازی کے معترف ہیں البتہ ہم خود اردو کی طرف سے احساس کمتری میں مبتلا ہیں اور یہی سبب ہے کہ اپنے بچوں کو اردو میڈیم سے پڑھانے میں گریز کرتے ہیں اور ہم اس حقیقت کو فراموش کر چکے ہیں کہ دراصل یہی زبان ہماری شناخت اور ہماری تہذیب کا وسیلہ بھی ہے۔ ہم نے واقعی اردو کی طرف سے بے توجہی برتی اور اپنی اس پیاری زبان کو قابل اعتنا نہیں سمجھا تو ہماری پہچان تک ماضی کے دھندلکوں میں گم ہو کر رہ جائے گی۔ اس شمارے کے صفحہ ۳۹ پر ڈاکٹر امام اعظم کی یہ پوری عبارت قابل غور ہے:

"ادبی رسالوں کے نکلنے کا سلسلہ کم و بیش چلتا رہا ہے مگر یہ سفر دشوار تر ہے اور سنگلاخ بھی۔ ادبی کارناموں کی تشہیر دوسرے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ آج کل آسان ہے لیکن پرنٹ میڈیا کے ذریعہ کسی ادب پارے یا ادبی تخلیقات کو پیش کرنا اور ادب نوازوں کے درمیان پھیلانا بڑا ہی مشکل اور دشوار کام ہے۔ اس وقت ادب میں معیار کا تعین کرنا اور کسی مدیر کے لئے یہ طے کرنا بھی مشکل ہے کہ وہ کس طرح کی تخلیق کو اپنے رسالے میں جگہ دے کیوں کہ رسالہ کا معیار طے کرنا تو ادب نوازوں، ادبی تحریک چلانے والوں اور

ادبی رجحانات قائم کرنے والوں کا کام ہے۔ مدیر کا کام صرف مزاج کے نوک پلک کے اعتبار سے کسی تخلیق کو شریک اشاعت کرنا ہوتا ہے۔ جس عہد میں یہ رسالہ نکل رہا ہے اس میں مختلف نظریات، رجحانات اور تحریکات کا ملا جلا عکس ضرور نظر آتا ہے اور اسے خالص ادبی کرنے کی کوشش ایک طرح کی نئی تحریک یا میلان کو بڑھاوا دینا ہوتا ہے مگر ہم ایسا کرنا نہیں چاہتے کیونکہ تحریکات اپنی مدت تک اچھی لگتی ہیں۔ میلانات ایک خاص طبقے اور نظریے تک پسند کئے جاتے ہیں۔ ایسی صورت میں ایک بڑا ادبی کام جسے منظر عام پر آنا چاہئے نہیں آسکتا۔ اس لئے اس طرح کا Free Axis ہم نے تمثیل نو کے لئے چھوڑ رکھا تاکہ ادیب و فنکار آزادانہ طور پر بغیر کسی لیبل کے تخلیقات پیش کرتے رہیں۔ یہی ہمارا مقصد اور یہی ہماری خدمت ہے۔''

ڈاکٹر امام اعظم کے مذکورہ خیالات صالح اور مثبت قدروں کے ترجمان ہیں اور یہ واقعہ بھی ہے کہ ''تمثیل نو'' کے تمام شماروں میں مشہور و غیر مشہور چھوٹے اور بڑے، معروف اور غیر معروف اور مختلف مکتب فکر کے قلمکاروں کی تخلیقات شفق رنگ دھندلکوں کی یاد دلاتے نظر آتے ہیں اور اس معاملے میں بھی ڈاکٹر امام اعظم نے ادبی بدعت سے خود کو محفوظ رکھا ہے۔ انہوں نے بذات خود رسالے کے معیار کے تعین اور ادبی رجحانات قائم کرنے کے سلسلوں سے بھی اجتناب کیا ہے کیوں کہ وہ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ رسالہ اپنے متعلقہ عہد کے مزاج اقدار اور نظریات و افکار کا ترجمان ہوتا ہے اس لئے تخلیقات کی نوک پلک کو اپنی صوابدید سے ہم آہنگ کرکے بلا کسی تفریق و امتیاز کے شائع کرنا وہ اپنا فرض منصبی سمجھتے ہیں۔ یہ ان کی اعلیٰ درجے کی ژرف بینی اور دانشورانہ صلاحیتوں کی دلیل ہے۔

اس بار ''وفیات'' کے حصے میں انور خان، شعیب شمس، شہود عالم آفاقی، انجینئر محمد نورالاسلام نشتر، ادریس دہلوی، ہرچرن چاولہ اور اردو طنز و ظرافت کے مایہ ناز شاعر جناب رضا نقوی واہی کا نام شامل ہے۔ ادارے نے اردو کے ان چاند ستاروں کو خراج عقیدت پیش کی ہے ان کی خدمات کا اعتراف کیا ہے اور اردو دنیا کے لئے ان کی موت کو ایک ناقابل فراموش سانحہ تسلیم کیا ہے۔ ''وفیات'' کا یہ حصہ اس اعتبار سے بے حد اہم ہے کہ اہلِ قلم حضرات کے راہیٔ ملک عدم ہونے کی اطلاع مل جاتی ہے۔

اس بار انعامات و اعزازات کے کالم میں فقیہ وقت حضرت قاضی مولانا محمد مجاہد الاسلام قاسمی کا نام بھی شامل ہے۔ موصوف کو انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز کی جانب سے ''شاہ ولی اللہ ایوارڈ'' سے نوازا گیا ہے۔ یہ خبر عالم اسلام کے لئے باعث برکت اور لائق رحمت ہے۔

اردو کے معروف افسانہ نگار نیر مسعود کو ۲۰۰۱ء کے ساہتیہ اکاڈمی ایوارڈ سے نوازا گیا ہے۔ ان کے افسانوی مجموعہ طاؤس چمن کی مینا'' کو ۲۰۰۱ء کا ساہتیہ اکاڈمی ایورڈ ملا جو مصنف کے شایان شان اور کتاب کی مشمولات کے عین مطابق ہے۔

اردو کے معروف نقاد اور دانشور پروفیسر وہاب اشرفی کی ادبی خدمات کے اعتراف کے طور پر غالب انسٹی ٹیوٹ دہلی نے موصوف کو ۲۰۰۱ء کا ''غالب ایواڈ برائے نثر'' سے سرفراز کیا ہے۔

انعامات واعزازات کا یہ حصہ اس اعتبار سے اہمیت رکھتا ہے کہ ''آج کل''، ''شاعر'' اور ''ایوان اردو'' کے بعد بہار میں یہ خبر ''زبان وادب'' کے وسیلے سے مل جایا کرتی تھی یا پھر جب کبھی ''خبر نامہ'' شائع ہوا تو قارئین واقف ہوتے تھے مگر ''تمثیل نو'' نے یہ شروعات کر کے ایک نیک شگون قائم کیا ہے۔

ہندی کی معروف ادبی وثقافتی انجمن ساہتیہ کار سنسد ''سمستی پور نے ہر سال کی طرح اس سال بھی اردو کے تقریباً ۱۲ رعدد مصنفین کو ''راشٹریہ شیکھر ساہتیہ سمان'' سے سرفراز کیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اس شمارے کے توسط سے ہندی زبان کے معروف شاعر اور نقاد ڈاکٹر ہری ونش ترون کا شکریہ ادا کرتے ہوئے تمام انعام یافتگان کو مبارک باد پیش کی ہے۔ میرے خیال میں اردو والوں کو بھی چاہئے کہ اردو پلیٹ فارم سے ہندی والوں کو بلاامتیاز مذہب وملت انعامات واعزازات سے نوازنے کا التزام کریں تاکہ ہندوستان میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی خیر سگالی کے جذبات قائم ہوسکیں۔

''قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب'' پروفیسر حافظ عبدالمنان طرزی کے نتیجہ فکر کا اظہار ہے۔ انہوں نے شہود عالم آفاقی مرحوم کے قطعہ تاریخ میں غالب کا مصرعہ کوٹ کر کے تضمین کو حسن وفنکاری کا خوبصورت نمونہ بنادیا ہے۔ دیگر قطعات بھی ان کی فکری اور تخلیقی کاوشوں کا مظہر ہیں۔

''ایک گفتگو شکیل الرحمٰن سے'' شعیب شمس کا لیا گیا ایک اہم انٹرویو ہے جس کی وساطت سے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن جیسے معروف نقاد اور دانشور کی ادبی نظریہ سازی کے متعلق رائے ظاہر ہوتی ہے۔ باوجودیکہ وہ خود ایک جمالیاتی تنقید نگار ہیں مگر اس انٹرویو کے ذریعہ انہوں نے اپنی تنقید کو جمالیات کی تلاش سے تعبیر کیا ہے۔ ان کا خیال ہے:

> ''میرے نزدیک جمالیات کوئی نظریہ نہیں ہے بلکہ جمالیات فنون کی روح ہے، تنقید جمالیات کی تلاش ہے۔ تخلیقی فنکار کا تعلق حسن سے ہوتا ہے اور تنقید اس حسن تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے، تنقید حسن کی تلاش دریافت اور بازیافت ہے۔ فنکار حسن کی نئی تخلیق کرتا ہے اور ناقد نئی تخلیق کی نئی تخلیق کرتا ہے، وہ بھی فنکار

کی تخلیق کو جذب کر کے تخلیقی عمل میں مصروف رہتا ہے۔ میں نے بار بار واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ میری تنقید جمالیاتی نہیں جمالیات کی تلاش دریافت بازیافت اور حسن کی نئی تخلیق کا عمل ہے۔'' (ص:۱۰)

غرض یہ کہ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن جمالیاتی نقطہ نظر کے وسیلے سے تخلیقات میں جمالیات کی تلاش کرتے ہیں اور حسن کی نئی تخلیق سازی کے عمل سے گزر کر محبت و انبساط حاصل کرتے ہیں تا کہ دوسروں کو بھی جمالیاتی انبساط عطا کر سکیں۔ اردو کے نظریہ ساز نقادوں پر صفحہ ۸ پر ان کی یہ رائے قابل غور ہے:

''تصورات نظریات اور خیالات کی بھیک حاصل کرنے کا سلسلہ اب تک جاری ہے۔ حالت یہ ہے کہ اردو کا ناقد بعض پٹے پٹائے مغربی خیالات نظریات اور تصورات کی بنا پر ادبیات کا پروہت پیشوا یا یہ کہئے کہ Priest بن گیا ہے اور اسے ''پروہت'' تصور بھی کیا جانے لگا ہے جو بڑی بدنصیبی ہے۔''

اس کے علاوہ صفحہ-۱۱ پر یہ رائے بھی ملاحظہ کیجئے:

''یہ جو بھرم ہے 'ایغو' کا وہ اردو کے نقادوں کو لاشعور میں لے گیا ہے۔ یہ لوگ کسی قیمت پر اپنے 'ایغو' کو کھونا نہیں چاہتے اس لئے کہ انہیں لٹریچر کا پروہت یا priest بن کر رہنا اچھا لگتا ہے' انہیں لذت ملتی ہے۔ ایک 'پروہت' کی طرح شاعروں ادیبوں کی کتابوں پر مقدمے دیباچے لکھتے ہیں' ان پر بڑا بننے کا خبط سوار ہو گیا ہے۔''

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کے یہ خیالات اردو کے نقادوں کے لئے سخت اور تلخ ضرور ہیں مگر ان جملوں میں اردو تنقید اور اردو کے ناقد کے لئے جو ہمدردی اور اصلاح کا جو جذبہ پوشیدہ ہے اس سے انکار ممکن نہیں۔ ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کا رویہ قدرے جارحانہ ہے مگر اردو ناقدین کے لئے حوصلہ شکن بھی نہیں۔ اگر ناقدین ادب نے اپنے فرائض منصبی کو سمجھ لیا تو یقیناً اردو میں تنقید کا معیار بلند ہوگا اور تخلیقی تنقید معرض وجود میں آئے گی۔ صفحہ-۸ پر ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کی یہ رائے بھی غور طلب ہے:

''اردو تنقید میں بقراط بہت پیدا ہوئے ایک سقراط پیدا نہ ہو سکا۔ اس 'بقراتی' سے قاری کا ذہن بہت پریشان رہا ہے اور اب بھی ہے۔''

اس کے علاوہ ص-۹ پر ڈاکٹر شکیل الرحمٰن نظریہ ساز نقادوں پر اس طرح رائے زنی کرتے نظر آتے ہیں:

''آج کچھ تنقید لکھنے والوں نے ضروری جانا کہ ان کے سر پر کسی نظریے کی ٹوکری ضرور ہو، سر پر نظریے کی ٹوکری نہ ہوئی تو ان کی پہچان نہیں ہوگی۔ نظریہ برائے نظریہ ہی یہ لوگ عملی تنقید عام طور پر کرتے نہیں

اور جب کرتے ہیں تو ان کا نظریہ کہیں اور رہتا ہے اور وہ کہیں اور۔ عملی تنقید میں یہ نظریے والے ناقد چت پٹانگ ہو جاتے چند ناقد ایسے ہیں جو نظریے کی ٹوکری سر پر رکھے چلے لیکن اب تک کچھ دیا نہیں۔ چند ایسے ہیں جنھوں نے اپنی ٹوکری تیار کر لی لیکن اٹھا نہ پا رہے ہیں انتظار کر رہے ہیں کوئی آئے تو ٹوکری کے ساتھ انہیں بھی اٹھا لے۔ آپ دیکھ رہے ہوں گے رسالوں میں ایسے مضامین چھپ رہے ہیں۔ چند نقاد کس طرح بعض نظریے والوں کو ان کی ٹوکری میں بٹھا کر اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ابھی حال میں دو تین نقادوں نے ایک نظریے والے کی ٹوکری اس طرح اٹھائی جیسے وہ ''رام رام ستیہ ہے'' کہہ رہے ہوں۔''

ڈاکٹر شکیل الرحمٰن کے ان خیالات سے آج کے نظریہ ساز نقادوں اور بقراط دانشوروں پر جو تازیانہ لگتا نظر آتا ہے وہ پردۂ خفا میں نہیں ہے۔ دراصل آج اردو تنقید کو جس طرح مجہول اور گنجلک بنا کر پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے اس کے خلاف ڈاکٹر شکیل الرحمٰن نبرد آزما نظر آتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ''وہ بدھیت'' یعنی Budha lord کی تلمیح استعمال کر کے اردو تنقید میں بھی مراقبے کی ضرورت محسوس کرتے ہیں اور ان کا یہ تصور دراصل عمدہ تخلیقی تنقید کے لئے ضروری ہے اور یہ وہی تنقیدی رویہ ہے جو قاری کو جمالیاتی انبساط سے ہم آہنگ کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شعیب شمس نے ڈاکٹر شکیل الرحمٰن سے جو گفتگو کی ہے وہ اردو تنقید کے باب میں اضافہ ہے اور اس گفتگو سے فکر و خیال کی وہ شمعیں روشن ہوتی ہیں جو اردو تنقید کی تاریکی و ظلمت کو دُور کرتی ہیں۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا سلسلہ وار مضمون ''ایک لہر نئی نئی'' فکری اعتبار سے فلسفیانہ نکات پر مبنی ہے اور ساختیات کے وسیلے سے زبان کے اسٹرکچر تک پہنچنے پر اصرار کرتا ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر وزیر آغا کے اقتباسات کی کثرت ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مصنف نے ڈاکٹر وزیر آغا کے خیالات کو منطبق کرنے کی دانستہ کوشش کی ہے۔

ڈاکٹر منصور عمر نے انیس رفیع کی افسانہ نگاری کے بعض اہم پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے۔ اس مضمون کے حوالے سے انہوں نے انیس رفیع کی افسانوی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مضمون میں انیس رفیع کی چند کہانیوں پر مختصر آرائے بھی موجود ہے۔ انیس رفیع کی کہانی ''علی بابا اور سم سم'' کی معنی خیز علامتوں کی تفہیم کرتے ہوئے ڈاکٹر منصور عمر نے اس کہانی پر منٹو کی کہانی ''ٹھنڈا گوشت'' کے اثرات کو نمایاں کیا ہے مگر تخلیقی عمل کی تحلیل نفسی میں دونوں کہانیوں کے درمیان زمین آسمان کا بُعد ہے۔

سید احمد قادری کا مضمون ''ذوقی کا ناول 'ذبح' کا تجزیاتی مطالعہ'' ناول کے بیشتر اقتباسات پر مشتمل ہے۔ تجزیاتی نقوش واضح نظر نہیں آتے مگر جہاں جہاں سید احمد قادری نے فنکارانہ احتساب کرنے کی کوشش کی ہے وہاں ان کا تنقیدی موقف زیادہ نمایاں ہوا ہے۔ قادری ایک مستند اور معتبر ادیب ہیں اس لئے قاری ان کے تجزیے اور محاکمے میں فن پارے کی امتیازی خصوصیات کے نمایاں ہونے کی توقع رکھتا ہے۔

حقانی القاسمی نے عنبر بہرائچی کی سیرت پاک سے متعلق ان کی منظوم کتاب ''لم یأت نظیرک'' پر عقیدت مندانہ تبصرہ لکھا ہے۔ اس تبصرے کے مطالعے سے ''لم یأت نظیرک'' کے امتیازی پہلوؤں سے ہماری واقفیت ہوتی ہے۔

انور سجاد کی کہانی ''گائے'' پر ڈاکٹر اسلم جمشید پوری کا تجزیہ عمدہ ہے۔ انہوں نے کئی سطحوں سے اس کہانی کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کہانی پر اردو میں گفتگو ہوئی ہے۔ اس کے موضوع پر متعدد رائیں ملتی ہیں۔ ظلم و ستم، تقسیم ہند اور ہجرت کے واقعات تک اس کے پس منظر میں ابھرتے ڈوبتے نظر آتے ہیں۔ علامتی کہانیوں میں جدید نقادوں نے اس کہانی کو اعتبار و وقار کی نظروں سے دیکھا ہے۔ انور سجاد کی فنی صناعی پر اسلم جمشید پوری کا یہ خیال:

> ''انور سجاد جیسے فنکار سے گائے، رنگا اور ظالم گھر والوں کی سیدھی سادی کہانی کی امید نہیں کی جاتی۔ کہانی، علامتوں کا لبادہ اوڑھے اپنے تاثرات میں وسیع منظر نامے رکھتی ہے۔ گائے کو ہم جنگ آزادی کے مظلوم عوام مان لیں تو پھر کہانی ایک نیا منظر نامہ پیش کرتی ہے۔ 'بابا' انگریز ظالم افسران کا کردار نبھاتے نظر آتے ہیں اور رنگا ہماری سیاسی جماعتوں کی نمائندگی کرتا نظر آتا ہے۔'' (ص-۳۲)

کہانی کے بطون تک پہنچنے کا ثبوت ہے اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر اسلم جمشید پوری کے یہاں قصہ شناسی کا پیمانہ موجود ہے۔

سرور کریم نے محمد سالم کی تنقیدی جستجو کو نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ محمد سالم سے قبل شمس الرحمٰن فاروقی کی معروف تنقیدی کتاب ''شعر غیر شعر اور نثر'' پر کسی اردو کے بڑے ناقد نے غور کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی اور نہ ہی اس کی تنقیدی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ محمد سالم کی تنقید کا احتساب کرتے ہوئے سرور کریم اعتراف کرتے ہیں:

> ''محمد سالم کے اس مطالعے کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ فاروقی جیسے قد آور ناقد کے افکار و نظریات سے بحث کرتے ہوئے انہوں نے کہیں مرعوبیت کا اظہار نہیں کیا ہے۔ موصوف کا یہ مطالعہ نہ تو فاروقی کی مدلل

مداحی ہے اور نہ ہی اختلافات کا پشتارہ بلکہ یہ ایک بالغ نظر ادیب کا اردو تنقید کی ایک بے حد اہم کتاب کا ایک معروضی مطالعہ ہے۔'' (ص: ۳۷)

میرے خیال میں محمد سالم کی تنقیدی روش میں جو استحکام اور علمی استدلال موجود ہے اس کے پیش نظر سرور کریم کا مذکورہ نظریہ مبنی بر حقیقت ہے۔

پروفیسر مطیع الرحمٰن کا مضمون ''قبر حضرت ایوبؑ'' شمس فریدی کے خط کا جواب ہے۔ جس میں دلیل و برہان کے وسیلے سے پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن نے اپنی تحقیق کو مدلل اور مصدق کیا ہے جو ان کے تبحر علمی کا مظہر ہے۔

پروفیسر قمر اعظم ہاشمی کا مضمون ''انجمن کی ان کہی باتیں'' انجمن ترقی اردو بہار کی ایک مفصل رپورٹ اور اس کی کارکردگی کی ایک نمایاں مثال ہے۔ جس کے مطالعے سے بہی خواہان اردو کی خدمات اور جدوجہد کا اندازہ ہوتا ہے۔

ڈاکٹر انیس صدری نے اپنے مضمون ''سمستی پور ماضی کے آئینے میں'' کے حوالے سے سمستی پور اور اس کے گرد ونواح کی تاریخی حیثیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ تاریخی حوالوں اور تحقیقی کاوشوں نے اس مضمون کی وقعت میں اضافہ کیا ہے۔

اقبال انصاری کی کہانی ''فراز'' ایک اچھی اور معیاری کہانی ہے اور جس میں نئی نسل کے بے ہودہ رویوں کے خلاف احتجاج موجود ہے۔ کہانی کا اختتام حیرت انگیز اور عبرت ناک ہے۔ یہ کہانی اصلاحی اور تعمیری جذبوں کی ترجمان ہے۔

جوگندر پال کا افسانچہ ''نہیں رحمٰن بابو'' وحدتِ تاثر کی جلوہ گری سے یکسر خالی ہے۔ اس شمارے میں ''راہ و رسم'' کے تحت جوگندر پال کا ایک خط شامل ہے۔ جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''نہیں رحمٰن بابو'' کے عنوان کے تحت چھ نئے افسانچے حاضر ہیں''۔ اگر مدیر نے ان چھ افسانچوں کو بیک وقت شامل کیا ہوتا تو رائے قائم کرنے کا موقع فراہم ہو جاتا۔'' کاک ٹیل کی آہ'' اور ''بڑھاپا'' منی کہانیاں ہیں جو اپنی بنت کے اعتبار سے قصہ پن سے عاری ہیں اور کوئی تاثر نہیں چھوڑ پاتیں۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر علاؤ الدین حیدر وارثی ہیں۔ ان کی دو غزلیں مدیر کے تعارفی نوٹ کے ساتھ شامل ہیں۔ مدیر نے ان کے یہاں صوفیانہ رمز تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں نے بھی ان کی غزلوں کا مطالعہ کیا تو محسوس ہوا کہ علاؤ الدین حیدر وارثی کی شاعری میں خود سپردگی اور محویت کا عالم

موجود ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ شاعر کا تجربہ ابھی عرفان و وجدان سے ہم کنار نہیں ہوا ہے مگر منزل سلوک کے مسافر کے لئے دشوار بھی نہیں ہے۔ شاعر نے جس انہماک اور ایقان کے ساتھ شاعری کی ہے وہ ان کے لئے خوش آئند مستقبل کا اشاریہ ہے۔

ڈاکٹر ظفر حمیدی کی نظم ''بانجھ عورت'' بے حد متاثر کن ہے۔ علقمہ شبلی کا ''منظوم خط بنام طرزی'' ایک خوبصورت شعری اظہار ہے اور ان کی شعری صلاحیتوں کا مظہر ہے۔ طرزی کی بحر میں ''طرزی نامہ'' لکھنا صاحب قلم کی فکری اور تخلیقی جودت کا ثبوت ہے۔ شگفتہ جبینی کی نظم ''پیار کا نغمہ'' ایک کیفیت بداماں نظم ہے جس میں یادوں کی سرمئی شاموں کا پر فریب منظر موجود ہے۔ شبینہ نوشاد کا ''گیت'' قدرے طویل ہے مگر چھوٹی بحر میں آسان اور عام فہم الفاظ کے استعمال کی وجہ سے اس کے تاثر میں اضافہ ہو گیا ہے۔ احساسات و جذبات کا تیز بہاؤ اس گیت کو فنی اعتبار سے پر وقار بناتا ہے۔ تعبیر جہاں کی نظم ''ایک نظم'' بے حد مختصر مگر عمدہ ہے اور ایک دل پذیر تاثر رکھتی ہے اور جو حقیقت سے قریب تر ہے۔ ذکی احمد کی نظم ''برستی آگ، اٹھتا دھواں ہے'' ایک پر اثر نظم ہے۔ شاعر نے ایک تاریخی اور سیاسی حادثے کو نظم کیا ہے اور جبر و تشدد کی ایسی پیکر تراشی کی ہے کہ ہر واقعہ ہر قاری کی نظروں کے سامنے سے گذر جاتا ہے۔ ڈاکٹر عبرت بہرائچی کا ''ہائیکو'' اور رؤف خیر کے ''ترائیلے'' نے مایوس کیا۔

غزلوں کا حصہ اس بار بھی تازگی لئے ہوئے ہے۔ اس بار تقریباً ۳۰ ؍عدد غزلیں اس شمارے کی زینت بنی ہیں۔ ہر غزل لہجے کی تازگی اور توانائی اپنی طرف مبذول کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جگن ناتھ آزاد، ہیرا نند سوز، محمد سالم، شباب للت، ظفر اقبال ظفر، ش.م. عارف ماہر آروی، محمد علی موج، شگفتہ جبینی، پروفیسر علیم اللہ حالی، جمال الدین ساحل، جمال ہاشمی، پروفیسر ناز قادری، رئیس الدین رئیس، زکی طارق، عزیز بگھروی، پروفیسر ایم کمال الدین، ڈاکٹر حنیف ترین، سیدہ نسرین نقاش اور بیتاب اختر وغیرہ نے بطور خاص متاثر کیا ہے۔

اس شمارے میں تبصرے کا حصہ زیادہ وقیع ہے۔ ڈاکٹر قاسم فریدی کی کتاب ''قصہ شناسی'' پر پروفیسر نادم بلخی کا تبصرہ، ڈاکٹر سید شاہد اقبال کی کتاب ''تذکرہ مہدانواں'' پر ڈاکٹر محمد غنی ضوی کا تبصرہ، رؤف خیر کی کتاب ''قطار'' پر ڈاکٹر منصور عمر کا تبصرہ اور ڈاکٹر عبید الرحمٰن کی کتاب ''آواز کے سائے'' پر ظفر ندیم کا تبصرہ معیاری اور بہتر ہے۔ مبصرین نے عرق ریزی سے کام لیا ہے اور مشتملات کے بطون تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

''راہ ورسم'' کے تحت مشاہیر ادب کی رائے شامل ہے۔ اردو کے صف اول کے مشاہیر ادب نے ''تمثیل نو'' کی اشاعت اور اس کے اعلیٰ معیار کو اردو ادب کے لئے ایک نیک شگون قرار دیا ہے اور مدیر کی حسن ادارت اور رسالے کی حسن طباعت کی داد دی ہے۔ جن لوگوں نے ڈاکٹر امام اعظم کی محنت' کاوش' خوش انتظامی اور ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کو قابلِ قدر تسلیم کیا ہے ان میں پروفیسر مختار الدین آرزو' جوگندر پال' پروفیسر ریاض الرحمٰن شیروانی' پروفیسر رفیع الدین ہاشمی' علقمہ شبلی' ڈاکٹر ظفر حمیدی' پروفیسر وہاب اشرفی، شارق جمال ناگپوری' ڈاکٹر شباب للت' ڈاکٹر ہری ونش ترون' قیصر تمکین' شمس فریدی' اندر سنگھ ورما' پروفیسر علیم اللہ حالی' سید احمد شمیم' منظور عثمانی' پروفیسر قمر اعظم ہاشمی' پروفیسر ناز قادری' حباب ہاشمی' ڈاکٹر فاروق احمد صدیقی، نارنگ ساقی، راشد جمال فاروقی' سید اختر الاسلام' نعمان شوق' ڈاکٹر ایم نہال اور سلطان احمد وغیرہ نہ صرف یہ کہ قابل ذکر ہیں بلکہ ''تمثیل نو'' اور اس کے مدیر کے متعلق ان کی رائیں اس بات کی غماز ہیں کہ اردو میں آج جو رسالے شائع ہو رہے ہیں ان میں ''تمثیل نو'' کی تمام تر تخلیقات معیاری اور وقیع ہیں اور ڈاکٹر امام اعظم کی مدیرانہ ذہانت کا ثبوت ہیں۔

الغرض یہ کہ سہ ماہی ''تمثیل نو'' شمارہ ۴ اچھی تحریروں کا انتخاب ہے اور یہ شمارہ تو صوری و معنوی اعتبار سے کافی دلکش اور جاذب نظر ہے۔ مدیر نے اپنی علمی استعداد کو بروئے کار لایا ہے۔ ان کے تخلیقی سفر سے لوگ واقف تھے اب ان کا صحافی رنگ بھی نمایاں ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے جس تحمل اور بردباری سے اس رسالے کو زندگی عطا کی ہے وہ ان کی ژرف بینی کا مظہر ہے۔ یہ رسالہ اپنے کامیاب مستقبل کی ضمانت ہے۔ اور مدیر کی محنتوں اور کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم بلاشبہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

(مطبوعہ: قومی تنظیم، پٹنہ اپریل ۲۰۰۲ء)

(۵)

(اپریل تا جون ۲۰۰۲ء)

سہ ماہی ''تمثیل نو'' شمارہ -۵ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ خوبصورت گیٹ اپ اور دیدہ زیب سرورق مدیر کی نفاست طبع کا مظہر ہے۔ اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' حسب سابق فکر خیز اور معلومات افزا ہے۔ اس اداریے میں مدیر کا یہ دعویٰ بلاشبہ حق وصداقت پر مبنی ہے کہ پروفیسر عبدالمنان طرزی کی شہرۂ آفاق تصنیف ''رفتگاں اور قائماں'' اور تحقیقی مضمون ''قبر حضرت ایوبؑ'' کا اصل محرک یہ رسالہ ہی ہے۔ مدیر نے شعری اور نثری ادب کے مابین جس کمی کو محسوس کیا ہے اس سے پڑھا لکھا طبقہ کم وبیش واقف ہے۔ ہم

جانتے اور محسوس کرتے ہیں کہ شعری ادب نے نئے وسیلے، نئے تلازمے اور نئے امکانات تو پیدا کر لئے ہیں اور ادبیات عالم میں علیحدہ شناخت بھی بنالیا ہے مگر یہ واقعہ بھی ہے کہ کہانوی ادب اور ہمارا تنقیدی سرمایہ آج بھی اپنی کم مائیگی اور تہی دامانی پر شکوہ سنج ہے۔ اس سمت بھی کہانی کاروں اور ناقدوں کو توجہ دینے کی خاص ضرورت ہے۔ اپنی اپنی ڈفلی بجانے سے کام نہیں چلے گا۔ کہانی کار اور نقاد اکٹ دوکٹ کھیلنا بند کریں اور صالح ترین تعمیری ادب میں اپنا وقت صرف کریں۔ اس شمارے میں ص ۴۹ پر مدیر کی یہ رائے بے حد اہم ہے:

''فنکار کا فرض ہے کہ وہ ایسے فن پارے عالم وجود میں لائے جو ساخت کے اعتبار سے اپنے اندر کشش اور پڑھنے کے اعتبار سے یک گونہ بے خودی کی کیفیت پیدا کر دے۔''

ڈاکٹر امام اعظم نے ''تمثیل نو'' کے ہر شمارے میں فنکاروں کے لئے راہ ہدایت طے کرنے کے لئے غیر جانبدارانہ تنقید اور اپنی احسن فکر کا مشعل روشن رکھا ہے۔ ان کی مذکورہ رائے بھی ان کی عقل سلیم کی نمائندہ ہے۔

اعزازات وانعامات اور وفیات کا کالم بھی قابل مطالعہ اور معلومات افزا ہے۔ یہ ایک مستقل سلسلہ ہے جو تحقیقی اعتبار سے مستند حوالوں کا ضامن ہوگا۔ مدیر کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ انہوں نے ان خبروں کو ''تمثیل نو'' میں شامل کر کے مستقبل کے ریسرچ اسکالرس کیلئے آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔

''قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب'' پروفیسر عبدالمنان طرزی کی احسن فکر کا نتیجہ ہے اور یہ صرف کامیاب شعری تجربہ ہی نہیں بلکہ قیمتی سرمایہ بھی ہے۔ ایک مدت گزرنے کے بعد اس بے حد قیمتی اور گراں قدر اضافے کا احساس اہل نظر و نقد کو ہوگا۔ پروفیسر طرزی کی شعری صلاحیت پر اقبال انصاری کی یہ رائے: ''ادب کی زمین سے شعریوں نکلتے ہیں جیسے پتھر کا سینہ چیر کر چشمہ ابلتا ہے'' حق بہ جانب ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کا یہ کارنامہ اردو ادب کی تاریخ میں یاد رکھا جائے گا۔

ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کی ۶۶ ؍اشعار پر محیط نظم جناب قاضی مجاہدالاسلام قاسمی مرحوم کی شخصیت و سیرت کا احاطہ کرتی ہے اور مرحوم کے ساتھ شاعر کی قربت و وابستگی کا پتہ دیتی ہے۔ رواں دواں اور برجستہ بحر میں لکھی گئی یہ نظم کوہستانی اور آبشاری کیفیت پیدا کرتی ہے۔

''کچھ یادیں کچھ باتیں'' مصاحبہ نگاری کی لذتوں سے آشنا کرتا ہے۔ سوالات کے حوالے سے جوابات کی جو فلسفیانہ موشگافیاں مورد وجود میں آئی ہیں ان سے مصاحب کی علمی لیاقتوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ ایک اچھی ملاقات اور ایک اچھی گفتگو کے لئے ڈاکٹر ایم نہال کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

شعیب شمس نے جناب ڈاکٹر شکیل الرحمٰن سے گفتگو کا جو سلسلہ جاری رکھا ہے اس سے علمی موضوعات کی کئی پرتیں کھلتی نظر آتی ہیں اور یہ محسوس ہوتا ہے کہ مصاحب اور مصاحبہ نگار نے علم و آگہی اور عرفان ذات کے وسیلے سے ادبی موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کر کے قاری کے لئے ادب و تنقید کی راہیں روشن و منور کر دی ہیں۔

''نگارشات آرزو جلیلی'' ایک تحقیقی کتاب ہے جس کے مرتب مظہر امام ہیں۔ حسن امام درد نے اس کتاب پر سیر حاصل تبصرہ لکھا ہے اور اس کے تمام اہم نکات کو منور کر دیا ہے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''ایک لہر نئی نئی-۵'' کے حوالے سے فکر و نظر کا چراغ مسلسل روشن رکھا ہے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے۔

احمد سہیل نے ستیہ پال آنند کی نظم ''تیسرا زخم'' کا تجزیہ کامیابی کے ساتھ کیا ہے اور اپنی ناقدانہ بصیرتوں کا ثبوت دیا ہے۔ ان کے فکری زاویوں نے نظم کے تہہ نشیں نکات کو آشکار کیا ہے۔

ابواللیث جاوید نے ڈاکٹر ظفر حمیدی کی شاعری پر محنت سے مضمون لکھا ہے۔ ان کا یہ مضمون مختصر ہے مگر ڈاکٹر ظفر حمیدی کے شعری اختصاص کو نمایاں کرتا ہے۔

''لندن یاترا'' ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا تحریر کردہ سفرنامہ ہے جس پر ڈاکٹر خالد حسین خاں نے تبصرہ لکھا ہے۔ انہوں نے سفرناموں کی تاریخ، اس کی ماہیت اور اس کی غرض و غایت پر روشنی ڈالتے ہوئے بحیثیت سفرنامہ ''لندن یاترا'' کا مقام متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔

''وہ دن دور نہیں'' ایک مختصر مضمون ہے جو حوصلہ افزائیوں کی خصوصیات سے پُر ہے۔ اقبال انصاری نے اس مختصر مضمون کے حوالے سے تاریخی اور تحقیقی دستاویز ''رفتگاں وقائماں'' کے خالق کی نہ صرف پذیرائی کی ہے بلکہ ان کے حوصلوں کو برق رفتار بنانے کی سعی بلیغ بھی کی ہے۔

سید منظر امام نے اپنے مختصر مضمون ''اقبال انصاری کا فن: چند تاثرات'' میں اقبال انصاری کی خلاقانہ صفات کو سراہا ہے اور اپنے مفید مشوروں سے بھی نوازا ہے۔ یہ مختصر مضمون اقبال انصاری کی تخلیقی صلاحیتوں کو انگیخت کرتا ہے۔

مضمون ''اردو میں جاسوسی ادب'' پر مہر النساء نے جاسوسی ناولوں کا بالکل مختصر جائزہ پیش کیا ہے مگر اس مضمون نے جاسوسی ناولوں کی بھولی بسری اور مٹتی دھندلی ہوتی ہوئی تصویروں کو روشن کر دیا ہے۔ اس موضوع پر تفصیلی گفتگو اور کام کرنے کی ضرورت ہے۔

نفیس بانو شمع نے ''جودی بایا اجودھیا'' کی وجہ تسمیہ بیان کی ہے اور تحقیقی حوالوں کے وسیلے سے اجودھیا کو حضرت نوح کی اولاد حام بن نوح کی جگہ پیدائش پر اصرار کیا ہے۔

ڈاکٹر انیس صدری کا مضمون ''سمستی پور ماضی کے آئینے میں'' قسط وار ہے۔ اس مضمون کے ذریعہ سمستی پور اور اس کے اطراف و جوانب کی تاریخی اور ادبی سرگرمیوں کا علم ہوتا ہے۔

کہانی ''بیل'' ایک عورت کی محرومی اور نا آسودگی کی المناک داستان ہے۔ جوگندر پال کے افسانچے دیر پا تاثر نہیں رکھتے۔ ان میں وہ چویشن بھی موجود نہیں ہے جو افسانچے کو زندگی کی رمق عطا کرتی ہے۔

مزاحیہ مضمون ''بیوی کی ریٹائرمنٹ'' میں وہ مزہ نہیں جو موضوع کی مناسبت سے متوقع تھی۔ عظیم صدیقی نے تھوڑی سی محنت اور کی ہوتی تو یہ مضمون مزاحیہ ادب میں قابل شمار ہوتا۔

اس شمارے کے خاص شاعر ناشاد اورنگ آبادی ہیں۔ ناشاد کی دو غزلوں کے حوالے سے مدیر نے ان کی شعری خصوصیات متعین کرنے کی کوشش کی ہے۔ دراصل ناشاد کی غزل گوئی شفق عماد پوری کے وسیلے سے میر و مومن کی ادبی وراثت کی غماز ہے۔ ان کی غزلوں میں حوصلہ مند روایتوں کا وہ سلسلہ قائم ہے جو زندگی کو صرف کیف و نشاط ہی سے ہم آہنگ نہیں کرتا بلکہ احساس محرومی کی ایک نمایاں تجلی بھی ان کی غزلوں کو عرفان و آگہی سے ہمکنار کرتی ہے۔

اس شمارے کے تبصرے زیادہ وقیع اور جاندار ہیں۔ ''تنقید کی زبان'' ''نئے علاقے میں'' اور ''دعاء کا شجر'' وغیرہ کتابوں پر ڈاکٹر منصور عمر کے تبصرے ان کی نظر معتبر کے گواہ ہیں۔ ڈاکٹر ایم صلاح الدین نے ''قاضی عبدالودود کی علمی اور ادبی خدمات'' پر جو تبصرہ تحریر کیا ہے اس سے نہ صرف یہ کہ قاضی صاحب کی محققانہ بصیرتوں کا ثبوت فراہم ہوتا ہے بلکہ ڈاکٹر ایم صلاح الدین کے مبصرانہ درک اور ان کی علمی دسترس کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ شاکر خلیق کے شعری مجموعہ ''اعتراف جنوں'' پر عبدالجلیل بسمل نے صرف ایک خط لکھا ہے جسے تبصرے کے خانے میں شامل کر لیا گیا ہے۔ یہ محض ایک خط ہے جو تخلیق کار کے نام ہے باضابطہ کوئی تبصرہ نہیں۔

حسب سابق خطوط کے کالم میں مشاہیر ادب کا نام موجود ہے۔ ان ناموں کی شمولیت سے ''تمثیل نو'' کی مقبولیت کا پتہ چلتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ''تمثیل نو'' نے مختصر مدت میں ہی اردو سالوں کے درمیان اپنی معتبر پہچان قائم کر لی ہے۔ اس شمارے کے ادباء و شعراء نے مضامین اور دیگر مشمولات میں اپنی عصری حسیت

اور اپنے فکری تنوع کا ثبوت دیا ہے اور صوری و معنوی دونوں لحاظ سے رسالے کو وقیع اور پروقار بنایا ہے۔ بلاشبہ اس رسالے کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم مبارک باد کے مستحق ہیں کہ ان کی حسن نظر اور ان کے حسن انتخاب نے اس رسالے کو ایک منفرد مقام عطا کر دیا ہے۔ (مطبوعہ: روزنامہ قومی تنظیم، پٹنہ جون،۲۰۰۲ء)

(۶)

(جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء)

اردو میں رسالوں کا شائع ہونا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ یہ سلسلہ شب و روز جاری ہے۔ بک اسٹال پر نئے نئے ڈھنگ کے اور بھانت بھانت کے موضوعات پر مبنی رسائل اچھی خاصی تعداد میں نظر آتے ہیں۔ مگر معیار و اقدار کے اعتبار سے اگر دیکھا جائے تو بڑی مایوسی ہوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہر رسالہ دو چار ماہ کی زندگی گذار کر گوشہ نشینی یا گمنامی کی زندگی گذارنے پر مجبور نظر آتا ہے۔

مگر یہ حیرت و مسرت کی بات ہے کہ دربھنگہ جیسے مردم خیز علاقے سے ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں ''تمثیل نو'' نہ صرف یہ کہ پابندی اور باقاعدگی کے ساتھ نکل رہا ہے بلکہ اس رسالے کا یہ اختصاص بھی ہے کہ ادبی فن پاروں کے تعین میں اپنی انفرادیت اور غیر جانبداری کا بھی اظہار کر رہا ہے اور گراں قدر مقالوں کی شمولیت اور مصاحبہ نگاری کی خصوصیت کے توسط سے ادب میں گراں قدر اضافے کا مصداق بھی بن رہا ہے۔ میرے اس بیان کی تصدیق کے لئے شمارہ-۶ کی مشمولات پر نظر رکھئے تو آپ کو محسوس ہوگا کہ کتنے رسائل ایسے ہیں جن میں زندہ رہنے کے تمام امکانات موجود ہوں۔

''تمثیل نو'' شمارہ-۶ میری نظروں کے سامنے ہے۔ خوبصورت سرورق، نفیس طباعت ایک نظر میں دل کو بھاتی نظر آتی ہے۔ اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' قدرے طویل لیکن کارآمد ہے۔ اس اداریے میں متعدد موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ خصوصی طور پر ادب کی بدلتی قدروں اور اردو زبان کی موجودہ صورت حال پر مدیر نے اپنے تفکر کا اظہار کیا ہے۔ ان کا یہ خیال:

> ''ہماری نسل کا حال یہ ہے کہ اپنے مطالعہ کا گہرائی سے محاسبہ نہیں کرتے اور فوراً ایوارڈ حاصل کرنے کی دوڑ میں شامل ہونے کی سعی کرنے لگتے ہیں۔''

اور پھر یہ بھی کہ:

> ''جس وقت اردو کا کوئی بھی طالب علم اس کا تلفظ بگاڑتا ہے تو طبیعت مکدر ہو جاتی ہے۔ آج اردو اسکول، کالج سے نکل کر مدرسہ و مسجد میں معتکف ہو گئی ہے۔''

ڈاکٹر امام اعظم کے مذکورہ خیالات ایک ایماندار اور ہمدرد مدیر کے درد دل کا اظہار ہیں۔ آج جس طرح کم پڑھے لکھے اور نام نہاد اسکالرس ایوارڈز حاصل کرنے کی دوڑ میں لگے ہوئے ہیں اور اردو زبان کی بنیاد کو دیمک کی طرح چاٹ رہے ہیں وہ ڈاکٹر امام اعظم جیسے حساس فنکاروں کے لئے سخت تفکر کا باعث ہے۔

اس شمارے کے مطالعے سے خورشید اکبر کی کتاب ''بدن کشتی بھنور ساحل'' ڈاکٹر منصور عمر کی کتابیں ''ردائے ہنر''، ''ابابیل'' اور ''نئی دنیا نیا آدم'' منظر شہاب کی تنقیدی کتاب ''اور پھر بیاں اپنا'' اور ڈاکٹر امام اعظم کا ترجمہ شدہ ارون کمل کا ہندی شعری مجموعہ ''نئے علاقے میں'' کی رسم اجراء سے عام قارئین کو واقفیت ہوتی ہے۔ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کے قطعات ''تاریخ بروفات مشاہیر ادب'' شعری ادب میں اضافہ کر رہے ہیں اور ان سے جناب طرزی کی فکری اور تخلیقی جودت ظاہر ہو رہی ہے۔

''کھگرا میلہ مشاعرہ - ۱۹۵۵ء کی ایک جھلک'' اکمل یزدانی کا ایک اچھا مضمون ہے جس کے مطالعے سے مذکورہ عہد کے شعراء کے موضوعات و اسلوب اور لب و لہجے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''کچھ یادیں کچھ باتیں'' مصاحبہ نگاری کی ایک اچھی مثال ہے۔ یہ انٹرویو عصمت چغتائی کے غیر اسلامک رویے کو آشکارا کرتا ہے۔ پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط ڈاکٹر امام اعظم کے ساتھ کے قریبی تعلقات و روابط کا اظہار کرتے ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے جناب نظیر صدیقی کی منفرد طرز تحریر اور ان کے شگفتہ اسلوب کا پتہ چلتا ہے اور مختلف علمی و ادبی موضوعات پر ان کی فنکارانہ مہارت ظاہر ہوتی ہے۔ سید احمد شمیم نے فراق گورکھپوری کی رباعیات کے مجموعہ ''روپ'' کا محاسبہ اور محاکمہ دانشوری کے ساتھ کیا ہے۔ مگر وہ قدرے جذباتی بھی ہو گئے ہیں اور شاید اس لئے انہوں نے صلاح الدین پرویز کو کچو کے بھی لگائے ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''ایک لہر نئی نئی'' بہت خشک اور گنجلک ہے۔ پروفیسر سید منظر امام نے ''رفتگاں و قائماں'' کی مدح سرائی کی ہے۔ اس سلسلے میں کئی دلچسپ واقعات نقل کر کے انہوں نے قاری کے لئے راحت و سرور کے لمحات یکجا کر دئے ہیں۔ اسلم بدر نے ''رفتگاں و قائماں'' پر ایک منظوم تاثر پیش کیا ہے۔ ان کے شعری اسلوب میں حسن و جمال کا عکس موجود ہے۔ ڈاکٹر آفتاب اشرف کا مضمون ''قائد ملت جناب قاضی مجاہد الاسلام قاسمی مرحوم'' کی شخصیت و سیرت کو اجاگر کرتا ہے۔

اس شمارے میں دو افسانے شامل ہیں۔ اقبال انصاری کی کہانی ''نازلی آپا'' دل کی گہرائیوں کو چھوتی نظر آتی ہے۔ کہانی بیحد اثر انگیز اور فکری و فنی صلابتوں سے معمور ہے۔ اقبال انصاری نے اپنی

فنکارانہ ژرف بینی کے وسیلے سے 'نازلی آپا' کی بہترین پیکر تراشی کی ہے۔ کہانی پڑھتے وقت 'نازلی آپا' کا بھرپور سراپا نظروں (بلکہ لفظوں) کے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اتنی اچھی دلچسپ اور کامیاب کہانی کے لئے بلاشبہ اقبال انصاری مبارک باد کے مستحق ہیں۔ ڈاکٹر علقمہ سلفی کی کہانی "خالی ہاتھ" بلاشبہ خالی خالی رہ گئی ہے۔

دو افسانچے یا دو منی کہانیاں "مایا" اور "شاعر کا دل" بھی اس شمارے میں موجود ہیں۔ انوار الحسن وسطوی کامیاب رہے۔ ان کی کہانی Satarical انداز رکھتی ہے۔ مزاحیہ مضمون "کون بنے گا کروڑ پتی" بالکل پھسپھسا سا ہے۔ اس فن میں سلیقہ چاہئے۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر نیاز احمد کی دو غزلوں کے مطالعے سے ان کے پختہ کار شاعر ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ اچھا ہے۔ اسے جاری رکھیں۔

اس بار نظم و غزل کے حصے میں ڈاکٹر ظفر حمیدی، علقمہ شبلی، ستیہ پال آنند، رضا اشک، ایم۔ اے۔ ضیاء، سیدہ نسرین نقاش، اثر فریدی، شمس فریدی، تسنیم فاروقی، ڈاکٹر حنیف ترین اور سعید روشن وغیرہ زیادہ پسند آئے۔ یہ حصہ معتبر اور قابل مطالعہ ہے۔

اس شمارے میں آٹھ کتابوں پر معتبر اور مؤقر تبصرے شامل ہیں۔ اقبال انصاری، ڈاکٹر منصور عمر اور سردار سلیم وغیرہ نے بڑی گہری نظر اور چابک دستی کے ساتھ کتابوں کی مشمولات پر نظر رکھی ہے۔ اس سلسلے میں خاص کر ڈاکٹر منصور عمر نے اپنے علمی اور فکری نہج کو زیادہ روا رکھا ہے اور اپنی حق شناس نظروں اور راست گو رویوں کے وسیلوں کو بروئے کار لا کر تبصرے کے مختصر پیمانے میں مکمل مطالعے کا مزہ پیش کر دیا ہے۔ یہ سلسلہ جاری رکھئے اور ڈاکٹر منصور عمر کو برابر زحمت دیجئے تاکہ اردو میں اچھے تبصروں کا ذخیرہ جمع ہو سکے۔

'رسم و راہ' کے تحت تقریباً بیس قلمکاروں کی رائیں "تمثیل نو" کی مقبولیت میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں۔ اس رسالے کا یہ اختصاص ہے کہ ملک کے علاوہ بیرون ملک میں بھی اپنی علیحدہ شناخت رکھتا ہے۔ خطوط کا یہ کالم بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے رسالے اور مدیر کی مقبولیت و انفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں سہ ماہی "وقت" کے سالم نمبر پر پروفیسر عبدالمنان طرزی کا منظوم تاثر ان کی خلاقانہ بصیرتوں کی غمازی کرتا نظر آتا ہے۔ بحیثیت مجموعی یہ شمارہ اپنے جلو میں تمام روشن امکانات رکھتا ہے اور یہ روشن امکانات "تمثیل نو" کے وقار و معیار کو اعتبار عطا کرتے ہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ "قومی تنظیم"، پٹنہ ستمبر ۲۰۰۲ء)

(۷)

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء)

موجودہ اردو رسالوں کی بھیڑ میں صوری و معنوی اعتبار سے ''تمثیل نو'' کی انفرادیت قابل رشک ہے۔ اس رسالے میں شامل تحقیقی، تنقیدی اور تجزیاتی مضامین میں قوت فکر، وسعت مطالعہ، ادراک تخیل اور عملی کوششوں کا جو عمل دخل نظر آتا ہے اس کی مثال کم رسالوں میں ملے گی۔ اس رسالے میں شامل تخلیقی فن پارے بھی اپنی علیحدہ پہچان رکھتے ہیں۔ افسانہ، غزل، نظم یا کوئی حصہ اٹھالیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ فکر و خیال کا بحر بیکراں 'تمثیل نو' کی کشتی میں مانند نسیم وزر اپنی جولانی دکھا رہا ہے۔

سہ ماہی ''تمثیل نو'' شمارہ-۷ میری نظروں کے سامنے ہے۔ ایک نظر 'ترتیب' پر ڈالنے کے بعد ہی اندازہ ہوتا ہے کہ مدیر نے مقتدر اہل قلم حضرات کو اس رسالے کی طرف متوجہ کیا ہے اور ان کی شرکت سے اس رسالے کے معیار و وقار میں اضافہ ہوا ہے۔ اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے زیر اثر ڈاکٹر امام اعظم نے اردو کی بقاء اور تحفظ کے مسئلے پر بڑی زوردار باتیں کہی ہیں۔ انہوں نے ''ادبی اپیل'' کے جس نظریے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اس جانب اردو داں طبقہ اگر گامزن ہو جائے تو اردو زبان کی اہمیت، افادیت اور حفاظت کا اعتراف غیر اردو داں طبقے کو بھی کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں انہوں نے فکری دریچوں کو وا کرنے کی دعوت بھی دی ہے۔ یہ بڑے حوصلے کی بات ہے' کچھ اہم خبریں' ادبی و ثقافتی پروگرام، اعزازات و انعامات، وفیات کا کالم اور قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب وغیرہ موضوعات اہمیت و افادیت کے اعتبار سے قابل تقلید ہیں اور بے حد اہم اور مفید بھی۔ ''قطعات تاریخ'' کی حیثیت بالکل جداگانہ اور منفرد ہے اس باب میں اردو کا کوئی دوسرا رسالہ ''تمثیل نو'' کی ہمسری نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر طرزی قابل مبارک باد ہیں کہ انہوں نے اردو کے نامور ان پر قطعات لکھ کر انہیں حیات دوام بخش دی ہے اور اردو کے ریسرچ اسکالرز کے لئے بھی سہولتیں پیدا کر دی ہیں۔

پروفیسر شاکر خلیق اور ظہیر غازی پوری کے دوہوں نے جی خوش کر دیا ہے۔ جس جذب وکیف کو شامل کر کے انہوں نے دوہے لکھے ہیں وہ ان کی فنکارانہ ہنر مندیوں کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ ان دونوں تخلیقات نے ذہن پر دیرپا نقوش ثبت کئے ہیں۔

منیر فاروقی کی نعت پاک اثر و تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہے۔ اس میں شاعر کا جذب اندروں شامل ہے۔ فکر و خیال کی پاکیزگی رفعت تخیل کو مہمیز لگاتی ہے۔ شاعرانہ تخیل حقیقت پسندانہ اور ساحرانہ جذبات

کے سانچے میں ڈھل کر جذب و سرمستی کی کیفیت پیدا کرتا ہے۔ پوری نظم شعریت سے بھر پور بھی ہے اور عقیدت مندانہ اظہار جذبات سے لبریز بھی۔

ڈاکٹر ایم نہال کی گفتگو سبق آموز اور قابل عمل ہے۔ انسان جس دن نفرت کی دیوار کو محبت کی اینٹ اور گارے سے پاٹنا شروع کرے گا وہ حقیقی معنیٰ میں خلیفۃ فی الارض کہلائے گا۔ پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط ادبی نوعیت کے ہیں اور مکتوب الیہ سے ان کے تعلق اور وابستگی کا اظہار کرتے ہیں۔ ''لندن میں دو دن'' پروفیسر مختار الدین احمد کا ایک دلچسپ سفر نامہ ہے۔ ''رفتگاں و قائماں کا میزانی مطالعہ'' پروفیسر منظر شہاب کا ایک عالمانہ تحقیقی تجزیہ ہے۔ انہوں نے ''رفتگاں و قائماں'' کے محاسن و معائب پر روشنی ڈالی ہے اور ان اوجھل گوشوں کو بھی منور کیا ہے جو ''رفتگاں و قائماں'' میں ماند پڑ گئے تھے۔

''اکیسویں صدی میں اردو تحقیق کو درپیش چیلنجز'' خاصا معیاری اور فکری تحقیقی مضمون ہے۔ پروفیسر محمد محفوظ الحسن نے اس مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ بیسویں صدی کے اواخر تک اردو تحقیق نے جس طرح فنِ تحقیق کے اہم تقاضوں سے چشم پوشی کی ہے یا اس کے محدود ذرائع نے اسے جس طرح پس پشت رکھا ہے اس کا ازالہ اردو تحقیق اکیسویں صدی میں کمپیوٹر کے وسیلے سے کر سکتی ہے۔

مضمون نگار نے پرنٹ میڈیا، انفارمیشن ٹکنالوجی، کمپیوٹر، انٹرنیٹ اور ویب سائٹ کی اچھی خاصی معلومات حاصل کی ہے اور آنے والے محققوں کے لئے انہیں نشانِ راہ قرار دیا ہے۔

''ایک لہر نئی نئی۔ ے'' ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا سلسلہ وار مضمون ہنوز جاری ہے۔ اس مضمون میں ناول موضوعات پر مدلل گفتگو کی گئی ہے اور اعلیٰ درجے کے ناولوں کے تخلیق نہ ہونے کے اسباب و علل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ''قصہ قبر حضرت ایوب کا'' ایک استدلالی تحقیقی مضمون ہے مگر جناب شمس فریدی نے اس مضمون کے آخری اقتباس کے پہلے جملے شدت بیانی کو راہ دے دی ہے جو اعتدال پسندوں کے نزدیک مستحسن نہیں ہے۔ ''منظر و پس منظر'' میں حیدر قریشی کی گفتگو سیاسی نوعیت کی ہے۔ مضمون نگار نے کمال ہمدردی کے ساتھ انڈو پاک کے درمیان محبت و اخوت کے جذبوں کو بیدار کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس شمارے میں چار افسانے شامل ہیں۔ قیصر تمکین نے اپنے افسانے کے ماتھے پر ابہام کا غازہ مل دیا ہے۔ اقبال انصاری نے اصلاح تو کر دی مگر ردِ عمل کا خطرہ بڑھ گیا ہے۔ مشتاق احمد نوری کی کہانی لطف دے گئی۔ دسمبر کے بعد...... انسان کا ضمیر جاگتا نظر آتا ہے۔ نفیس بانو شمع کی کہانی اتہاس کا ورق معلوم ہوتی ہے۔

اس شمارہ کی مخصوص شاعرہ حلیمہ سعدیہ شگفتہ کی دو غزلیں اچھی ہیں۔ ان غزلوں میں شگفتگی، شادابی اور نرمی موجود ہے۔ اس بار نظموں کے حصے میں ڈاکٹر حنیف ترین، ستیہ پال آنند، ڈاکٹر شہناز بیگم، عطا عابدی، راشد انور راشد وغیرہ زیادہ پسند آئے اور پروفیسر نادم بلخی، کرشن کمار طور، حیدر وارثی، ناشاد اورنگ آبادی، ڈاکٹر انوری بیگم، نجم عثمانی، رئیس الدین رئیس وغیرہ کی غزلوں نے زیادہ متاثر کیا۔ اس بار غزلوں کا حصہ زیادہ مقتدر اور متاثر کن ہے۔

اس شمارہ میں کل آٹھ تبصرے شامل ہیں مگر اقبال انصاری، پروفیسر ایم کمال الدین اور حقانی القاسمی کے تبصرے بے لاگ، بے لوث اور دیانتِ فکر و نظر کے مظہر ہیں۔ سید احمد شمیم کے شعری مجموعہ ''بے در و دیوار'' پر ڈاکٹر عبدالمنان طرزی کا منظوم تبصرہ ایک طرف سید احمد شمیم کی شعری صلاحیت کا ثبوت ہے تو دوسری طرف خود ڈاکٹر طرزی کی تخلیقی ہنرمندیوں کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔

''راہ و رسم'' کے زیر اثر مشاہیر اردو زبان کے خطوط شامل ہیں جن کے مطالعے سے ''تمثیل نو'' کی شہرت و مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس بار خطوط کے کالم میں عفت موہانی اور نگار عظیم صاحبہ کی رایوں پر مکتوب نگاروں نے ایک طرح سے مباحثہ قائم کیا ہے۔ یہ ایک اچھا سلسلہ ہے۔ اس قسم کی رایوں سے دل و دماغ پر پڑے جالے صاف ہوتے ہیں۔

غرض یہ کہ تمثیل نو شمارہ-۷ ڈاکٹر امام اعظم کی کامیاب صحافتی زندگی کا آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم جس حوصلے کے ساتھ ادب کی خدمت کر رہے ہیں اور اس دورِ ابتلا و آزمائش میں جس جاں فشانی اور پابندیٔ وقت کے ساتھ یہ رسالہ نکال رہے ہیں وہ ان کے مستحکم ارادے اور پر خلوص تعاون کا ترجمان ہے۔ اہل قلم حضرات کو چاہئے کہ اس رسالے کو حیاتِ دوام بخشنے کے لئے اسے خرید کر پڑھیں تاکہ یہ رسالہ تادیر زندہ رہ سکے۔ میں اس کے روشن مستقبل کے لئے دعا گو ہوں۔

(اشاعت: روزنامہ قومی تنظیم، پٹنہ ۱۶؍فروری ۲۰۰۳ء)

(۸)

(جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء)

''تمثیل نو'' اردو کا معتبر جریدہ ہے۔ اس نے محض چوبیس مہینوں میں ہی ادبی افق پر جو اپنی پہچان بنائی ہے وہ اسے تابندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ شروع میں جب یہ رسالہ جاری ہوا تو ادب کے شائقین نے سوچا کہ دوسرے رسالوں کی طرح ہی یہ بھی اپنی چند بہاریں دکھا کر ادب کے افق سے غروب ہو جائے گا

مگر جب اس کی آٹھویں بہاریں ادب کے منظر نامے پر اپنی شان وشوکت کے ساتھ نظر آئیں تو ڈاکٹر امام اعظم کے بلند عزائم اور حوصلہ مند منصوبوں کا اندازہ ہوا۔ موجودہ شمارہ کی نفاست اور مشمولات کے حسنِ انتخاب پر ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ ''تمثیل نو'' کی مقبولیت میں روزانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ معتدد نقاد اور ادباء وشعراء اس رسالے سے اپنا رابطہ بنائے ہوئے ہیں اور ان کی شرکت اس رسالے کے معیار و اعتبار کو قائم رکھے ہوئے ہے۔ اداریہ '' مجھے کچھ کہنا ہے'' ہمیشہ کی طرح اس بار بھی دلچسپ ہے اور فکریہ لمحوں کی بازیافت کرتا نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اردو کے ادباء وشعراء کو جو مشورہ دیا ہے وہ قابل غور ہے۔ یہ عبارت بطور خاص ملاحظہ کیجئے:

> ''دنیا کے ادب سے اردو کا رشتہ جوڑنا آسان اس لئے ہے کہ دنیا کے مختلف خطوں میں اردو کے ادیب و شاعر پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر وہ تھوڑی سی کوشش کر کے ادبی افکار وخیالات کو دوسری زبانوں میں منتقل کر کے اردو ادیبوں اور شاعروں کی کوشش سے دنیا کو روشناس کرا سکیں تو اس سے عالم انسانیت کی بھلائی ہو سکتی ہے۔''

ڈاکٹر امام اعظم کے اس مشورے پر اگر عمل کیا جا سکا تو ایک طرف اردو زبان کے لئے منفعت بخش نتائج برآمد ہوں گے اور دوسری طرف ہم اپنی پیاری زبان کے توسط سے عالمِ انسانیت کو محبت، بھائی چارگی اور مساوات کا درس دے سکیں گے۔

حسب روایت اس شمارہ میں بھی 'کچھ اہم خبریں' ادبی وثقافتی پروگرام اور 'وفیات' کا کالم بے حد معلوماتی اور سود مند ہے۔ اس حصے میں اہل اردو کی ادبی سرگرمیوں اور معروف ومشہور شخصیات کی اموات کا تذکرہ ایک قیمتی ذخیرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور جس کی مستقبل میں زیادہ پذیرائی ہوگی۔

''قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب'' ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزی کا دلچسپ اور یادگار شعری کارنامہ ہے۔ اس کی حیثیت محض تاریخی وادبی ہی نہیں بلکہ تخلیقی اعتبار سے بھی یہ ایک گراں قدر کاوش ہے جس کی ہر زمانے میں پذیرائی ہوگی۔ 'حمد باری تعالیٰ' اور 'نعت پاک رسولؐ' نہ صرف عقیدت مندانہ اظہار ہیں بلکہ فکری اور شعری طرز کے اعتبار کی وجہ سے ہمیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں۔ 'کچھ یادیں: کچھ باتیں' ایک انٹرویو ہے مگر ڈاکٹر ایم نہال نے عینی آپا کے وسیلے سے اپنی تحریروں کو پروقار بنا دیا ہے اور دوام عطا کر دیا ہے۔

احمد یوسف نے مختار الدین احمد کی ڈائری کے صفحات کا بغور مطالعہ کیا ہے اور تحقیقی غلطیوں کی طرف نشاندہی کی ہے۔ ''پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط ڈاکٹر امام اعظم کے نام'' اپنی نوعیت کے اعتبار سے

بے حد اہم اور ادبی و تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ ''ایک سفر بیجنگ (چین) کا'' ایک دلچسپ اور معلوماتی سفرنامہ ہے۔ پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ نے بیجنگ کے مختلف تاریخی مقامات سے ہماری واقفیت کرائی ہے۔ اس سفر کی روداد اس قدر سادہ، پُر اثر اور دلنواز ہے کہ پڑھنے والے کو ذرا بھی اکتاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔ تحریر کی سادگی، سلاست اور شگفتگی نے قاری کو اپنی جانب متوجہ رکھا ہے۔ ''فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی'' پروفیسر شکیل الرحمٰن کا ایک مختصر مگر جامع مضمون ہے جس میں انہوں غالب کے اشعار کے وسیلے سے ان کی شاعری میں شامل الٰہیات کے موضوعات کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور اپنے مدلل بیان سے اس مضمون کو وقار عطا کیا ہے۔ ''ایک لہر نئی نئی-۸'' ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا سلسلہ وار مضمون ہے جس میں مغربی معیار و مثال کے وسیلے سے اردو فکشن کے نئے امکانات پر غور کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور دیگر اردو ناقدین کی توجہ بھی اس جانب مبذول کرائی گئی ہے۔ مولانا رضوان احمد کی تالیف ''نقوش و تاثرات'' پر فضل حق عظیم آبادی کا تبصرہ خاصے کی چیز ہے۔ مولانا رضوان احمد ندوی نے صاحب کشف و کرامات اور اہل دل بزرگان دین کے زرّیں اقوال کو جس شیریں، شائستہ، سلیس اور دل کو لبھانے والی نثر میں نقل کیا ہے اس سے طبیعت شاداب ہو جاتی ہے اور محض اس تبصرے کو پڑھنے کے بعد ہی ''نقوش و تاثرات'' جیسی دلنواز کتاب کا مطالعہ کرنے کا جی چاہتا ہے۔ 'منظومہ' کے موجد انور شیخ پر ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون بہت مختصر مگر ان کی علمی صلاحیت کا گواہ ہے۔ اس مضمون میں ڈاکٹر امام اعظم نے نئی صنف منظومہ کی وکالت کی ہے اور اس کے حوالے سے انہیں امید ہے کہ اردو شاعری میں انور شیخ ایک انقلاب لانا چاہتے ہیں۔ 'پروفیسر آل احمد سرور یادوں کے آئینے میں' پروفیسر مشتاق احمد حاجی پوری کا تحریر کردہ ایک مضمون ہے۔ مضمون نگار نے ممدوح کے جن اوصاف حمیدہ کا ذکر کیا ہے وہ ذرہ برابر بھی مبالغے کی سرحدوں کے قریب نہیں پہنچتا۔ سچ تو یہی ہے کہ پروفیسر آل احمد سرور کی دلنواز شخصیت نے ہی ادب کو مسرت سے بصیرت تک پہنچانے کا کام کیا ہے۔ اس مضمون کی نمایاں خوبی اس کا دلکش طرز اسلوب ہے۔ تحریر میں سحر طرازی کا عنصر شامل ہے۔ اسرار اکبر آبادی نے گیتا کے مذہبی مآخذ کی تلاش و جستجو کے درمیان شری کرشن کے بشری روپ کو مختلف حوالوں کے وسیلوں سے ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس سلسلے میں ان کا بیان مدلل ہے۔ ڈاکٹر مجید بیدار کا مضمون تحقیقی نوعیت کا ہے جس کے توسط سے حیدرآباد میں تعلیم کے فروغ وارتقاء کے اسباب وعلل کو فراہم کیا گیا ہے اور نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کے دور اقتدار کو حیدرآباد کے تعلیمی پس منظر کے لئے پُر وقار ٹھہرایا گیا ہے۔

ڈاکٹر غیاث الدین کا انشائیہ ''علامت نگاری اور تجریدیت پر بغیر مطالعہ کی بحث'' دلچسپی سے خالی نہیں ہے اور تجرید و علامت کی مضحکہ خیزی کو ظاہر کرتا ہے۔

عفت موہانی کی کہانی ''تعبیر'' ایک اچھی کہانی ہے جو غلط فہمی اور بدگمانی کے خلاف ایک قسم کا احتجاج ہے۔ اقبال انصاری نے ''گنہگار'' کے وسیلے سے انسانوں کو ایک اہم پیغام دیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ محبت کرنا اور سچ بولنا انسانی زندگی کی معراج ہے۔ اقبال حسن آزاد کی کہانی ''بھڑاس'' تاثیر سے لبریز ہے اور ایک مرد کی انانیت اور مردانگی کا اظہار ہے۔ اس شمارہ کے مخصوص شاعر مجاز جے پوری کی غزلیں ان کے شاعرانہ ذوق اور والہانہ پن کا اظہار ہیں۔

اس بار نظموں کے حصے میں ڈاکٹر پنہاں، نسیم مخموری، ڈاکٹر حنیف ترین، عنبر بہرائچی، شارق عدیل اور ڈاکٹر منصور عمر وغیرہ پسند آئے۔ ڈاکٹر انصار الحق نجمی نے ''رفتگاں وقائماں'' کی منظوم رطب اللسانی کی ہے۔ شعری آہنگ سادہ، شائستہ اور نور و نکہت سے معمور ہے۔ محمد شاہ زماں برواہوی کی نظم نذرانہ عقیدت ہے جس میں رئیس القلم حضرت مولانا ارشد القادریؒ کی خدمات کا اعتراف کیا گیا ہے۔ غزلوں کا حصہ فکر وفن کے اعتبار سے زیادہ معتبر ہے۔ اس بار منظر شہاب، حباب ہاشمی، سیدہ نسرین نقاش، مجاز نوری، سعید رحمان اور کامران علوی نے متاثر کیا ہے۔

اس شمارے میں نو تبصرے شامل ہیں۔ ڈاکٹر مثنیٰ رضوی نے ڈاکٹر سید شاہد اقبال کی تحقیقی کتاب ''وفیات مشاہیر بہار'' پر بھرپور، جامع اور مدلل تبصرہ تحریر کیا ہے۔ ڈاکٹر ارشد مسعود ہاشمی کی کتاب ''پریم چند اور لوشن'' پر ڈاکٹر امام اعظم کا تبصرہ اچھا ہے۔ ''گھڑی کی سوئیاں'' نسیم محمد جان کا افسانوی مجموعہ ہے جس پر ڈاکٹر امام اعظم نے اچھی تنقیدی نظر ڈالی ہے اور اس کے محاسن کو اجاگر کیا ہے۔

خطوط کا کالم حسب سابق معتبر اور معیاری ہے۔ اس بار تقریباً چالیس باذوق اور اہل قلم حضرات کے خطوط شامل ہیں۔ ان تمام لوگوں نے ''تمثیل نو'' کو اردو کا ایک اہم اور پر وقار جریدہ تسلیم کیا ہے اور یہ خطوط نہ صرف ہندوستان کے مختلف مقامات پر رہنے والے ادباء و شعراء کے ہیں بلکہ امریکہ، کینیڈا، دوحہ، قطر، انگلینڈ اور لندن وغیرہ میں رہنے والے باذوق ادباء و شعراء نے لکھے ہیں۔ ان کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم نے ''تمثیل نو'' کو بین الاقوامی سطح پر مقبول و معروف بنا دیا ہے۔ غرض یہ کہ ''تمثیل نو'' اردو کا ایک اہم رسالہ ہے اور اس کے تمام مشمولات متنوع اور قابل مطالعہ ہیں۔ ادبی افکار سے یہ لبریز ہے اور ادب کی نئی قدروں اور جہتوں سے ہمیں آشنا کرتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم قابل ستائش

اور لائق مبارک باد ہیں کہ ان کی نفاست، خوش سلیقگی اور حسنِ انتظام نے ہمارے ادبی ذوق کی نہ صرف آبیاری کی ہے بلکہ پذیرائی بھی کی ہے۔ میں اس رسالے کی دائمی زندگی کے لئے دعا گو ہوں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم''، پٹنہ ۱۱رمئی، ۲۰۰۳ء)

(۹)

(اپریل تا جون ۲۰۰۳ء)

''تمثیلِ نو'' شمارہ-۹ کافی نکھرا اور سنورا ہوا ہے۔ ظاہری اور باطنی حسن اس رسالے کو پروقار بنائے ہوئے ہے۔ مشاہیرِ ادب کی خلاقانہ فنکاری اور عالمانہ افکار واسالیب نے اس کے حسن کو دوچند کر دیا ہے اور سچی بات تو یہ ہے کہ اردو کی ادبی صحافت میں یہ اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔ اس شمارے میں ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اداریے ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ادبی مسائل اور اردو کے کاز پر گفتگو کرنے کے بجائے اپنے ممبئی کے سفر کی داستان قلم بند کی ہے۔ اس داستان میں ممبئی کے سفر کے دلچسپ واقعات، انجمن اسلام ممبئی کی کارگزاریاں، انجمن باشندگانِ بہار، ممبئی کی سلور جوبلی، اس کے آل انڈیا مشاعرے، اس مشاعرے میں شامل ہونے والے شعرا مثلاً راحت اندوری، نواز دیوبندی، شاکر خلیق، منصور عمر، عبدالمنان طرزی، اشونی کمار اشرف، مختار یوسفی اور امام اعظم کا ذکر متعدد ادبی شخصیات کے تذکرے اور مختلف تاریخی مقامات کی سیر سپاٹے کی روداد ڈاکٹر امام اعظم نے پرلطف اور حسین انداز میں بیان کی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اسی اداریے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کو ساہتیہ اکادمی کا چیئرمین ہونے پر مبارک باد بھی دی ہے اور اس اعزاز کو اردو زبان کے لئے باعث فخر تسلیم کیا ہے۔ اس اداریے کا آخری حصہ امریکہ کی جارحیت اور دہشت گردی کے خلاف ایک قسم کا احتجاج بھی ہے۔

'ساہتیہ کار سنسد' سمستی پور ادبی افق پر ایک نرالا اور انوکھا کارنامہ انجام دے رہی ہے۔ ہر سال یہ ادبی تنظیم ہندی، اردو، میتھلی اور دیگر زبانوں کے پچاسوں ادبا و شعراء کو ان کی ادبی کاوشات کے وسیلے سے نوازتی ہے، ایوارڈ اور سند عطا کرتی ہے۔ اس شمارے میں ۲۰۰۱ء میں نوازے گئے اور سند یافتہ فنکاروں کا تذکرہ موجود ہے۔ اس انجمن کے صدر اور روح رواں ڈاکٹر ہری ونش ترون واقعی قابل ستائش اور لائق مبارک باد ہیں جو ہندوستان گیر سطح پر ایسے فنکاروں کا انتخاب کرتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ اپنی زبان کی خدمت کر رہے ہوتے ہیں۔ ان کے حوصلہ مند رویوں اور قابل تقلید اقدام کی ہم اردو والوں کو بھی پیروی کرنی چاہئے۔

اس شمارے میں محکمہ راج بھاشا (اردو ڈائرکٹوریٹ) حکومتِ بہار کی جانب سے اردو کے معروف و مستند شاعر جناب مظہر امام، شہریار اور پروفیسر اعجاز علی ارشد کو جو توصیفی اسناد و انعامات دیئے جانے کا اعلان کیا گیا ہے اس کا ذکر بھی موجود ہے اور اس موقع سے اہل دربھنگہ میں جو خوشی و مسرت کی لہر نظر آتی ہے وہ عین فطری اور علاقائی اثرات کا نتیجہ ہے۔ اس سلسلے میں محمد سلیمان صاحب ڈائرکٹر راج بھاشا (اردو) کا بھی ذکر ہونا چاہئے تھا اور ان کا شکریہ ادا کرنا چاہئے تھا کہ ان کی محنت اور ذاتی دلچسپی کی وجہ سے ہی راج بھاشا اردو اس قدر فعال اور متحرک ہوا ہے کہ ہر برس اردو داں طبقہ مستفیض ہو رہا ہے۔

اس شمارے میں ۱۹۹۶ء کی کتابوں پر بہار اردو اکادمی نے جن لوگوں کو ایوارڈ سے نوازا ہے ان میں حسین الحق، شاہد کلیم اور ڈاکٹر منصور عمر، حمید سہروردی اور ظہیر انور وغیرہ کی کتابوں پر جو انعامات ملے، اس کی تفصیل بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ اردو اکادمی دہلی کی جانب سے ''بہادر شاہ ظفر ایوارڈ'' اردو کے معتبر، ممتاز ناقد اور دانشور جناب شمس الرحمٰن فاروقی کو دیئے جانے پر مسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں یہ خبر بھی موجود ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) شاخ جمشید پور (جھارکھنڈ) نے ''حضرت امیر خسرو ایوارڈ'' سے جناب شمس الرحمٰن فاروقی کو نوازا ہے۔ اسی شمارے میں متھلا کی سرزمین بینی پٹی میں ۳ رمئی ۲۰۰۳ء کو کل ہند مشاعرہ، انجمن ترقی اردو (ہند) کے زیر اہتمام ۲۸ رفروری سے ۳ رمارچ تک ہونے والے بین الاقوامی سیمینار، اردو اکادمی پٹنہ کی نئی مجلس عاملہ اور بزرگ صحافی سید عبدالرافع کو ملنے والے سوریہ کانت ترپاٹھی نرالا سمان کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ یہ سارا حصہ ایک خبرنامے کی حیثیت رکھتا ہے اور اس حصے کے مطالعے سے اردو دنیا میں منعقد ہونے والے ادبی و ثقافتی پروگرام سے ہمیں واقفیت ہوتی ہے اس لئے یہ حصہ علمی اعتبار سے بے حد سودمند اور منفعت بخش ہے۔ اتنی ساری معلومات حاصل کرنے اور یکجا کرنے کے لئے واقعی مدیر رسالہ مبارک باد کے مستحق ہیں۔

اس شمارے نے سید شاہ مشتاق احمد، ہری دانش رائے بچن، بیگم حمیدہ سلطان، سید ضیاء الحسن ندوی، معین الدین انصاری، پروفیسر ظہیر احمد صدیقی اور پروفیسر عبدالقوی ضیا، وغیرہ کی ہم سے بچھڑنے کی خبر دی ہے۔ اس موقع سے پروفیسر عبدالمنان طرزی نے قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب لکھ کر مذکورہ مشاہیر ادب کو اپنی جانب سے شعری خراج عقیدت پیش کی ہے جو ان کے فکری و فنی کمالات کا مظہر ہے۔

ڈاکٹر نسیم اختر کی ''حمد پاک'' عمدہ اور ڈاکٹر کلیم قیصر کی ''نعت پاک'' جذب اندروں کا اظہار ہے۔ عظیم صدیقی کا مضمون بلکہ نوعیت کے اعتبار سے مصاحبہ کہئے، معلوماتی اور دلچسپ ہے۔ رالف رسل

جیسے لوگ اردو کے تحفظ، بقا اور فروغ کے لئے غنیمت کردار ادا کرتے ہیں۔ ایسے انگریز آج بھی موجود ہیں اور اردو کی تاریخ بھی ان کو یاد رکھے ہوئے ہے جو اردو سے بے انتہا شغف رکھتے تھے۔ اس مصاحبے سے مولوی نذیر احمد کے ناول ''امہات الامہ'' کے متعلق عام قاری کو خبر ہوتی ہے۔ یہ ایک اچھا مصاحبہ ہے۔ اس کی اشاعت کے لئے امام اعظم کو مبارک باد۔ ڈاکٹر ستیہ پال آنند کا مضمون ''ہیرانند سوز: کچھ ذاتی تاثرات'' ماضی کی یادوں کے چند روشن نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں جس میں ماضی کے سمن زاروں سے یادوں کا سلسلہ تازہ اور روشن نظر آتا ہے۔ ڈاکٹر پنہاں کا مضمون تاثراتی ہے مگر علمی بصیرتوں کا غماز ہے۔ خوبصورت زبان اور سحر کارانہ اسلوب قاری کو متاثر کرتے ہیں۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا خط ان کے دیباچہ اور فلیپ لکھنے کے مؤقف کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ اس سلسلے میں جھوٹی تعریف و ستائش کے قائل نہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق کا مضمون 'ایک لہر نئی نئی۔۹' موضوع کے اعتبار سے کافی بوسیدہ اور پامال ہو چکا ہے۔

ڈاکٹر عبید الرحمٰن نے ابراہیم اشک کی کتاب ''انداز بیاں اور'' میں تفہیم غالب کا مطالعہ پیش کیا ہے اور مدلل طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ ابراہیم اشک کی ''شرح غالب'' دوسرے شارحین کے مقابلے میں زیادہ سہل، آسان، صاف واضح اور مدلل ہے۔ حاجی مشرف امام نے انور شیخ کی کتاب ''فکر اقبال پر ایک تنقیدی نظر'' کے حوالے سے علامہ اقبال کی شعری کاوشات کو شرک اور کفر کے مماثل قرار دیا ہے۔ میں نے انور شیخ کی کتاب تو نہیں پڑھی ہے مگر حاجی مشرف امام کی تحریر پڑھ کر مجھے ان کی عقل و فہم پر انتہائی افسوس ہوا کہ ان کی کم علمی اور کج فہمی نے اردو کے مایہ ناز اور عظیم شاعر اقبال کے اشعار کی تفہیم میں دانستہ طور پر غلطی کی ہے۔ ان کا مضمون اقبال کے سلسلے میں کسی ذاتی بغض و عصبیت کا شکار ہے۔ ان کے اس گمراہ کن اور سطحی مضمون سے اقبال کی شخصیت اور فکر پر تو کوئی اثر نہیں پڑے گا البتہ قارئین کا ایک بڑا طبقہ حاجی مشرف امام کی پست ذہنیت اور گھٹیا سوچ سے ضرور متنفر ہوگا۔ اسرار اکبر آبادی نے ''گیتا میں صحائف کے مضامین'' کے وسیلے سے شریمد بھگوت گیتا کے جن امور پر روشنی ڈالی ہے قارئین کے لئے وہ حصہ منفعت بخش ہے۔ گیتا میں صحائف کے مضامین اردو والوں کے لئے نئے ہیں اور قابل مطالعہ بھی۔ ڈاکٹر مجید بیدار کا مضمون ''نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کے دور اقتدار میں تعلیمی اور علمی ادارے'' ایک تحقیقی اور معلوماتی مضمون ہے جس میں مصنف نے اس عہد میں علوم و فنون کی تہذیبی اور قومی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے اور نواب میر عثمان علی خاں کے دو اقتدار میں علم کو وسعت دینے اور کتابوں سے استفادہ کرنے کی مختلف صورتوں پر روشنی ڈالی ہے۔ شاعری میں ''صنعتِ حرفیہ'' پروفیسر عبد المنان طرزی کی

ایجاد ہے۔ یہ ایک شعری تجربہ ہے۔ ان کی قوت فکر نئے نئے گل بوٹے کھلاتی رہتی ہے۔ ان کا یہ نیا زاویہ دیکھنے اور استعمال کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔

سلطانہ مہر کی کہانی ''کتیا'' اچھی ہے اور بھرپور تاثر رکھتی ہے۔ ایم۔ آئی۔ ساجد کی کہانی ''سکے کے دو رخ'' انسانی روح کی شرافتوں اور غلاظتوں کا اظہار ہے۔ جاوید اختر کی تحریر طنزیہ اسلوب میں موجود زمانے کا المیہ پیش کرتی ہے۔ اقبال انصاری کا افسانچہ ''اس بستی کے لوگ'' متاثر نہیں کرتا۔ سہیل جامعی کا افسانچہ ''آنچل'' میں تاثر موجود ہے مگر وہ فنی قدروں سے نا آشنا ہے۔

ڈاکٹر حنیف ترین کی دونوں غزلوں میں فکر و خیال کی تموجی کیفیت موجود ہے۔ ان کی غزلیں لطافتِ خیال اور نزاکتِ احساس کا دلکش اظہار ہیں۔ اس بار نظموں کا حصہ مختصر اور کم زور ہے صرف علیم صبا نویدی کی نظم اچھی لگی۔ منظر شہاب، کرشن کمار طور، عادل حیات، حنا فیضی، محمد صدیق نقوی، پروفیسر ایم۔ اے۔ ضیاء اور متین عمادی وغیرہ کی غزلیں غنیمت ہیں۔ جناب حسن امام درد کا قطعہ بھی اچھا ہے۔

اس شمارے میں نو تبصرے شامل ہیں۔ مبصروں میں ڈاکٹر منصور عمر زیادہ پسند آئے۔ ان کے تبصرے مفصل اور مدلل ہیں۔ انہوں نے کتابوں پر بے لاگ رائے دی ہے اور قاری کو کتاب اور موضوع سے کم وقتوں میں واقف کرادیا ہے۔ 'راہ رسم' کے تحت مختلف لوگوں کے خطوط تمثیل نو کی مقبولیت و شہرت کا پتہ دیتے ہیں۔ اردو میں بہار سے نکلنے والے رسائل میں 'تمثیل نو' وہ واحد رسالہ ہے جو مواد و موضوع کے اعتبار سے بے نظیر ہے اور اس کے موضوعات کی بوقلمونی ہمارے دل پر کمند ڈالتی ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم''، پٹنہ ۱۱ر اگست ۲۰۰۳ء)

(۱۰)

(جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء)

گذشتہ دنوں میں اردو رسالوں کی تعداد اشاعت میں اچھا خاصا اضافہ ہوا ہے مگر گزرے دنوں کے رسالوں کی مقررہ حیات پر نظر رکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ ''تمثیل نو'' کے ساتھ شائع ہونے والے اور اس کے بعد نکلنے والے کئی رسالے اپنی وقتی بہار دکھا کر رخصت ہوگئے۔ دراصل ان رسالوں کی بے وقت موت کا بنیادی سبب مواد و موضوع کے اعتبار سے ان کی تہی دامنی اور کور چشمی تھی۔ ادب کے بازار میں وہ سکے کھوٹے ثابت ہوتے ہیں جو وقتی نام و نمود کی خاطر منصۂ شہود پر آتے ہیں۔

'تمثیل نو' شمارہ ۱۰ میرے پیش نظر ہے۔ اس شمارے میں بھی ڈاکٹر امام اعظم کا اداریہ ''مجھے کچھ کہنا

ہے" قوتِ نمو سے بھرپور اور فکر انگیز خیالات سے مملو ہے۔ اردو کے سلسلے میں ان کا یہ خیال حقیقت پسندانہ ہے اور اہل سیاست کے لئے تازیانہ بھی:

"سرکاری اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں اس کی حالت دگرگوں ہے۔ اردو اپنی فطری مقبولیت کی وجہ سے زندہ ہے۔ نام نہاد "اردو ڈے" کی بیساکھی کے سہارے چل کر یہ لنگڑی نہیں ہونا چاہتی اور نہ ہی "یوم اردو" کے جلسوں میں اردو کی لطیف و نازک گردن میں پھولوں کی مالائیں ڈال کر اسے بونا کیا جاسکتا ہے۔" (ص:۳)

ڈاکٹر امام اعظم کے اِس مشورے پر بھی اردو داں طبقے کو عمل کرنے کی ضرورت ہے:

"اردو سے سچی ہمدردی یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں میں اردو کے چلن کو عام کریں۔ اپنی روزمرہ کی زندگی میں اس کا استعمال کرکے گرد و پیش کے ماحول کو متاثر کریں۔ اردو کے اخبارات و رسائل خرید کر اس کو استقامت عطا کریں اور اپنے بچوں کی زبان اور تلفظ پر توجہ مبذول کرتے ہوئے ابتدائی دنوں میں اس کی اصلاح کردیں۔" (ص:۳)

اس شمارے میں ادبی و ثقافتی پروگرام اور اہم خبروں کے تحت دربھنگہ اور نواحِ دربھنگہ کی سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر اور اردو کی اہم شخصیتوں کو ملنے والے ایوارڈز کے تذکرہ کے ساتھ کئی خبریں موجود ہیں جن کے مطالعے سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ حسب سابق ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزی نے اپنے قطعاتِ تاریخ وفات کے توسط سے اردو کے ان ادیبوں اور شاعروں کو منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ ان کے ان قطعات میں فکر کی وہ جولان گاہ موجود ہے جو تخلیق کو سرعت عطا کرتی ہے اور سروشِ غیب بناتی ہے۔ ڈاکٹر ظفر حمیدی کی حمد پاک میں روانی کے ساتھ کے ساتھ یک گونہ بے خودی کا عالم موجود ہے۔ نجم عثمانی کی نعت شریف دل میں اترتی ہے اور دیرپا تاثر رکھتی ہے۔ یہ نعت بے راہ رووں کے لئے تازیانہ اور کردار سازی کا بہترین نمونہ ہے۔

ڈاکٹر ایم۔ نہال کا مضمون "کچھ یادیں کچھ باتیں" دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ رائل کی گفتگو اس ذہن کا ایک خیالی قصہ ہے جسے پڑھتے اور سنتے وقت نہ تو تجسس پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی حیرت... بلکہ قاری اس کا مطالعہ محض برائے مطالعہ کرتا ہے۔ ان دنوں خدائی کا دعویٰ کرنے والوں کی کمی بھی نہیں۔ رائل نے تو صرف پیغمبری کا دعویٰ کیا ہے۔ Raelian Movement دنیا کے دوسرے مذاہب کی طرح بے نقاب اور شرمندہ ہوگا۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا خط زندگی سے ان کی مایوسی کا اظہار کرتا ہے اور ایسا محسوس

ہوتا ہے کہ ان کے حوصلوں میں نقاہت ونکبت پیدا ہو رہی ہے۔ پروفیسر شائق احمد یحیٰ کے مضمون نے ہماری معلومات میں اضافہ کیا ہے۔ان کے مضمون کے مطالعے سے قاری کی طبیعت میں سیر وسیاحت کا عنصر داخل ہوتا ہے اور وہ ان مقامات کی سیر کے لئے آمادہ ہوتا ہے۔ پروفیسر محفوظ الحسن نے ڈاکٹر منظر حسین کی کتاب پر محض تبصرہ لکھا ہے جسے مضمون کے خانے میں رکھا گیا ہے۔ یہ تبصرہ اچھا ہے مگر تنقید سے زیادہ اس میں تقریظ کا انداز موجود ہے۔ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''ایک لہر نئی نئی'' میں کوئی نئی بات نہیں کہی ہے۔ پرانے خیالات کو بار بار دہرانا کہاں کی دانشوری ہے۔ساختیات' پس ساختیات' تخلیقیت پسندی اور موضوعیت وغیرہ پر عالمانہ گفتگو واقعتاً ضروری ہے مگر ان کے حوالے میں مغربی افکار کا جو تسلط ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحریر میں نظر آتا ہے وہ ان کے مضمون کو بوجھل بناتا ہے۔ ایس. ایم. ابوذر نے شمؤل احمد کی کہانی ''ایڈس'' کا تجزیاتی مطالعہ پیش کیا ہے مگر انہوں نے عجلت پسندی سے کام لیا ہے۔ اگر غور وفکر اور سنجیدگی کے ساتھ کہانی کا جائزہ لیا جاتا تو سیاسی بازی گری اور کرتب بازی کے وہ مظاہرے بھی بے نقاب ہوتے جو سیاست دانوں کے اثر ورسوخ کی وجہ سے پردۂ خفا میں رہ گئے ہیں۔ایک اور بات اس تجزیے میں کھٹکتی ہے کہ جہاں تہاں گفتگو مبہم اور غیر واضح ہے۔ الفاظ وجملوں کی بے ترتیبی اور اکھڑا پن سماعت وبصیرت کو گراں گذرتا ہے۔حماد انجم ایڈوکیٹ نے حاجی مشرف امام کی خوب خبر لی ہے۔مضمون ''چہ بے خبر ز کلام ومقام اقبال است'' حاجی مشرف امام کے لئے آئینۂ ہدایت ہے۔ڈاکٹر مجید بیدار نے ''نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع کے دور اقتدار میں تعلیمی اور علمی ادارے'' کے ذریعہ اس وقت کے علوم وفنون' معیار نصاب کتابوں کی اشاعت' مخطوطات کی فہرست سازی' کتب خانہ آصفیہ' ادارہ ادبیات اردو اور کتب خانہ سالار جنگ کے مخطوطات کا ذکر بڑے ہی عالمانہ انداز میں کیا ہے۔

اس شمارے میں تین کہانیاں ہیں۔مقصود الٰہی شیخ کی کہانی ''شرعی مسئلہ'' فنی قدروں سے نا آشنا ہے۔عفت موہانی کی کہانی ''درد'' اچھی ہے اور ہمارے احساسات پر ضرب کاری لگاتی ہے۔محمد ابوالحسن کو قصہ کہنے کا ڈھنگ معلوم ہے۔''ناممکن'' کا بیانیہ انداز پسند آیا مگر فنی رموز ونکات سے آگاہی ابھی ان کے لئے ضروری ہے۔

اس شمارے کی مخصوص شاعرہ ڈاکٹر انوری بیگم کے کلام میں فکر وخیال کی ایک دنیا آباد ہے۔ ان کی غزلوں میں وہ شعری محاسن بھی موجود ہیں جو انفرادی شناخت کا سبب بنتے ہیں۔انہوں نے محنت اور لگن سے کام لیا تو شعری منظرنامے میں ان کا نام نمایاں ہوگا۔

نظموں کا حصہ مختصر مگر بہتر ہے۔ علیم اللہ حالی کی نظموں اور ظہیر غازیپوری و خالد عبادی کی رباعیوں میں افکار و خیالات کا ایک دریا موجزن ہے۔ کرشن کمار طور، پروفیسر حفیظ بنارسی، حسیر نوری، گلشن کھنہ، ڈاکٹر منصور عمر اور محمد صدیق نقوی کی غزلیں جدت وندرت سے مملو ہیں اور بہت خوب ہیں۔

اس شمارہ میں ۱۵ کتابوں پر تبصرے موجود ہیں۔ اس کثیر تعداد میں تبصرے شائع کرنا ڈاکٹر امام اعظم جیسے حوصلہ مند اور بلند ارادے والے شخص کا ہی کام ہے۔ حسن امام درد نے ''رضا نقوی: آئینہ در آئینہ'' پر اچھا تبصرہ لکھا ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر نے تخن سراب مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ، جذبی شناسی اور زمین لاپتہ رہی'' وغیرہ پر عمدہ اور مدلل تبصرے لکھے ہیں۔ ڈاکٹر قاسم فریدی کی کتاب ''اعتبار نظر'' پر ڈاکٹر امام اعظم کا تبصرہ جاندار ہے اور مبصر کے علمی وفکری اور تنقیدی موقف کا ترجمان ہے۔

''راہ ورسم'' کے تحت اس شمارے میں خطوط شامل ہیں وہ ''تمثیل نو'' کی تعیینِ قدر میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ یہ خطوط ''تمثیل نو'' کی مقبولیت' اس کی نثر ونظم میں تنوع اور رنگا رنگ کیفیات کا اظہار کرتے ہیں۔ القصہ مختصر یہ کہ ''تمثیل نو'' دربھنگہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنیاد پر اردو کا ایک معتبر اور پروقار رسالہ ہے۔ اس دور ابتلا وآزمائش میں اس کی کامیاب اور پابند اشاعت مدیر ڈاکٹر امام اعظم کے بلند حوصلے اور آہنی ارادے کا ثبوت ہے۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم''، پٹنہ یکم دسمبر، ۲۰۰۳ء)

(۱۱)

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء)

اردو زبان کی سحر انگیزی اور دل کشی نے اردو والوں سے زیادہ غیروں کو موہ رکھا ہے۔ اردو کے موجودہ سیاسی اور ادبی تناظر کے حوالے سے یہ بات زیادہ وثوق کے ساتھ کہی جا سکتی ہے۔ اس سلسلے میں بہت دور جانے کی ضرورت نہیں ہے خود اپنے گھروں اور آس پاس کے ماحول کا جائزہ لیں تو اعتراف کرنا پڑے گا کہ ہم نے تو اپنی زبان کو نظر انداز کر دیا ہے مگر غیروں نے اسے اپنے سر کا تاج بنا رکھا ہے۔ ہم نے اردو بولنا اور لکھنا تک چھوڑ دیا ہے مگر بازاروں میں غیروں کی زبانوں پر اردو کا استعمال زیادہ ہے۔ آج کے تعلیمی ماحول کا اگر مطالعہ کیجئے تو افسوس کرنا پڑے گا کہ اسکولوں اور کالجوں کی سطح پر طلبا و طالبات اردو کو لازمی مضمون کی صورت میں رکھنا تو درکنار ایک اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھنے کے لئے بھی تیار نہیں ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد اچانک گھٹ گئی مگر اردو رسائل وجرائد کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہونا ایک معجزہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ یہ معجزہ دائمی نہیں بلکہ وقتی حیثیت رکھتا ہے۔ نئے

رسائل وجرائد منظر عام پر ضرور آتے ہیں مگر اپنی چند بہاریں دکھا کر اس طرح رخصت ہو جاتے ہیں کہ قاری کے ذہن پر ان کے نقوش تک باقی نہیں رہتے مگر کچھ رسالے اور چند اولوالعزم مدیران ایسے بھی ہیں جو آزمائش وابتلا کے اس دور میں بھی اپنی محنت مشقت، لگن، ایمانداری اور ذہانت وفطانت کے ذریعہ ادبی حلقوں میں اپنے رسالے کو شہرت عام اور بقائے دوام کا تاج پہنا دیتے ہیں۔ ایسے ہی مدیران میں ایک نام ڈاکٹر امام اعظم اور ان کے رسالے ''تمثیل نو'' کا ہے۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک اہم جریدہ ہے۔ جس کی ترتیب وتزئین، آرائش وزیبائش اور تخلیقات کے معیاری انتخاب سے ڈاکٹر امام اعظم کی مدیرانہ صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔ ''تمثیل نو'' کا موجودہ شمارہ ۱۱ بھی اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں کے ساتھ قارئین کے ہوش وخرد کو آشکار کرتا نظر آرہا ہے۔ اس کی دل کشی اور دل ربائی کا سبب وہ معیاری اور عمدہ مشمولات ہیں جو اس کے دامن میں مہکتے پھولوں کا گلدستہ معلوم ہوتے ہیں۔

اس شمارے میں ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ڈاکٹر امام اعظم نے جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی میں منعقدہ نویں اردو ریفریشر کورس کی ایک طویل، دلچسپ اور معلومات افزا رپورٹ پیش کی ہے۔ اس رپورٹ کو پڑھتے وقت محسوس ہوتا ہے کہ قاری ٹی وی پر ایک ادبی سیریل دیکھ رہا ہے۔ اس رپورٹ کا نثری اسلوب ساحرانہ کیفیت رکھتا ہے اور پُر کیف اور واضح اظہار نے اس رپورٹ میں زندگی کی رمق بھر دی ہے۔

''ادبی اور ثقافتی پروگرام'' کے تحت ادبی اور سماجی تنظیم ''سب رنگ'' کی شعری نشست اور خطہ کی معروف ادبی تنظیم ''انجمن شعرائے ہند'' کی شعری محفلوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ ''کچھ اہم خبریں'' کے تحت مظہر القیوم مظہر کے اولین شعری مجموعہ ''خیمۂ گل'' کی رسم اجراء اور حلیمہ سعدیہ شگفتہ کے اولین شعری مجموعہ ''غنچہ پھر لگا کھلنے'' کا تذکرہ بھی موجود ہے۔ ''غنچہ پھر لگا کھلنے'' کی رسم اجراء اردو اکیڈمی دہلی کے اشتراک سے ''ایوان غالب'' بستی نظام الدین میں ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۳ء کو جناب سید حامد چانسلر جامعہ ہمدرد کے ہاتھوں عمل میں آئی۔ اس موقع پر پروفیسر عبدالمنان طرزی نے اپنا منظوم تبصرہ پڑھا اور ڈاکٹر قاسم فریدی کا طویل تبصرہ مشہور ڈراما نگار اے. آر. کاردار نے پڑھ کر سنایا۔ دیگر اہل قلم حضرات میں محترمہ شبلا نواب، محترمہ ترنم ریاض، جناب حقانی القاسمی اور جناب سید حامد نے شگفتہ کے فن پر تقریریں کیں۔ اہم خبروں کے حصے میں خانقاہ عمادیہ کے اوپن کوئز کا ذکر بھی موجود ہے۔ اس تقریب کے مہمان خصوصی معروف شاعر سید حسن نواب تھے اور شعری نشست کی صدارت ممتاز شاعر سلطان اختر نے کی اور جن شعراء نے محفل مشاعرے میں شرکت کی ان میں شفیع جاوید، شمیم فاروقی، شکیب ایاز، احمد تبسم، زینی پھلواروی، قوس

صدیقی، فیاض الرحمٰن شارق، شمس بیتھوی، ناظم اجنبی اور متین عمادی وغیرہ اہم ہیں۔ اس کوزے میں مشرف عالم ذوقی کی ہندی کہانیوں کے مجموعہ لیباریٹری' مقصود الٰہی شیخ کی نثری تخلیق ''من درپن'' کے ایوارڈ قومی تنظیم کے چیف ایڈیٹر ایس ایم اشرف فرید کو اردو اکادمی کی جانب سے ایوارڈ' جناب وارث حیات خاں کو ڈی جی پی (بہار) بنائے جانے پر اظہار مسرت' رفعت سروش کو اقبال سمان ملنے کی خبر' سنٹرل پبلک اسکول سمستی پور کے پرنسپل کم ڈائرکٹر محمد عارف کی کہانیوں کے مجموعہ ''پھر کبھی'' کی رسم اجرا اور بتیا کے معروف ایڈوکیٹ محمد ذاکر کے افسانوی مجموعہ ''بوڑھی گنڈک تٹ کا بنجارا'' کی رونمائی وغیرہ کا تذکرہ بند ہے۔ یہ خبریں ہماری معلومات میں اضافہ کرتی ہیں اور اردو بستیوں کے کارنامے ہماری نظروں میں سما جاتے ہیں۔ یہ حصہ بڑا وقیع ہے اور ہم جیسے بے خبروں کے لئے مدیر کے لئے جاگتے اور جگاتے رہنے کا اشاریہ بھی۔

''وفیات'' کا کالم سراپا رنج والم ہے۔ اردو ادب کے جو اہم ستون گرے ان کی اموات پر سوگواری کا اظہار ہے۔ ابن فرید، پروفیسر علی محمد خسرو، زہرہ داؤدی' مجاز جے پوری، شارق جمال اور پروفیسر قاضی انصار الحق (سابق انسپکٹر کالجیز آف سائنس، ایل این ایم یو، دربھنگہ، سابق صدر شعبۂ نباتات، سی ایم سائنس کالج) کی موت پر پروفیسر عبدالمنان طرزی نے ''قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب'' لکھا۔ یہ وہ تاریخ قطعات ہیں جن میں ہر شخص کی شخصیت کا رنگ واضح، صاف اور روشن ہے۔ یہ پروفیسر طرزی کی تخلیقی ژرف بینی کا کمال ہے کہ تاریخ قطعات کو انہوں نے مقبول عام بنا دیا ہے۔ صابر فخر الدین' حماد انجم اور افتخار اجمل شاہین نے حمد پاک اور نعت مقدسہ کے جو نذرانے پیش کئے ہیں ان میں فکر و خیال کی نہ صرف یہ کہ ایک تموجی کیفیت ہے بلکہ ان کا جذبۂ احسن روحانی چشموں سے سیراب ہوتا بھی نظر آتا ہے۔

''گفتنی'' کے عنوان سے پرکاش فکری نے جھارکھنڈ کی ادبی' تہذیبی اور تاریخی حیثیت پر خامہ فرسائی کرتے ہوئے بہار کے مقابلے میں اسے کمتر ٹھہرایا ہے۔ منور رانا نے اپنے طنزیہ مضمون ''ہمارے ملک میں اردو کا کاروبار ہوتا ہے'' میں اردو کی موجودہ صورت حال اور اردو داں طبقے بالخصوص ادباء و شعراء اور ایوارڈ حاصل کرنے والے حضرات پر زبردست طنز کیا ہے۔ ان کے مضمون کا پیرایۂ بیان تلخ اور کڑوا ہے مگر صداقت آمیز ہے۔ ڈاکٹر کرامت علی کرامت نے شاہدہ نسیم سالک کے شعری مجموعہ ''حرف تمنا'' کے حوالے سے ان کی شعری شناخت قائم کرنے کی اچھی کوشش کی ہے۔ ڈاکٹر ثوبان فاروقی نے خورشید اکبر کی خوب خبر لی ہے۔ مظہر امام اردو شاعری کا ایک معتبر اور مستند نام ہے۔ ان کی شاعری پر اعتراض کرنے سے پہلے شاعر ہو یا نقاد اس کے لئے مشق و مزاولت کی منزل سے کامیاب گزرنا شرط ہے۔ ڈاکٹر مناظر

عاشق ہرگانوی کا قسط وار مضمون ''ایک لہر نئی نئی'' اچھا ہے اور علمی جہات رکھتا ہے۔ اس میں ساختیات، پس ساختیات اور مشرقی شعریات کے حوالے سے جو گفتگو کی گئی ہے اس سے علمی مباحث کے دروازے کھلتے ہیں۔ عطا عابدی نے صدیق مجیبی کی شاعری کا اچھا تعارف پیش کیا ہے۔ نعمان شوق نے معروف افسانہ نگار مشرف عالم ذوقی کی ہندی کہانیوں کے مجموعہ ''لیباریٹری'' پر مختصر گفتگو کی ہے مگر پورے اعتماد کے ساتھ لکھا ہے۔ یہ جائزہ بہت معیاری ہے اور نعمان شوق کی دستگاہ علمی کا اظہار ہے۔ ڈاکٹر نسیم احمد نسیم کا بے حد مختصر مضمون ''اردو افسانے پر علاقائی لسانی اثرات'' ڈاکٹریٹ ڈگری کے لئے لکھا گیا تحقیقی و تنقیدی مقالہ معلوم ہوتا ہے۔ یہ ایک قسط وار مضمون ہے اس لئے ابھی کوئی رائے نہیں دی جا سکتی۔ نواب میر عثمان علی خاں نے حیدرآباد میں جو علمی اور تعلیمی ادارے قائم کئے اور ان کی جس طرح سرپرستی کی، اس سے ڈاکٹر مجید بیدار نے عام لوگوں کو واقف کرایا ہے۔ سید محمود احمد کریمی، عظیم صدیقی اور ڈاکٹر عبدالوہاب کے مضامین حاجی مشرف امام کے جارحانہ رویے کے خلاف ایک قسم کا احتجاج ہیں۔ میں نے اس سلسلے میں بہت پہلے حاجی مشرف امام کو ''تمثیل نو'' کے ایک تبصرے میں توبہ کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ کاش وہ معذرت کر لیتے تو آج اس طرح ہدف ملامت نہ بنتے۔

اس شمارے میں چار افسانچے ہیں۔ نسیم محمد جان کوئی تاثر قائم نہیں کر پائے۔ اقبال انصاری کی کہانی میں شدید طنز موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد صابر حسین نے گجرات کے پس منظر میں کہانی لکھی ہے جس کا ٹریٹمنٹ بہتر اور اختتامیہ سبق آموز ہے۔ صادق علی کی کہانی مجرمانہ ذہنیت رکھنے والوں کے لئے حوصلہ فراہم کرتی ہے۔ عفت موہانی کی کہانی لاحاصل رہ جاتی ہے۔ ان سے اچھی کہانیوں کی توقعات وابستہ رہتی ہیں۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر سعید روشن ہیں۔ ان کی دونوں غزلیں رواں دواں اور برجستہ ہیں۔ ان کی یہ غزلیں جدت آفرینی، ندرت بیانی اور سلاست و برجستگی کے جواہر سے معمور ہیں۔

نظموں کا حصہ معتبر ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر نے صنعتِ توشیح سے اچھا فائدہ اٹھایا۔ اس فن میں بھی وہ مشاق نظر آتے ہیں۔ دیگر نظموں میں سوہن راہی کے دوہے، شاہد کلیم کی نظم ''یہ تصویر نہیں جنگل کی''، ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی کی نظم ''مسائل زیست'' اور علاؤالدین حیدر وارثی کی نظم ''میں اور تو'' وغیرہ بے حد متاثر کرتی ہیں۔ اس بار نظموں کے مقابلے میں غزلوں کا حصہ تعداد و معیار کے لحاظ سے زیادہ بھاری ہے۔ جن شعراء کی غزلیں زیادہ اچھی لگیں ان میں نادم بلخی، ڈاکٹر امام اعظم، کمال جعفری، ڈاکٹر رضوانہ پروین ارم، سعید رحمانی، ابوالخیر نشتر، حباب ہاشمی، ڈاکٹر نسیم اختر، فراق جلال پوری، خاور خاں اور عقیل گیاوی وغیرہ

قابل ذکر ہیں۔ ان شعراء کی غزلوں میں سادگی اور ندرت بیانی موجود ہے۔

ڈاکٹر عبدالرحمٰن' ڈاکٹر امتیاز احمد' ڈاکٹر منظر اعجاز' ڈاکٹر منصور عمر اور ڈاکٹر امام اعظم کے تحریر کردہ تبصرے بھرپور ہیں اور کتابوں کے محاسن ومعائب کو اجاگر کرتے ہیں۔

راہ ورسم کے تحت ۱۹ مشاہیر کے خطوط شامل ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے ''تمثیل نو'' کی شہرت و مقبولیت اور ڈاکٹر امام اعظم کی صحافتی ذمہ داریوں کا احساس ہوتا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی ''تمثیل نو'' شمارہ-۱۱ صوری ومعنوی اعتبار سے اردو کا ایک معتبر رسالہ ہے میری دعا ہے کہ یہ رسالہ ایک طویل مدت تک قائم رہے۔ آمین!

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۱۵ / مارچ ۲۰۰۴ء)

(۱۲)

(جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء)

''تمثیل نو'' کی بارہویں اشاعت اس بات کا اعلان ہے کہ یہ رسالہ شعروادب کے باب میں نہ صرف یہ کہ مقبول ومعروف ہے بلکہ اس کی مشمولات یقیناً معیاری اور قبول عام کی سند سے اوپر رہی ہوں گی۔ کسی رسالے کا تین سال تک متواتر اور پابندیٔ وقت کے ساتھ منصۂ شہود پر آجانا اردو سے بے اعتنائی کے اس دور میں معجزہ نہ سہی کرامت تو کہا ہی جا سکتا ہے اور کرامت کا یہ سہرا اردو کشی کے اس دور میں 'تمثیل نو' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم کے سر بندھتا ہے۔ وہ قابل مبارک باد ہیں اور لائق ستائش بھی کہ ان کی اولوالعزمی نے تیز طوفان کے بیچ اپنے آہنی ارادوں کے چراغوں کو جلائے رکھا ہے۔

اس شمارے میں ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ڈاکٹر امام اعظم نے دہلی کے سفر کی تفصیل بڑے دلچسپ انداز میں بیان کی ہے۔ دہلی میں منعقد ہونے والے سمینار کا ذکر اور اس کے شرکاء اور ان کے موضوعات پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قاری کی یہ بہ نفس نفیس اس محفل اور اس سے متعلق افراد کے ساتھ وابستگی رہی ہے۔ اس حصے میں مدیر نے ''جشن مولانا عبدالعلیم آسی ایوارڈ'' کی تفصیل بھی پیش کی ہے اور ان لوگوں کی بہتر کارکردگی کا اعتراف بھی کیا ہے جنہوں نے اس پروگرام کو کامیاب بنانے میں اخلاص نیتی کا ثبوت دیا ہے۔ اسی حصہ میں ''ادبی وثقافتی پروگرام'' کے قبیل میں ''بزم ہم قلم'' کی جانب سے پروفیسر گوپی چند نارنگ کے اعزاز میں ہونے والے جلسہ دبئی میں مقیم ہندوستانی نژاد عوام کی جانب سے جشن جمہوریہ کے موقع پر ایک عالمی مشاعرے کی اطلاع پر پروفیسر عبدالمنان طرزی کی معروف تصنیف ''نارنگ زار'' کی رسم اجراء اور 'اردو ادبی سرکل' کے زیر اہتمام 'کاشانۂ اختر' مہدولی،

دربھنگہ میں امریکہ سے تشریف لائے ہوئے معروف معالج اور قرآنی ادب کے ماہر ڈاکٹر محمد ظفیر الدین کے اعزاز میں ایک شعری نشست کے انعقاد کا ذکر بھی موجود ہے۔

''کچھ اہم خبروں'' کے تحت دہلی اردو اکاڈمی کی جانب سے ۲۰۰۳ء کا ''بہادر شاہ ظفر ایوارڈ'' ساہتیہ اکاڈمی کی جانب سے ۲۰۰۳ء کا ایوارڈ سید محمد اشرف کو ان کے افسانوی مجموعہ ''باد صبا کا جھونکا'' پر دیئے جانے کا ذکر، ساہتیہ کار سنسد سمستی پور کی جانب سے راشٹریہ شکھر ساہتیہ سمان کا تذکرہ، علوم قرآنی کے ممتاز ماہر مولانا محمد شہاب الدین مدنی کو شاہ ولی اللہ ایوارڈ سے نوازے جانے کی خبر، مولانا رفیع الدین مجاہد کو مولانا آزاد ایوارڈ اور محترمہ زہرہ شمائل کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری تفویض ہونے کی اطلاع بھی موجود ہے۔ (اس مبارک موقع پر ڈاکٹر قاسم فریدی، ڈاکٹر امام اعظم اور ان کی اہلیہ محترمہ زہرہ شمائل صاحبہ کو مبارکباد پیش کرتے ہیں۔)

''وفیات'' کے کالم میں محافظ حیدر، پروفیسر فصیح الدین احمد صدیقی، محترمہ فیروزہ جعفر، ظفر حمیدی، پروفیسر اظہر قادری، پروفیسر عنوان چشتی، پروفیسر مطیع الرحمٰن وغیرہ کی رحلت کا ذکر موجود ہے اور ''قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب'' ڈاکٹر منصور عمر کے نوک قلم کا نتیجہ ہے۔ ان قطعات میں تازگی اور شادابی ہے اور اس فن پر منصور عمر کی گرفت مضبوط ہے۔

رؤف خیر کی حمد پاک میں محویت اور سپردگی کا عالم ہے اور شاکر خلیق نے رواں دواں بحر میں نعت پاک لکھنے کا شرف حاصل کیا ہے۔ سادگی اور روانی جذبوں کو برانگیخت کرتی ہے۔

مجتبیٰ حسین طنز و مزاح کے بادشاہ ہیں۔ ان کا مضمون ہمارے لئے دعوت فکر و عمل ہے۔ پرکاش فکری نے مظہر امام کی غزلوں کے مجموعہ ''پالکی کہکشاں کی'' کے حوالے سے ان کی شاعرانہ حیثیت کا اعتراف کرنے کی کوشش کی ہے مگر شعری مجموعہ پر کوئی رائے قائم نہیں کر سکے ہیں محض تعریف و توصیف اور اپنے ذاتی تعلقات کا ذکر کرنے میں ان کا زیادہ تر وقت کٹ گیا ہے۔ پروفیسر شائق احمد یحییٰ کا سفر نامہ ''پاکستان کے دو سفر'' بے حد دلچسپ اور دل پذیر ہے اور معلوماتی بھی..... ان کے ان دونوں سفر ناموں کے مطالعے سے محسوس ہوتا ہے کہ شائق احمد کے اندر ایک بڑا کہانی کار چھپا ہوا ہے۔ پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط ان کی قلمی حیثیتوں کے مختلف جلوؤں کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر منصور عمر نے دربھنگہ کی ادبی تاریخ مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے اندر تحقیق کا مادہ موجود ہے اور وہ نقد و جستجو کے راز ہائے گم گشتہ سے کھیلنے کا ہنر جانتے ہیں اس لئے ان کی یہ کوشش بارآور ہوگی۔ ڈاکٹر نسیم احمد کے مضمون میں محنت اور لگن کا

عنصر موجود ہے۔ مشرف امام کے اس آخری مضمون کو شائع کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ڈاکٹر امام اعظم کو چاہئے کہ آئندہ اس قسم کے گمراہ کن مضمون کی اشاعت سے پرہیز کریں۔

''چارہ گروں کی کھوج'' رضاء الجبار کی طنزیہ کہانی ہے جو سماج کی دکھتی رگ پر انگلی رکھتی ہے۔ ''دس فیصد پر رکا ہوا وجود'' ہمارے جھوٹے اور بہروپ معاشرے کی عکاس ہے۔ ''روشنی روشنی'' اقبال حسن آزاد کی ایک علامتی کہانی ہے اور نیکی اور خیر کی نمائندہ ہے۔ ہارون شامی اس شمارے کے مخصوص شاعر ہیں۔ ان کی دونوں غزلوں میں پختگی موجود ہے۔ وہ فکر و احساس کے شاعر ہیں اور حق گوئی ان کی زبان ہے۔ اس شمارے میں شامل ڈاکٹر حنیف ترین، ڈاکٹر فراز حامدی، ڈاکٹر ظفر کمالی، پروفیسر عبدالمنان طرزی وغیرہ کی نظموں میں فنکاری اور صناعی موجود ہے اور غزلوں میں پروفیسر سید احمد شمیم، نسیم سحر، شارق عدیل، رشید منظر، فردوس گیاوی، ڈاکٹر عبرت بہرائچی، امجد علی سرور اور التفات امجدی وغیرہ زیادہ کامیاب ہیں اور ان کی غزلیں اپنے حسن اظہار اور طرز ادا کی وجہ سے توجہ کا سبب بنتی ہیں۔

اس شمارے میں تقریباً چودہ کتابوں پر تبصرے موجود ہیں۔ میرے خیال میں اردو کے کسی مختصر رسالے میں اس قدر کتابوں پر تبصرے نظر نہیں آتے۔ یہ ڈاکٹر امام اعظم کی وسیع القلبی کا ثبوت ہے کہ انہوں نے 'تمثیل نو' کے ۲۶ صفحات کو محض تبصروں کے لئے مختص کر دیا ہے۔

حسب دستور 'راہ و رسم' کے تحت بے شمار اہل قلم حضرات کی رائیں موجود ہیں۔ چند مشاہیر ادب کی یہ رائیں ملاحظہ کیجئے جو تمثیل نو کے لئے آب حیات کا درجہ رکھتی ہیں:

(۱) ''رسالہ کیفیت اور کمیت دونوں میں برابر ترقی کر رہا ہے۔'' پروفیسر مختار الدین احمد آرزو

(۲) ''آپ کو سچ مچ پرچہ کی ترتیب کا سلیقہ ہے۔'' پروفیسر قمر رئیس

(۳) ''آپ کی محنت اور لگن قابل تعریف ہے کہ آپ نے نامساعد حالات میں بھی اردو کا چراغ جلائے رکھا ہے۔'' رشید منظر

(۴) آپ کی بے لوث محبت نے وارفتہ کر رکھا ہے۔ ہر شمارہ بہتر سے بہتر مضامین، غزلیں، ادبی تخلیقات اور معلوماتی مقالوں پر تبصرے یقیناً آپ اور آپ کے رفقائے کار کی محنت اور مثبت فکر کا نتیجہ ہیں۔'' پروفیسر خالد حسین خاں

(۵) آپ نے خوبصورت اسلوب میں متعدد علمی، ادبی اور دینی و ملّی شخصیات کے نام اور کام سے متعارف کرا کے ممنون کرم کیا ہے۔'' ڈاکٹر نسیم اختر

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ مشاہیر کی رایوں کو ذہن میں رکھ کر اگر 'تمثیل نو' کا مطالعہ کیا جائے تو یہ شمارہ بھی اپنی تمام تر مشمولات مثلاً غزلوں، نظموں، مضامین، افسانے اور تبصروں کے ساتھ احسن اور تعمیری افکار کا اشاریہ ہے۔ غرض یہ کہ 'تمثیل نو' اردو کا ایک ایسا منفرد رسالہ ہے جس میں ہر مکتبِ فکر کے اہلِ قلم اور اہلِ ذوق حضرات کے لئے دلچسپی کے عناصر موجود ہیں اور اس شمارہ کے تمام لائق قدر مندرجات ڈاکٹر امام اعظم کی حسن کارکردگی اور سلیقہ مندی کا اظہار کرتے ہیں۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۲۳ راگست ۲۰۰۴ء)

(۱۳)

(اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء)

اردو رسالوں میں ''تمثیل نو'' کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی مقبولیت اور اہمیت کا ثبوت یہ ہے کہ اردو کے مؤقر تخلیق کاروں کا اسے تعاون حاصل ہے۔ اردو میں کسی بھی رسالے کا پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو جانا ہی اس کی مقبولیت کا واضح ثبوت ہے۔ پیش نظر شمارہ ۱۳-۱۴ ایک مشترکہ شمارہ ہے۔ اس کے اشتراک کے اسباب پر روشنی ڈالتے ہوئے ڈاکٹر امام اعظم نے پارلیامانی انتخاب کی ہماہمی اور شمالی بہار میں غیر متوقع قیامت خیز سیلاب کو ذمہ دار ٹھہرایا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت میں تمثیل نو کے مختلف کرم فرماؤں کا ذکر بھی کیا ہے اور اردو دنیا کے معتبر قارئین کے تعاون کا شکریہ بھی ادا کیا ہے اور ان کی یہ گزارش بھی قابل غور و عمل ہے کہ قارئین کرام کی چشم عنایات اور اداروں کی علم دوستی اس وقت قابل اعتنا سمجھی جائے گی جب مالی تعاون اور اشتہارات سے اسے نوازا جائے گا۔

''ادبی اور ثقافتی پروگرام'' کے تحت مقصود الٰہی شیخ کا مرتب کردہ ادبی جریدہ ''مخزن ۴'' اور شیخ محمد مقبول الٰہی کے مجموعہ مضامین کے تعارفی تقاریب کا ذکر 'اصلاح معاشرہ کانفرنس' گذشتہ ۴ر تا ۶ر جون ۲۰۰۴ء کو امریکہ کے نیوجرسی شہر میں عالمی اردو کانفرنس اور انجمن ترقی اردو جمشید پور کے ذریعہ اسلم بدر کے منفرد شاہکار مثنوی ''کن فیکون'' کی رسم رونمائی وغیرہ کی روداد ہماری علمی و ادبی معلومات میں اضافہ کرتی ہیں۔

''کچھ اہم خبریں'' کے تحت پروفیسر کیپٹن شرف عالم کو مولانا مظہر الحق عربی و فارسی یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر کیا جانا' انجمن ترقی اردو ہند کے صدر کی حیثیت سے ترقی پسند ادیب ڈاکٹر راج بہادر گوڑ کا فائز ہونا' ڈاکٹر شہزاد انجم کا جامعہ ملیہ اسلامیہ میں بحیثیت ریڈر شعبۂ اردو بحال ہونا اور جناب سید مظفر

شعیب ہاشمی کا ڈی آئی جی پولس (دربھنگہ) کے عہدہ پر مامور ہونا شامل ہے۔ادارے نے ان تمام کامیاب وظفریاب حضرات کو مبارک باد پیش کیا ہے۔

''وفیات'' کے کالم میں اس بار اردو کے معتبر جدید شاعر وہاب دانش، معروف جدید شاعر اور صحافی عرفان صدیقی، اردو کے معروف محقق، مؤرخ اور شاعر شاداں فاروقی، مشہور شاعر نسیم آزر، اردو کے مشہور ادیب، نقاد، شاعر اور دانش ور ڈاکٹر فہیم اعظمی، اردو زبان وادب کی قد آور شخصیت ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد اور مداح رسول مولانا شبنم کمالی کو خراج عقیدت پیش کی گئی ہے اور ان کی شخصیات وخدمات پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

''قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب'' ڈاکٹر منصور عمر کی فکری اور تخلیقی جولان گاہ کا ایک حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ان کے مطالعے سے ڈاکٹر منصور عمر کی شاعرانہ عظمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔حماد انجم کی حمد اور سلطانہ مہر کی نعت میں جذبے کی سرشاری موجود ہے۔پروفیسر نظیر صدیقی کا خط ان کی طبیعت کے انکسار کا اظہار ہے۔پرکاش فکری نے وہاب دانش پر کالم لکھا ہے۔ان کی تحریر میں تصویر کی خوبی پیدا ہوگئی ہے۔انہوں نے وہاب دانش کی شاعری کے محاسن کو بھی اجاگر کیا ہے اور ان کے اجتہادی رویے کا اعتراف کیا ہے۔ڈاکٹر سیفی سرونجی نے جون ایلیا سے محض ملاقات کی روداد ہی بیان نہیں کی ہے بلکہ اس مسرت خیز لمحات میں ہم سب کو شامل کرلیا ہے۔جناب سید حامد کا خطبہ صدارت ''النور ویمن ویلفیئر آرگنائزیشن دہلی'' کی پذیرائی ہے اور اس میں مسلمانوں کی نااہلی، کوتہ نجی اور کاہلی کو بھی بے نقاب کیا گیا ہے اور محنت و لگن کے ساتھ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا مشورہ دیا گیا ہے۔

احمد یوسف نے عبید قمر کی افسانوی حیثیت متعین کرنے کی کوشش کی ہے مگر عبید قمر کے افسانوں کے بیشتر اقتباسات کی شرکت نے گفتگو کو گنجلک بنادیا ہے۔ایک لہر نئی -۱۳ر میں مناظر عاشق ہرگانوی نے فکر وخیال کے دریچوں کو وا رکھا ہے۔ڈاکٹر مجید بیدار نے رضاء الجبار کے افسانوں کے حوالے سے ان کے فن میں عصری صداقتوں کی تلاش کرنے کی سعیٔ بلیغ کی ہے۔ڈاکٹر منصور عمر کا مضمون 'دربھنگہ کی ادبی پیش رفت' خاصے کی چیز ہے اور ریسرچ اسکالروں کے لئے مفید ہے۔شمس فریدی نے منظر شہاب کے مجموعۂ مضامین ''اور پھر بیاں اپنا'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔انہوں منظر شہاب کی نثر میں بھی بے پناہ دلکشی اور جاذبیت کے عناصر تلاش کئے ہیں۔''بشیر بدر انسان کا انسان اور تماشے کا تماشہ'' ایک سنجیدہ قاری کے طبع نازک پر گراں گزرتا ہے۔ملک زادہ جاوید نے ہجو گوئی کی ہے۔کوئی برا ہے تو اسے برا کہنا

بھی تو اچھی بات نہیں۔ڈاکٹر قاسم فریدی نے حلیمہ سعدیہ شگفتہ کے شعری مجموعہ ''غنچہ پھر لگا کھلنے'' پر اپنی رائے دی ہے۔ان کی رائے سے ہر کوئی اتفاق کرے یہ ضروری نہیں۔محمد عاصم رضوی نے سید امین اشرف کی غزلوں کا جائزہ لیا ہے اور محض ان کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔''تلفظ کا کرب'' ڈاکٹر شمیم باروی کا انشائیہ ہے۔ یہ کرب ہر دن اور ہر روز ہم سب کو جھیلنا پڑتا ہے۔ڈاکٹر شمیم باروی نے آئینہ رکھ دیا ہے۔اردو زبان اور اس کے تلفظ کی بقا کے لئے ہمیں اقدام کرنے کی ضرورت ہے۔

جاوید اختر چودھری کی کہانی 'رزق کی دھوپ' ایک عبرت ناک کہانی ہے۔رزق کی تلاش میں برا کام کرنے والوں کا انجام بھی برا ہوتا ہے۔یہی اس کہانی کا مرکزی خیال ہے۔کہانی کی نیت اچھی ہے۔تخلیق کار نے فنی چابکدستی سے کام لیا ہے۔یٰسین احمد کی کہانی ''ریکھائیں پڑھنے والا'' ایک پر تجسس کہانی ہے۔ابواللیث جاوید نے ایک اوسط درجے کی کہانی لکھی ہے۔سید مظفر شعیب ہاشمی نے 'ہزاروں سال کا انتظار' لکھ کر ایک اچھے کہانی کار ہونے کا ثبوت فراہم کر دیا ہے۔ان کی اس کہانی میں دلچسپی کے عناصر موجود ہیں۔ڈاکٹر جلیل اشرف کی کہانی ''ذوق'' نے نئی روشنی میں پرورش پانے والی لڑکیوں کو آئینہ دکھایا ہے۔کہانی مختصر ہے مگر متاثر کرتی ہے۔

شمارہ ۱۳ر کے مخصوص شاعر کمال جعفری ہیں۔ان کی غزلوں میں زندگی کی رمق موجود ہے۔وہ موجودہ سماج کے مسائل سے نبرد آزما ہیں اس لئے سماجی مسائل ان کے موضوعات ہیں۔اس بار نظموں کے حصے میں 'تجربے کی صلیب' اور' بارہ ماسہ' پسند آیا۔ظہیر غازی پوری کی یہ آزاد نظم بھی ایک تجربہ ہے۔ش۔م۔عارف ماہر آروی کا بارہ ماسہ جذب وکیف میں ڈوبا ہوا ہے۔شمارہ ۱۴ر کے مخصوص شاعر پادری افضال فردوس کی دونوں غزلیں اچھی ہیں اور اپنا منفرد انداز رکھتی ہیں۔اس بار غزلوں کا حصہ زیادہ وقیع ہے۔علیم صبا نویدی، پروفیسر طلحہ رضوی برق، نزہت پروین، شاکر خلیق، صبا اکرام' ڈاکٹر نسیم اختر' ظفر اقبال ظفر' ڈاکٹر حنیف ترین' احمد حسین بے حس' حفیظ انجم اور ڈاکٹر عبرت بہرائچی کی غزلوں میں حقیقت پسند زندگی کا عرفان موجود ہے۔

اس شمارے میں ۲۰ کتابوں پر تبصرے موجود ہیں۔جن مبصرین نے متوجہ کیا ان میں حسن امام درد' ڈاکٹر رئیس انور، ڈاکٹر عبید الرحمٰن، ڈاکٹر منظر اعجاز، ڈاکٹر ایم صلاح الدین اور ڈاکٹر امام اعظم قابل ذکر ہیں۔ان کے تبصروں میں اعتدال وتوازن موجود ہے اور ان کے بیان میں تضاد نہیں ہے۔یہ لوگ یکسوئی سے تبصرے لکھتے ہیں اور فن پارے کی تمام کہنیات پر دانشورانہ طریقے سے گفتگو کرتے ہیں۔

'راہ ورسم' کے تحت جو خطوط شامل ہیں ان سے 'تمثیل نو' کی بڑھتی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اردو دنیا کا ایک بڑا متحرک اور بیدار طبقہ اس رسالے سے جڑ گیا ہے اور ایسا اس لئے ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم کی شاندار ادارت اور ان کے حسن انتخاب اور معتدل انداز پیش کش نے ''تمثیل نو'' کو برصغیر کے مقتدر اور معیاری رسائل کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔ بحیثیت مجموعی 'تمثیل نو' شمارہ ۱۳-۱۴ صوری و معنوی اعتبار سے منفرد جذبات و محسوسات کا ایک ایسا نگار خانہ ہے جس میں مخصوص جمالیاتی احساس کی جلوہ گری ہمارے ذوق سلیم میں ارتعاش پیدا کرتی ہے۔ (مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم''، پٹنہ، ۲۰ دسمبر ۲۰۰۴ء)

(۱۴)

(اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء)

''تمثیل نو'' اردو کا ایک مؤقر اور معتبر رسالہ ہے جس میں اہل ذوق حضرات کے لئے دلچسپی کا وافر سامان موجود ہے۔ اس کے مختلف النوع قسم کی تخلیقات اور معیاری اور معلوماتی مضامین قارئین کو متوجہ کرتے ہیں۔ اردو کشی کے اس زمانے میں پابندیٔ وقت کے ساتھ اس کی اشاعت اور قارئین کے ایک بڑے حلقے کو متاثر کرنے کی اس کی مقناطیسی طاقت نے ڈاکٹر امام اعظم کے عزم و حوصلے کو جس برقی صفت سے مملو کیا ہے وہ حیرت انگیز ہے۔ ایک عرصے سے بغیر کسی مالی امداد کے اس کی اشاعت نے مدیر کی حسن کارکردگی اور اردو کے تئیں ان کی محبت کو مشتہر کر دیا ہے۔ ''تمثیل نو'' کا شمارہ ۱۵-۱۶ بھی اپنی تمام تر سابقہ روایات سے نور بداماں ہے اور ہمارے ادبی ذوق کو سیراب کرتا نظر آتا ہے۔

اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت دربھنگہ کے ایم۔ پی اور وزیر مملکت برائے فروغ انسانی وسائل حکومت ہند، جناب محمد علی اشرف فاطمی اور جناب ڈاکٹر شکیل احمد (وزیر مملکت برائے مواصلات و انفارمیشن ٹکنالوجی، حکومت ہند) کی شخصیت و سیرت اور خدمات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے۔ ''ادبی وثقافتی پروگرام'' کے زیر اثر سمینار، سمپوزیم اور مشاعرے کا ذکر موجود ہے اس کے علاوہ 'ساہتیہ کار سنسد' کے ذریعہ راشٹریہ شیکھر ساہتیہ سمان سے نوازے جانے والے ادباء و شعراء کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔ علی نگر دربھنگہ کے جلسے میں ''نقوش علی نگر'' کے اجراء اور رسالہ 'وقت' دھنباد کی جانب سے صدف معصوم کا شعری مجموعہ ''زندگی چاند بھی، زندگی زخم بھی'' کے اجراء اور اس کے شرکاء کا ذکر اور ان کے خیالات رقم کئے گئے ہیں۔ ''کچھ اہم خبریں'' کے تحت ممتاز نقاد، محقق، شاعر اور دانشور جناب شمس الرحمٰن فاروقی کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان کا وائس چیئرمین مقرر ہونے اور معروف افسانہ نگار سلام بن رزاق کو

ان کی کہانیوں کے مجموعہ ''شکستہ بتوں کے درمیاں'' کو ساہتیہ اکادمی انعام حاصل کرنے پر اظہار مسرت اور پروفیسر ملک زادہ منظور احمد کو اتر پردیش اردو اکادمی کا چیئرمین نامزد ہونے پر خوشی کا اظہار کیا گیا ہے۔

اس بار ''وفیات'' کے کالم میں ۱۵ مرحومین کا ذکر موجود ہے۔ اور ادارے نے ان کی رحلت پر اپنے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ ''قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب وسیاست'' فکر وفن کا اعلیٰ نمونہ ہے اور ڈاکٹر منصور عمر کی علمی وادبی اور عروضی لیاقتوں کا ثبوت ہے۔ پروفیسر شاکر خلیق کی حمد اور عبدالواجد نیر قادری کی تحریر کردہ نعت پاک میں ذوق وشوق اور خود سپردگی ومحویت کا عالم قاری کیلئے لذت وکیف کا سبب بنتا ہے۔

پروفیسر نظیر صدیقی کا خط معلوماتی ہے اور عمدہ نثر کا بہترین نمونہ بھی۔ ان کے تمام خطوط کو یکجا کر کے کتابی شکل عطا کر دی جائے تو اردو میں خطوط نویسی کا اضافہ ہوگا۔ پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ کا تحریر کردہ سفر نامہ معلوماتی ہے اور اظہار بیان کے اعتبار سے مقناطیسی کیفیت کا حامل ہے۔ شاہد حسین لعل پوری کا انشائیہ ''میری قربانی'' مزہ دے گیا۔ بقرعید کے موقع پر جانوروں کی تلاش میں جو مضحکہ خیز صورت حال پیدا ہو جاتی ہے اس کی اچھی اور شاندار عکاسی کی گئی ہے۔ اس انشائیے کا انداز بیان پرکشش ہے اور یہ موجودہ مسلم معاشرے کی ظاہر داری پر ضرب کاری لگاتا ہے۔ میں شاہد حسین لعل پوری کو اس قدر کامیاب، پُر اثر اور طنز آمیز انشائیہ لکھنے پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ''دربھنگہ: دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری'' ایک تاثراتی مضمون ہے جس میں پروفیسر سید منظر امام کی ادبی زبان کا حسن اور اسلوب کی چاشنی موجود ہے۔ ''عاشق اقبال: محمد حسنین سید جامعیؔ'' ایک تعارفی مضمون ہے اور اے۔ یو۔ آصف نے ایک عاشق اقبال کو دوبارہ زندہ کرنے کی سعادت حاصل کی ہے۔ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی نے جاوید کی شخصیت وخدمات کا اعتراف کیا ہے۔ ''ایک لہر نئی -۱۴'' میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی علمی بصیرت صاف جھلکتی ہے اور ص: ۳۴ پر ان کا یہ خیال صداقت پر مبنی ہے:

''اجتماعی طور پر جمالیاتی، اسلوبیاتی، ساختیاتی تنقیدی نظام میں ادب کی ادبیت، زبان اسلوب، ساخت اور تکنیک جو سائنسی بیداری اور تکنیکی توانائی ہے اس کو یکسر چھوڑ کر چلنے کا سیدھا مطلب ادبیت کے بنیادی مسائل کو نظر انداز کرنا ہے۔''

ڈاکٹر مجید بیدار نے اپنے مضمون 'ترجمے کے تقاضے' میں ترجمہ کے فن اور اس کے اصول وضوابط پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ فن ترجمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کے لئے یہ مضمون نشانِ راہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسرار اکبر آبادی کا مضمون مختصر ہے مگر خدا کی وحدانیت کو دلائل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ''اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت'' تحقیق کا عمدہ نمونہ ہے اور دربھنگہ کی علمی وادبی سرگرمیوں کا ترجمان

بھی۔ ڈاکٹر رضوانہ پروین ارم نے فیض کی نظموں اور غزلوں کا مختصراً جائزہ لیا ہے اور دو موضوعات کو ایک مختصر مضمون میں قلم بند کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔ مضمون انتہائی تشنہ اور ادھورا ہے۔

اس شمارے میں تین کہانیاں شامل ہیں۔ عفت موہانی کی کہانی ''نیلا ہیرا'' بے جان ہے۔ فاروق راہب کی کہانی ''ویزا'' بھی متاثر نہ کر سکی۔ سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ''اچھا بابا'' حاصل شمارہ ہے۔ یہ ایک بے حد اچھی کہانی ہے۔ ہاشمی صاحب نے بڑی فنکاری کے ساتھ اس کہانی کے تار و پود کو تیار کیا ہے۔ اس کا موضوع اچھوتا اور انوکھا ہے اور فکر و خیال کی تموجی کیفیت اس میں موجود ہیں۔ مظفر شعیب ہاشمی کے قلم میں تخلیقی عنصر بے پناہ ہے۔ میں نے اورنگ آباد میں ان کی پوسٹنگ کے درمیان کے فنکارانہ کمال کو محسوس کیا تھا اور اپنے خیال کا اظہار بھی کیا تھا مگر یہاں وہ چھپنے چھپانے سے چُھپتے چُھپاتے رہے۔ اچھا ہوا کہ آپ نے اس ہیرے کی دھول گرد صاف کر کے جوہریوں کے حوالے کر دیا۔ اب ادب کے بازار میں ان کی قیمت لگے گی۔ انہیں سنبھال کر رکھئے اور نظر بد سے بچائیے۔ ان کی کہانی ''اچھا بابا'' میں جو تاثر اور جو ساحرانہ کیفیت موجود ہے وہ دل شکستہ کو شگفتہ اور تازہ بناتی ہے۔

شمارہ ۱۵ کے مخصوص شاعر انور آفاقی کی غزلوں میں تاثیر و شگفتگی موجود ہے۔ نظموں کا حصہ زیادہ پسند نہیں آیا۔ اسی شمارہ کے مخصوص شاعر ڈاکٹر نسیم اختر نسیم کی غزلوں میں فکری و فنی صلابت اور زندگی کا عرفان موجود ہے۔ غزلوں کا حصہ کسی قدر بہتر ہے۔ ظہیر غازیپوری، ڈاکٹر انوری بیگم، ڈاکٹر حنیف ترین، جسیر نوری، محمد صدیق نقوی، ایم۔ اے۔ ضیاء، راز سیوانی اور حباب ہاشمی کی غزلوں میں فنی چمک اور فکری رمق موجود ہے۔ اس شمارے میں ۲۶ کتابوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔ سبھی تبصرے متوازن ہیں اور مبصرین کی علمی جہات کا اظہار بھی۔ خطوط کے کالم میں تقریباً ۴۰ افراد کی رائیں شامل ہیں اور ان کے مطالعے سے 'تمثیل نو' کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا بھی ضروری ہے کہ اس شمارہ کے سرورق پر جو دو عدد تصویریں موجود ہیں ان کی جلوہ گری سے ''تمثیل نو'' کی خوبصورتی میں چار چاند لگ گیا ہے اور متھلا کے دو روشن چراغ کی شان میں تحریر کردہ امام اعظم کے اشعار 'تمثیل نو' کے افق پر اس کی کامیابی کی کرن بن کر جگمگا رہے ہیں۔ القصہ مختصر 'تمثیل نو' کا یہ شمارہ بھی ڈاکٹر امام اعظم کی بہتر منتظمانہ صلاحیت اور ان کی نفاست قلبی کا ترجمان ہے۔ ان کا فور شوق اگر اسی طرح زندہ پائندہ اور حوصلہ افزا رہا تو 'تمثیل نو' اردو کے ہر باذوق قاری کے لئے دل کی دھڑکن بن جائے گا۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۱۱ر جولائی ۲۰۰۵ء)

(۱۵)

(اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء)

"تمثیل نو" کا مشترکہ شمارہ ۱۷-۱۸ میرے پیش نظر ہے۔ یہ شمارہ بھی حسب روایت گذشتہ شماروں پر فوقیت لے گیا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ اس رسالے میں پہلی بار اردو کے تین رجحان ساز ناقدوں کے ادبی نظریات سے استفادہ کرنے کا ہمیں موقع ملتا ہے۔ میرے خیال میں شاید پہلی بار کسی اردو رسالے میں عہد موجودہ کی تین سر برآوردہ شخصیتیں بیک وقت اپنے ادبی نظریات کا اظہار کرتی نظر آتی ہیں۔ اس شمارے کے اعلیٰ درجے کے مضامین اور دیگر مشمولات پر نظر پڑتے ہی فوراً ڈاکٹر امام اعظم کی مدیرانہ صلاحیت اور حسن کارکردگی کا معترف ہونا پڑتا ہے۔ یہ شمارہ بھی نئی آب وتاب سے مرصع ومزین ہے اور اس کی تمام مشمولات نہ صرف یہ کہ قابل مطالعہ ہیں بلکہ دامن کش دل بھی ہیں۔

"مجھے کچھ کہنا ہے" کے تحت جدیدیت کے امام شمس الرحمٰن فاروقی، مابعد جدیدیت کے سالار گوپی چند نارنگ اور آزاد غزل کے موجد مظہر امام کے حوالے سے تین مکاتب فکر کی فطری، عملی اور شعوری کوششوں کو اردو ادب کے لئے فال نیک تسلیم کیا ہے۔ "ادبی اور ثقافتی خبریں" کے تحت ڈاکٹر ایم صلاح الدین کی تنقیدی و تحقیقی کتاب "منظر شہاب۔ حیات اور فکر وفن" ڈاکٹر شفیع شیخ کی کتاب "مجتبیٰ حسین...... ایسا کہاں سے لاؤں ......" ڈاکٹر حنیف ترین کی کتاب "ابابیلیں نہیں آئیں" وغیرہ کا اجراء اور ان کے مذاکرہ میں شامل ہونے والے مشاہیر کا ذکر موجود ہے۔ یہ خبریں ہمیں تازہ دم رکھتی ہیں اور ادب کے نئے افق اور نئی تحقیقات سے روشناس کراتی ہیں۔ "کچھ اہم خبریں" کے تحت بھی مختلف شعبہ ہائے جات اور سماج میں ظہور پذیر نئی معلومات سے ہم آشنا ہوتے ہیں۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا خط نہ صرف یہ کہ معلومات افزا ہے بلکہ دل نشیں بھی ہے۔

"جدیدیت" شمس الرحمٰن فاروقی کی ایک تقریر کا ایک حصہ ہے۔ اس موضوع پر ان کا موقف آج بھی قائم ہے۔ اس مضمون کو تحریک جدیدیت کا منشور سمجھنا چاہئے۔ فاروقی کی علمی استعداد کا ایک زمانہ قائل ہے۔ وہ ایک رجحان ساز ناقد ہیں۔ تغیر وتبدل زندگی کا حصہ ہے۔ نئی تبدیلی رونما ہو چکی ہے اس کے باوجود روز قیامت تک اردو ادب کی تاریخ میں جدیدیت کی تحریک اور فاروقی کا نام زندہ رہے گا۔

"مابعد جدیدیت" کے سالار پروفیسر گوپی چند نارنگ ہیں۔ وہ مراجعت کی بات کرتے ہیں۔ ساختیات پس ساختیات کے حوالے سے ادب میں تبدیلی کے قائل ہیں۔ وہ اس مضمون میں سماجی سروکار، سماجی معنی و مسائل اور سماجی قدروں کی حمایت کرتے ہیں۔ ان کا ناقدانہ رویہ مفید وکارآمد ہے اور مستقبل کے اردو

ادب کے لئے منفعت بخش بھی۔ مظہر امام ''آزادغزل'' کے امام ہیں۔ اس مختصر مضمون میں انہوں نے آزادغزل کی صنفی حیثیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا یہ مضمون آزادغزل گویوں کے لئے نشان راہ ہے۔

''فکری اور عملی ڈسکورس'' میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے آزادغزل کی فکری، حیاتی اور ثقافتی عناصر پر روشنی ڈالی ہے۔ ''نئے رجحان نئے تقاضے'' ڈاکٹر منصور عمر کا ایک اچھا مضمون ہے۔ انہوں نے جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزادغزل کی فکری وفنی اور تاریخی حیثیت کا جائزہ لیا ہے۔ ابوذر ہاشمی نے ''تحریک، ایجاد اور ادب کی زندگی: منتشر خیالات'' میں ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت پر مختصر مگر کارآمد روشنی ڈالی ہے۔ ان کے خیالات منتشر ہونے کے باوجود یکجا ہو گئے ہیں۔ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزادغزل کے حوالے سے جمال اویسی کا مضمون بہت خوب وقیع ہے۔ ان تینوں رجحانات پر ان کی گفتگو ادب کے عام قاری کے لئے سودمند ہوگی۔ حقانی القاسمی نے ''اس رنج بے خمار کی اب انتہا بھی ہو'' میں ایک نئی جستجو کا آغاز کیا ہے اور حقانی معرفت کی منزلیں طے کرتے ہوئے ادبی آفاق میں گم ہوتے نظر آتے ہیں۔ ان کی فکر انفرادی ہے۔ انداز نیا ہے اور اپنی بات کو سلیقے سے کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزادغزل پر ان کی گفتگو ذہن کے بند دریچوں کو کھولتی ہے اور نسیم صبح ناز و انداز سے دل کے آنگن میں داخل ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر گلشن کھنہ کا خاکہ ''ڈاکٹر دلدار جہان آبادی'' دلچسپ بھی ہے اور متشاعروں کے لئے طنز بھی۔ پروفیسر سید منظر امام نے یادوں کی انجمن سجائی ہے۔ ان کی صاف و شفاف نثر نے دل کی وادی کو آبشار بنا دیا ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''ایک لہر نئی'' میں ساختیاتی تنقید اور اس کے بنیاد گزاروں سے بحث کی ہے اور اس قبیل میں پروفیسر وہاب اشرفی کی کتاب ''مابعد جدیدیت مضمرات اور ممکنات'' پر استدلالی گفتگو کی ہے۔ اسرار اکبرآبادی کا مضمون معلومات افزا ہے۔ میمونہ بیگم نے ''پریم چند کی تخلیقات میں گاندھیائی نظریات کی نمائندگی'' میں ان کے نظریہ عدم تشدد کو خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور اپنی بات کو مصدق کرنے کے لئے اس قبیل کے افسانوں کا حوالہ دیا ہے۔

اس شمارے میں تین کہانیاں موجود ہیں۔ جاوید اختر کی کہانی ''حرام کا مال'' ایک اچھی اور کامیاب کہانی ہے۔ 'خوش فہمی' سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ہے۔ ہاشمی کو کہانی بننے کا فن معلوم ہے۔ تاریخی تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے کہانی کے تاثر میں فرق نہ آنا، بڑی بات ہے۔ ڈاکٹر نرگس جہاں کی کہانی ''تہی داماں'' شنو کے حرص وہوس کے تحت واقعی اس کو تہی داماں کر گئی۔ ایک عبرت آموز کہانی ہے، اچھی لگی۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر راز سیوانی کی غزلوں کا انداز شستہ اور پُر اثر ہے۔ ان کے کلام میں

گداختگی اور وہ سادہ وشگفتہ طرز بیان رکھتے ہیں۔ نظموں کا حصہ ٹھیک ہے۔ ڈاکٹر ستیہ پال آنند، علقمہ شبلی ،اسرار جامعی ،ڈاکٹر انوری بیگم اور ڈاکٹر رضوانہ ارم نے متاثر کیا۔ ان کے یہاں فکر وخیال کا ایک جہان آباد ہے۔ غزلوں کا حصہ کافی وقیع اور مقتدر ہے۔ سید امین اشرف ، پروفیسر حامدی کاشمیری، ظفر مجھی، ڈاکٹر شمس مدنی، رئیس الدین رئیس اور سید مظفر شعیب ہاشمی کی غزلیں دل کو چھو لیتی ہیں۔

اندر سنگھ ورما کا ''ایک مکالمہ مدیر کے ساتھ'' ان کی متعصبانہ ذہنیت کا اظہار ہے۔ اقبال کے سلسلے میں ان کا خیال متنازعہ فیہ ہے۔ اس سلسلے میں ماہرین اقبال ان کو جواب دیں گے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ''اچھا بابا'' پر انکی رائے بھی ان کی عصبیت ظاہر کرتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ اپنے قلم کو بھگوا رنگ میں ڈبو کر اور ہندو مسلم مشترکہ تہذیب کی اعلیٰ ترین روایتوں کو بھلا کر لکھتے ہیں۔ اس کہانی پر ان کی تیکھی رائے ان کی بدنیتی کو ظاہر کرتی ہے۔ ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ ایک ادیب ہندو اور مسلمان نہیں ہوتا۔ وہ جب کچھ لکھتا ہے تو امن وشانتی بحال کرنے کیلئے لکھتا ہے اور پھر یہ بھی کہ کہانی یا کسی بھی فن کا کوئی بنا بنایا سانچا نہیں ہوتا۔ کہانی خود کو لکھواتی ہے۔ فنکار محض اس کے نقش ونگار ٹھیک کرتا ہے۔ کرداروں کے انتخاب میں وہ ذات پات یا دھرم ومذہب کے عمل سے نہیں گزرتا بلکہ خود بخود کردار پلاٹ سازی کے وقت اس کی جنبش قلم عالم وجود میں آتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اس کہانی پر اندر سنگھ ورما نے جو طویل تبصرہ لکھا ہے اس سے ان کی عصبیت ظاہر ہوتی ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہانی کو محض ایک قاری کی طرح نہیں پڑھتے بلکہ ہندو یا مسلمان کی نظر سے اس کا جائزہ لینا چاہتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ وہ ایک عورت (خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان) کے جسم کو ننگا کرنے سے بھی احتراز نہیں کرتے۔ مثلاً یہ عبارت دیکھئے:

> ''مسلم افسانہ نگار کا یہ خاصہ بن چکا ہے کہ وہ اپنے افسانے کے پلاٹ کی ساختیات کے دوران اور اس کے نقطۂ عروج تک کو پہنچنے تک ہندو عورت کے جسمانی نشیب وفراز کو مد نظر رکھتا ہے اور صفحۂ قرطاس پر قلم چلانے سے پہلے ہی اس کے عریاں جسم اور اس کی کھلی ٹانگوں کے بیچ سے جھانکتی ہوئی اس کی شرم گاہ میں دخول کے تصور سے ذہنی جلق لگا کر تلذذ حاصل کر لیتا ہے۔'' (ص: ۹۴)

میں سمجھتا ہوں کہ ایک سنجیدہ، بردبار، امن پسند اور نیک ادیب ایسے نازیبا الزام لگانے سے پہلے خود اپنی اصلاح کریں گے۔ کیا میں اندر سنگھ ورما سے پوچھ سکتا ہوں کہ ہاشمی کی کہانی میں تو کسی بھی مقام پر ایسی عریاں تصویر نظر نہیں آتی۔ پھر وہ اتنے چراغ پا کیوں ہیں؟ خود ان کی مذکورہ تحریر کیا ان کے فرقے کی عورت کا چیر ہرن کرتی نظر نہیں آتی؟ دراصل اندر سنگھ ورما ایک عصبیت پسند مصنف ہیں اور وہ اپنے اس خط میں اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ان کا ایک مضمون اردو روزنامہ ''راشٹریہ سہارا'' (۱۲ر جون

۲۰۰۱ء) میں شائع ہوا تھا جس میں مدرسوں کے تعلق سے انہوں نے لکھا تھا:

''عام ہندو کا نظریہ یہ ہے (صحیح یا غلط) کہ مدرسوں میں بچوں کو شروع سے ہی یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور یہاں اکثریتی فرقے کے ساتھ جنگ وجدل جاری رہے گا تاوقتیکہ اسلام غالب آجائے۔''
(ص:۹۵)

اس قسم کے غلط اور بیجا وسوسوں کا پیدا ہونا اندر سنگھ ورما کی شخصیت کو مجروح کرتا ہے۔ میرا مشورہ ہے کہ وہ ادب وسماج کو صاف وشفاف عینک سے دیکھیں ورنہ ان جیسے چند اور ادیب پیدا ہو گئے تو ہندو مسلم منافرت کے زیادہ بڑھنے کا امکان ہے۔ (خدا نہ کرے)

حقانی القاسمی نے ''گلوب پر پھیلتی ادب گلاب کی خوشبو'' میں تمثیل نو کی مقبولیت کا اعتراف کیا ہے اور ساتھ ہی سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ''اچھا بابا'' کو بین تہذیبی مفاہمت کی وسیع تر کشادہ قرار دیا ہے۔ اس شمارے میں بارہ کتابوں پر جامع اور وقیع تبصرے موجود ہیں۔ یہ تبصرے مبصرین کی علمی استعداد کے شواہد پیش کرتے ہیں۔ ''نقوش علی نگر'' کی حیثیت ایک علیحدہ تبصرے کی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے کتاب کی تمام کنہیات پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی ''چھپنے سے چھپنے تک'' اور ''زندگی کا شاعر: امان خاں دل'' میں ڈاکٹر امام اعظم نے دونوں شعراء کی خلاقانہ بصیرتوں کو نمایاں کیا ہے۔

''راہ ورسم'' کے تحت اس شمارے میں ۳۴ مشاہیر کے خطوط شامل ہیں۔ ان سب نے ''تمثیل نو'' کی روز افزوں ترقی ومقبولیت کا اعتراف کیا ہے۔ ڈاکٹر خالد حسین خاں کا یہ خیال نقل کر رہا ہوں جو تقریباً تمام خطوط نگاروں کے دل کی آواز ہے:

''آپ کے 'تمثیل نو' کی محبوبیت مقبولیت معروفیت کا بنیادی سبب یہ بھی ہے کہ یہ جریدہ منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور آپ کی عالمانہ کاوشوں کا ثمرہ ہے۔ آپ کی شرافت، نفاست، فراست اور متانت نے اس مجلّہ کو بام عروج کا مرتبہ عطا کردیا ہے۔ یہ امتیاز، یہ اختصاص اور یہ اعتبار اتنے مختصر عرصہ میں ہند و پاک کے بہت کم جریدوں کا مقدر بن سکا ہے۔'' (ص:۱۱۹) (مطبوعہ: ''قومی تنظیم''، پٹنہ ۲۱ ر اکتوبر ۲۰۰۵ء)

(۱۶)

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

''تمثیل نو'' اردو کا ایک بے حد اہم رسالہ ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس خبر سے ہوسکتا ہے کہ شاید اردو کا پہلا رسالہ ہے جو انٹرنیٹ سے جڑا ہوا ہے اس کے قارئین اور قلم کار کا ایک بڑا حلقہ ہندوستان

سے باہر کے لوگوں کا بھی ہے۔ ہندوستان جس میں گوپی چند نارنگ، شمس الرحمٰن فاروقی، قمر رئیس وہاب اشرفی اور مظہر امام جیسے قدآور نقادوں نے اس کی خوبیوں کو سراہا ہے تو ہندوستان کے باہر ڈاکٹر انور سدید ڈاکٹر احمد سہیل، سلطانہ مہر، ڈاکٹر حنیف ترین اور محمد سالم جیسے معتبر اہل قلم حضرات اس کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہے ہیں۔ تمثیل نو کی اس مقبولیت نے اس کے ۱۹ ر شماروں کی اشاعت میں معاونت کی ہے۔ اس کی یہ تمام خوبیاں، کامیابیاں اور کامرانیاں اس کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم کے نام ہیں کہ ان کی حسن کارکردگی، اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیت اور مدیرانہ ذمہ داریوں کے بیدار احساس نے اس رسالے کو اردو رسالوں کی دنیا میں بے حد ممتاز و منفرد بنا دیا ہے۔

تمثیل نو شمارہ ۱۹ کا اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' اردو کے معروف اور ممتاز ناقد پروفیسر وہاب اشرفی کی عالمانہ شخصیت کا اعتراف ہے اور اس حصے میں خصوصی طور پر ان کی معرکۃ الآرا کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' کا ذکر ہے اور اس کے وسیلے سے پروفیسر وہاب اشرفی کے علمی اور تنقیدی سفر کی تازگی کو نمایاں کیا گیا ہے۔

''ادبی اور ثقافتی خبریں'' معلومات افزاء ہیں۔ خاص طور پر اردو کے ممتاز نقاد اور دانشور پدم بھوشن پروفیسر گوپی چند نارنگ کی تازہ ہندی کتاب ''اردو پر کھلتا دریچہ'' کی تقریب رونمائی سے واقفیت ہوتی ہے۔ یہ اردو تنقید کی پہلی باضابطہ کتاب ہے جو ہندی میں شائع ہوئی ہے۔ پروفیسر نارنگ کی اس کتاب کی اہمیت و عظمت کا اعتراف جن اہل قلم حضرات نے کیا ہے ان میں اندر کمار گجرال، گلزار، ممتاز ہندی ادیب ہربنش ترویدی، ڈاکٹر قمر رئیس، ترقی پسند ادیب کملیشور، پروفیسر زملا جین اور پروفیسر مشیر الحسن وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

وفیات کا کالم حزن و ملال کا باعث ہے۔ کئی قدآور شخصیات کے رخصت ہونے کی خبر سے اردو دنیا میں مایوسی چھائی ہے۔ ڈاکٹر نظر برنی، شبیر احمد اور شان الحق حقی کی اموات نے غمزدہ کیا ہے۔ ''قطعات تاریخ بروفات مشاہیر ادب و سیاست'' خوب ہے اور شاعر کے کمال فن کا اظہار بھی۔ رؤف خیر کی حمد اور افتخار اجمل شاہین کی نعت پاک میں تسلسل و روانی ہے اور ان کا جذبۂ حسن وفور شوق کے دریا میں نہا کر منجع اور مصفا ہو گیا ہے۔

پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط تعلقات و روابط کا خوبصورت اظہار ہیں اور ان کی شخصیت کی وضع داری اور مزاج کی رواداری کو بے نقاب کرتے ہیں۔ ان کی شخصیت کا ایک خاص عنصر خاکساری بھی ہے جس کی جھلک ان کے تمام خطوط میں نظر آتی ہے۔ ''تاریخ ادبیات عالم پر ایک نوٹ'' اردو کے ممتاز ناقد اور دانشور پروفیسر وہاب اشرفی کا ایک مختصر ضمیمہ ہے۔ اس میں تاریخ پر چند مختصر نوٹ کے ساتھ انہوں نے اپنے دوستوں اور کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ حصہ وہاب اشرفی کی شخصیت میں داخل کشادہ دلی اور انکساری کا اظہار ہے۔

اس شمارہ کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اردو کے مشہور و معروف ناقد اور دانشور پروفیسر وہاب اشرفی کی گراں مایہ تاریخی کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' پر ۸ عدد صاحب نظر و نقد کے مضامین یکجا کردیئے گئے ہیں۔ ان تمام مضامین کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ادیب نے اپنے نقطۂ نگاہ سے ''تاریخ ادبیات عالم'' کا مطالعہ کیا ہے اور اس کے ان محاسن کو روشن اور نمایاں کیا ہے جو مطالعے کے بعد بھی ایک عام قاری کی نگاہوں سے اوجھل رہ سکتے تھے۔ مثلاً حسب ذیل سطور میں ادیبوں کے چند جملے نقل کئے جاتے ہیں جس سے ''تاریخ ادبیات عالم'' کے خصائص ظاہر ہوتے ہیں:

''تجسس کی جہتوں سے بھرپور پروفیسر وہاب اشرفی کی کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' کی ساتوں جلد پڑھنے کے بعد حقائق، تجزیوں اور باعلم فیصلوں کی وجہ سے ذہنی کشادگی اور توانائی ضرور ملتی ہے۔ دریا کو کوزے میں سمو کر انہوں نے اردو کے ادبی سرمائے میں بصیرت افروز اضافہ کیا ہے۔'' (ص:۱۷ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)

''سات جلدوں پر مشتمل ''تاریخ ادبیات عالم'' کو صرف ایک منصوبہ بند تحقیقی کام کا درجہ ہی نہیں دیا جا سکتا بلکہ اسے مہاتی کارنامے کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔'' (ص:۱۸ ڈاکٹر مجید بیدار)

''پروفیسر وہاب اشرفی نے تن تنہا اس گراں قدر بیش بہا خدمات کو انجام دے کر یہ ثابت کر دیا کہ اگر کوئی شخص عزم مصمم اور جذبۂ صادق کے ساتھ کسی کام کا ارادہ کر لے تو وہ کامیابی سے ہمکنار ہو کر رہے گا۔''

(ص:۲۰ ڈاکٹر منصور عمر)

''اس کتاب کے ذریعہ وہاب اشرفی کا نام عبقری شخصیتوں میں شامل ہو گیا ہے۔ ہم اردو والوں کو وہاب اشرفی نے اس کام کے ذریعہ اپنی اردو پر ناز کرنے کا موقع عنایت کیا ہے۔'' (ص:۳۳ ابوذر ہاشمی)

''ادبی دنیا ان کے اس کارنامے کو دیکھ کر محو حیرت ہے اور یہ بات تقریباً ہر بڑے ادیب و نقاد نے قبول کی ہے کہ جس پروجیکٹ کو پروفیسر وہاب اشرفی نے تن تنہا محنت شاقہ سے انجام دیا ہے وہ ادبی ادارے کئی ادیبوں پر مشتمل کمیٹی کے ذریعہ انجام دیتے ہیں۔'' (ص:۲۴ جمال اویسی)

''یہ موصوف کا ایسا کارنامہ ہے جس کی پذیرائی تمام ادبی حلقوں میں مسلسل ہو رہی ہے۔ ایسی قاموسی تصنیف اردو کیا دوسری ہندوستانی زبانوں میں معدوم ہے۔'' (ص:۲۶ ڈاکٹر ہمایوں اشرف)

''یہ انتہائی اہم اور بڑا کارنامہ ہے اور اس سے زبان و ادب کی ثروت میں اضافہ ہوتا ہے۔ زبانوں کے ترابط اور توافق سے ہی ذہن و نظر کو وسعت ملتی ہے ''تاریخ ادبیات عالم'' میں ایک چشم جہاں بین روشن ہے۔''

(ص:۳۰ حقانی القاسمی)

"پروفیسر وہاب اشرفی نے اپنی ذاتی رائے اپنی معلومات اپنے مطالعے اور غور وفکر کو اس میں نمایاں کیا ہے۔
ان کا یہ بڑا کمال ہے کہ انہوں نے اس کی مختلف جلدوں میں دنیا کے بیشتر ممالک کی کتابوں اور ان کے
مصنفین کا ذکر کیا ہے اور ان کی خدمات پر اپنی دوٹوک رائے دی ہے۔" (ص:۳۲ ڈاکٹر قاسم فریدی)

اس شمارے کے دیگر مشمولات میں شاہد حسین لعل پوری کا انشائیہ دلچسپ ہے اور ان کے قوت اظہار کا بہترین ثبوت ہے۔ پروفیسر سید منظر امام کا سلسلہ وار مضمون "دربھنگہ: دل سے جاتی نہیں یاد تری" دلچسپیوں سے بھرپور بھی ہے اور معلومات افزاء بھی۔ پروفیسر سید منظر امام کی خوبصورت نثر متاثر کرتی ہے۔ ان کی تحریر میں شادابی اور چاندنی رات کی لطافت ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون "ایک لہر نئی نئی" ان کے افکار کا نمائندہ ہے۔ اسرار اکبرآبادی نے "دھارمک گرنتھوں میں بنیادی صداقتوں" کے حوالے سے اسلام اور دیگر مذاہب کے درمیان مماثلت کی تلاش کی ہے۔ ان کی گفتگو مدلل ہے اور بات میں دم ہے۔ فریدہ لاکھانی کا مضمون نفسیاتی ہے مگر کارآمد محسوس نہیں ہوتا۔ "درد دل مسلم" سید محمود احمد کریمی کا ایک طویل مدلل و مصدق مضمون ہے۔ اس میں اندر سنگھ ورما کی طبیعت کی کثافت کو ظاہر کیا گیا ہے اور دلیل و برہان کی روشنی میں علامہ اقبال پر الزام تراشی کرنے کی کوششوں کو ناکام بنادیا گیا ہے۔ مصنف کو اس اعلیٰ درجے کے مضمون کو خلق کرنے پر مبارکباد۔

اس شمارے کے تین مختصر افسانوں میں "توازن" بہتر ہے توازن کا موضوع اور اس کے برتنے کے انداز میں تخلیقی ہنرمندی شامل ہے "بھاری بھرکم" اقبال انصاری کا ایک طنزیہ افسانہ ہے جس میں رشوت خوری کے برے نتائج کو نمایاں کیا گیا ہے۔ "کرفیو" ہندو مسلم اتحاد کی علامت ہے۔ سکینہ اور دینو کا کا کی محبت مذہب سے بالاتر ہے۔ کاش یہ احساس ہر ہندوستانی کے دل میں پیدا ہو جائے۔ "ہائی جیکرز" میں سید مظفر شعیب ہاشمی نے اردو کی کسمپرسی کا حال بیان کیا ہے اور اردو کے ناقدین پر ضرب کاری لگائی ہے۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر شاہد جمیل ہیں۔ یہ ایک پختہ کار شاعر ہیں اور تقریباً ۴۰-۳۵ سال سے شاعری تواتر کے ساتھ کر رہے ہیں۔ ان کی شاعری میں فکری توانائی اور شاعرانہ تعمق موجود ہے۔ ان کے یہاں رمزیت اور ایمائیت کے گھنے سائے ملتے ہیں۔ ان کی شاعری میں بڑی توانائی، وقار اور اعتماد کا عنصر موجود ہے۔ اس حصے میں ان کی شامل دو غزلیں ان کے تجربات و محسوسات کا ایک نیا دائرہ قائم کرتی ہیں۔

اس شمارے میں پروفیسر شاکر خلیق، سلطانہ مہر، ڈاکٹر حنیف ترین اور سید مظفر شعیب ہاشمی کی نظموں سے زیادہ لطف اندوز ہوا۔ ان کی نظموں میں اظہار و ابلاغ کی توانائی موجود ہے۔ غزلوں کا حصہ اس بار

زیادہ جاندار ہے۔ منظر شہاب' ڈاکٹر سید غنی رضوی' انجینئر ہارون شامی' حباب ہاشمی' عمران راقم' تسنیم فاروقی' حیدر وارثی اور انور تلہری نے زیادہ متاثر کیا۔ ان کی غزلوں میں شعری صلاحیت اور فکری گہرائی موجود ہے۔

پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا تحریر کردہ ترانہ' مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ساتھ آنجہانی کی عقیدت و محبت کا اظہار ہے۔ اس نظم میں کیف و سرشاری موجود ہے'' مکالمہ مدیر کے ساتھ'' تشنہ اعجاز کا ایک بیباک مضمون ہے۔ تشنہ نے اندر سنگھ ورما کی خوب خبر لی ہے۔ ان کے مضمون سے اندر سنگھ ورما جیسے عصبیت پسند قلم کار کو عقل کا ناخن لینا چاہئے ورنہ ایسے لوگ ملک کی ایکتا اور سالمیت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں۔

تمثیل نو شمارہ ۱۸-۱۷ پر حقانی القاسمی کی رائے حق گوئی کا اظہار ہے۔ ''نقوش علی نگر: میری نظر میں'' پروفیسر ایم صدر الدین کا ایک مختصر تاثراتی مضمون ہے بلکہ اغلب ہے کہ ان کے کسی خط کا حصہ ہو۔ موصوف نے غلام فرید کی کتاب ''نقوش علی نگر کا جائزہ لیا ہے، غلام فرید کی محنت اور عرق ریزی کو سراہا ہے۔

اس شمارے میں ۱۵ کتابوں پر تبصرے موجود ہیں۔ یہ تمام تبصرے مبصرین کی علمی اور تنقیدی لیاقتوں کا ثبوت ہیں۔ مبصرین نے زیر تبصرہ کتابوں کا گہرائی سے مطالعہ کیا ہے اور ان کی خوبیوں اور خامیوں پر نظر رکھی ہے۔ یہ تبصرے مبصرین کی وسعت نظری اور ذوق مطالعہ کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔

''راہ و رسم'' کے تحت اس شمارے میں بھی حسب سابق متعدد خطوط موجود ہیں۔ یہ تمام خطوط ''تمثیل نو'' کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کرتے ہیں۔ ان میں فکر و خیال کی رعنائی بھی ہے اور ترسیل و اظہار کی ندرت بھی۔ ان کے مطالعے سے تمثیل نو کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے اور ڈاکٹر امام اعظم کی حسن کارکردگی اور بہترین انتظامی صلاحیتوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

القصہ مختصر یہ کہ ''تمثیل نو'' شمارہ ۱۹ اردل آویز اور دل بہار ہے۔ اس کی مشمولات میں ساحرانہ حسن ہے۔ مدیر ڈاکٹر امام اعظم کی محنتوں کا یہ ثمرہ ہے ورنہ اردو میں کئی سالوں تک کوئی رسالہ پابندی سے نکالنا اپنی جان کو جوکھم میں ڈالنا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم بلند حوصلہ رکھتے ہیں اس لئے بڑی نفاست و ریاضت کے ساتھ یہ کام انجام دے رہے ہیں اور کامیابی و ظفریابی بڑھ کر ان کا قدم چوم رہی ہے۔

(۱۷)

(جنوری تا جون ۲۰۰۶ء)

''تمثیل نو'' جنوری تا جون ۲۰۰۶ کا مطالعہ مکمل ہونے کے بعد اس رسالے اور اس کے مدیر کے متعلق جو تاثرات قائم ہوئے ان میں سب سے اہم تاثر یہ ہے کہ ''تمثیل نو'' اور اس کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم

نے بہت تھوڑے عرصے میں ہی اُردو کے بے حد اہم رسالوں میں اس کی جگہ محفوظ کرادی ہے۔ یہ رسالہ ہندو پاک کے چند اہم رسالوں میں شمار ہو رہا ہے۔ اس دورِ ابتلا میں اتنا معیاری اور وقیع رسالہ نکالنا ڈاکٹر امام اعظم کی اعلیٰ مدیرانہ صلاحیتوں کا غماز ہے۔ خدا کرے اس کے مضامین، نثر و نظم ہمیشہ ہمیشہ معلومات کا خزانہ ثابت ہوں اور ادب میں ایک بیش بہا اضافے کی حیثیت سے متصور کیے جائیں۔

اس شمارے میں ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ڈاکٹر امام اعظم نے ترقی پسند تحریک پر اپنی نظر مرکوز رکھی ہے کیوں کہ یہ شمارہ ترقی پسند تحریک کے عروج و زوال کی کہانی اور اس کے اسباب و نتائج متعین کرتا ہے۔ اس سلسلے میں سات عدد مضامین موجود ہیں اور ان سبھی مضامین میں اہل قلم حضرات کی رائیں مختلف ہیں مگر روشن اور مدلل ہیں اور سبھی مضامین وقیع اور معلوماتی ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اداریے میں ترقی پسند تحریک، جدیدیت اور مابعد جدیدیت سے متعلق بڑے واضح طور پر مختصر مگر جامع انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

''ادبی اور ثقافتی خبریں'' کے تحت پریم چند پر منعقدہ چار روزہ سیمینار کی تفصیل کا پتہ چلتا ہے۔ اس سیمینار میں ہندی کے ادیب و نقاد حضرات نے پریم چند کی مجاہدانہ کاوشوں کا اعتراف کیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ حصہ بہار، ملک اور بیرون ملک کی ادبی سرگرمیوں کا نقیب و ترجمان اور مخبر معلوم ہوتا ہے۔ ''وفیات'' کا کالم غم و اندوہ کا اشاریہ ہے۔ کئی ایسی شخصیتیں جو اُردو ادب کے لئے مینارۂ نور تھیں، رخصت ہوگئیں۔ مرحومین کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات کے علاوہ ان کا مختصر تعارف ریسرچ اسکالروں کیلیے راہنما کا درجہ رکھتا ہے۔

''قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب'' ڈاکٹر منصور عمر کا ایک وقیع تخلیقی کارنامہ ہے۔ قطعات کی سادگی اور فنی پرکاری ان کے قلم کو اعتبار و وقار عطا کرتی ہے۔

یعقوب تصور کی حمد پاک اور سہیل غازی پوری کی نعت پاک وفور شوق کی ترجمان ہے۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا خط کئی مقامات پر تبسم ریز کرتا ہے۔ ''پروفیسر قمر رئیس سے مکالمہ'' عالمانہ نوعیت کا ہے اور معلومات افزا ہے۔ آج کے نوجوان ادیبوں کے متعلق ان کی یہ رائے بے حد اہم ہے:

''اس کا تخلیقی وجدان کسی بھی تحریک کے نعروں، فارمولوں اور تھیوریز سے بے نیاز ہوکر، اپنے وزن اور اپنی خلاقانہ ذہانت پر بھروسہ کرتا ہے۔'' (ص:۲۳)

''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ بھی ترقی پسند تحریک پر گفتگو کے حوالے سے ایک خصوصی شمارہ کا درجہ رکھتا ہے کیونکہ تقریباً آٹھ عدد صاحب نقد و نظر حضرات نے اس موضوع پر خامہ فرسائی کی ہے۔ مندرجہ ذیل سطور میں ان کی زوردار رایوں کو نقل کیا جاتا ہے: پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا خیال ہے:

''نفی تشکیک، یاسیت اور الم پرستی کی تکرار نے ذہن بدلا ہے اور ترقی پسندی کی صورتیں اکیسویں صدی میں تر و تازہ اور شگفتہ ہوئی ہیں...... اکیسویں صدی میں ترقی پسندی متنازعہ قطعی نہیں ہے بلکہ قلم کاروں کے لئے منافع بخش ہے۔'' (ص:۲۴)

پروفیسر رئیس انور رقم طراز ہیں:

''موجودہ دور میں اگر ترقی پسندی ۳۶ء والے انداز سے اپنا احیا چاہے تو یہ ناممکن ہے ...... تحریک کے بعض پہلوؤں سے شدید اختلاف کی بنا پر آج کے قلمکار اس سے وابستہ نہیں ہو سکتے اور اس میں وہ حق بجانب ہیں اس لئے تحریک میں نئی روح پھونکنا لاحاصل ہے۔ ہاں معاملہ اگر چند قلمکاروں کی ادبی بقا کا ہے تو اور بات ہے۔'' (ص:۲۷)

ڈاکٹر منصور عمر لکھتے ہیں:

''ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا جدیدیت اور مابعد جدیدیت نے ترقی پسندی کا خاتمہ کر دیا ہے۔ تحریک خود بخود ختم ہو گئی ...... ترقی پسند ادبی تحریک ختم ہو گئی لیکن ترقی پسند ادب اور ادیب باقی رہے اور رہی بات ترقی پسندی کی ضرورت اور اہمیت اور افادیت کی تو وہ کل بھی تھی، آج بھی ہے اور کل بھی رہے گی۔'' (ص:۳۰)

ڈاکٹر مجید بیدار نے لکھا ہے:

''ترقی پسندی سے لوگوں کی دوری کی ایک وجہ مذہب بیزاری بھی رہی لیکن اس سے زیادہ اہم مشرقی اقدار کی پامالی اور مغربی تہذیب وثقافت سے بیگانہ وار وابستگی نے بھی اس تحریک کے وجود کو متاثر کیا۔'' (ص:۳۲)

ابوذر ہاشمی کا خیال ہے:

''ترقی پسندی تو گل وبلبل اور خیالی شاعری کے خلاف ایک تحریک تھی۔ وہ وقت تھا کہ اس تحریک کی ضرورت تھی۔ اس سے اردو ادب کو بہت فائدہ پہنچا ...... تو ایسے میں ترقی پسند رجحان کی ایک بار پھر بازیافت ہو جائے یا زندہ ادب کو ترقی پسند ادب کہہ لیا جائے تو اس میں کیا قباحت ہے......۔'' (ص:۳۶-۳۷)

حقانی القاسمی رقم طراز ہیں:

''ہمارے عہد میں ترقی پسندوں کے تلازمے تبدیل ہو گئے ہیں اور انسان کا باطن بھی بدل گیا ہے۔ نسلی تعصب، فرقہ پرستی اور انسانی استحصال کی روک تھام جس کا بنیادی مقصد تھا......۔'' (ص:۳۸)

ڈاکٹر مسرت جہاں لکھتی ہیں:

''یہ امر ملحوظ رہے کہ ترقی پسند تحریک کا دائرہ دہائیوں یا کسی صدی تک محدود نہیں ہے بلکہ ازل سے

ابد تک لڑی جانے والی حق و باطل کی لڑائی ہے۔.... اس لئے کہ یہ محض تحریک نہیں بلکہ ایک استعارہ ہے نابرابری کے خلاف دینا میں لڑی جانے والی جنگوں کی ایک علامت ہے۔'' (ص:۴۱)

پروفیسر ایم. اے. ضیاء نے اپنی نظم ''ایک موڑ'' کے حوالے سے سجاد ظہیر اور قمر رئیس کو نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے اور اس نظم کے ساتھ ہی اس شمارے میں ترقی پسند تحریک پر جاری مباحثہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔

شاہد حسین لعل پوری کا انشائیہ ''زباں درزباں'' میں طنز و مزاح کا رنگ غالب ہے۔ نوخیز اور نوعمر لڑکیوں کے دلوں میں پیدا ہونے والے منفی خیالات واقعی باعث تفکر ہیں۔ شاہد حسین لعل پوری نے اپنی شگفتہ نثر اور دلکش اسلوب سے جادو جگائے ہیں اور قاری کو تبسم ریز کیا ہے۔ ''دربھنگہ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری'' ماضی کی یادوں کا ایک خوشگوار جھونکا ہے اور جس کی خوشبو سے دل کا آنگن مہک اٹھتا ہے۔ پروفیسر سید منظر امام کی رواں دواں نثر اور خوبصورت اسلوب نے قاری کو سحر زدہ بنا کر رکھا ہے۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی ایک لہر نئی نئے امعلومات افزا ہے۔ اس مضمون میں ساختیات کے حوالے سے نشانات کے متعلق جاوید حیدر جوئیہ کے نظریات قابل استفادہ ہیں۔ پروفیسر شاکر خلیق نے فلم انڈسٹریز میں اردو کے عمل دخل پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر ایم نہال نے شام زندگی کے حوالے سے شعبۂ حیوانیات میں علم ضعیفی سے متعلق تحقیق و ٹریننگ کی اہمیت پر دلچسپ انداز میں روشنی ڈالی ہے۔

منی افسانوں میں خالد عابدی کا ''انتخاب'' اور محمد رفیع الدین مجاہد کا ''قدریں بدل رہی ہیں'' زوردار ہے۔ آج کی بدلتی دنیا کے لئے یہ حقیقت پسند موضوعات ہیں جاوید اختر چودھری نے اپنے افسانہ ''زلزلے کے بعد'' میں انسانی مکروفریب اور عیاری و خودغرضی کو نمایاں کیا ہے۔ واداحیات کی تیلگو کہانی ''مسجد کے کبوتر'' میں انسانی عظمتوں کی پامالی نظر آتی ہے۔ یہ کہانی فسادات کے موضوع پر لکھی گئی ایک اثر انگیز کہانی ہے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ''میم صاحب'' ایک اصلاحی کہانی ہے۔ میرے خیال میں صالح معاشرہ کی ضمیر میں اس کہانی کے مطالعے سے تعاون ملے گا۔ کہانی پُراثر ہے اور فنی طور پر کامیاب بھی۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر ڈاکٹر عبیدالرحمٰن کی دونوں غزلیں اچھی ہیں غزل کی دلکشی، نرمی اور حلاوت ان کے اشعار میں موجود ہے۔ اس بار نظموں کا حصہ کچھ کمزور ہے البتہ ڈاکٹر حنیف ترین، سیما عابدی اور سید حسن اللہ ہما کی نظموں میں جان ہے۔ غزلوں کا حصہ غنیمت ہے۔ اس بار پروفیسر حامدی کاشمیری، نجم عثمانی، سیف رحمانی، پروفیسر سید ضیاء الرحمٰن، ظفر اقبال ظفر، کمال جعفری، ناشاد اورنگ آبادی اور احمد امام کی غزلوں نے نہ صرف یہ کہ متاثر کیا ہے بلکہ عرفان و آگہی کے جذبے سے معمور نظر آتی ہیں۔

سہ روزہ اردو اجلاس کے نام سے ڈاکٹر امام اعظم کے اشعار عقیدت ومحبت کے ترجمان ہیں "ایک خط بلا تبصرہ" پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ اس موضوع پر مزید خامہ فرسائی سے "تمثیل نو" کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ ڈاکٹر کلیم قیصر نے نثر میں سید صلاح الدین کا قصیدہ لکھا ہے۔ حقانی القاسمی نے "تمثیل نو" کے شمارہ ۱۹ رکا جائزہ لیا ہے اور تاریخ ادبیات عالم پر لکھنے والے اہل قلم حضرات کی رایوں کو پسند کیا ہے۔

اس شمارے میں ۱۴ ر کتابوں پر اہل قلم حضرات کے تبصرے علم وآگہی کے چراغ سے منور نظر آتے ہیں۔ خاص طور پر پروفیسر قمر رئیس کے شعری مجموعہ "شام نوروز" پر ڈاکٹر منصور عمر کا تبصرہ، حامدی کاشمیری کے شعری مجموعہ "خواب رواں" پر ڈاکٹر امام اعظم کی رائے اور فراغ روہوی کے نعتیہ مجموعہ "مرا آئینہ مدینہ" پر ڈاکٹر امام اعظم کے تاثرات فکر وخیال کی نئی معنویت اور نئی جہتوں سے آشنا معلوم ہوتے ہیں۔

اس شمارے میں رسم وراہ کے تحت کم وبیش ۱۴۲ ر اہل قلم حضرات کے خطوط کے مطالعے سے "تمثیل نو" کی شہرت ومقبولیت میں اضافے کا اندازہ ہوتا ہے ڈاکٹر امام اعظم کی اردو کے ساتھ عقیدت ومحبت کا پتہ بھی چلتا ہے۔ دراصل "تمثیل نو" کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم کا ذوق وشوق اور ان کی حسن کارکردگی نے ہی "تمثیل نو" کو ہندوپاک کے موقر رسائل وجرائد کی صف میں لا کھڑا کیا ہے۔

(۱۸)

(جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء اور جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء)

"تمثیل نو" کا ہر شمارہ ترقی کی منزلوں سے ہمکنار ہوتا جارہا ہے۔ اس کا ہر شمارہ نئی نئی معلومات اور نئے نئے موضوعات سے بھرا پڑا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اپنی محنت، لگن اور ذوق وشوق سے ہر شمارے کو مخصوص شکل وصورت عطا کردی ہے۔ میرے پیش نظر اس وقت 'تمثیل نو' کے دو شمارے ہیں۔ پہلا شمارہ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء کی حیثیت تاریخی اور دستاویزی ہے جس میں سرزمین متھلا کی زبان، وہاں کی تہذیب و ثقافت اور تمدن کو بڑے عالمانہ اور فنکارانہ انداز سے پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس شمارے کا اداریہ ڈاکٹر امام اعظم کی بھرپور محنت اور ان کے اعلیٰ ذوق ادب کی ترجمانی کرتا ہے۔

"حمد باری تعالیٰ" اور "نعت پاک" میں طہارت دل اور وفور جذبات کا دریا موجزن ہے۔ پروفیسر نظیر صدیقی کے خط میں انفرادیت ہے۔ سید منظر امام اور ڈاکٹر حفیظ اللہ نیول پوری نے دربھنگہ کی یادوں کی جھڑی لگادی ہے۔ ان کی دل پذیر تحریروں نے قاری کو ایک نیا لطف دیا ہے۔ "کچھ ایسا بھی ہوا" میں تشنہ اعجاز نے ماضی کے آئینہ خانے سجائے ہیں اور یادوں کے حوالے سے دلچسپ اور معلومات افزا باتیں

قارئین تک پہنچائی ہیں۔ ''اور مدح باقی ہے'' میں ڈاکٹر حفیظ اللہ نیول پوری نے پروفیسر خورشید جہاں کی یاد تازہ کرتے ہوئے نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔

اس شمارے میں متھلا اور نواحِ متھلا کا ذکر کافی تواتر کے ساتھ موجود ہے اور تقریباً انیس (۱۹) مضامین دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم نے سرزمین متھلا کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے اچھے خاصے مضامین اکٹھا کر دئے۔ یہ وہ مضامین ہیں جو متھل دستاویز کی حیثیت رکھتے ہیں اور متھلا اور جوارِ متھلا پر تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے قطب نما کا کام دیں گے۔ خطبۂ صدارت میں مولانا مقبول احمد خاں نے دربھنگہ کی خاک سے اٹھنے والی عظیم شخصیتوں کا ذکر کرتے ہوئے مسلم قوم کے باہمی اختلافات کا ذکر کیا ہے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید نے ''تمثیل نو'' کے کئی شماروں کا جائزہ لیا ہے اور اس رسالے کی ستائش کی ہے۔ ڈاکٹر مشتاق صدف نے پروفیسر گوپی چند نارنگ کی کتاب ''اردو زبان اور لسانیات'' کا باریکی کے ساتھ جائزہ لیا ہے اور اس کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے۔ ان کا مطالعہ لائق اعتبار ہے۔ سلطانہ مہر کا مضمون معلوماتی ہے اور سائنس کے طالب علموں کے لئے سودمند بھی۔ اس شمارے کے افسانوں میں اقبال انصاری اور سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانیوں نے زیادہ متاثر کیا ہے۔ اقبال انصاری افسانوں میں تجسس اور تحیر پیدا کرنے کا ہنر جانتے ہیں اور مظفر شعیب ہاشمی قاری کو اپنی خوبصورت اور دلچسپ باتوں سے متاثر کرتے ہیں۔ اس شمارے کے مخصوص شاعر ڈاکٹر مسلم شہزاد ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم نے نئے لکھنے والوں یا گمنامی کے غار میں پڑے رہنے والوں پر ٹارچ کا تیز فوکس ڈال کر انہیں زندہ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اس شمارے کی نظمیں ٹھیک ہیں۔ ڈاکٹر رضوانہ پروین ارم اچھا لکھ رہی ہیں۔ ان کے افکار وخیالات میں پاکیزگی ہے۔ ڈاکٹر حنیف ترین اپنی مختصر نظموں کے حوالے سے بڑے کام کی باتیں کہہ جاتے ہیں۔ ان کی مختصر نظموں کے مخصوص شعری اسلوب نے ادبی دنیا میں ان کی شناخت قائم رکھی ہے۔ غزلوں کا حصہ زیادہ معیاری ہے۔ پروفیسر حامدی کاشمیری، محمد مثنیٰ رضوی، علقمہ شبلی، شمس جلیلی، حسیر نوری، ڈاکٹر شمس کمال انجم، افشاں ہاشمی، ظہیر غازیپوری، ڈاکٹر انوری بیگم، سلطان اختر، ایم۔ ایف۔ حسین خوش دل، پروفیسر ایم۔ اے۔ ضیا اور رئیس الدین رئیس کی غزلیں زیادہ معیاری ہیں۔ ان کے مطالعے سے سادگی، اختصار اور نئے پن کا احساس ہوتا ہے۔ اس شمارے کے تبصرے دلچسپ اور معلومات افزا ہیں اور خطوط بھی لائق مطالعہ ہیں اور 'تمثیل نو' کی حسن کاری کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ شمارہ ڈاکٹر امام اعظم کی بالغ نظری، پختہ تجربہ اور سلیقہ مند طبیعت کا ثبوت ہے۔

''تمثیل نو'' کا دوسرا شمارہ جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء میری نظروں کے سامنے ہے۔ اس شمارے کی روز افزوں ترقی اور اس میں شامل نئے نئے موضوعات کو دیکھتے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم نے سنجیدگی کے ساتھ جہد مسلسل کی ہے۔ اس شمارے کے دیدہ زیب سرورق پر نظر پڑتے ہی محسوس ہوتا ہے کہ توپ کے دہانوں پر کھڑے جاں نثاران وطن اپنی جانب ہماری توجہ مبذول کرتے ہیں۔ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے لئے یہ شمارہ مخصوص ہے اور اس سلسلے میں 'پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان کا کردار' کے حوالے سے اس شمارے میں جو مضامین موجود ہیں وہ اہمیت و افادیت کے اعتبار سے اردو ادب کا گوہر آبدار ہیں۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ڈاکٹر امام اعظم نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہندوستانیوں کی بہ ظاہر شکست ہوئی مگر اس شکست کا جشن ہم اس لئے مناتے ہیں کہ اردو اور مشترکہ تہذیب کا اس جنگ میں اہم رول رہا ہے اور اس موقع پر وطن پر مر مٹنے والوں کو ہم خراج عقیدت پیش کرتے ہیں۔

ادبی اور ثقافتی پروگرام کے حوالے سے کئی معلوماتی نوٹس بھی موجود ہیں۔ جس میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی کارگزاریوں کی تفصیل بھی ہے۔ فراق گورکھپوری پر سہ روزہ انٹرنیشنل سمینار، افروز عالم کے شعری مجموعہ کی رسم اجراء، پروفیسر گوپی چند نارنگ کی کتاب ''اردو زبان اور لسانیات، ولی دکنی: تصوف، انسانیت اور محبت کا شاعر، اردو کی نئی بستیاں اور انیس و دبیر: دو سو سالہ سمینار کی رونمائی اور ان سب کتابوں کے حوالے سے نارنگ صاحب کی خدمات کا اعتراف وغیرہ کا تذکرہ اس حصے کو روشن کرتا نظر آتا ہے اور اعزازات و انعامات کا کالم ہماری معلومات کو پر پرواز عطا کرتا ہے۔ وفیات کا حصہ اور قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب و سیاست منصور عمر کی عمدہ شعری کاوش ہے جسے ہر زمانے میں یاد رکھا جائے گا اور ریسرچ اسکالر استفادہ کرتے رہیں گے۔ ڈاکٹر منصور عمر کا محض یہ کارنامہ تاریخ ادب میں ان کا نام زندہ رکھنے کیلئے کافی ہے۔

حمد باری تعالیٰ اور نعت پاک کے اشعار صاف اور ستھرے ذوق کے ترجمان ہیں۔ درمیان مطالعہ یہ قاری کے لئے صفائی قلب کا سامان مہیا کرتے ہیں۔ پروفیسر نظیر صدیقی کا خط مرحوم کے تعلقات و مراتب کا آئینہ ہے۔ پیش نظر شمارہ 'تمثیل نو' کے صفحات ۲۵ تا ۷۶ دو روزہ قومی سمینار بعنوان ''پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اردو زبان کا کردار'' کیلئے مختص کئے گئے ہیں۔ اس موقع پر ڈاکٹر امام اعظم نے خطبۂ استقبالیہ کے ذریعہ عزت مآب جناب لالو پرساد وزیر ریل، جناب محمد علی اشرف فاطمی وزیر مملکت برائے فروغ انسانی وسائل، ممتاز شاعر و دانشور احمد فراز، ندا فاضلی، وسیم بریلوی، ساغر خیامی، مناظر عاشق ہرگانوی،

ایم۔اے۔ضیاء، حقانی القاسمی، مجید بیدار، ایس۔ایم۔اشرف فرید، عبدالباری صدیقی، اخلاق احمد، پروفیسر شاکر خلیق، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر منصور عمر اور دیگر افراد کا شکریہ ادا کیا اور ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی اہمیت وافادیت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی:

''آج ہندوستان کی تاریخ میں یہ خوشگوار موڑ بھی آچکا ہے کہ اس پہلی جدوجہد آزادی کی ایک سو پچاسویں سالگرہ مناتے ہوئے ہم ان سرفروشوں کے کارناموں کو زندہ کرنے کا عہد کر رہے ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کی قربانیاں پیش کر کے غلامی کی زنجیریں کاٹ ڈالنے کی بناء ڈالی ...... ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی اردو دانشوروں کی پرجوش وولولہ انگیز تقریروں اور تحریروں سے شروع ہوئی اور 'انقلاب زندہ باد' کے نعروں پر ختم ہوئی۔''

اس موقع پر ایک عالمی مشاعرہ بھی منعقد ہوا جس کے واضح نقوش آج بھی دربھنگہ کی یادوں کے حوالے ہیں۔ خطبہ استقبالیہ کے آخر میں ڈاکٹر امام اعظم کی منظوم تحریر نے پوری محفل پر غازے اور گلپاشی کا کام کیا اور پہلی جنگ آزادی کا پورا منظر نامہ نگاہوں کے سامنے آگیا اور حب وطن کے جذبوں سے مملو یہ نظم اظہار تشکر پر ختم ہوتی ہے۔ خطبۂ صدارت عزت مآب وزیر مملکت برائے فروغ انسانی وسائل حکومت ہند جناب محمد علی اشرف فاطمی نے پیش کیا۔ انہوں نے انقلاب ۱۸۵۷ء کے اسباب ونتائج پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالی ہے۔ پروفیسر مجید بیدار نے اس سمینار کے پہلے سیشن بعنوان ''لسانی وادبی نقوش'' کا تفصیل کے ساتھ جائزہ لیا اور مقالہ پڑھنے والے اسکالروں کے مقالوں کا محاسبہ کیا ہے۔ جو مقالہ نگار اس سیشن میں شریک ہوئے ان میں پروفیسر عبدالواسع، ابوذر ہاشمی، ڈاکٹر آفتاب اشرف، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر سید حسین احمد، ڈاکٹر شمیم باروی، محمد معراج الدین (معراج اوگانوی)، پروفیسر فاروق احمد صدیقی، ڈاکٹر ایم۔ صلاح الدین، ڈاکٹر برکت علی اور حسن امام درد وغیرہ نے پہلی جنگ آزادی کے حوالے سے انگریز سامراجیت کے خلاف اردو کے ادباء وشعراء نے جو جنگ تحریری طور پر لڑی ہے اس کو اپنے مقالے میں پیش کیا ہے۔

اس سمینار کے دوسرے سیشن کا موضوع ''اردو میں مجاہدین قلمکار اور عوام کے وطنی جذبات وخیالات'' کا بھرپور جائزہ پروفیسر رئیس انور نے پیش کیا ہے۔ اس سیشن میں ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر عبدالمنان طرزی (منظوم تحریر)، سید محمود احمد کریمی، پروفیسر شاکر خلیق، ڈاکٹر امام اعظم، عابد انور، اے۔ یو۔ آصف اور شکیل احمد سلفی وغیرہ نے مقالے پڑھے اور پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان کا کردار کے حوالے سے اردو ادیبوں اور شاعروں کی تحریروں سے وطنی جذبات وخیالات کو ادیبوں نے اجاگر کیا ہے۔ پروفیسر رئیس انور نے اپنے تجزیہ وتحلیل کے مرحلے میں بعض مقالہ نگاروں کو اس موضوع پر مزید مطالعہ اور

تلاش وجستجو کا بھی مشورہ دیا ہے اور آخر میں ۱۸۵۷ء کے تناظر میں غدر، بغاوت اور سزا یافتگان جیسے الفاظ کا استعمال کرنے پر اردو ادیبوں کو متنبہ کیا ہے کیوں کہ ایسے الفاظ کے استعمال سے ملک پر قربان ہونے والے شہیدوں کی قربانی پر حرف آتا ہے۔ موصوف کا مشورہ محبت، نیک نیتی اور حقیقت پسندی پر مبنی ہے۔

اس سمینار کے تیسرے سیشن بعنوان ''اس عہد کی اردو زبان اور ادب پر برطانوی نوآبادیاتی نظام کے منفی اثرات'' میں پڑھے گئے مقالوں کا جائزہ ابوذر ہاشمی نے لیا۔ اس سیشن کے مقالہ نگاروں میں صفی اختر، ایس ایم رضوان اللہ، نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر انیس صدری، احمد جاوید، پروفیسر خالد سعید، پروفیسر رئیس انور اور پروفیسر مجید بیدار وغیرہ ہیں۔ ڈاکٹر منصور عمر نے ''۱۸۵۷ء کی کہانی تصویروں کی زبانی'' کے حوالے سے اس کتاب میں شامل پہلی جنگ آزادی کے موقع پر لی گئی تصاویر پر مختصر نوٹس لکھے ہیں اور اشاریہ دیا ہے۔ ان کا بغور جائزہ لینے سے شہادت کا منظر تصویروں کے حوالے سے نمایاں ہوتا ہے۔ ص:۴۹ تا ص:۵۳ پر اہم شخصیتوں کی تحریریں موجود ہیں۔ اس سمینار اور مشاعرے کی کامیابی پر مشاہیر ادب نے ڈاکٹر امام اعظم کو مبارکباد دی ہے اور ان کی حسن کارکردگی اور سلیقہ مندی کی تعریف کی ہے۔ رپورتاژ میں ڈاکٹر امام اعظم نے شرکاء کی رایوں اور مقالہ نگاروں کے مقالوں کا جائزہ لیا ہے۔ اس جائزے کی قطعی ضرورت نہ تھی کیوں کہ اس سمینار کے مختلف سیشنوں میں پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر رئیس انور اور ابوذر ہاشمی وغیرہ نے پڑھے گئے مقالوں کا بھرپور جائزہ اسی شمارے کے گذشتہ صفحات پر پیش کر دیا ہے۔ البتہ دربھنگہ میں سمینار کے بعد منعقد ہونے والے عالمی مشاعرہ کی مفصل روداد پیش کرنے کی ضرورت تھی مگر ڈاکٹر امام اعظم نے اختصار کا جامہ پہنا کر باذوق قارئین کو مایوس کیا ہے۔ اس شمارہ کے ص:۵۹ تا ص:۶۷ تک مختلف تصویریں پہلی جنگ آزادی کے جاں نثاروں کی یاد تازہ کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ سمینار اور مشاعرے کے شرکاء کی تصاویر بھی قابل دید ہیں۔ بعض ایسی تصاویر بھی اس حصے میں شامل ہیں جو دوسرے مواقع پر لی گئی ہیں۔

پروفیسر سید منظر امام کی خودنوشت ''دربھنگہ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری'' میں دربھنگہ کی ادبی، تہذیبی اور ثقافتی زندگی نظر آتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ہم دربھنگہ سے جمشید پور تک کی مختلف شخصیتوں سے مل آئے ہیں۔ نثر کا اتنا خوبصورت اسلوب شیوۂ ساحری رکھتا ہے۔ شمس جلیلی نے پورنیہ کی مختصر ادبی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ'' میں مدلل اور مفصل گفتگو کرنے کی کوشش کی مگر تحقیق کے لئے ضروری ہے کہ دریا کی غواصی کر کے موتی نکالا جائے۔ ایک دو مقام پر انہوں نے اپنی عدم واقفیت کا اعتراف بھی کیا ہے۔ میرا خیال ہے اور مشورہ ہے کہ پورنیہ کے سپوت اور ڈگروابات کے مقیم جناب قمر شاداں کی تحقیقی کتاب

''تاریخ پورنیہ'' کا موصوف اگر مطالعہ کریں تو ممکن ہے کہ سترہویں صدی عیسوی سے پہلے کے فوجداروں کا انہیں علم ہو جائے۔ ڈاکٹر ایم. صلاح الدین نے ''شکری'' کی تاریخی حیثیت، وہاں کے جغرافیائی حالات اور وہاں کی ادبی، تہذیبی اور ثقافتی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ''متھلا کے دو عظیم محقق'' میں فیاض احمد وجیہ نے الیاس رحمانی اور شاداں فاروقی کی تحقیقی کاوشوں کا اعتراف کیا ہے۔ محمد زکریا نے ابوریحان البیرونی کی سائنسی اسلامی طبیعت کا آشکارا کیا ہے اور فلسفیانہ ذہن کی ستائش کی ہے۔ ''اردو تعلیم اور تعلّم'' تشنہ اعجاز کا ایک جھنجھوڑنے والا مضمون ہے۔ یہ مضمون خط کا حصہ ہے مگر دردمندی کے اعتبار سے صاحب دل حضرات کیلئے تازیانہ سے کم نہیں ہے۔ تشنہ اعجاز نے اردوداں حلقے کے سامنے اس سچ کو رکھا ہے جس سے اردو کا ہر چھوٹا بڑا قاری اور ادیب وشاعر نظریں چراتا ہے۔ آج ہم اردو کے روشن مستقبل کی باتیں کرتے اور یقین رکھتے ہیں کہ اردو روز ابد تک زندہ رہے گی مگر عملی طور پر ہمارے اقدام اردو کو اپنے گھروں سے رخصت کرنے کے ہیں۔ اسکول اور کالجوں میں اردو پڑھنے والوں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے۔ پروفیسر گوپی چند نارنگ اور پروفیسر وہاب اشرفی نے تو اپنے بعد اردو کے بڑے اسکالروں کی قطاریں لگادی ہیں اور یہ اردو پڑھنے اور پڑھانے والے لوگ ان کے بھرم کو قائم رکھے ہوئے ہیں مگر سچ تو یہ ہے کہ ہم لوگ اپنی ننگی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اردو کے گھٹتے قاری اور اردو سے دور ہوتے ہوئے طلباء کی تعداد میں ہر پل اضافہ ہو رہا ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو ہماری نسل کے بعد نہ تو کوئی ساختیات پس ساختیات، جدیدیت مابعد جدیدیت پر گفتگو کرنے والا رہے گا اور نہ ہی کوئی گوپی چند نارنگ کی کتاب ''اردو زبان اور لسانیات'' اور وہاب اشرفی کی کتاب ''مابعد جدیدیت: ممکنات ومضمرات'' کو پڑھنے والا ملے گا۔ اس لئے اب بلا تاخیر اردوداں طبقہ کو عقل کے ناخن لینے کی ضرورت ہے اور اردو کی بقا کے لئے عملی اقدام کرنا ہوگا۔ تشنہ اعجاز کا مضمون ہر اخبار اور رسالے میں چھپنا چاہئے تاکہ اردو کے سلسلے میں ہر اردوداں اپنی دورخی پالیسی کا چہرہ دیکھ سکے۔

سلطانہ مہر نے محسنہ جیلانی کے افسانے کا عمدہ جائزہ لیا ہے۔ اس کے مطالعے اور تجزیے کی ضرورت ہے۔ ''پروفیسر ایس کی عجیب داستان وایا سونامی'' مشرف عالم ذوقی کا ناول ہے۔ نسیم فاطمہ نے اس کا جائزہ لیا ہے۔ ان کا جائزہ استدلالی ہے اور زاویہ نظر متوازی ہے۔ ''اقبال تنقید: مسائل اور مضمرات'' کا الطاف انجم نے اقبال کے تخلیقی تجربوں پر کارآمد روشنی ڈالی ہے۔ وہ اقبال کی شاعرانہ حیثیت کی نئی بازیافت پر زور دیتے ہیں۔ انہوں نے اقبال کی شاعری کا تجزیہ نئے وژن سے کیا ہے۔ اختر جاوید کی منظوم تحریر دل نشیں اور دل پذیر ہے۔ اس نظم کو بلاوجہ بیچ میں ڈال کر نظری افکار کو بریک لگانے کی کوشش کی گئی۔ ترتیب کے اعتبار

سے اس نظم کو 'اس شمارہ کے مخصوص شاعر'' کے قبل یا بعد جگہ ملنی چاہئے تھی۔ ان چھوٹے چھوٹے نکتوں پر مدیر کو غور کرنا چاہئے۔ شاہد حسین لعل پوری کی تخلیق کا ابتدائیہ انشائیے کا مزہ دیتا ہے مگر پوری تخلیق افسانوی فضا رکھتی ہے۔ خشک سالی کی تصویر اور اس کے المناک اور دل دوز نتائج سے شاہد حسین لعل پوری نے قارئین کو مبہوت کر دیا ہے۔ نثر کا یہ ساحرانہ اسلوب شاہد حسین کو مبارک ہو۔ اقبال انصاری کی کہانی ''کھرا'' حق گوئی کی عمدہ مثال ہے۔ کوؤں کی بستی کا اسلوب علامتی ہے۔ طاہر نقوی نے زبان کی آزادی کی طرفداری کی ہے۔ یٰسین احمد کی کہانی ''تصویر کے پردے میں'' پر تجسس ہے اور اس کا اختتام سبق آموز ہے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ''دھندہ'' انسان کی حیوانی صورت کا مظہر ہے۔ ہاشمی کی کہانی نے دل کو چھو لیا ہے۔ ان کا مزاج اردو افسانے سے ہم آہنگ ہے۔ وہ پولیس آفیسر رہ چکے ہیں۔ ان کی نظر میں مسائل و موضوعات کی بھی کمی نہیں اس لئے توقع ہے کہ اردو کو زیادہ معیاری کہانیاں دے کر افسانوی ادب میں اپنا نام ڈنکے کی چوٹ پر زندہ رکھ سکتے ہیں۔ میمونہ خاتون نے انسان کا مکروہ چہرہ دکھایا ہے۔ کہانی کی بنت میں انہیں مزید مشاقی کی ضرورت ہے۔ عظیم ہاشمی اس شمارہ کے مخصوص شاعر ہیں ان کے یہاں فکر و خیال کی سادگی اور شگفتگی موجود ہے۔ ان کی غزلوں کے سادہ اسلوب نے ان کے اشعار میں ملاحت پیدا کی ہے۔

اس بار نظموں کا حصہ کمزور ہے۔ ڈاکٹر مسلم شہزاد نے اچھی رباعیاں لکھی ہیں۔ ان کو مزید مشق سخن کی ضرورت ہے۔ اس فن میں کوئی خضر مل جائے تو علم موسیٰ تک ان کی رسائی ممکن ہے۔ غزلوں کا حصہ تشفی بخش ہے۔ منظر شہاب، عبرت بہرائچی، حباب ہاشمی، فریدہ لاکھانی، فرحت حسین خوش دل، ڈاکٹر سخاوت شمیم، نگار عظیم اور امام اعظم کی غزلوں میں فکری ندرت اور عصری حسیت موجود ہے۔ ''نظر اپنی اپنی'' کے تحت جو نئی کتابوں پر تبصرے شائع ہوئے ہیں وہ نہایت وقیع ہیں۔ ان کے مطالعے سے کتاب اور صاحب کتاب کا بھرپور تعارف ہو جاتا ہے۔ 'تمثیل نو' کا یہ کمال ہے کہ بہت ساری کتابوں پر بیک وقت تبصرہ قاری کے ادبی ذوق کی سیرابی کرتا ہے اور فکر و نظر کو مہمیز کرتا ہے۔

''راہ و رسم'' کے تحت مشاہیر کے خطوط ہیں۔ ان خطوط کے مطالعے سے 'تمثیل نو' کی مقبولیت، محبوبیت اور انفرادیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ یہ جریدہ ڈاکٹر امام اعظم کی منصفانہ، غیر جانبدارانہ اور عالمانہ کاوشوں کا مظہر ہے۔ مدیر کی شرافت، نفاست، فراست اور متانت نے اس جریدے کو بام عروج تک پہنچا دیا ہے۔ القصہ مختصر یہ کہ ''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ تحریر، تقریر اور تصویر کے ذریعہ پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے تاریخی محرکات کی بازیافت ہے۔ آخر میں ایک مشورہ وہ یہ کہ پروف ریڈنگ پر خاص دھیان دینے کی

ضرورت ہے۔ کبھی کبھی الفاظ نہایت مضحکہ خیز صورت میں سامنے آتے ہیں۔اس قدر معیاری، تاریخی اور دستاویزی رسالے کی پیش کش کے اس پرمسرت موقع پر میں ڈاکٹر امام اعظم کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۱-۲ رفروری ۲۰۰۸ء)

(۱۹)

(جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء)

''تمثیل نو'' اردو ادب کا ایک معتبر اور گراں قدر رسالہ ہے جس نے نہایت قلیل مدت میں ادبی منظرنامے پر اپنی وقعت متعین کر لی تھی۔ یہ رسالہ ۲۰۰۱ء سے مسلسل اپنا ادبی سفر طے کر رہا ہے۔ گویا کسی ادبی رسالے کے لئے چودہ سال سے زائد کا عرصہ طے کر لینا بذات خود اس کی کامیابی کی ضمانت ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کی کامیابی کا سہرا ڈاکٹر امام اعظم کے سر ہے جن کے مذاق ادب نے تمثیل نو کو ادبی سطح پر متعارف کرانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس مسئلے سے ہم سب واقف ہیں کہ ایک مدیر کے لئے رسالے کی تہذیب وترتیب نہایت دشوار گزار مرحلہ ہے اور اس ذمہ داری کو بحسن وخوبی ادا کرنا ایک سخت ترین عمل ہے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ڈاکٹر امام اعظم کا ادبی مزاج اس منصب کے عین موافق ہے اور ''تمثیل نو'' کی ادارت ان کی ادبی سرگرمیوں کی مظہر بن گئی ہے جسے انھوں نے نہایت سلیقہ مندی کے ساتھ استعمال کیا ہے۔ ادب کا وہ کون سا حسن ہے جو ''تمثیل نو'' کے نگار خانے میں موجود نہیں ہے۔ ''تمثیل نو'' نے ادب کے ہر مذاق سخن کی ترتیب وتہذیب کی ہے۔ ایک ادبی رسالے کی امتیازی ذمہ داری ہے کہ وہ معاصر ادب کا بہترین نمونہ پیش کرے اور معاصر ادب کے بہترین انتخاب میں ایک خدشہ یہ لاحق ہوتا ہے کہ عموماً شناسا چہروں کو ہی بار بار متعارف کرایا جاتا ہے لیکن ''تمثیل نو'' کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے ادبی سفر میں غیر شناسا چہروں کو بھی متعارف کرایا ہے اور ہمارے ادبی منظرنامے پر جو شناسا چہرے ہیں ان کی مناسب قدر ومنزلت متعین کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔

''تمثیل نو'' کا زیر نظر شمارہ کئی گوشوں پر مشتمل ہے۔ پہلا گوشہ خصوصی مطالعہ شہر کولکاتا ہے، دوسرا گوشہ ڈاکٹر سید تقی عابدی اور تیسرا گوشہ پروفیسر منصور عمر مرحوم کے نام سے موسوم ہے۔ گوشۂ اول میں شہر کولکاتا کے حوالے سے شمس جلیلی کی نظم ''روداد کولکاتا'' عہد حاضر کے معروف شاعر منور رانا کا انٹرویو، انجم عظیم آبادی کا انشائیہ، کامنا پرشاد سود کا خطبہ، ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون ''کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ'' اور ان کی طویل نظم ''یہی کولکاتا ہے'' اس گوشے میں شامل ہیں۔

شمس جلیلی کی نظم ''رودادِ کولکاتا'' ایک منظوم خراج عقیدت ہے اور اس موضوع پر ایک خوبصورت نظم ہے۔ ڈاکٹر عرش منیر نے کولکاتا کے مشہور شاعر منور رانا کا جو انٹرویو لیا ہے وہ ذاتی نوعیت کا ہے۔ کولکاتا کی مناسبت اور عہد حاضر کے حوالے سے منور رانا ایک اہم اور بڑا نام ہے۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ منور رانا کی ادبی وقعت کے اعتبار سے شہر کولکاتا کے ادبی اقدار کے متعلق سوال کئے جاتے لیکن ڈاکٹر عرش منیر نے سوالات ذاتی معاملات تک محدود رکھے ہیں۔ کامنا پرشاد سود کا خطبہ جو کہ مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی اعزازیہ تقریب پر دیا گیا تھا بنگال اور اردو زبان کے حوالے سے اہم ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون 'کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ' ایک نہایت اہم مضمون ہے جس میں کولکاتا کی ادبی تاریخ اجمالی طور پر بیان کی گئی ہے اور اس گوشے کے آخر میں امام اعظم کی طویل نظم 'یہی کولکاتا ہے' امام اعظم کی شاعرانہ قادرالکلامی کی واضح دلیل ہے۔ شہر کولکاتا کی جس قدر تاریخی اہمیت ہے اسی طرح اس کی ادبی اہمیت بھی مسلم ہے۔ خاص کر 'فورٹ ولیم کالج' کے حوالے سے کولکاتا کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ کولکاتا ہی وہ ادبی شہر ہے جہاں سے جدید نثر کا باضابطہ آغاز ہوا اور اس کا عکس پورے ادبی منظرنامے پر پڑا۔ لہٰذا آج جب کہ لوگ اس موضوع پر کم التفات کرتے ہیں تو ایسے میں کولکاتا کے حوالے سے ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی سرگرمی قابل قدر ہے اور ڈاکٹر امام اعظم اس حوالے سے بھی قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے اس شمارے میں 'گوشۂ شہر کولکاتا' کا انتخاب کیا۔

اس شمارے کا دوسرا گوشہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کے نام ہے۔ سید تقی عابدی اردو ادب کا ایک معروف نام ہے جن کی محققانہ نظر اور شعری قوت اظہار کا اعتراف کیا جا چکا ہے۔ سید تقی عابدی کا پیشہ گرچہ طبابت ہے اور انہوں نے شعبہ طبابت میں اعلیٰ اسناد حاصل کی ہیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ اردو شعر و ادب سے ان کا شغف غیر معمولی ہے۔ سید تقی عابدی نے اردو تحقیق و تنقید میں منفرد مقام حاصل کیا ہے۔ ہمارے اردو ادب میں غالب و اقبال پر جس قدر کام ہوا ہے شاید کسی اور پر اس قدر مبسوط کام نہیں ہوا۔ سید تقی عابدی کی انفرادیت یہ ہے کہ انہوں نے ان موضوعات میں بھی اپنی انفرادیت قائم کی ہے۔ چونکہ ان کا پیشہ طبابت ہے اس لئے انہوں نے ادب اور سائنس کے درمیان ایک رشتہ قائم کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ انیس اور فیض پر ان کی گرانقدر تحقیق ہے۔ ظاہر ہے کہ اردو ادب میں سید تقی عابدی کی تحقیق کا دائرہ نہایت وسیع ہے لہٰذا عین مناسب تھا کہ ایسے قادرالکلام محقق و شاعر کی خدمات کا اعتراف کیا جائے۔ لہٰذا ''تمثیلِ نو'' نے اس جانب خوش آئند پیش قدمی کی ہے اور باضابطہ سید تقی عابدی

کی جانب منسوب کرتے ہوئے اس شمارے میں ایک گوشہ قائم کیا ہے جس میں بالتفصیل سید تقی عابدی کی سوانحی اور ادبی کوائف کا التزام کیا ہے۔ اس گوشہ میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون 'علامہ اقبال کے سلسلے میں سید تقی عابدی کی معالجانہ تحقیق' اس طور سے اہم ہے کہ اس مضمون میں مناظر عاشق ہرگانوی نے علامہ اقبال کے حوالے سے سید تقی عابدی کی معالجانہ تحقیق کو نہایت مبصرانہ سلیقہ مندی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس گوشے میں تقریباً آٹھ مضامین ہیں۔ جو سید تقی عابدی کی محققانہ صلاحیتوں کی عبقریت واضح کردیتے ہیں۔ اس گوشے میں بھی میر کارواں ڈاکٹر امام اعظم کے دو مضامین ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم صاحب کا نہایت اہم وصف یہی ہے کہ وہ اپنے شماروں میں بذات خود عملی طور پر شرکت کرتے ہیں اور شمارے کو قابل قدر بنانے کے لئے نہ صرف اپنی بصیرت افروز آراء پیش کرتے ہیں بلکہ موضوعات پر تفصیلی گفتگو کے ذریعہ موضوع کے تقریباً تمام نقوش اجاگر کردیتے ہیں۔

اس شمارے کا تیسرا گوشہ سی ایم کالج دربھنگہ کے نامور شاعر اور ناقد ڈاکٹر منصور عمر کے نام ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر کی ادبی شخصیت کئی معنوں میں اہمیت کی حامل ہے۔ شاعرانہ قادرالکلامی، عروض میں مہارت، افسانوی اور غیر افسانوی تخلیق میں طبع آزمائی، ناقدانہ اور محققانہ بصیرت غرض یہ کہ ڈاکٹر منصور عمر کی ادبی وفنی شخصیت ادب کے کسی ایک گوشہ تک محدود نہیں ہے بلکہ ان کے تخلیقی وتنقیدی اظہار کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس شمارے میں ڈاکٹر منصور عمر کے فن اور شخصیت کے موضوع پر چھ مضامین ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے منصور عمر کی شعری جمالیات اور ان کے فنی نکات ومحاسن پر بہت خوبصورت اور سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ پروفیسر عبدالمنان نے منصور عمر کی غزلوں کا مجموعہ 'گرم سورج کا لہو' کا تجزیہ پیش کیا ہے اور انہوں نے منصور عمر کی فکری جہتیں دریافت کی ہیں۔ اسی طرح منصور عمر کی تنقید نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر مجیر احمد آزاد اور ڈاکٹر امام اعظم کے مضامین نہایت اہم ہیں جن سے ادب کے میزان پر منصور عمر کی ناقدانہ قدر متعین کی گئی ہے۔ اس گوشے میں منصور عمر کی ایک خوبصورت نظم 'فلسطین' بھی شامل ہے اور پھر آخر میں عبدالمنان طرزی، شاکر خلیق، منور عالم راہی، عبدالحق امام ظہیر صدیقی، خالدہ پروین رعنا وغیرہ نے ڈاکٹر منصور عمر کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔

ان گوشوں کے علاوہ بھی اس شمارے میں مختلف عناوین پر مضامین ہیں جن کی فہرست خاصی طویل ہے اور مختلف النوع بھی جن کی تعداد تقریباً پچیس ہے۔ ظاہر ہے کہ ان تمام مضامین پر علاحدہ علاحدہ گفتگو ابھی مناسب نہیں ہے ہاں اتنی بات ضرور عرض کرنا چاہوں گا کہ ان مضامین کا تنوع ہی دراصل اس شمارے

کی خوبصورتی ہے۔ مضامین کے علاوہ اس شمارے میں انٹرویو، افسانے، نظمیں، منظوم خراج عقیدت، غزلیں، تبصرے اور خطوط کا دائرہ بھی موجود ہے۔ اس شمارے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں قارئین کے لئے جلوۂ صد رنگ نظر آتا ہے اور یہ رنگ خاصا دبیز ہے۔ نظمیں ہوں یا پھر غزلیں ان کی تعداد شعری ذوق کی تشفی کے لئے فرحت بخش ہیں اور خطوط بھی اچھی خاصی مقدار میں ہیں۔ خطوط کی تعداد دیکھ کر مسرت ہوتی ہے کہ ادب سے سروکار رکھنے والوں کی تعداد کم نہیں ہے۔ جس رسالے کے اس قدر مراسلہ نگار ہوں وہ بذات خود کامیاب ہے۔ اردو ادب میں جس قدر رسالے شائع ہو رہے ہیں ان کی مناسبت سے اگرچہ یہ اندیشہ ہے کہ قارئین کی تعداد کم ہے اور ہر جگہ اس مسئلے کی نشاندہی بھی ہوتی رہی ہے لیکن اس میں بھی کوئی دورائے نہیں ہے کہ ان تمام باتوں کے باوجود ادب نواز حضرات کی آج بھی کمی نہیں ہے۔ خاص طور سے ''تمثیل نو'' کے شمارے اس بات کے بین ثبوت ہیں۔

ڈاکٹر امام اعظم نے اس شمارے کے اداریے میں یہ بات رقم کی ہے کہ اگلے شمارے کا موضوع 'اکیسویں صدی میں اردو صحافت' ہوگا۔ بلاشبہ یہ موضوع ''تمثیل نو'' کے معیار کے موافق ہے اور ''تمثیل نو'' کا اس جانب پیش قدمی کرنا حق بجانب ہے۔ میں توقع کرتا ہوں کہ ''تمثیل نو'' کا اگلا شمارہ اپنی تمام تر سرگرمیوں کے ساتھ جلوہ گر ہو اور ڈاکٹر امام اعظم میر کارواں بن کر 'تمثیل نو' کی ادارت کا فریضہ انجام دیتے رہیں۔

(روزنامہ ''آبشار'' کولکاتا ۲۵ راگست، ۲۰۱۵ء)

(۲۰)

(جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء)

''تمثیل نو'' کی اس جلد میں اردو ادب کے مختلف موضوعات پر مضامین ہیں۔ یہ جلد ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کا اداریہ ۶۴ صفحات پر محیط ہے۔ اس قدر طویل اداریے عموماً نہیں لکھے جاتے۔ اداریہ کی طوالت اس بات کی آئینہ دار ہے کہ ''تمثیل نو'' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم رسالہ کے تعلق سے حد درجہ حساس اور ذمہ دار ہیں۔ اداریہ دراصل دو حصوں پر مشتمل ہے۔ ''ادبی وثقافتی خبریں'' اور ''وفیات''۔ یہ دونوں حصہ اس اعتبار سے اہم ہے کہ اس کے ذریعہ ہماری علمی معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ جب کوئی ادبی وثقافتی پروگرام منعقد ہوتا ہے یا جب کوئی علمی وادبی شخصیت اس دار فانی سے اپنا رخت سفر باندھتی ہے تو خبرناموں کے ذریعہ اس کی اطلاع ضرور موصول ہوتی ہے لیکن وقت کی دھول ذہن سے ان خبروں کا نقش محو کر دیتی ہے۔ کسی رسالہ میں ان خبروں کی شمولیت برائے یاددہانی نہیں بلکہ برائے تحفیظ ہے۔

رسالہ کی خبر اور کسی روزنامہ کی خبر میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ رسالہ کی خبر روزنامہ کی خبر سے بہت علاحدہ ہوتی ہے۔ یہاں یہ سوال قائم کیا جاسکتا ہے کہ اداریہ میں ان خبروں کی موجودگی برمحل ہے یا پھر بے محل۔ اس نوع کی خبریں عموماً رسالہ کے آخر حصہ میں شامل کی جاتی ہیں۔ ممکن ہے مدیر محترم کا یہ عمل کسی کو بے محل معلوم ہو۔ میرا خیال یہ ہے کہ مدیر کا یہ عمل ترجیح کا مسئلہ ہے تاکہ جو ادبی محفلیں منعقد ہوئی ہیں یا جو ادبی شخصیتیں حال ہی میں رحلت پذیر ہو چکی ہیں انہیں رسالوں کے ذریعہ محفوظ کیا جاسکے۔ ان خبروں کا اسلوب ادب سے متعلق ہے۔ ان کی قرأت میں روزنامہ کی تکرار محسوس نہیں ہوتی۔ یہی دراصل اس اداریہ کا حُسن ہے۔

اس اداریہ کے علاوہ امام اعظم کے کئی مضامین اس شمارے میں شامل ہیں۔ نواز دیوبندی سے ایک ملاقات، صوفیاء اور تصور حیات انسانی، آخری سواریاں: اردو ناول نگاری کا ٹرننگ پوائنٹ، پروفیسر احمد سجاد کی تنقید میں متاعِ دین ودانش، وہ جو بچھڑ گئے: مظہر امام وغیرہ۔ نواز دیوبندی اردو کے مشہور شاعر ہیں۔ عوامی مشاعرے ان کی شہرت کا مدار ہیں۔ ادب میں ان کا کیا مقام ہے اور نقادوں کی نگاہ میں ان کی کیا قدر ومنزلت ہے جیسے سوالات جرأت مندی کی دلیل ہیں۔ امام اعظم نے اس نوع کے کئی سوالات اس انٹرویو میں قائم کیے ہیں۔ اپنے مضمون ''صوفیاء اور تصور حیات انسانی'' میں امام اعظم نے صوفیائے کرام کے منصب ومرتبہ اور انسان اور خدا سے ان کے رشتے پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ صوفیائے کرام کا ایک ہی کام ہے اور وہ خدمت خلق ہے۔ وہ اس تعلق سے لکھتے ہیں:

> ''بندگانِ خدا، صوفی کا ظاہری حسن دیکھتے ہیں اور صوفی انسانوں کے اندر اللہ کی صفات کو ڈھونڈتا ہے اور جس میں جو صفت نظر آتی ہے اس کو اجاگر کرتا ہے ایک کاریگر کی طرح ..... دیکھنے والی اندرونی آنکھیں، سننے والی حساس سماعت اور محسوس کرنے والی برقی مقناطیسیت ہی دراصل صوفیت ہے۔''

امام اعظم نے اپنے مضمون میں دلائل کے ساتھ نہ صرف صوفیائے کرام اور تصور حیات انسانی کے موضوع پر گفتگو کی بلکہ اپنی ذاتی رائے بھی قائم کی ہے۔ بندگان خدا اور صوفیائے کرام کے رشتوں پر امام اعظم نے تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

''آخری سواریاں'' سید محمد اشرف کا مشہور ومعروف ناول ہے۔ امام اعظم کے علاوہ اس ناول پر پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون بھی نہایت اہم ہے۔ امام اعظم نے اپنے مضمون ''آخری سواریاں: اردو ناول نگاری کا ٹرننگ پوائنٹ'' میں ناول کا موضوعاتی، نفسیاتی اور واقعاتی جائزہ لیا ہے۔ ناول کے پلاٹ، کردار، مکالمہ اور ناول کے ماحول وفضاء پر ناقدانہ نظر ڈالی ہے۔ امام اعظم کا یہ مضمون آخری سواریاں کی قدر

وقیمت متعین کرتا ہے۔ان کا خیال ہے کہ اس ناول میں اسلوب، تکنیک، فطری قصہ گوئی، فکری نتائج کے استنباط کی نئی روش ہی اردو ناول نگاری کا ٹرننگ پوائنٹ ہیں۔ اپنے مضمون ''احمد سجاد کی تنقید میں متاع دین و دانش'' میں امام اعظم نے پروفیسر احمد سجاد کی تنقیدی بصیرت اور ان کے انتقادی رجحانات کو موضوع گفتگو بنایا ہے۔ احمد سجاد نے ادب کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھا ہے۔ اس مضمون میں امام اعظم نے ان کے تنقیدی ذہن، علمی بصیرت اور نظریاتی معاملات پر تشفی بخش نظر ڈالی ہے۔ اس شمارہ میں امام اعظم کا آخری مضمون ''وہ جو بچھڑ گئے: مظہر امام'' کے عنوان سے ہے۔ اس مضمون کو مظہر امام کی زندگی کا مختصر خاکہ کہا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ مضمون کی قرأت کے بعد اندازہ ہوتا ہے کہ مظہر امام سے مضمون نگار کا جذباتی اور قلبی تعلق تھا۔ امام اعظم کا خیال ہے کہ مظہر امام کی تخلیقی آنچ کو ان کے ناقدین اور قارئین نے بخوبی محسوس کیا ہے۔ امام اعظم دراصل ادب کے تعلق سے بہت حساس ہیں۔ ادب کے تمام شعبوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان کا مطالعہ وسیع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مختلف موضوعات پر خامہ فرسائی کرتے ہیں اور کامیاب گزرتے ہیں۔

اس شمارہ میں ''اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر'' کے حوالہ سے خصوصی گوشہ قائم کیا گیا ہے۔ اس میں پہلا مضمون پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا ہے جس کا عنوان ''اردو غزل میں وحدت الوجودی عقیدت'' ہے۔ اردو غزل میں وحدت الوجودی عناصر حضرت امیر خسرو سے لے کر جدید شعرا تک نظر آتے ہیں۔ ان عناصر میں برملا اعتراف بھی ہے اور تشکیک کا رویہ بھی۔ حیرت واستعجاب بھی ہے اور شکایت کا انداز بھی۔ وحدت الوجود کے موضوع کو ہر شاعر نے اپنی مخصوص نظر سے دیکھا ہے۔ اس میں صرف روایت پرستی نہیں بلکہ اس کے ذاتی مزاج کا بڑا دخل ہے۔ میرؔ نے کہا تھا:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا

غالبؔ نے اس موضوع پر اپنی ذہنی مناسبت کے اعتبار سے خاص نظر ڈالی اور اس موضوع کو مختلف انداز سے دیکھا۔ غالبؔ نے کہا ہے:

اس کے فروغ حسن سے جھمکے ہے سب میں نور شمع حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں

غالبؔ کے ان دونوں اشعار میں رویہ کا بہت فرق ہے۔ پہلے شعر میں ذات خداوندی کی جلوہ گری کا اعتراف ہے اور دوسرے شعر میں حیرانی اور تشکیک کا اظہار۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے اپنے

مضمون میں حضرت امیر خسرو سے لے کر قدرت اللہ قدرت تک کی غزل میں وحدت الوجودی عناصر تلاش کیے ہیں۔ مضمون بہت اختصار کے ساتھ لکھا گیا ہے لیکن انہوں نے بخوبی موضوع کا حق ادا کیا ہے۔ تمام معتبر رسالوں میں ان کے مضامیں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ اس مضمون کے علاوہ اس شمارہ میں ان کے دو اور مضامین شامل ہیں۔ ''سید محمد اشرف کے ناول: آخری سواریاں'' اور ''تنقید کے نئے میلان کے نقیب: نظام صدیقی''۔ یہ دونوں مضامین علمی و ادبی نقطۂ نظر سے قابل قدر ہیں۔

''غالب کی شاعری میں وحدت الوجود'' مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کا مضمون ہے۔ اس مضمون میں انہوں نے غالب کے یہاں وحدت الوجود کے مسائل تلاش کیے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ غالب کی شاعری میں وحدت الوجود کا نظریہ بیدل کی قرأت اور مولانا فضل حق خیر آبادی کی صحبت کے اثر سے ہے۔ بلاشبہ غالب نے بیدل کو بہت پڑھا اور انہیں مولانا فضل حق خیر آبادی کی صحبت میسر آئی لیکن ایسا نہیں ہے کہ غالب کی شاعری میں وحدت الوجود ان حضرات کے اثر سے ہے بلکہ اس فکر کو اخذ کرنے میں غالب کے مطالعہ، ذاتی شعور اور ادبی روایات کا بڑا رول ہے۔ وحدت الوجود کا نظریہ تو اردو شاعری میں غالب سے قبل بھی نظر آتا ہے لیکن وہاں غالب کی طرح استفہامیہ لہجہ اور تشکیک کی روش نہیں ملتی۔ غالب ہستی کی بے ثباتی اور وجود کے ناپائداری میں بھی زندگی کی صورت نکال لیتے ہیں۔ غالب نے کہا ہے:

نغمہ ہائے غم کو بھی اے دل غنیمت جانیے　　　بے صدا ہو جائے گا یہ ساز ہستی ایک دن

نغمہ ہائے غم کو غنیمت جاننے کا احساس ہی دراصل زندگی کی طرف مراجعت ہے۔ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کے اس مضمون کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے غالب کے اس نظریہ کو دلائل کے ساتھ پیش کیا ہے۔ غالب کی شاعری میں ہستی کی بے ثباتی اور ناپائداری پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس ضمن میں جتنے اشعار پیش کیے ہیں انکی قابل قدر تشریح و توضیح کی ہے۔ ان کا ذوق رچا ہوا ہے۔ وہ فلسفہ اور ادب کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں۔

پروفیسر رئیس انور کا مضمون ''تصوف کے دو اہم تصورات اور اردو شاعری'' کے عنوان سے ہے۔ انہوں نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے نظریاتی مسائل پر گفتگو کرتے ہوئے اردو شعراء کے کلام میں یہ موضوعات تلاش کیے ہیں۔ ان کا مضمون مختصر اور جامع ہے۔ موصوف نے دکن سے لے کر نئی شاعری تک وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی فکر کا جائزہ لیا ہے۔ اس موضوع کے حوالہ سے انہوں نے بہت اچھی مثالیں پیش کی ہیں۔

''اردو شاعری میں مذہب و تصوف کی اہمیت'' سلیمہ بی کولور کا مضمون ہے۔ اس مضمون میں انہوں

نے مذہب اور ادب کے تعلق سے بنیادی سوالات قائم کئے ہیں۔ ان کی شکایت ہے کہ دنیا کے تمام بڑے ادب میں مذہب اور عقیدے اور اخلاقیات کا بڑا حصہ ہے۔ عالمی ادب نے مذہبیات کو اپنے دائرے سے خارج نہیں کیا۔ نہ مذہب کی موجودگی بڑے ادب کے لئے سدراہ بنی۔ اس تعلق سے سلیمہ بی کولور نے جو دلائل پیش کئے ہیں وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں۔ ان کا بنیادی سوال یہ ہے کہ اردو زبان میں جب مذہبیات پیش کی جاتی ہیں تو انہیں کیوں نہیں قبول کیا جاتا ہے۔ اس تعلق سے وہ تحریر کرتی ہیں:

"اردو شاعری میں خدا اور اس کے رسولوں اور ائمہ کرام کی عظمت کا تذکرہ ہوتا ہے تو اس کی ادبی اہمیت سے انکار کیوں ہے؟ جہاں پر ادبا، اور شعراء نے مذہب کی بنیادی اور آفاقی اقدار یعنی رواداری، محبت، خلوص، صداقت اور انسانی بہبودی و بھلائی کا پورا پورا احترام ملحوظ رکھا ہے۔"

اول تو میں یہ واضح کردوں کہ اس مختصر تبصرے میں اس سوال کا تشفی بخش جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اس کے لئے ایک تفصیلی مضمون درکار ہے۔ اس تعلق سے یہاں میں صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اردو شاعری اول تو ذات باری کی جلوہ گری کے مضامین سے بھری پڑی ہے۔ خصوصاً کلاسیکی شاعری میں اس نوع کے مضامین کی بہتات ہے۔ اس کے علاوہ اخلاقیات، خلوص اور صداقت وغیرہ کی بھی کمی نہیں ہے۔ اردو شعراء نے مذہبی اقدار کو برتنے میں خاطر خواہ توجہ صرف کی ہیں۔ سوؔدا نے کہا تھا:

کس پہ واجب ہوئے از روئے پیمبر اشعار آدمیت ہے بڑی شئے نہ کہا شعر تو کیا

سوؔدا کا یہی خیال دراصل مذہب اسلام کی بنیادی تعلیم ہے۔ پھر تصوف کے باب میں بہت سارے ایسے موضوعات مل جاتے ہیں جن کا بنیادی تعلق براہ راست اسلامی تعلیمات سے قائم ہوتا ہے۔ تمام کلاسیکی شعراء نے اخلاقیات اور مذہب کو موضوع بنایا ہے۔ اب رہی بات کہ اردو شاعری میں عشق مجازی کے مضامین فحش ہیں تو اس کا کیا کیا جائے۔ یہاں میرؔ کے اس شعر پہ اکتفا کیا جائے:

ہے ذکر سے بتوں کے مرا مدعا کچھ اور صورت پرست ہوتے نہیں معنی آشنا

سوال یہ ہے کہ اقباؔل کے سوا کوئی دوسرا اقباؔل کیوں پیدا نہ ہوسکا۔ مذہب اسلام کے واقعات ائمہ، صحابہ اور رسولوں کے موضوعات پر شاعری کرنے سے کس نے کس کو روکا ہے۔ مطالبہ صرف یہ ہے کہ وہی تحریر ادب کے زمرہ میں داخل ہوگی جس نے تہذیب اور زبان کی روایت کو اپنے اندر جذب کرے تاکہ اسے اردو دنیا کے بڑے ادب کے مقابلہ میں رکھا جا سکے۔ سرکار مدینہ ﷺ نے بھی حضرت حسان بن ثابتؓ کی شاعری کو صداقت و خلوص کے علاوہ زبان کی خوبی کی وجہ سے شرف قبولیت عطا کی۔ اور پھر عربوں کے

یہاں تو زبان اور بیان کی بڑی اہمیت تھی اور آج بھی ہے۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے زہیر بن ابی سلمٰی کو بڑا شاعر اس وجہ سے بھی کہا کہ ان کے یہاں الفاظ نامانوس نہیں ہوتے تھے۔ بیان میں سلاست اور روانی بہت تھی۔ وہ تحریریں جو مذہب اسلام کی تعلیمات کا حصہ ہیں، ہمارے پورے احترام کی مستحق ہیں۔ ان کا تعلق ہمارے عقائد اور دین سے ہے لیکن انہیں ادب نہیں کہا جا سکتا۔ ان کی صنف ہی مختلف ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہم ادب کو اچھا یا خراب کہتے ہیں لیکن اسلامی تعلیمات سے تعلق رکھنے والی تحریروں کے تعلق سے ہم لب کشائی نہیں کر سکتے۔

خصوصی گوشہ میں ان مضامین کے سوا سید محمود احمد کریمی اور حیدر وارثی کے مضامین ہیں۔ یہ دونوں مضامین بھی قابل قدر ہیں۔ خصوصی گوشہ کے علاوہ اس شمارہ میں ۳۵ رمضامین ہیں۔ ان مضامین میں موضوع کا تنوع ہی رسالہ کا حسن ہے۔ رسالہ کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں ریسرچ اسکالرس کے مضامین بھی شامل کئے گئے ہیں۔ صرف یہی شمارہ نہیں بلکہ ''تمثیل نو'' میں مستقل نئے چراغوں کو روشن کیا جاتا ہے اور مدیر محترم کا یہ قدم قابل مبارک باد ہے۔ ان مضامین کے سوا اس شمارہ میں ۳ رافسانے ''سوار'' (فاروق راہب)، ایک اور مسجد (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)، دل کی آنکھ (ترنم جمال) اور ایک فارسی کہانی ''اس درسے یا اس درسے'' (مترجم: ڈاکٹر نکہت فاطمہ) شامل ہیں۔ دو انٹرویوز بھی اس شمارہ کی زینت ہیں۔ پروفیسر شائق احمد یحییٰ کا ''کولکاتا اسفار کی مختصر روداد'' کے عنوان سے ایک سفرنامہ ہے۔ شاہد حسین لعل پوری کا ''جام سبو'' کے عنوان سے ایک انشائیہ ہے اور محسن دہلوی کا ''تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا'' کے عنوان سے ایک فیچر بھی شامل ہے۔ ان تخلیقات کے علاوہ شاعری کے حوالے سے نظمیں، غزلیں اور قطعات بھی اس شمارے کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ ان کے علاوہ تبصرے، خطوط، تجزیے بھی موجود ہیں۔ الغرض امام اعظم نے اس شمارہ کو بہت حسن و خوبی کے ساتھ سنوارا اور سجایا ہے۔ ادب کے موجودہ مسائل پر ان کی گہری نظر ہے۔ ان ہی مسائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہوں نے اس شمارہ کو بہت جاں فشانی کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ اس کے لئے وہ قابل مبارک باد ہیں اور اردو دنیا ان کی ان محنتوں کی وجہ سے گراں بار ہے۔

(مطبوعہ روزنامہ ''تاثیر'' پٹنہ ۱۸ر جولائی، ۲۰۱۷ء)

□□□

قاضی محلہ، پوسٹ و ضلع: اورنگ آباد، پن-۸۲۴۱۰۱ (بہار)

صدر، شعبۂ اردو، بچید انند سنہا کالج، اورنگ آباد-۸۲۴۱۰۱ (بہار) موبائل: 09431632576

• پروفیسر سلیمان اطہر جاوید (حیدرآباد)

''تمثیل نو'' میری نظر میں

(اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء/ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء/ جنوری تا جون ۲۰۰۶ء)

ریاست بہار میں سرکاری طور پر اردو کا موقف بھی بہتر ہے اور تہذیبی و ادبی سطحوں پر بھی اردو کا کینوس خاصا کشادہ۔ ادبی صحافتی صورت حال بھی روشن ہے۔ ریاستی صدر مقام پٹنہ سے اردو کے کئی روزنامے شائع ہوتے ہیں جو طباعت اور اشاعت کی جدید سہولتوں سے استفادہ کررہے ہیں۔ ایسے روزناموں میں ''قومی تنظیم''، ''پندار'' اور ''سنگم'' ممتاز ہیں۔ پروفیسر وہاب اشرفی ''مباحثہ'' جیسا معیاری جریدہ شائع کررہے ہیں تو علیم اللہ حالی ''انتخاب'' جیسا وقیع جریدہ۔ ڈاکٹر امام اعظم کا ''تمثیل نو'' بھی اپنی انفرادیت رکھتا ہے۔ ڈاکٹر اعظم اس کو دربھنگہ سے شائع کرتے ہیں۔ چند ایک جرائد سے قطع نظر اردو کے بہت کم جرائد پابندی سے شائع ہوتے ہیں۔ مالی وسائل کی بنیادی اہمیت اپنی جگہ لیکن مضامین وغیرہ کہاں سے حاصل کئے جائیں شعری حصہ کی بات اور ہے۔ بعض ادبی جرائد کے مدیران کے بموجب ان کے ہاں شعری تخلیقات اور خاص طور پر غزلیں اتنی زیادہ تعداد میں موجود ہیں اور آئے دن آتی رہتی ہیں کہ وہ اپنے جرائد کی اشاعتوں تک ضخیم غزل نمبر کی صورت میں شائع کرسکتے ہیں۔ جب کہ علمی ادبی اور تنقیدی مضامین، اچھے ڈرامے بلکہ اچھے افسانے اتنے بھی فراہم نہیں ہوتے جتنی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ایک طرف مالیہ اور دوسری طرف مواد کی کم یابی کے باعث جرائد کی بروقت اشاعت کی صورت کم ہی ہوتی ہے تاہم اور بعض جرائد کے مدیران کی طرح ڈاکٹر امام اعظم لائق ستائش ہیں کہ وہ ''تمثیل نو'' کے شماروں کے لئے مواد فراہم کرلیتے ہیں۔ اس وقت میرے سامنے ''تمثیل نو'' کے جو تین شمارے ہیں وہ ایسے ضخیم نہ سہی لیکن اپنی مشمولات کے اعتبار سے قابل قدر ہیں۔ ان کا مطالعہ ادبی عصری منظرنامہ سے روشناس کرادیتا ہے۔ جلد-۵ شمارہ ۱۷، ۱۸ میں جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے بارے میں شمس الرحمٰن فاروقی اور گوپی چند نارنگ کے خیالات اہمیت رکھتے ہیں۔ ہرچند کہ جدیدیت اور مابعد جدیدیت پر خاصے مباحث ہوچکے ہیں اور ان دو ممتاز ہستیوں کے علاوہ ہم دیگر اصحاب کے خیالات سے بھی واقفیت رکھتے ہیں پھر بھی یہ پڑھتے ہوئے کئی باتیں دوبارہ سامنے آجاتی ہیں۔ نظریاتی مباحث کے تحت مناظر عاشق ہرگانوی، منصور عمر، ابوذر ہاشمی اور حقانی القاسمی کی تحریریں بھی ادبی منظرنامہ کو اپنے طور پر روشن کرتی ہیں۔ اسی طرح

جلد ۶، شمارہ: ۱، ۲ میں ترقی پسند تحریک اور ترقی پسندی کے بارے میں کہیئے کہ ایک گوشہ مختص کر دیا گیا ہے۔ یہاں بھی ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے۔ ترقی پسندی کل اور آج کیا ترقی پسند زوال پذیر ہو گئی، ترقی پسندی کے ماورائی پہلو اور ایسے ہی عنوانات پر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر رئیس انور، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر مجید بیدار اور ابوذر ہاشمی نے قلم اٹھایا ہے۔ اس خصوص میں امام اعظم کا پروفیسر قمر رئیس سے مکالمہ اہم ہے۔ پروفیسر قمر رئیس نے اس خیال کا اظہار کیا کہ ترقی پسندی بیسویں صدی کے ادب اور ادبی رجحانات پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئی اور پھر انہوں نے اس سوال کے جواب میں کہ کیا روس کے زوال کے ساتھ ترقی پسندی ختم ہو گئی کہا کہ روسی انقلاب ترقی پسند تحریک کا واحد سرچشمہ نہیں تھا۔ نیز یہ بھی کہ ''ادب میں کوئی دوسری ذہنی اور فکری تحریک نمودار ہو جو ترقی پسند تحریک کے مسلمہ نظریات، رویوں اور آدرشوں کی جگہ لینے کی سکت رکھتی ہو تو ترقی پسند تحریک خود ہی منظر سے ہٹ جائے گی۔'' پروفیسر قمر رئیس مابعد جدیدیت نہیں مابعد ترقی پسندی کی اصطلاح کے حق میں ہیں۔ ان کے الفاظ میں ''مابعد جدیدیت فکر میں نظریہ کی معنویت، عوامی تحریکوں، لوک ادب، عورت کے انسانی حقوق (Faminism) اور ادب کے سماجی سروکاروں پر جو زور ہے یہ سب تو ترقی پسند تحریک کی دین ہیں اور اس لحاظ سے اسے مابعد جدیدیت کے بجائے ترقی پسندی کی توسیع یا مابعد ترقی پسندی کہنا چاہئے۔'' اگر چہ یہ مکالمہ مختصر ہے ترقی پسندی اور مابعد جدیدیت کے ضمن میں قمر رئیس کے خیالات پر بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اسی شمارہ میں اداریہ (مجھے کچھ کہنا ہے) میں ترقی پسندی جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا نہایت معقول پیرایہ میں جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ترقی پسند ادب میں سیاسی دباؤ یا سیاسی حصولیابی کے سبب نظریہ اتنا حاوی ہو گیا کہ ادب کا جمالیاتی پہلو اور اس کی نزاکت مفقود ہونے لگی اور پروپگنڈہ اور نعرہ بازی جیسی چیزیں بھی تیزی سے داخل ہونے لگیں۔ جس کے طور پر نیا رجحان جدیدیت آیا۔ جدیدیت کی بھی اپنی کمزوریاں تھیں کہ اس رجحان کو بھی زوال ہو گیا اور جو شکل ابھری اس کو مابعد جدیدیت کہہ دیا گیا۔ امام اعظم نے کمال خوبی سے یہ بھی کہہ دیا کہ ''اب آگے کا مرحلہ جاری وساری ہے۔ یہ الگ سی بات ہے کہ اس نئے رجحان کا جو مابعد جدیدیت سے الگ ہو کر طرح طرح کے جلوے دکھا رہا ہے پہچاننے کی ضرورت ہے اور اس کو نیا نام ملنے کا انتظار ہے۔'' آپ اس سے اتفاق کریں یا نہیں یہ معنویت سے بھرپور اداریہ ہے امام اعظم نے خوش اسلوبی سے قلم اٹھایا ہے۔

جہاں تک آزاد غزل کا تعلق ہے غزل تو غزل رہے گی۔ آزاد غزل، نثری غزل، یہ غزل اور وہ غزل

کی باتیں ہوتی ہیں اور ہوتی رہیں گی۔ یہ تجربات ہیں اور تجربات تو ہوتے رہنے چاہئیں۔ ان کی حیثیت فیشن جیسی ہے اور فیشن تو ادلتے بدلتے رہتے ہیں۔ ایسا ہونا ضروری بھی ہے۔ پھر بھی غزل غزل رہے گی۔ بہر کیف آزاد غزل پر مباحثہ ہوشمندانہ ہیں ایسے مباحث مزید ہوتے رہیں لیکن کھلے دل و دماغ کے ساتھ، وسیع النظری اور معروضیت کے ساتھ۔ ذاتیات کو نشانہ بنائے بغیر۔ جہاں تک مظہر امام صاحب کی بات ہے آزاد غزل سے ان کا جو بھی رشتہ ہو۔ آزاد غزل کے حوالے کے بغیر بھی وہ ہمارے محترم اور ممتاز شاعروں میں شمار ہوتے ہیں اور آزاد غزل کے بغیر بھی ان کا قد اپنے کئی ہم عصروں سے اونچا ہے۔ انہیں آزاد غزل کی میز پر کھڑے رہ کر اپنا قد اونچا کرنے کا مشورہ مت دیجئے۔ پروفیسر وہاب اشرفی ہمارے عصری ادب کا ایک اہم نام ہے۔ کاشف الحقائق، نیم البلاغت اور قطب مشتری کے علاوہ ادھر معنی کی تلاش اور مابعد جدیدیت مضمرات و ممکنات اور خاص طور پر سات جلدوں پر مشتمل، تاریخ ادبیات عالم ان کی گراں قدر کتابیں ہیں جن سے اردو کے ادبی خزانے میں اضافہ ہوا ہے۔ جلد ۵، شمارہ ۱۹ وہاب اشرفی بلکہ یوں کہئے کہ ان کی معرکہ آراء کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' کے لئے وقف ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی نے ''تاریخ ادبیات عالم پر ایک نوٹ'' میں ''تاریخ ادبیات عالم'' کے بارے جو کچھ ترقیم کیا ہے اس سے ان کی محنت اور لگن کا اندازہ ہوتا ہے۔ انہوں نے لکھا ہے ''کسی بھی ادبی تصنیف کی پذیرائی اور اہمیت مصنف کی زندگی کو بامعنی بناتی ہے اور لگتا ہے جیسے اس نے یونہی مہ و سال نہیں گزارے بلکہ وہ کسی مسعود مقصد کے لئے جیتا رہا۔ مقصد کی تکمیل بذات خود ایک بڑا انعام ہے لیکن تصنیف یا تالیف کی پذیرائی کے لئے بھی وقت چاہئے۔ عصری قدر و منزلت کی ادبی تصنیف کے علاوہ دوسری وجہیں بھی ہوسکتی ہیں لیکن ایک عرصہ گزرنے کے بعد مصنف اور تصنیف زندہ ہیں تو ان کی حیثیت کلاسیکی ہوجاتی ہے اور متعلقہ تصنیف ادب کے سرمایہ میں اضافہ کا سبب بنتی ہے۔'' اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ کتاب غیر معمولی کلاسیکی حیثیت کی حامل ہے اور ادب کے سرمایہ میں اضافہ۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو وہاب اشرفی کے نام کو سدا زندہ رکھے گا۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر مجید بیدار، ڈاکٹر منصور عمر، ابوذر ہاشمی، جمال اویسی، ہمایوں اشرف اور حقانی القاسمی نے ''تاریخ ادبیات عالم'' کا اپنے اپنے طور پر جائزہ لیتے ہوئے اس کی قدر و قیمت کو اجاگر کیا ہے۔ حقانی القاسمی نے بالکل درست لکھا ہے کہ ''تاریخ ادبیات عالم'' فرہاد کی طرح خارا شگنی کا ایک مسلسل عمل ہے۔ ادبیات عالم کی کتنی تاریخیں کھنگالی ہوں گی کتنے مصادر، موارد، منابع سے رجوع کیا ہوگا تب جاکر یہ کتاب تیار ہوئی ہوگی۔'' مناظر عاشق ہرگانوی کے بموجب ''دریا کو کوزے میں سمو کر

انہوں نے اردو کے ادبی سرمایہ میں بصیرت افروز اضافہ کیا ہے۔'' اور مجید بیدار کے الفاظ میں ''وہاب اشرفی کی کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' کی سات جلدوں کی اشاعت پر ان کے کارناموں کی ستائش درحقیقت تخلیق کار سے زیادہ کرب اور دکھ جھیل کر اردو داں طبقہ کو عالمی زبانوں کی ادبیات سے روشناس کروانے کے مترادف ہے۔'' امام اعظم نے ''تاریخ ادبیات عالم'' پر اس قدر مواد فراہم کر کے آئندہ اس کا مطالعہ کرنے والوں کی راہ ہموار کر دی ہے۔ لیکن سچ تو یہ ہے کہ وہاب اشرفی کے بارے میں مبسوط اور تفصیلی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ دربھنگہ اردو کے ایک اہم مراکز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ماضی میں بھی اس سرزمین سے کئی نامور شخصیات کا تعلق رہا اور آج بھی اردو کے کئی ممتاز قلم کار اسی سے علاقہ رکھتے ہیں۔ سید منظر امام نے خودنوشت میں جہاں اور بہت کچھ لکھا ہے، بہت کچھ لکھیں گے۔ دربھنگہ کی ادبی اور تہذیبی زندگی کے کئی منظر پیش کر دیئے ہیں۔ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ یقیناً اس خودنوشت کا دائرہ وسیع ہوگا اور یہ دربھنگہ کی صرف تاریخ نہیں ہوگی بلکہ دربھنگہ کو اردو دنیا سے خصوصی طور پر روشناس کرانے اور اس کے مقام کو متعین کرانے کا باعث بھی ہوگا۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا ''ایک لہر نئی نئی'' کا سلسلہ اچھا، علمی، معلوماتی اور ان کے ادب اور ادبی نظریات اور تحریکات کے وسیع اور گہرے مطالعہ کا غماز۔ افسانے بھی ہیں لیکن افسانے کے حصہ کو اور وقیع اور متاثر کن ہونا ہے۔ شمارے کے مخصوص شاعر کے تحت راز سیوانی، شاہد جمیل اور عبیدالرحمٰن کے مختصر حالات تھوڑا سا کلام بھی شامل ہے۔ کلام کم از کم چار صفحات پر مشتمل ہوتو شاعر کا کچھ اتا پتہ چلے گا۔ شعری حصے میں کئی اچھے نام مل جائیں گے۔ بعض نظمیں اور غزلیں تو بہت عمدہ ہیں۔ چند شاعروں کے نام ہیں ستیہ پال آنند، علقمہ شبلی، رشیدہ عیاں، منظر شہاب، حامدی کاشمیری، کرشن کمار طور، علیم صبا نویدی، حنیف ترین، نادم بلخی، مثنیٰ رضوی، سوہن راہی، سلطانہ مہر اور کئی نام جن کی شعری تخلیقات عمدہ ہیں۔ یقین ہے ڈاکٹر امام اعظم اسی توجہ اور لگن کے ساتھ ''تمثیل نو'' کی اشاعت عمل میں لاتے رہیں گے اور یہ ادبی جریدہ اور وقیع اور معیاری ہوگا۔

□□□

(مطبوعہ ''تمثیل نو'' دربھنگہ جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء، ص: ۱۲۹-۱۳۱)

• پروفیسر ثوبان فاروقی

''تمثیلِ نو'': ایک تاثر

(اپریل۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء)

اردو جریدہ ''تمثیلِ نو'' (دربھنگہ) کا شمارہ اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء میرے پیشِ نظر ہے اور حیران ہوں کہ اس شمارے کی کس جہت سے اپنی بات کا آغاز کروں کیوں کہ ہر جہت جاذبِ توجہ اور دامن کشِ دل ہے۔ اب یہی دیکھیے کہ شعروادب کے حوالے سے اس شمارے میں متعدد اہم گوشے ہیں جب کہ حقیقت حال یہ ہے کہ ایک ہی گوشہ کی تیاری میں مدیران حضرات کی سانس پھولنے لگتی ہے لیکن ڈاکٹر امام اعظم فطری طور پر نہایت خوش سلیقہ، نفاست پسند اور ہنر مند واقع ہوئے ہیں لہٰذا تین تین خصوصی گوشوں کو ترتیب دے کر بھی اپنے اعصاب کو نہ مضمحل ہونے دیا اور نہ سانسوں کے توازن کو بگڑنے دیا۔ حسنِ ترتیب کی کرشمہ سازی یوں ہے کہ پہلا گوشہ اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر ہے، دوسرا گوشہ وسیم بریلوی کے شعری سروکار کا خصوصی جائزہ پیش کرتا ہے اور تیسرا گوشہ یاسین احمد کی افسانوی جہات کو منور کرتا ہے لیکن مضامین کے تحت جتنی تحریریں اس میں شامل کی گئی ہیں ان میں بعض تحریریں بہ لحاظِ موضوع اتنی متحد و مربوط ہیں کہ مزید خانہ بندیوں کا از خود وجود فراہم ہو جاتا ہے مثلاً دو خود نوشتوں 'آواز میری گیسوئے شب کھول رہی ہے' اور 'سرسری اس جہاں سے گذرے: ایک مطالعہ' کو ایک گوشے کے تحت لایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح منٹو، قرۃ العین حیدر، بیدی اور کرشن چندر کے فکر وفن پر جو پُر مغز گفتگو ہوئی ہے اسے سمیٹ کر ماضیِ قریب کے جید فکشن نگاروں پر ایک علاحدہ گوشہ تیار ہو سکتا ہے۔ القصہ مختصر ''تمثیلِ نو'' کا یہ شمارہ اپنی متنوع سحر کاریوں کا ایک لازوال شاہکار ہے جسے کوئی بھی ادب دوست اور اردو نواز قاری پڑھ لینے کے بعد طاقِ نسیاں کی نذر کر دینے کے بجائے اسے اپنی بک شیلف کی پسندیدہ ریک میں محفوظ کر لینے سے باز نہیں آئے گا۔

'اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر' کے تحت پہلا مضمون نظام صدیقی کا ہے اور خوب ہے۔ وہ اردو ناول کی موجودہ تنقیدی صورت حال سے مطمئن نظر نہیں آتے۔ نظام صدیقی نے اپنا اسلوبِ نگارش دریافت کر لیا ہے۔ وہ بڑی سہولت سے اپنے مخصوص اسلوب میں گفتگو کا ٹیمپو برقرار رکھتے ہیں۔ ان کی اپنی زبان ہے، اپنی لفظیات ہے، اپنی مملکت ہے، اپنا پرچم ہے۔ وہ ہمارے بڑے قلم کاروں میں ہیں۔ فکشن پر ان کی گہری نظر ہے۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی۔ ہمارے عہد میں مغربی ناول کی زیادہ تر تنقید ناول نگاروں نے لکھی ہے مثلاً لسلی فیزر، والٹر ایلن، کامیو، سارتر، روب گریے، کلاؤڈ سائمن وغیرہ درجنوں نام ہیں۔

ان تمام نقادوں میں روب گریئے ایک ایسا ناول نگار ہے جسے بجا طور پر ہم جوائس، پروست، کافکا کا صحیح جانشین کہہ سکتے ہیں۔ یہ صورت حال اردو ناول میں نظر نہیں آتی۔ سوال یہ ہے کہ جب اردو ناول کسی شدید انقلاب سے دوچار نہیں ہوا اور نہ اردو ناول کے ناقدین میں کسی واضح نصب العین کے تحت صنفِ ناول پر چھائے ہوئے ادبار کی فضا کو ثروت مند بنانے کی للک پیدا ہوئی اور نہ وہ کسی تشویش میں مبتلا ہوئے اور نہ کوئی ناول نگار ہی اتنا ہوش مند ثابت ہوا کہ اپنے گرد بے حسی کی دیوار کو منہدم کرنے کی کوشش تو کجا اپنی ناپسندیدگی یا عدم تشفی کا اظہار ہی کرتا تو ان حالات میں نئے عہد کی ناولاتی تخلیقیت کی بوطیقا کو مدون کرنے کا جوکھم کون مول لے گا۔ بہرحال نظام صدیقی کا مضمون دعوتِ فکر دیتا ہے۔ دیکھنے کی بات یہ ہے کہ 'کون ہوتا ہے حریفِ مئے مردافگن عشق'۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون اس اعتبار سے اہم ہے کہ اولاً انھوں نے اردو ناول نگاری کے ابتدائی نقوش کا اجمالی جائزہ لیا ہے جو پس منظر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پھر عہدِ جدید کے نمائندہ ناولوں پر مختصر مگر جامع تبصرہ کر کے مضمون کی اہمیت وافادیت کو دوچند کردیا ہے۔ ناول پر ریسرچ کرنے والوں کے لیے اس میں بڑے عمدہ ٹپس موجود ہیں۔ کاش وہ عبداللہ حسین کے ناول ''باگھ'' کے ساتھ ساتھ ''اداس نسلیں'' کو بھی اپنی جولان گاہِ توجہ بناتے۔ یہ محض میری خواہش ہے۔ ''اداس نسلیں'' اور ''آگ کا دریا'' اردو میں Panoramic ناول کی خوب صورت مثالیں ہیں۔ اردو کے یہ دونوں ناول Blockbuster Saga کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا یہ مضمون ناولوں کی نری فہرست سازی نہیں ہے بلکہ انھوں نے ہر ناول کے فنی وفکری پہلو پر لطیف اشارے بھی کیے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی کا 'اردو ناول کل اور آج ایک جائزہ' اگرچہ ایک معصوم اور بے ضرر سا مضمون ہے لیکن انھوں نے بہار کی اردو ناول نگاری پر خصوصی توجہ دی ہے جو لائقِ تحسین ہے۔ اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر کے تحت ناولٹ 'آنچ' (مناظر عاشق ہرگانوی)، لے سانس بھی آہستہ (مشرف عالم ذوقی)، پلیتا (پیغام آفاقی) اور مانجھی (غضنفر) کے تجزیے نے اس خصوصی گوشے میں چار چاند لگادیے ہیں۔ یہاں یہ بات عرض کردوں کہ تمام تجزیہ نگاروں نے متن کے عمق میں اتر کر فن کار کے تخلیقی تجربہ میں شرکت کی ہے اور عمومی تبصرہ سے گریز کرتے ہوئے متذکرہ ناولوں پر اپنے گراں قدر تاثرات پیش کیے ہیں۔ ڈاکٹر ایم اے ضیا مرحوم نے مناظر عاشق ہرگانوی کے ناولٹ ''آنچ'' پر گفتگو کرتے ہوئے ایک پر لطف بات کہی ہے ''ہرگانوی کی کہانی میں ایک بات جا بجا کھلتی ہے اور وہ جب اپنی لفظی بازی گری سے کسی منظر یا ماحول کو پیش کرتے ہیں تو ہمیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ نثر میں شاعری کرتے ہیں۔'' اس میں نہ حیرانی کی بات ہے نہ بدگمانی کی اور نہ مناظر عاشق ہرگانوی کے لیے پشیمانی کی۔ اسے جولانیٔ طبع

کہیے یا سرشاریِ خیال، وجدان کا سرور کہیے یا تخلیقیت کا وفور جوفن کار کے باطنی تواجد سے ایک بے ساختہ اور نا قابلِ ہوک کی صورت میں تخلیق کے ایک لمحہ خاص میں فن کار کی تخلیقی شخصیت سے ''ربطِ نو'' کا مطالبہ کرتا ہے۔ فن کار کا تنقیدی شعور ایسے اظہار کو مسترد کرنا چاہتا ہے' لیکن اسے کیا کہیے کہ فن کار اپنے اس نادرالوقوع impulse سے دستبردار نہیں ہونا چاہتا۔ وہ ایک Possessed کی طرف بے چون و چرا وہی کرتا ہے جس کا اسے حکم دیا جاتا ہے۔ ان معروضات کی میرے پاس کوئی دلیل نہیں۔ بجز اس کے یہ تخلیق کے رموز ہیں۔ شعروادب کے عرفان و آگہی کی ایک منزل جو خود میری دسترس سے باہر ہے۔

پیغام آفاقی کے ناول ''پلیتا'' پر حقانی القاسمی کا مضمون نہایت وقیع اور خیال انگیز ہے۔ ناول کے مواد و ہیئت، اس کی ظاہری ساخت اور باطنی حقائق اور ناول نگار کے نقطہ' نظر کی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ جابجا انھوں نے کردار کی زبان سے مصنف کے تجزیے سے ہمیں روشناس کرانے کی قابل قدر کوشش کی ہے۔ ناول میں Achieved content کا عرفان بھی خاصا اہم ہوتا ہے۔ حقانی القاسمی نے اس پہلو کی بھی بڑی چابک دستی سے عقدہ کشائی کی ہے۔ مشرف عالم ذوقی کو پڑھنے سے پہلے قارئین کو تواتر کے ساتھ وقوع پذیر ہونے والے Shocking تجربات سے گزرنے کے لیے ذہنی طور پر تیار رہنا چاہیے۔ ناظم خلیلی نے ایسے بہت سارے Touches سے اپنے مضمون میں مشرف عالم ذوقی کے فن کی داد دی ہے۔ یہ مضمون اس صورت حال کا بھی جواب فراہم کرتا ہے کہ مشرف عالم ذوقی کو کیسے پڑھنا چاہیے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے مختصر مگر نہایت جامعیت کے ساتھ غضنفر کے ناول ''مانجھی'' کا جائزہ لیا ہے۔ امام اعظم نہایت مثبت سوچ اور صاف ستھرے ذہن کے ناقد وشاعر ہیں۔ ان کی تحریریں بے جا عبارت آرائیوں اور گنجلک خیالات سے حیرت ناک حد تک عاری ہیں۔ وہ بیشتر نقادوں کی طرح دانشورانہ پوز اختیار نہیں کرتے۔ اگر افہام و تفہیم کی تنقید کا بنیادی فریضہ تسلیم کیجیے تو امام اعظم کی تنقیدی تحریریں اس کی خوب صورت مثالیں ہیں۔ میں یہ بات بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ امام اعظم کی تنقیدی اٹھان کسی بڑے انتقادی شاہ کار کا پیش خیمہ ہے۔ امام اعظم کے لیے میرا پرخلوص مشورہ ہے کہ وہ اپنے فطری اسلوب کی آبیاری کرتے رہیں۔ یاروں نے لفظیات کی ایک Glossary تیار کر رکھی ہے۔ محض اپنے جہل کی پردہ پوشی کے لیے، ایسی کرتب بازیاں ہرگز قابل تقلید نہیں۔ وسیم بریلوی کا گوشہ دیکھ کر ایک خوش گوار حیرت کا احساس ہوا۔ حیرت اس بات پر کہ وسیم بریلوی جدید لب ولہجہ کی ایک منفرد آواز کا نام ہے جس سے ناقدین وقت نے بالعموم اعراض برتا ہے۔ یہ سچ ہے کہ ان کی مقبولیت اور شہرت میں مشاعروں کا زبردست ہاتھ ہے' لیکن یہ بھی اتنا ہی سچ ہے کہ سستی شہرت اور عوامی و عارضی مقبولیت کی خاطر انھوں نے اپنے معیارِ شاعری سے

سودا نہیں کیا۔ ان کے یہاں وہ سارے شعری لوازم موجود ہیں جو کسی شاعر کو اعتبار و امتیاز بخشتے ہیں۔ وہ ''غمِ زمانہ'' کو غزل کے سانچے میں ڈھالنے کا ہنر جانتے ہیں۔ یہ ہنر مندی تخلیق کا لمس پا کر ایک ایسی شدید نشتریت پر منتج ہوتی ہے جو دلوں پر ایک گہری کسک چھوڑ جاتی ہے۔ وسیم بریلوی ایک غزل گو کی حیثیت سے زیادہ معروف ہیں۔ لیکن مناظر عاشق ہرگانوی نے ان کی نظمیہ شاعری کو موضوع بنا کر اس گوشے کے تنوع میں مزید اضافہ کیا ہے۔ ان کی بعض معریٰ نظموں کے بند پڑھ کر اختر الایمان بہت یاد آئے۔ حالاں کہ اختر الایمان کی شعریات وسیم بریلوی سے یکسر مختلف ہے۔ نیا اردو افسانہ بہت سارے فنی و فکری نشیب و فراز سے گذر کر آج اس مقام پر پہنچا ہے جو اپنی فنی شناخت، تخلیقی اظہاریت، ہیئتی ادغام اور لسانی ترجیحات کے ادراک کے لیے ایک نئے تنقیدی Vision کا مطالبہ کرتا ہے۔ سماجی حقیقت نگاری، واشگاف مقصدیت، طے شدہ میکانی لوازم، نظریاتی چہرہ، علامیت، تجریدیت، ماورائیت، لامرکزیت، عدم ماجرائیت اور چیستانیت کی دھند سے نکل کر آج کا اردو افسانہ بیانیہ کی ٹھوس بنیاد پر استوار ہے۔ کہانی کی واپسی ہوئی، کردار چھپی کمین گاہوں سے باہر آ گئے ہیں۔ فنی آگہی نے نئے افسانہ نگاروں کو ترسیلیت کا نیا منطقہ فراہم کیا ہے۔ اب افسانے کے متن کی نئی شعریات دریافت کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ساری باتیں میں نے یٰسین احمد کے خصوصی مطالعہ کے حوالے سے کی ہیں۔ وقت کی سفاکی، انسانی رشتوں کا زوال، اعلیٰ اقدار کی پامالی، ایک پرشکوہ تہذیب کے خاتمے کا المیہ، رواداری اور پاسداری کے مناظر نامے سے گم ہوتا ہوا آدمی، بحران، انتشار، کرب، اضطراب، غیر یقینی حالات کا استعارہ بنتا ہوا انسانی سماج، یٰسین احمد کے افسانوں کا بنیادی محور ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی، وصیہ عرفانہ، مجیر احمد آزاد اور امام اعظم نے یٰسین احمد کے افسانوں کا بہ نظر غائر جائزہ لیا ہے اور میرا خیال ہے کہ تمام مضمون نگاروں نے یٰسین احمد کے افسانوں کے کسی گوشہ کو تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ ''مضامین'' کے باب میں سرور کریم کا مضمون ''تنقیدی گوشے پر ایک نظر'' اور ماضی قریب کے چار اہم افسانہ نگار منٹو، قرۃ العین حیدر، راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر علی الترتیب شبانہ خاتون شمن، بی بی شہناز بانو اور اعجاز احمد کے مضامین جاذبِ نظر اور قابل مطالعہ ہیں۔ ''ماں'' کے حوالے سے ارشد مینانگری کے شعری مجموعے پر امام اعظم نے بڑی عالمانہ بصیرت سے نظر ڈالی ہے۔ آج کی اردو شاعری بڑی تیزی سے غزل نگاری تک محدود ہوتی جا رہی ہے۔ نظموں کی طرف توجہ کم ہوتی ہے۔ طویل نظموں کا تو جیسے زمانہ ہی گذر گیا۔ نظموں کے ساتھ ہمارے شعرا کا یہ سلوک اردو شاعری کے حق میں نیک فال نہیں۔ تن آسانی اور سہل نگاری کے مشرب نے ہمارے اذہان کو ارتکازِ توجہ سے محروم کر دیا ہے۔ اس صورت حال میں ارشد مینانگری کا یہ شعری مجموعہ ابر آلود آسمان میں ایک روشن

ستارے کی مانند ہے۔ محمد سمیع نے مجی ذکی احمد کی شاعری کا بڑا خوب صورت محاکمہ پیش کیا ہے۔ ذکی احمد حاجی پور کے ادبی حلقے میں کافی مقبول ہیں۔ ''مضامین'' کے تحت پہلا مضمون مناظر عاشق ہرگانوی کا ہے جنھوں نے ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح کی صورت حال کا جائزہ لیا ہے۔ از روئے قاعدہ اس مضمون کا ذکر پہلے ہونا تھا مگر میں نے دانستہ اس لیے موخر کیا ہے کہ اس مضمون کے حوالے سے ابن صفی کا خصوصیت سے ذکر کر سکوں۔ ابنِ صفی نے اردو کی کئی نسلوں کی ادبی تربیت بھی کی ہے۔ اپنے پرکشش اسلوب سے اردو سے ان کا رشتہ بھی مستحکم کیا ہے۔ آج بھلے ہی اردو کی بہت ساری قدآور ہستیاں ابن صفی سے اپنی لاتعلقی کا اظہار کریں' مگر حقیقت حال یہ ہے کہ ان میں کئی اہلِ قلم حضرات ایسے بھی ہوں گے جن کو ابن صفی نے قلم پکڑنا سکھایا ہوگا۔ مجھے وہ زمانہ اچھی طرح یاد ہے کہ ہم طلبہ اعلانیہ اور اساتذہ حضرات پوشیدہ ابن صفی کو پڑھا کرتے تھے۔ ہمارے زمانے میں کوئی اردو داں ایسا نہیں تھا جو ابنِ صفی کے سحر سے آزاد ہو۔ میرے ناقص خیال میں برصغیر کے کسی ناقد نے اتنی دل جمعی اور دل چسپی کے ساتھ ابن صفی کی ادبی خدمات پر بغیر کسی پس و پیش کے اتنا زبردست کام کیا ہو' جو مناظر عاشق ہرگانوی نے کر دکھایا ہے۔ ہمارے بڑے نقادوں نے اپنے گرد عظمت و بزرگی کا جو ہالہ تان رکھا ہے وہ انھیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کھل کر ابن صفی کے Genius کا اعتراف کریں۔ محض اس خوف سے کہ ان کا اعتراف کہیں ان کی ادبی ساکھ کو مشکوک نہ کر ڈالے۔ انھیں اپنی عافیت ابنِ صفی۔ سے فاصلہ بنائے رکھنے میں نظر آتی ہے۔ میں مناظر عاشق ہرگانوی کے اس جرأت مندانہ اقدام کی جتنی بھی تعریف کروں کم ہے۔ افسانے اور انشائیے کا باب تھوڑا تشنہ رہ گیا ہے۔ پھر بھی جو ہے غنیمت ہے۔ اس شمارے کے مخصوص شاعر احسان ثاقب اور مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، سرور کریم، وصیہ عرفانہ، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، شاہد اقبال، احمد معراج، شبانہ خاتون ثمن وغیرہ کے تبصرے دل کو چھوتے ہیں۔ حصہ شاعری کی سج دھج الگ ہے۔ حیرت زار سخن کا بجوبہ، حمد و نعت' نظمیں' تعزیتی نظمیں' تعزیتی قطعات، تاریخی قطعات، غزلیں اور رباعیات ہر چیز اپنی جگہ دل آویزی کا نمونہ ہے۔ سید امین اشرف مرحوم اور حامدی کاشمیری کی شمولیت نے زیر نظر شمارے کے وزن و وقار میں اضافہ کیا ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''اخبار مشرق' کولکاتا، ۱۴؍ دسمبر، ۲۰۱۳ء)

□□□

سابق صدر' شعبۂ اردو' آراین کالج' حاجی پور (ویشالی)

محلّہ: انور پور، حاجی پور، ویشالی (بہار) موبائل : 09431651120

• نقشبند قمر نقوی بخاری

"تمثیل نو" کا انفرادیت بھرا شمارہ

(جولائی ۲۰۱۶ء تا ۲۰۱۷ء)

"تمثیل نو" قابل تعریف رسالہ ہے، رسالہ تو کیا، ایک کتاب ہے، اور کتاب بھی ایسی کہ اس پر رسالہ کا شبہ ہوتا ہے، رسالہ بھی ایسا جو کنز الافکار کہا جا سکتا ہے، اس میں وہ سب کچھ ہے جو ایک جریدے کو موقر بناتا ہے، اور سب کچھ ایک حسنِ ترتیب اور قرینے سے ہے، یقیناً یہ رسالہ ہندوستان کے بہترین رسائل میں سے ایک ہے۔ قارون تو اُلو کا پٹھا تھا، اس کو معلوم ہی نہیں تھا کہ نقرہ وطلا و جواہرات کی دولت تو بہت حقیر اور بیکار چیزیں ہیں، اصل دولت تو علم کی دولت ہے... یا... دولت آگہی ہے۔ مشکل یہی ہے کہ نقرہ وطلا و جواہرات دنیا کی ہر شئے کے حصول میں معاون ہوتے ہیں، بلکہ بعض حالات میں عقبیٰ بھی اس کے ذریعے ہاتھ آ سکتا ہے، بشرطیکہ ان اشیاء کا مالک راہ راست سے اختلاف نہ کرے، اور علم... ایسی دولت ہے جس سے انسان کے دل و دماغ تو روشن ہو جاتے ہیں، آگہی اور حقائق کے دروازے پاٹوں پاٹ کھل جاتے ہیں، لیکن دنیا ہاتھ کم ہی آتی ہے، اگرچہ بعض صاحبانِ علم بھی دولت دنیا سے مالا مال رہے ہیں۔ شاید ان کو اللہ تعالیٰ سبحانہٗ نے دین و دنیا دونوں ہی عطا فرما دیں۔

ایک عالم دین، امام اعظمؒ ابوحنیفہ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے روانہ ہوئے تو قیمتی لباس اتار کر معمولی سا لباس پہن لیا کہ اتنے بڑے امام کی خدمت میں قیمتی لباس پہن کر جانا معیوب ہوگا، حضرت امامؒ کیا رائے قائم کریں گے۔ مولوی صاحب جب ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا حضرت امام اعظمؒ جو شال اوڑھے تھے وہی کم از کم اس وقت کے چار ہزار درہم کی تھی۔

لیکن... مولانا، یہ تو صرف لکھنے اور قابلیت ظاہر کرنے کی باتیں ہیں، واقعہ یہ ہے کہ علم سے کچھ حاصل حصول نہیں، دل خوش کرنے کے لئے کتابیں چاٹتے رہنے کا نتیجہ کیا ہے؟ مزید خرچ، اور کتابیں خریدیے اور پڑھیے، آج کل کتابیں تو بہت کم لوگ خریدتے ہیں، اور رسالہ تو اس سے بھی کم لوگ رقم دے کر لیتے ہیں، رسالہ کو لوگ مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے... کے زمرے میں رکھتے ہیں۔

میں جب راولپنڈی میں رہتا تھا تو ایک صاحب سے ملاقات ہوئی جن کو نادر اور معروف کتابیں جمع کرنے اور پڑھنے کا شوق تھا، یہ فوج میں میجر کے عہدے پر تھے جس میں اچھا خاصا مشاہرہ ہوتا ہے،

لیکن محض کتابوں کے مرض نے ان کو مفلوک الحال بنا رکھا تھا، ساری تنخواہ کتابیں خریدنے میں صرف کر دیتے تھے، اہل وعیال بھی انہیں کی طرح لنگوٹی میں پھاگ کھیلتے نظر آتے تھے۔ اور... میجر عبدالعزیز کتابیں صرف خریدتے ہی نہیں تھے۔ ان کو کیڑے کی طرح چاٹ لیتے تھے، حافظہ ایسا تھا کتاب ایک ہی بار میں حفظ ہو جاتی تھی۔ خواہ کوئی موضوع ہو۔

میرے پاس تاریخ ابن خلدون کی مکمل گیارہ جلدیں تھیں۔ میں ایسا جاہل کہ ان کی قدر نہ کی اور میجر عبدالعزیز کو دکھا دیں، وہ میرے سر ہو گئے کہ میں یہ جلدیں ان کو دے دوں، اور انہوں نے تنخواہ ملتے ہی پانچ سو روپیہ میرے سامنے رکھ دیئے۔ یہ سمجھئے ۱۹۵۸، یا اسی کے لگ بھگ کا زمانہ تھا، اتنے سارے روپئے اس زمانے میں بڑی رقم ہوتی تھی، میں نے ان کتابوں کی قدر نہ کی، اور پیسے کی حرص غالب ہو گئی، ویسے میں ان کتابوں کو رکھتا بھی تو کوئی فائدہ نہیں تھا، میں نے بیوی بچوں کے ہاتھ تھامے اور مشرق وسطی اور یورپ میں زندگی کے قیمتی ایام گذار کر امریکہ میں مستقل مقیم ہوا، کتابیں میرے ساتھ کہاں کہاں سفر کرتیں، سب ضائع ہی ہو جاتیں، میں امریکہ میں تیس سال سے مقیم ہوں، اور امریکی ہوں، مزید کہیں نہیں جانے کا۔ اب بھی میرے پاس پوری ایک لائبریری ہے۔ تقریباً سات سو پچیس انگریزی اور فرانسیسی کی کتابیں تو میں شکاگو یونیورسٹی کی لائبریری کو نذر کر چکا ہوں۔ باقی کے بارے میں سوچتا ہوں، ان کو بتدریج یونیورسٹی کی لائبریری کو نذر کر رہا ہوں۔ میری وفات حسرت آیات کے بعد ان کی قدر صرف میری یاد کے طور پر رہ جائے گی، ورنہ فصوص الحکم، طبقات، حجۃ اللہ البالغہ، انسانِ معلق وغیرہ اب کون پڑھے گا۔ میرے بچے عربی یا فرنچ تو جانتے ہی نہیں، فارسی البتہ بولنے کی حد تک جانتے ہیں اس لئے کہ سب ایران میں ہی پلے بڑھے ہیں۔

آپ کی ''ادبی وثقافتی خبریں'' بھی خوب ہیں اور آپ کیسی کیسی عجیب وغریب خبریں جمع کر لیتے ہیں، ان کا مطالعہ اس دنیائے دوں کی بے ثباتی کا قائل کر دیتا ہے اور پھر مشاعرے کی خبر تو ہوتی ہی ہے اور ہر مشاعرہ کم از کم آل انڈیا مشاعرہ تو ہوتا ہی ہے۔ خواہ اس میں صرف مقامی چند شعرا ہی کیوں نہ شریک ہوں! اور پھر مستزاد یہ کہ شاعروں کو انعامات بھی ملتے ہیں۔ آپ کی اطلاع کے مطابق ایک مشاعرے میں شعرا کو شالیں دی گئیں، واہ..... اس ناچیز کو تو کسی نے ایک بنیان بھی کبھی نہیں دی اور پھر کتابوں کی ''رونمائی'' سبحان اللہ، بعض لوگوں کی قسمت ہی اچھی ہوتی ہے، ان کی کتابوں کی رونمائی بھی ہو جاتی ہے اور لوگ ان کے بارے میں مقالے بھی پڑھ دیتے ہیں۔ میری کتابوں کی تعداد تو زیادہ ہے لیکن ان کی

کوئی ادبی حیثیت اس لئے نہیں کہ میں نہ تو کسی کی خوشامد کر سکتا ہوں، نہ پیسہ ضائع کر سکتا ہوں لیکن یہ یقینی بات ہے، اللہ تعالیٰ کے نظام میں ناانصافی نہیں، میری کتابوں کی رونمائی آسمان پر ہوتی ہے۔ میری ایک غزل کا مطلع ملاحظہ کیجئے:

بزمِ فلک سے خوش خبری ایسی آئی ہے

میری نئی کتب کی وہاں رونمائی ہے

اس تقریب میں شرکت کے لئے مجھ کو دعوت ابھی نہیں آئی، اور آپ برائے کرم دعا کریں ابھی دس بیس سال اور ایسی دعوت نہ آئے، میں اس زمین پر ہی رونمائی کے بغیر اچھا... بخشو بی بلی چوہے لنڈورے ہی بھلے!

حیرت یہ کہ آپ کو اپنے خبرنامے کے لئے پہاڑ کے اندر چوہیا نظر آگئی لیکن... اس غریب فقیر ہیچ مداں کا ''حماسہ'' آپ نے نہیں دیکھا... جو دیو پیکر ہاتھی کے برابر... دنیا کی سب سے طویل نظم... کسی زبان کسی ملک و قوم میں اتنی طویل نظم کا وجود نہیں، افسوس کہ گینز کے ریکارڈ میں ابھی تک اس کا نام نہیں لیکن ان کے زیر غور و تفتیش ہے۔ امید ہے مستقبل قریب میں اس میں نام آجائے گا۔ ان شاء اللہ! گینز ابھی تک اردو کتابوں یا کارناموں کو اندراج نہیں کرتے، اس لئے کہ اردو کے اکثر ارباب... معذرت کے ساتھ... شیخی، مکر اور فریب کے ہتھیار نہایت چابک دستی سے استعمال کرنے میں معروف و مستند ہیں۔ دوسروں کی تخلیقات سے حسب ضرورت مصالحہ جات مستعار لینے میں کوئی تکلف نہیں فرماتے! اب ساتویں جلد مکمل ہونے کو ہے۔ انشاء اللہ اور اسی سال کے اندر شائع ہوگی، اس میں مزید سات ہزار اشعار ہونے کو ہیں۔ چھٹی جلد آپ کو مل چکی ہے۔ جس کا دل چاہے وہ سات جلدوں کے اشعار شمار کر لے۔

لیکن سوال یہ ہے... آپ کی نگاہِ التفات اس کی طرف نہیں ہوئی... کسی کی کوشش اور تخلیق کا اعتراف کرنے کے لئے بہت بڑا دل اور بہت انصاف پسند طبیعت چاہئے۔ میرا ناول 'منزل دور نہیں' آپ نے نہیں دیکھا ہوگا۔ اسی طرح ناول 'ہم اجنبی تو نہیں' اور 'جب موت ذبح کردی گئی' یہ تینوں غیر معمولی، نہایت نئے موضوعات پر نہایت اچھے ناول ہیں۔ افسوس کہ میں پروپیگنڈے کے کرتبوں سے آگاہ نہیں ہوں، اور کوئی ایسا ادارہ یا فرقہ بھی میری پشت پر نہیں جو میری تخلیقات کی تبلیغ کر سکے۔ میں واحد... واحد، یکتا بدکرتار... کیا آپ نے ''خالق باری'' پڑھی مولانا...؟ آپ کا نام نامی بہت تسلی بخش ہے... واللہ۔

آپ نے کتابوں پر تبصرے کے لئے تو اوراق رسالہ کی بڑی تعداد مختص کی ہے، اللہ اللہ... اتنے

اوراق تو بعض ماہانہ اور سہ ماہی رسائل میں ہوتے ہی نہیں۔ ''وفیات'' بھی خوب ہے، لیکن یہ خبریں آپ تک بہت تاخیر سے پہنچی ہیں، ان میں سے اکثر متوفیان تو بڑی مدت پہلے سفر آخرت پر چل دیئے تھے، اور اب تو ان کی قبروں کے نشانات بھی شاید باقی نہ رہے ہوں۔ لیکن خیر... آپ نے سال ڈیڑھ دو سال بعد ان کو یاد تو کر ہی لیا، رئیس الدین رئیس، شکیل الرحمٰن اور باکسر محمد علی یہ سب گذشتہ سال گئے تھے، آپ کو اب کیسے معلوم ہو گیا! (زیر مطالعہ شمارہ ایک سال کا مشترکہ ہے اسی لیے ان ناموں کو شامل کیا۔ مدیر)

آپ نے جو مصاحبے منعقد کئے وہ اچھے ہیں۔ نواز دیوبندی اور احمد سعید ملیح آبادی کے نام میں نے نہیں سنے تھے۔ اس میں میری ہی کم علمی کا دخل ہے۔ وہ سب تو بین الاقوامی سطح پر جانے جاتے ہیں۔ مجھے نہیں معلوم ہر شاعر اور ادیب اب کس سبب سے بین الاقوامی شہرت کا حامل ہونے لگا ہے، بلکہ بعض شعرا کیلئے تو یورپ یا امریکہ کے کسی مشاعرے میں شرکت گویا ایک سند امتیاز بن گئی ہے... نجانے کس رسالے میں، ایک مصاحبہ یا بیان پڑھا تھا جس میں صاحبِ مضمون نے اپنے امتیازات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ فلاں فلاں ملک کے مشاعروں میں مدعو کئے جا چکے ہیں، گویا ایک صاحب کے بیان کے مطابق ''شہرت گیر'' شاعر ہیں، اب یہ کہ ''شہرت گیر'' کی اصطلاح بھی میری ایجاد نہیں بلکہ ان شاعر صاحب کی اختراع فکری کا نتیجہ ہے جو اپنی ''عظمتِ شعری'' کا قصیدہ بہ زبان خود ارشاد فرما رہے تھے۔ جلدی میں ان کو ''عالمگیر شہرت'' کا خیال رہا لیکن صحیح الفاظ ذہن میں نہیں آئے، لہٰذا انہوں نے عالمی ''شہرت گیر'' لکھ مارا۔

خیر... اچھا ہوا، میں ان سب سے واقف ہو گیا۔ ان کی شاعری تو چاند برابر ہے۔ لاکھ میری سمجھ میں نہ آئے! تصوف پر کئی مضامین دلچسپی کا باعث ہیں، اب ایسے سنجیدہ مضامین کم لوگ لکھتے ہیں اور کم ہی لوگ پڑھتے ہیں، بہت اچھا موضوع منتخب کیا آپ نے، البتہ بعض مضامین بہت مختصر ہیں، مزید تحقیق اور تفصیل کے مستحق تھے۔ شعرا کے کلام میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود تو صاحبان مضامین نے تلاش کر لئے ورنہ وہ شعرا کرام تو شاید اس موضوع سے واقف بھی نہ رہے ہوں، بیچارے کم ہی پڑھے لکھے شعرا ہوتے تھے۔ معصوم لوگ تھے! لیکن ... دلچسپ ہیں، میں نے کہا ناں دلچسپ ہیں، میں اور کیا کہہ سکتا ہوں، میرا خیال یہ ہے، لیکن جن شعرا کے کلام میں ''وحدت الوجود'' یا ''وحدت الشہود'' جیسے موضوعات کا اتفاقاً تذکرہ مل جاتا ہے، وہ بیچارے تو الف کے نام لٹھا بھی نہیں جانتے تھے، اکثر تو ''اُمی'' تھے، اکثر شعرا کے پاس اتنا علم ہی نہیں تھا کہ وہ کسی موضوع کو بالخصوص سمجھ سکتے، بہت سے شاعر تو علوم مروجہ سے نابلد تھے، کئی تو بس انگوٹھا ٹیک قسم کے اساتذہ تھے، بس شاعری کی ایک بھیڑ چال تھی، چنانچہ سب وہی

کہنے لگے، اب یہ موجودہ دور کے پڑھنے والوں کی اپنی اہلیت ہے کہ ان کے کلام میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود جیسے موضوعات کے نکات تلاش کر لیتے ہیں...واہ، کیا بات ہے، نمونے کے اشعار میں یہ تکلف نہیں! میں نے کسی رسالے میں ایک بزرگ کا مضمون پڑھا تھا جس میں انہوں نے بڑے عالمانہ طریقے سے ثابت کیا تھا کہ چچا غالب... ایٹم کی حقیقت اور طاقت سے واقف تھے، یعنی ایٹمی سائنسداں تھے! میری مراد یہ ہے، اگر کوئی شخص کسی کو بھوت ثابت کرنے پر آمادہ ہو جائے تو بہت کچھ لکھا اور کہا جا سکتا ہے اور بعض پڑھنے والے اس کو قبول بھی فرما سکتے ہیں۔ جو چاہے اہل قلم کا حسن کرشمہ ساز کرے۔

جوش ملیح آبادی کے متعلق ایک مضمون ہے، بہت کمزور ہے، لیکن میں نے دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کیا۔ جوش کے بارے میں اور بہت کچھ لکھنے کی ضرورت ہے، برادرم...اگر جوش منجملہ دوسری غلطیوں کے ہندوستان ترک کر کے پاکستان جانے کی ہمالیہ سے بڑی غلطی نہ کرتے تو ان کا رتبہ وہ ہوتا جو اب غالب میاں کا ہے۔ جوش کی چھوڑی ہوئی مسند پر غالب زبردستی بٹھا دیئے گئے۔ ورنہ غالب کون سے نابغہ تھے، یہ عالم و فاضل تھے، فارسی زبان پر عبور بھی ایسا نہیں تھا۔

میں جن دنوں ایران میں تھا، وہاں کئی شعرا سے سلام دعا تھی، میں دو چار مشاعروں میں شریک بھی ہوا، جہاں میں نے اپنی فارسی غزلیں پڑھیں جو واقعتاً... دیکھئے میں یہ آپ سے محرمانہ بتا رہا ہوں، آپ اس کو شہرت نہ دیجئے گا... جن کو سن کر ایرانی شعرا نہایت کمینے پن سے مسکرائے اور بعد میں مجھ کو مشورہ دیا کہ بہتر ہے میں اردو کو ہی ذریعہ شعر گوئی بنائے رکھوں، میرا دل چاہا تھا کہ میں ان بدمعاشوں کو کچا کھا جاؤں لیکن میں نے صبر کیا... بلکہ صبر کا بہت میٹھا پھل سارے کا سارا کھا لیا۔ میں نے ان میں سے بعض کو غالب کے کئی فارسی اشعار سنائے، جن کو سن کر ایرانی شعرا چیں بہ جبیں ہی ہوئے، میں اس سے زیادہ کچھ کہنا نہیں چاہتا، اگرچہ ان کے بیانات زیادہ مخالفانہ اور مفصل تھے۔ ایران فارسی کا ملک ہے، وہاں غالب کو کوئی جانتا بھی نہیں، اقبال کی فارسی شاعری کی کسی حد تک وقعت ہے۔ یقیناً کافی کم! اگرچہ اقبال کی فارسی غالب سے بہتر ہے۔ غالب کو اپنی فارسی دانی کا زعم اور فارسی شاعری پر بہت ناز تھا، نتیجہ یہ ہے، ان کی فارسی شاعری کی ایران و توران میں تو کیا قدر ہوتی، ہندو پاک میں بھی... کس نمی پرسد...اگر کوئی ادیب یا دانشور اپنے مضامین میں کوئی فارسی شعر لکھنا چاہے تو وہی سعدی، حافظ، جامی، عرفی و خیام وغیرہ کے اشعار لکھتا ہے، غالب کا کوئی فارسی شعر کسی نے کبھی نہیں لکھا۔ کم از کم میری نظر سے نہیں گذرا اور اردو شاعری جس کو انہوں نے حقیر سمجھا تھا، اسی کی بنیاد پر ان کو غیر ضروری شہرت حاصل ہے۔

میں رسالے کے سارے مضامین کے بارے میں علیحدہ علیحدہ لکھنا نہیں چاہتا، البتہ یہ کہنا مناسب ہے کہ 'تمثیلِ نو' میں علم وادب کا حصہ بہت کافی ہے، بلکہ کافی سے کچھ زیادہ ہے... جو اکثر رسائل میں نہیں ہوتا۔ اب علم کی قدر رہی کم رہ گئی ہے، اور اگر کوئی صاحب علم ہو بھی تو اس کے علم کا اعتراف کرنا تو بہت ہی شاذ ہے۔ بلکہ نادر بھی!

ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کا افسانہ اچھا ہے۔ میں منظومات پڑھنے کی غلطی کا مرتکب بھی ہوتا ہی رہتا ہوں، ''غلطی'' اس لئے کہ... وجدان ایک نازک شیشہ ہے، آبگینہ ہے اور اس کو نقصان پہنچنا بہت غیر مفید واقعہ ہوسکتا ہے... ابھی ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو!... لیکن میں نے جان پر کھیل کر اکثر غزلیں پڑھیں... ایک دشواری یہ بھی ہے کہ میرے استادان محترم میاں... الیاس آسیونی اور جاں نثار اختر... خصوصاً حضرت الیاس آسیونی، عروض پر بہت ہی زور دیتے تھے، میں نے بھی ایک کتاب... 'کتاب الشعر' فن عروض پر تالیف کی، ایک اور کتاب 'رموز الشعر' زیر تالیف ہے... لیکن جب میں نے آپ کے نہایت موقر رسالے کی بعض غزلیات ملاحظہ فرمائیں تو میرے علم عروض نے مجھ کو نہایت مخاصمانہ نظروں سے گھورا... اور دھمکی دی کہ اگر میں نے مزید غزلیں یا اشعار پڑھے تو میرے ذوق شعری کو صدمہ پہنچنے کا قوی امکان ہے۔ میں شکاری ہوں، بہ آسانی کسی دھمکی کو قبول نہیں کرسکتا، چنانچہ اس کو نظر انداز کرتے ہوئے میں نے غزلیں ساری کی ساری اور نظمیں پڑھیں، اور... آپ کو ناراض کرنے سے احتراز کرتے ہوئے کہے دیتا ہوں... واہ واہ ہیں، بے پناہ ہیں، یعنی... اس سے کھینچ تان کر یہ مراد لی جاسکتی ہے... اچھی غزلیں ہیں!

بات یہ ہے کہ جو بھی اشعار موزوں کرتا ہے، وہ اپنی پوری کوشش کرتا ہے کہ نہایت خوبصورت شعر کہے، اور ان میں جان ڈالنے کی بھرپور سعی بلیغ کرتا ہے، اس لئے کسی کی ایسی جان توڑ کوشش پر اعتراض کرنا یا اس کی ''عظمت'' سے انکار کرنا بہت معیوب حرکت ہوسکتی ہے... یعنی... ہوسکتی ہے! میری مراد ہے ایسی حرکت کا امکان ہے! افسوس صرف اتنا ہے کہ ہر شخص نہ مرد ہوتا ہے نہ ہر عورت ہی عورت ہوتی ہے، اس کو فارسی میں کہا گیا:

نہ ہر زن، زن است و نہ ہر مرد مرد
خدا پنج انگشت یکساں نہ کرد

اب یہی دیکھ لیجئے... یہ فارسی شعر غالب کا نہیں ہے۔

شاعری کو چارہ سمجھ کر سب ہی... اشرف المخلوقات... چرنے لگے ہیں درآں حالیکہ ان میں سے

شاعر واقعی کم ہیں۔ الفاظ بھی عجیب شئے ہیں، اول تو ان کا استعمال ہی ہر کس و ناکس کے بس کا نہیں، اور جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ زبان داں ہیں ان کی زبان اس بری طرح، بیان کے دامن کوہ پر بے ساختہ پھسلتی ہے، کہ لڑھکتی چلی جاتی ہے، اور خود ان کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ جو دوسروں کی تحریروں سے نقل مار کر بڑی دقیق اردو رقم فرما رہے ہیں، وہ ان کی زبانی مفلسی کی آئینہ دار ہے، آپ کے رسالے کے ایک مضمون میں یہ اتفاق نہایت نمایاں ہے، مجھے اپنی جان پیاری ہے کسی کا نام نہیں لیتا۔ اس سارے بیان سے آپ یہ فرض کرلیں... یعنی فرض کرلیں... آخر فرض کرنے میں حرج ہی کیا ہے... کہ میں ہر شعر کی تعریف کررہا ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے رسالے 'تمثیل نو' کی تعریف کرتا ہوں، آپ بہت ہی کدو کاوش کے ساتھ اتنا اچھا، پڑھنے کے قابل، بلکہ لائبریری میں رکھنے کے قابل رسالہ شائع کرکے اردو کو تقویت پہنچا رہے ہیں، اگر چہ اردو تو روز بہ روز مائل بہ زوال ہی معلوم ہوتی ہے، میں فیس بک پر ایک مشاعرے کے اسٹیج کا منظر دیکھ رہا تھا، جس میں سارے اعلانات اور جو کچھ لکھا تھا، سب ہندی میں لکھا تھا... اردو مشاعرہ، ہندی بینر... !اگئی شورے... شاعری اردو کے نام سے کرتے ہیں اور لکھتے ہیں ہندی میں... !واہ! کیا اردو شاعری ہے! اور کیا اردو کی سرپرستی ہے!! ایک صاحب کو میں نے اس سے روکنا چاہا تو انہوں نے جواب دیا: جناب مجھے اردو لکھنا نہیں آتی، ہندی ہی لکھتا ہوں، یہ ہندی کی کامیابی اور اردو کی بدقسمتی ہے نا!

اردو کو زک پہنچانے کے لئے شاید ہندوستانی مدارس میں اب صرف ہندی ہی پڑھائی جاتی ہوگی۔ یہ ایک طریقہ کار ہے جو ہندوستانی حکومت نے نافذ کیا ہے، مدارس میں اردو کو اتنا ثانوی درجہ دیا جائے کہ لوگ اردو پڑھنے سے ہی نابلد ہوجائیں، اردو خود ہی مرجائے گی۔ کچھ کہنے یا سننے کی ضرورت نہیں۔ اور شور اردو کی حمایت و ترقی کا مچائے رکھو... اردو کا ڈھول جس میں سے ہندی کی آواز نکلتی ہے!

(''مدارس میں اردو فارسی رسم الخط میں پڑھائی جاتی ہے۔'' مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم)

کمپیوٹر تو نہایت قابل قدر ایجاد ہے، لیکن اس نے خط نویسی کو بہت نقصان پہنچایا، اب کوئی کسی کو خط لکھتا ہی نہیں، جب چاہا کمپیوٹر پر دو چار سطریں ای میل کردیں، فون پر بات کرلی، فیس بک پر چیٹ فرمالی، خط کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہی، میں جانتا ہوں خط کی افادیت اپنی جگہ اب بھی ہے... آپ بے شک میری قدامت پر خندہ زن رہیں! آپ کا کیا خیال ہے؟ دیکھئے... اب آپ سوچ رہے ہوں گے، مجھ سے خط لکھنے کی خواہ مخواہ فرمائش کرکے یہ دردِ سر مول لیا کہ اتنا طویل خط جس میں کام کی ایک بات بھی نہیں، اس کا کوئی کیا کرے... آپ جانیں!

سیماب اکبرآبادی بڑے، بہت بڑے شاعر تھے، ان کے شاگردوں کی بھی بڑی تعداد تھی، اور میں جن شاگردوں سے ملا وہ سب بھی صاحبانِ فن تھے۔ آج کل بھی ایک صاحب ان کا شاگرد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں درآں حالیکہ صحیح شعر نہیں فرما سکتے، اور دوسروں کے مضامین کا سرقہ بھی فرمانے میں بھول چوک کر جاتے ہیں۔ ممکن ہے ان سے اپنے استاد کے نام کے ضمن میں بھی توارد ہو گیا ہو! آپ جانتے ہی ہیں، توارد بھی سرقے کی ایک قسم ہے، اپنے کو دھوکا دینے کے لئے! سرقہ بے ساختہ بھی تو ہو سکتا ہے، ہر سارق جان بوجھ کر ایسا تھوڑی کرتا ہے، زبردستی کسی پر الزام نہیں لگانا چاہئے! سیماب نے جس کو شاگرد بنایا اسے فن میں کامل کر دیا۔

پنجاب کے ایک شاعر تھے... امام دین۔ تخلص کے لئے اکثر "مام دینا" استعمال کرتے تھے، ان کے اشعار تو کسی قابل نہیں ہوتے تھے، لیکن حیرت انگیز بات یہ کہ یقینی طور سے باوزن ہوتے تھے... جیسے:

کوئی سیٹ جنت میں خالی نہیں ہے

تو دوزخ میں جلدی سے وڑ مام دینا

"وڑ" یا "وڑ ھ" بہ معنی "گھس جا" یا داخل ہو جاو غیرہ۔

پنجابی زبان میں "ڑ" کا استعمال بکثرت ہوتا ہے، میرے شہر ٹلسا میں تو ایک ایسے صاحب فن ہیں جو اردو بولنے میں پنجابی زبان کی ڑئیات روا رکھتے ہیں۔ مجھ سے جب بہت محبت کا رویہ اختیار کرتے ہیں تو پنجابی کے دو چار فقرے بھی بول دیتے ہیں، ورنہ پنجابی لہجے کے ساتھ اردو میں گفتگو کرتے ہیں۔

پاکستان میں تو بہت لوگ دعائیں کرتے ہیں کہ پاکستان کی قومی زبان پنجابی کو بنا دیا جائے۔ اس ملک میں بھی اردو سے عداوت جاری ہی رہتی ہے۔ حیرت کی بات... دنیا کے کسی حصے میں بھی دو پنجابی ملتے ہی بات چیت پنجابی میں کرنے لگتے ہیں۔ خواہ وہ کتنی ہی اردو بولتے رہے ہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کا حوصلہ قائم و دائم رکھے، اور آپ مدتوں نہایت فکر انگیز، حقیقت آمیز اور وجدان خیز رسالہ شائع کرتے رہیں۔ (آمین!)

(مطبوعہ روزنامہ "تاثیر" پٹنہ تین قسطوں میں ...... ۳۰ راگست، ۸ رستمبر و ۹ رستمبر ۲۰۱۷ء)

□□□

۶۴۴۶ رایس، انڈینا پولیس پلیس، ٹلسا، او کے۔ ۷۴۱۳۶ (امریکہ)

ای میل hunternaqvi@hotmail.com

● نسیم محمد جان

''تمثیلِ نو'': بہ یک نظر

(جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء)

''تمثیل نو'' کا شمارہ-۲۹ میرے پیش نظر ہے۔ یہ تعجب اور خوشی کی بات ہے کہ ''تمثیل نو'' کے پہلے شمارے کے نکالتے وقت جو جوش وخروش، لگن اور جنون تھا ڈاکٹر امام اعظم کے اندر، وہ آج بھی جوں کا توں موجود ہے اور کیوں نہ ہو ان کے نام میں اعظم جو موجود ہے۔ ''تمثیل نو'' رسالہ نہیں کتابی سلسلہ ہے، اپنی مثال آپ ہے۔ امام اعظم گوشت پوست کے بنے آدمی نہیں ہیں بلکہ ان کی بناوٹ اسپاتی ہے۔ اسٹیل میں کبھی زنگ نہیں لگتا۔ حمد باری تعالیٰ اور نعت پاک بہت خوب ہیں۔ ''ادبی وثقافتی خبریں'' جس سلیقے اور تفصیل سے ''تمثیل نو'' میں آتی ہیں کہیں اور پڑھنے کو نہیں ملتیں۔ اس بات کی تعریف کرنی ہوگی اکثر خبروں کا تعلق اردو سے ہوتا ہے۔ پروفیسر شمیم باروی کا ''مسجد اقصیٰ کا سفر'' عام سفر نہیں ہے جو سیر وتفریح کے لیے کیا جاتا ہے۔ یہ دشوار اور پرخطر سفر اس شخص کے لیے ممکن ہے جس کا ایمان مستحکم ہو اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کا شوق عشق کی حد کو چھوتا ہوا ہو۔ پروفیسر شمیم باروی کے اس جذبے کی جس قدر تعریف کی جائے کم ہے۔ ان کا ایمان محکم ہے جس کی وجہ سے یہ سفر ممکن ہوا۔ امام صاحب کا یہ کہنا ''یہاں تو کوئی نہیں آتا ہے۔ آپ ہندوستان سے تشریف لے آئے'' دل کو چھو گیا۔ شمیم باروی نے جس طرح مسجد اقصیٰ کی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے لائق ستائش ہے۔ یہ ایک بے حد معلوماتی سفرنامہ ہے۔

''کچھ یادیں کچھ باتیں'' میں پروفیسر ایم نہال نے جس طرح عصمت چغتائی کا ذکر کیا ہے مستحسن ہے۔ عصمت چغتائی کی شوخی، تیزی، طرح داری، کھلا پن، بے باکی اور حسن پرستی کو بہت سلیقے سے اور بہتر طریقے سے قارئین تک انھوں نے پہنچایا ہے۔ عصمت چغتائی اس حد تک حسن کی پرستار تھیں کہ موت ان کے لیے بے معنی ہو کر رہ گئی تھی کیونکہ ان کا یقین تھا کہ وہ پھر اس دنیا میں آئیں گی حسین گل بوٹے کی شکل میں جن کو دیکھ کر بھونرے وجد کریں گے۔ پروفیسر ایم نہال نے ان کے اس خیال کو نہایت خوبصورتی سے پیش کیا ہے۔ قارئین کے لیے یہ اندازہ کرنا آسان ہو گیا ہے کہ بڑھتی ہوئی عمر میں بھی ان کے اندر کی عورت کس قدر زندگی سے بھرپور تھی اور مثبت خیال رکھتی تھی۔ اس عمر میں اپنے اندر زندگی کو زندہ رکھنا بڑی بات ہے۔

انجم عظیم آبادی کی روداد ''ٹیگور جینتی کا مشاعرہ اور ساحر لدھیانوی'' اس طرح کی تحریر کی افادیت یہ

ہے کہ نئے اذہان کو ماضی سے جوڑتی ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم پرویز کا تعارف بہت خوب ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ ایک فعال اور متحرک شخصیت مناسب جگہ پر پہنچ گئی ہے۔ ''بصارتِ فکری'' کا یہ شعر خاص طور پر پسند آیا:

کہاں ملتے ہیں اب ایسے جیالے　　　جو فن میں ڈال دے فکری اجالے　　(امام اعظم)

دیگر مضامین میں صدیق عالم پر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور ڈاکٹر امام اعظم کے مضامین نیز سیّد منظر امام سے احمد معراج کا انٹرویو بھی اہمیت کے حامل ہیں۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' ایک اچھا مضمون ہے۔ انہوں نے صحیح لکھا ہے ''اخبارات اور رسائل میں چھاپنے کی غرض سے تحریری مواد کی تیاری کا نام صحافت ہے۔'' ان کا یہ خیال بھی درست ہے۔ ''آج اردو صحافت میں بھی جائز اور ناجائز طریقے سے روپے کمانے کا رجحان بڑھ گیا ہے۔'' نتیجے کے طور پر زرد صحافت کی مثالیں سامنے آنے لگی ہیں۔ ہرگانوی صاحب نے مولانا ابوالکلام آزاد کی تلقین کا حوالہ دیا ہے۔ ''اخبار نویس کو ہر طرح کے دباؤ سے آزاد ہونا چاہئے۔ چاندی اور سونا کا تو سایہ بھی اس کے لیے سم قاتل ہے۔'' یہ ہر زمانے کے صحافیوں کے لئے مشعل راہ ہے مگر آج کل تو بڑے بڑے ہوٹلوں میں پریس کانفرنس کرنے کا عام رواج ہے۔ جہاں بہترین کھانے پینے کا انتظام ہوتا ہے۔ اس مضمون میں ہندوستان، پاکستان کے علاوہ دیگر ممالک سے نکلنے والے اردو رسائل کا ذکر ہے جن سے اردو کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شمس جلیلی کا مضمون ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت بہار کے ادبی مراکز میں'' پسند آیا۔ اس مضمون میں پٹنہ سے نکلنے والے، اخباروں اور رسالوں کا خاص طور پر ذکر ہے۔ ان سے اتفاق کرنا پڑے گا۔ کہتے ہیں ''ہم اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے ہیں کہ موجودہ صارفیت کے اس دور میں اردو صحافت بھی عبادت اور ریاضت سے بھٹک کر تجارت کی دوڑ میں شامل ہو گئی ہے۔ جس کا منفی اثر یہ ہوا ہے کہ سرکاری اشتہارات کے لیے بیشتر اخبارات حکومت کی ٹیوننگ پر ڈانس کرتے نظر آتے ہیں۔ ایسے ناگفتہ بہ حالات میں جو لوگ بڑے حوصلے اور عزم کے ساتھ اردو صحافت کی خدمات انجام دے رہے ہیں اور حق و انصاف کے لیے نبرد آزما ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں۔'' ایسے ہی لوگوں نے اردو صحافت کو زندہ رکھا ہے۔ یہ صحیح ہے غیر اردو داں بھی منافع کے لئے اردو اخبار نکال رہیں ہیں لیکن ان اخباروں میں قابل اعتراض باتیں نہیں ہوتی ہیں بلکہ ان خبروں کو اہمیت دی جاتی ہیں جن کو اردو والے پڑھنا چاہتے ہیں۔ چونکہ ان کا مقصد تجارت ہے اس لیے ان کی یہ مجبوری ہے۔ صرف اس لیے ان کی مخالفت درست نہیں لگتی کہ ان کے مالک

غیر اردوداں ہیں بلکہ اس سے اردو کی مخالفت میں کمی آئے گی۔ عصبیت کم ہوگی۔

ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز کا ''اردو صحافت اندیشے اور نئے امکانات'' دیگر مضامین سے مختلف ہیں۔ انہوں نے اردو اخباروں کے لیے کام کرنے والوں کے مسائل پر بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ ان کے مالکان کم سے کم تنخواہ دے کر زیادہ سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ قوم سے ہمدردی پر مضمون لکھتے اور چھاپتے تو ہیں جو شاید ان کی کاروباری مجبوری ہے مگر یہی لوگ اپنے یہاں کام کرنے والوں کا استحصال کرتے ہیں۔ خود تو امیر بن جاتے ہیں مگر اپنے ملازمین کو غیرت کے جال میں پھنسائے رکھتے ہیں۔ یہ بے حد تکلیف دہ حقیقت ہے۔ ان کے حالات میں کس طرح بہتری لائی جائے اس کے لیے ذمہ دار مالکوں کو فکر کرنی چاہئے اور مثبت قدم اٹھانا چاہئے۔ جب تک ان کی مالی حالت بہتر نہ ہوگی اخبار معیاری نہیں ہوسکتا۔ جن اندیشوں کا ذکر انہوں نے کیا ہے بے بنیاد نہیں ہیں کیونکہ غیر اردوداں جو اردو اخباروں کے مالک ہیں ان کا پچھلا ریکارڈ کچھ اس طرح کا ہے کہ ان پر بھروسہ نہیں ہوتا۔ اگر یہ لوگ صرف تجارتی مقصد کے حصول کے لئے اردو اخبار نکال رہے ہیں پھر تو اعتراض کی کوئی بات نہیں کیونکہ اردو کا رشتہ روٹی سے جڑ رہا ہے لیکن اگر مقصد اردو والوں کے ذہن کو تبدیل (Brain Wash) کرنے کا ہے تو اردو والوں کو ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔ پرویز صاحب نے اردو اخبار کو کس طرح بہتر بنایا جائے کے تعلق سے جو تجاویز پیش کی ہیں ان پر سنجیدگی سے اخبار مالکوں کو غور کرنا چاہئے۔ ان کے مضمون کی ہر بات قابل توجہ ہے اور غور کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

شاہد حسین لعل پوری کا انشائیہ ''زبان در زبان'' پسند آیا۔ ان کی تحریر میں شگفتگی ہے اور الفاظ کے خوبصورت استعمال نے تعریف کے قابل بنا دیا ہے۔ جملوں کی ساخت ہی تو انشائیے کی جان ہوتی ہے۔

جناب حقانی القاسمی کا ''ادبی صحافت کا عصری منظر نامہ'' پسند آیا۔ اس مضمون میں تقریباً تمام ادبی رسالوں کا ذکر ہے لیکن چند اہم جریدوں کا ذکر نہیں ہے۔ جیسے ''کتاب''، ''عصری ادب''، ''کسوٹی جدید'' وغیرہ۔ حقانی القاسمی سے اتفاق کرنا پڑے گا کہ ''تمثیل نو'' دربھنگہ تکثیری اور متنوع مجلّہ ہے۔ جس کی سماجی، تاریخی، ثقافتی، مذہبی ڈسکورس کے علاوہ علاقائی ادبیات کی بھی شمولیت ہوتی ہے۔ یہ کلیت پسندی اور نظری جبریت سے آزاد رسالہ ہے۔''

ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کا مضمون ''دربھنگہ میں ادبی صحافت'' پسند آیا۔ اس مضمون میں خاص طور پر ''تمثیل نو'' کا ذکر کیا گیا ہے۔ دربھنگہ میں ادبی صحافت کا ذکر بغیر ''تمثیل نو'' کے ممکن بھی نہیں ہے۔ مجیر آزاد نے صحیح لکھا کہ

''اس رسالہ میں ''مجھے کچھ کہنا ہے'' میں کچھ نہ کچھ نئی بات ہوتی ہے جس سے دعوتِ فکر ملتی ہے۔ ادبی خبریں قارئین تک بہتر طریقے اور سلیقے سے پہنچائی جاتی ہیں۔ ''تمثیل نو'' نئے لکھنے والوں کی ہمت افزائی کرتا ہے اس کی تعریف کرنی ہوگی۔...... اس رسالے کی مستحکم شناخت اس کے خاص نمبر اور گوشے ہیں۔'' اس رسالے کے شعری اور نثری حصے دونوں اہم ہوتے ہیں۔ مجیر احمد آزاد کا یہ مضمون گو مختصر ہے مگر بہت خوب ہے۔

''کولکاتا میں اردو صحافت'' کے تعلق سے ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون قابل تعریف ہے۔ اس میں اختصار کے ساتھ جامعیت ہے ان دونوں میں توازن قائم رکھنا آسان نہیں ہوتا مگر بے حد کامیابی کے ساتھ اردو کا پہلا اخبار ''جامِ جہاں نما'' (۱۸۲۲ء) سے لے کر چند ماہ قبل شائع ہونے والا ''انشاء'' کا خاص نمبر ''مختصر تخلیقات نمبر'' تک کا ذکر موجود ہے۔ اتنے بڑے کینوس پر ایک مضمون لکھنا آسان کام نہ تھا مگر جس چابک دستی کے ساتھ ڈاکٹر اعظم نے قارئین تک پہنچایا ہے یہ ان ہی کا حصہ ہے۔ وہ بھی اس طرح کہ تمام قابل ذکر اخباروں اور رسالوں کا تعارف اس مضمون میں موجود ہے۔ ان کی عرق ریزی کی تعریف کرنی ہوگی۔ یہ صرف ایک تاریخی مضمون نہیں ہے بلکہ نئی نسل کے لیے معلوماتی ہے۔ اردو کا ماضی کس قدر شاندار رہا ہے اردو کا آزادی کی لڑائی سے کتنا بڑا تعلق رہا ہے۔ اور کس قدر اردو صحافت مقبول تھی۔

''مولانا آزاد کی ادارت میں ہفتہ وار ''الہلال'' (۱۹۱۲ء) کا اجراعمل میں آیا۔ اس اخبار نے زبردست پذیرائی حاصل کی۔ خوابیدہ دلوں کو اخبار نے جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔ یہ پہلا اخبار تھا جس نے اردو صحافت کو انقلابی آہنگ عطا کیا۔'' ڈاکٹر اعظم نے صحیح لکھا ہے کہ ''اس اخبار کی حیثیت تو سنگ میل کی ہے۔''

ڈاکٹر فیاض احمد وجیہ کا مضمون بھی خوب ہے۔ سلمان عبدالصمد کے مضمون کا عنوان ''اردو صحافت : چند افسوس ناک باتیں'' ہونا چاہئے تھا۔ ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون ''متھلا میں اردو صحافت'' مختصر ہے مگر بے حد معلوماتی ہے۔ اس میں قلمی اخباروں کا بھی ذکر ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ متھلا میں اردو صحافت کی جڑیں کتنی گہری ہیں۔ ڈاکٹر احسان عالم کا مضمون مختصر ہے لیکن اہم ہے۔ تمام افسانے قابل تعریف ہیں۔ حیدر وارثی نے یہ کہانی ایک خاص کیفیت کے تحت لکھی ہے۔ یہ فکر کی دعوت دینے والا افسانہ ہے۔ اس میں سوالات کے ذریعہ دعوت فکر دی گئی ہے۔ اس طرح کی کہانیوں میں اصل کہانی پیچھے سے جھانکتی ہوئی ہوتی ہے۔ افسانہ دلچسپ اور اہم ہے۔ اس کی تعریف ہونی چاہئے۔ دیگر مشمولات معیاری ہیں۔

□□□

محلہ: چک رحمت، بھیگو، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۴ (بہار)

• پروفیسر وہاب قیصر

''تمثیل نو'' کا گوشۂ آزاد: ایک جائزہ

(اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء)

دربھنگہ، بہار سے ڈاکٹر امام اعظم کی زیر ادارت شائع ہونے والے رسالے ''تمثیل نو'' نے مولانا ابوالکلام آزاد کی ۵۲ ویں برسی پر ان کے شخصی، فکری، ادبی، صحافتی اور سیاسی پہلوؤں پر ملک کے ادیبوں کی تخلیقات پیش کرتے ہوئے ان کو خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ امام اعظم اپنے اداریے میں لکھتے ہیں: ''میں نے سوچا کہ مولانا آزاد کے ان گوشوں کو اس رسالے کے ذریعہ سامنے لاؤں جو آج کے تناظر میں بھی ہمیں راہ دکھانے کے لئے کافی ہیں۔'' چنانچہ وہ مولانا آزاد کے مختلف پہلوؤں پر محیط مضامین پیش کرتے ہوئے اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوئے ہیں۔ اس شمارے میں مولانا آزاد کی شخصی زندگی پر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''ابوالکلام آزاد اور زلیخا بیگم'' شامل ہے۔ جس میں انہوں نے مولانا آزاد کے خاندان کا شجرہ، ان کی صحافتی اور سیاسی زندگی، ان کی تحریر کردہ کتابیں اور ان کی بیگم زلیخا بیگم کی ان سے رفاقت پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر محمد ارشد جمیل نے اپنے مضمون ''ذکرِ آزاد'' میں مولانا آزاد کی حیات کا مختصراً جائزہ لیا ہے۔ ان کے افکار پر راقم الحروف کا ایک مضمون ''افکار آزاد— مکتوبات کے حوالے سے'' شائع ہوا ہے۔ ڈاکٹر محمد ظفر الدین کا مضمون ''لسان الصدق اور سوشل ریفارم'' شامل اشاعت ہے۔ ہندوستان کے مسلم معاشرہ میں اصلاح معاشرہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہر دور میں ہمیشہ ہی اہمیت کا حامل رہا ہے۔ مولانا آزاد نے پندرہ سال کی عمر میں ایک ماہنامہ ''لسان الصدق'' اپنی ادارت میں نکالا تھا جو دیکھتے ہی دیکھتے سارے ملک میں شہرت کی بلندیوں کو چھو لیا۔ اس کے اہم مقاصد میں ایک مقصد سوشل ریفارم بھی تھا۔ ڈاکٹر محمد ظفر الدین نے اپنے مضمون میں لسان الصدق کے شماروں میں سوشل ریفارم سے متعلق شائع شدہ مضامین پر قلم اٹھایا ہے۔ جس میں انہوں نے مسلمانوں میں شادی بیاہ اور دیگر تقریبات کے موقع پر مختلف رسومات اور ان کی انجام دہی میں کی جانے والی فضول خرچیوں کے تذکروں پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

مولانا آزاد کی ادبی اور صحافتی تحریروں میں اور ان کے مکتوبات میں غالب کے اردو اور فارسی اشعار جا بجا نظر آتے ہیں لیکن کسی بھی تحریر میں علامہ اقبال کے اشعار کا کہیں کوئی شائبہ نظر نہیں آتا۔ چنانچہ ڈاکٹر

عقیل ہاشمی نے اپنے مقالے ''ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال'' میں اردو شعروادب کی ان دو ہمعصر ہستیوں کے مزاج میں، رویے میں اور فکروعمل میں جو موافقت اور اختلاف پایا جاتا ہے اس پر دلائل کے ساتھ بات کی ہے۔ دونوں میں پائی جانے والی سب سے اہم مطابقت کے بارے میں وہ کہتے ہیں کہ دونوں ہی نے قرآن سے استفادہ کیا ہے اور دونوں ہی اپنے اپنے کمال فن سے اسلامی روح کی سچی ترجمانی کرتے ہیں۔ پروفیسر عبدالواسع نے اپنے مقالے ''مولانا ابوالکلام آزاد — ایک عظیم نثار'' میں شعروادب کی مختلف ہستیوں اور مولانا آزاد کی تحریروں کے حوالوں سے ان کی نثر نگاری پر مفصل بحث کی ہے اور لکھتے ہیں کہ ''مولانا کی پوری شخصیت ان کے اسلوب نگارش میں سماگئی ہے۔'' ڈاکٹر امام اعظم اپنے مضمون ''فرانسیسی طرز کی انشاپردازی اور مولانا آزاد'' میں لکھتے ہیں کہ ''مولانا کی انشاپردازی میں فرانسیسی ادب کا رنگ دیکھنے کو ملتا ہے۔ کوئی بات ہو! پہلے وہ بڑی دقیق معلوم ہوتی ہے اور جب تحریر آگے بڑھتی جاتی ہے تو اس کی پرتیں کھلتی جاتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ مولانا آزاد کی صحافت ان کی اپنی ایجاد کردہ تھی جو ان ہی کے ساتھ ختم بھی ہوگئی۔'' چنانچہ اس نمبر میں ڈاکٹر مجید بیدار کا مضمون ''مولانا آزاد کی ادبی صحافت'' بھی شامل کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''مولانا آزاد بحیثیت ایک صحافی نہ صرف علم وادب کی سرپرستی کی بلکہ اپنے اخبار میں ایسے مضامین کو جگہ دی جن میں تنوع، علمیت اور جدید علوم وفنون بدرجہ اتم پائے جاتے تھے۔''

ملک کی آزادی سے قبل یہاں کی سیاسی صورتحال پر دو بنگالی دانشوروں کے مضامین کا اردو ترجمہ بعنوان ''مولانا آزاد اور تقسیم ہند'' بھی ''تمثیل نو'' کے اس شمارے میں شامل ہے۔ جس میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ تحریک آزادی میں کانگریس کے وہ قائدین جو تقسیم ہند کے لئے حامی بھر چکے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ جب ہندو اور مسلم طبقہ کے درمیان حد درجہ تلخیاں پیدا ہوگئیں تب انہیں زبردستی ایک ہی جھنڈے تلے باندھے رکھنے سے کیا فائدہ؟ جب کہ ان دونوں طبقات کے درمیان پائی جانے والی نفرتیں آئے دن ٹکراؤ کی شکل میں ظاہر ہوتی رہیں گی۔ مولانا آزاد جو متحدہ ہندوستان کے آرزومند تھے۔ ان کے پیش نظر یہ بات تھی کہ متحدہ ہندوستان میں چھوٹی چھوٹی ریاستوں پر مشتمل ایک ٹھوس اور مضبوط وفاقی حکومت قائم رہے گی جس میں یہ ریاستیں اپنے اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے ملک کو ترقی کی سمت بہ آسانی لے جاسکیں گی۔ پروفیسر ایم اے ضیاء کا ایک مضمون ''مولانا آزاد اور مسلم سیاست'' کے زیر عنوان اس رسالہ میں شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ''مولانا آزاد کا عہد اور ان کی قائدانہ سیاست اس عہد کا ایک حصہ بن کر رہ گئی ہے۔'' ''انڈیا ونس فریڈم'' کی اشاعت مولانا آزاد کے

سانحۂ ارتحال کے بعد عمل میں آئی جس کے نتیجہ میں وہ صرف ایک سیاسی دستاویز کی شکل اختیار کرلی۔

رؤف خیر مولانا کی ہمہ پہلو شخصیت سے متاثر ہوکر ایک نظم "ہزار بات کی ایک بات" لکھی ہے جس کو مولانا ابوالکلام آزاد کی نذر کیا گیا ہے۔ اس نظم کا ایک بند ملاحظہ ہو:

ادب ہو، دین و سیاست ہو یا صحافت ہو — تمہاری ذات سے وابستگی پہ نازاں ہے
تمہارے دم سے قیادت کو اعتبار ملا — تمہاری خوش نظری، خوش روی پہ نازاں ہے

"تمثیل نو" کے اس شمارے میں ڈاکٹر محسن جلگانوی کو "اس شمارے کے مخصوص شاعر" کے طور پر پیش کیا گیا ہے جس میں ان کے شخصی تعارف کے علاوہ ان کی سخنوری کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر مسعود جعفری کی نعت کے علاوہ علقمہ شبلی، علیم صبا نویدی اور رؤف خیر کی نظمیں، منور رانا، صلاح الدین نیر، قطب سرشار، اسحاق ملک اور حفیظ انجم کریم نگری کی غزلیں شامل ہیں۔

کتابوں پر تبصروں میں محمد امتیاز علی تاج کی کتاب "الکٹرانک میڈیا، ریڈیو، ٹیلی ویژن" پر ڈاکٹر مجید بیدار، راقم الحروف کی مرتبہ کتاب "مولانا آزاد کے سائنسی مضامین" اور ڈاکٹر نکہت جہاں کی کتاب "اردو شاعری اور نسائی حسیت" پر امام اعظم اور ڈاکٹر محمد شجاعت علی راشد کی کتاب "اردو زبان: نئے افق" پر ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کے تبصرے شائع ہوئے ہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ "اعتماد"، حیدرآباد ۲۲ر فروری ۲۰۱۰ء)

□□□
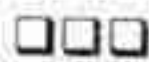
سابق کنٹرولر آف ایگزامس، مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، گچی باؤلی، حیدرآباد-۵۰۰۰۳۲

موبائل: 09490751550

• پروفیسر مجید بیدار

”تمثیلِ نو“ اور اردو کا ہمعصر ادب

(اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء)

ریاست بہار کے ضلع دربھنگہ کی سرزمین سے اشاعت پذیر ماہنامہ ”تمثیلِ نو“ بنیادی طور پر اپنی خدمت کے دس سال مکمل کر چکا ہے، گیارہویں سال میں قدم رکھتے ہوئے اس جریدے کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم نے خصوصی شمارے کی ترتیب کا حق ادا کرتے ہوئے ماہِ اکتوبر تا مارچ ۲۰۱۱ء کے شمارے کو ”اردو کا ہمعصر ادب۔ ۱۹۸۵ء کے بعد“ مرتب کیا ہے۔ جس کی مدیرہ ڈاکٹر زہرہ شمائل کی کوششوں کو بھی دو سو چھپن صفحات پر مشتمل اس رسالے کی ترتیب وتزئین کا حق حاصل ہے۔ سادہ لیکن ہمہ رنگی سرِورق اور عمدہ کتابت اور طباعت سے مزین یہ رسالہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے توسط سے ایک جانب ۱۹۸۵ء کے بعد کے ہمعصر اردو ادب کا تجزیہ ممکن ہے تو اُس کے ساتھ ہی یہ شمارہ سیّد منظر امام کے مطالعہ اور گوشۂ خورشید اکبر کے توسط سے خدمات کے اعتراف کا حق بھی ادا کرتا ہے۔ رسالے کی ترتیب کے توسط سے ڈاکٹر امام اعظم نے بھرپور کوشش کی ہے کہ ایسے مقالات کو ہی شامل کیا جائے جو فن کی باریک بینی کے تقاضے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم کے اداریے کے علاوہ ایم اے ضیا کی حمد اور ساحر شیوی کی نعت پاک کے بعد پروفیسر نظیر صدیقی کے مکتوب بنام ڈاکٹر امام اعظم کے توسط سے ترتیب کا آغاز کیا گیا ہے۔ اداریے میں ”تمثیلِ نو“ کے سابقہ خصوصی اشاعتوں کے جائزے کے بعد زیرِ نظر شمارے اور اُس کی ضرورت پر دانشورانہ بحث کا آغاز کیا گیا ہے۔ یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام اعظم نے اپنے رسالے کے ذریعے معاصر ادب کی نشاندہی پر خصوصی توجہ دی ہے۔ اداریے کے ساتھ ہی ادبی اور ثقافتی خبروں کو جگہ دی گئی ہے اور ان خبروں کا تسلسل بھی نو صفحات پر محیط ہے۔ جس کے بعد تین صفحات میں گذشتہ سال اس دنیا سے منتقل ہونے والے ادیبوں اور شاعروں کو خراجِ عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ رسالے کا پہلا مقالہ ”اردو افسانہ ۱۹۸۵ء کے بعد۔ نظریہ وتجزیہ“ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا تحریر کردہ ہے۔ جس میں انہوں نے علامتی بیانیہ اور جدید و مابعد جدید فکریات کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ ۱۹۸۵ء کے بعد اردو کے معیاری افسانوں کے فن میں کہانی کے ڈھانچے اور واقعات کے Perception میں بڑی تبدیلی آئی ہے۔ ترقی پسند اور جدیدیت کے بعد یہ تیسری آواز زیادہ صحت مند اور عوام کے قریب ہے۔ انہوں نے

علاقائیت اور لایعنیت اور جنسی بے راہ روی اور استحصال کا جائزہ لیتے ہوئے اپنے مقالے میں یہ ثابت کیا ہے کہ ۱۹۸۵ء کے بعد اردو افسانہ عوام سے قریب اور صحت مند تقاضوں کا حامل ہوگیا ہے۔ نظام صدیقی نے ''مابعد جدید تنقید کے نئے فکریاتی زاویے'' جیسے موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے اپنے مقالے میں تخلیقیت کا ذکر کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ مابعد جدید تنقید نہ صرف نظریۂ عالم کی ردِ تشکیل کرتی ہے بلکہ سالم نظریۂ عالم کو قبول کرتی ہے، یہی مابعد جدید تنقید کی بنیادی خصوصیت ہے۔ افسانے کے بعد ۱۹۸۵ء کی اردو تنقید کا تجزیہ اس شمارے کی خصوصیت کا درجہ رکھتا ہے جس کے بعد پروفیسر مجید بیدار نے خصوصی موضوع کا احاطہ کرتے ہوئے اپنا مضمون ''جنوبی ہند میں ۱۹۸۵ء کے بعد ہمعصر ادبی تنقید'' کا ذکر کرتے ہوئے یہ بات ثابت کی ہے کہ جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد ۱۹۸۵ء میں جامعاتی سطح کی جس تنقید نے جنوبی ہند کو اپنے دائرے میں لیا وہ تنقید درحقیقت روایتی تنقید سے مختلف اور لسانی تحقیق سے وابستہ ہے جس کے نتیجے میں جامعہ سے وابستہ اساتذہ کے فکری روئے سے جنوبی ہند کی تنقید پروان چڑھی اور ایسے اساتذہ میں پروفیسر مغنی تبسم، پروفیسر یوسف سرمست، پروفیسر عصمت جاوید شیخ، پروفیسر گیان چند جین، پروفیسر ثمینہ شوکت اور پروفیسر سیّدہ جعفر کے علاوہ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید اس لیے اہمیت کے حامل ہیں کہ ان اساتذہ نے روایتی تنقید سے انحراف برتتے ہوئے جدید تنقید کے رویے کو فروغ دیا اور جنوبی ہند کی پانچ ریاستوں میں آندھرا، مہاراشٹرا اور کرناٹک کی ریاستوں سے وابستہ جامعات کے اساتذہ ہی ۱۹۸۵ء کے بعد کی اردو تنقید کو پروان چڑھاتے ہوئے مخطوطات کی بازیافت اور متن کی صحیح قرأت کے ساتھ ساتھ فن پارے کی جدید تنقید کا حق ادا کر رہے ہیں۔ ''تمثیلِ نو'' کا ہمعصر ادب پر شائع شدہ یہ شمارہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ پروفیسر ایم۔ اے۔ ضیا کا مقالہ ''۱۹۸۵ء کی غزلیں اپنی ذات کا مسیحا'' لکھ کر یہ ثابت کیا ہے کہ ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے دور میں اردو غزل کے پرانے تقاضوں کی پرواہ کیے بغیر پیرایۂ اظہار میں تنقیدی روش کام کرنے لگی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ غزل کے میکانیکی اظہار میں تبدیلی پیدا ہوئی اور یہی تبدیلی سماج، معاشرے اور سیاست کے علاوہ کاروباری زندگی کا احاطہ کرتی ہے جہاں غزلیہ شاعری کسی آئیڈیلزم کو گلے لگا کر آگے نہیں بڑھتی بلکہ حالات کے تقاضوں کی تکمیل کرتی ہے اس طرح ۱۹۸۵ء کے بعد کی اردو غزل کا تجزیہ مقالہ نگار کی بصیرت کی نشاندہی کرتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ''اردو نظموں کا پس منظر اور پیش منظر'' کے توسط سے ۱۹۸۵ء کے اردو کے نظمیہ ذخیرے کا احاطہ کیا ہے اور اپنے مقالے میں بے شمار شاعروں اور اُن کی نظموں کے نام دُہراتے ہوئے یہ ثابت کیا

ہے کہ نئی نظم اپنی روایت سے مختلف اور نئے تجزیے اور تنقید سے مالا مال ایک ایسا اظہار ہے جس میں شاعر کی ذات اور عوام کی کائنات کا اظہار ہوتا ہے اس طرح امام اعظم نے ۱۹۸۵ء کے بعد اردو نظم کے سفر کو نمایاں کیا ہے اور اسی سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے امام اعظم نے مباحثہ کا آغاز کرتے ہوئے جدید اردو غزل میں Repeatation کے مسئلے پر مختلف ادبی شخصیتوں کے خیالات کو شامل کیا ہے جن میں حسن امام درد، سید امین اشرف، سید احمد شمیم، مناظر عاشق ہرگانوی، عبدالمنان طرزی، رئیس انور، منصور عمر اور مشتاق صدف کے علاوہ ابوذر ہاشمی، ہمایوں اشرف اور امام اعظم جیسے فن کار شامل ہیں جنھوں نے غزل میں تکرار اور اس کے موضوع سے بحث کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ بلاشبہ اردو غزل نئی ہیئت اور نئی معنویت سے ضرور ہمکنار ہوئی ہے لیکن اس میں تکرار کی کیفیت نمایاں ہوتی جارہی ہے، غرض یہ مباحثہ بھی اہمیت کا حامل ہے۔ جس کے بعد رسالے کا وہ حصہ شروع ہوتا ہے جس میں سب سے پہلے سید منظر امام کے فن اور اُن کے کارناموں پر مضامین شامل کیے گئے ہیں جس سے اُن کی تخلیقی انفرادیت اور تحریر کی خوشبو کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ اسی طرح گوشۂ خورشید اکبر میں دس مضامین خورشید اکبر کی صلاحیتوں کے اعتراف کی نمائندگی کرتے ہیں۔ وصیہ عرفانہ کا رپورتاژ ''برف کی جھیل'' میں ڈاکٹر امام اعظم کا سفرنامہ ''بھونیشور کا ایک مختصر سفر'' اور فیض الحسن کا خاکہ '' ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم'' اور اس کے بعد اقبال انصاری، خالد عابدی اور وصیہ عرفانہ کے تین افسانے اس شمارے کی زینت بڑھاتے ہیں۔ شمارے کے مخصوص شاعر کی حیثیت سے خالد رحیم اور اُن کی شاعری پیش کی گئی ہے، نو شاعروں کی نظمیں رسالے کے حسن میں اضافے کا درجہ رکھتی ہیں جب کہ بیس شاعروں کی غزلیں اپنی انفرادیت کی نمائندہ ہیں اور چار مختلف مبصرین نے ''نظر اپنی اپنی'' کے عنوان سے کتابوں پر تبصرے پیش کیے ہیں اور آخر میں ''رسم وراہ'' کے عنوان سے کئی ادیبوں اور قلم کاروں کے خطوط شامل ہیں جن میں سابقہ شماروں کی تعریف وتوصیف کے علاوہ مدیر کی صلاحیتوں کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس شمارے میں خاص طور پر مولانا ابوالکلام کی شخصیت اور اردو فلموں پر ''تمثیلِ نو'' کے شائع شدہ دو شماروں کی خصوصی پذیرائی کی گئی ہے۔ ''تمثیلِ نو'' کے سرورق کی پشت پر گوپی چند نارنگ کے ادبی مکالمات کے سلسلے میں مشتاق صدف کی کتاب کا اشتہار اور نارنگ کی تصویر شائع کی گئی ہے، غرض صوری ومعنوی اعتبار سے پیش کردہ ''تمثیلِ نو'' کا شمارہ گیارہ اور بارہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس شمارے کے توسط سے ۱۹۸۵ء کے بعد کے اردو ادب کا منظرنامہ ہی واضح نہیں ہوتا بلکہ سید منظر امام اور خورشید اکبر کی ادبی کاوشوں کا بھی پتا چلتا ہے اور یہ بھی خوش آئند بات ہے کہ تمثیلِ نو کے

مدیر نے پورے شمارے کو ایک موضوع سے مزین کر کے اُسے غیر دلچسپ بننے نہیں دیا بلکہ بحیثیت ادبی موضوع کے احاطے کے ساتھ ساتھ دو شخصیتوں کے کارناموں کے احاطے کو بھی شامل کر کے رسالے کو متنوع بنا دیا ہے اور اس ندرت پر ڈاکٹر امام اعظم کو مبارک باد پیش کی جانی چاہیے کہ انہوں نے رسالے کے تنوع کو برقرار رکھتے ہوئے حسنِ ادارت کی تکمیل کی ہے۔ توقع ہے کہ ''تمثیلِ نو'' کے اس خصوصی نمبر کا پُرتپاک استقبال کیا جائے گا اور اردو دوست اس کی خریداری میں شریک ہو کر اردو کی خدمت کا حق ادا کریں گے۔

....

(۲)

''تمثیلِ نو'' کا منظرنامہ

(جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء)

ریاستِ بہار کے جنوب میں واقع ضلع دربھنگہ کی ادبی سرگرمیوں سے واقفیت کا سلسلہ اکیسویں صدی کی ابتدائی دہائی سے ہوا، جب کہ اس سرزمین سے ڈاکٹر امام اعظم نے سہ ماہی رسالہ ''تمثیلِ نو'' کی اشاعت کو ممکن بنا دیا۔ دربھنگہ کی سرزمین سے شعر و ادب کی روایت کو فروغ دینے والے عصرِ جدید کے علمبردار ڈاکٹر امام اعظم مسلسل تیرہ سال سے اس رسالہ کی اشاعت کے لیے مسلسل جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں۔ گذشتہ چند برسوں سے ان کی خدمات کولکاتا سے وابستہ ہوگئی ہیں۔ امام اعظم کی خصوصیت یہی ہے کہ وہ جس سرزمین پر قدم رکھتے ہیں، وہاں کی ادبی سرگرمیوں کو منظرِ عام پر لانے میں پوری طرح کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ''تمثیلِ نو'' کے کئی خاص نمبر تاریخی اہمیت اور ادبی دستاویز کا درجہ رکھتے ہیں۔ غرض جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء کا مرتب کردہ ''تمثیلِ نو'' کا تازہ شمارہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ اس کے فاضل مدیر نے اس شمارے کو ''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں'' کے عنوان سے وابستہ کیا ہے۔ اس رسالہ میں جہاں مدیر کی فنکارانہ صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں وہیں ادارت کے عمدہ تقاضوں کو منظرِ عام پر لانے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔ مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت کی نمائندگی کے لیے دس عنوانات پر دس مختلف ادیبوں کے مضامین شامل کیے گئے ہیں، جو تحقیقی خصوصیات کے علمبردار ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے مغربی بنگال میں اردو تنقید، تحقیق، تبصرہ اور تذکرہ کے زیرِ عنوان مقالہ لکھ کر اس علاقہ کی ادبی تحقیقاتی فضا کی نمائندگی کی ہے، جب کہ ڈاکٹر شاہد اختر کے مقالہ ''اردو کی

صورت حال مغربی بنگال میں'' کے ذریعہ اس علاقہ میں شعری اور نثری سرگرمیوں کے عروج کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عشرت بیتاب نے ''مغربی بنگال میں اردو افسانہ'' کے توسط سے اس علاقہ کی تخلیقی سرگرمیوں کو نمایاں کیا ہے، جب کہ مصطفیٰ اکبر کے مقالہ ''اکیسویں صدی میں مغربی بنگال میں اردو ڈرامہ'' تحقیقاتی جائزے کے ذریعہ ڈراما کی ترقی کا پیش خیمہ ہے۔ محسن باعشن حسرت نے اکیسویں صدی کے تناظر میں مغربی بنگال کے ادب اطفال کے محاکمہ کو بڑے دلچسپ اور تحقیقی انداز میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر نصرت جہاں کے مضمون ''مغربی بنگال میں اردو غزل کا منظر نامہ'' اس علاقہ کی غزل گوئی کی خصوصیات کی نشاندہی کرتا ہے۔ ڈاکٹر عمر غزالی نے ''مغربی بنگال میں اردو نظم'' کی صورتِ حال کو تحقیقی و تنقیدی پس منظر میں نمایاں کیا ہے، جب کہ امتیاز احمد راشد کے مضمون سے ''مغربی بنگال میں اردو صحافت کی صورتِ حال'' سے مکمل واقفیت ہوتی ہے۔ شبانہ خاتون ثمن نے ''مغربی بنگال میں اردو ناول کے سفر'' کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا ہے، جب کہ محمد آفتاب عالم نے کلکتہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی اور ڈی لٹ کے لیے پیش کردہ مقالوں کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف ادیبوں کے پندرہ مضامین زائد از ۱۵۰ صفحات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس خصوصی شمارہ کی خوبی یہی ہے کہ ''تمثیل نو'' کے مدیر نے صلو چودھری کے خصوصی تعارف کو بھی اس شمارہ کا حصہ بنایا ہے، جنہوں نے بھگوت گیتا کا اردو ترجمہ بڑے پر وقار انداز میں کیا ہے۔ اس ترجمہ کی تخلیقی انفرادیت پر ''تمثیل نو'' کے اس خصوصی شمارہ میں ڈاکٹر عبدالصمد، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر منصور عمر اور احسان ثاقب نے تجزیاتی مضامین پیش کر کے ترجمہ کے محاسن کا احاطہ کیا ہے، جب کہ منصور عمر نے صنعتِ توشیح میں صلو چودھری کو مبارکباد دیتے ہوئے شاعری کا حق ادا کیا ہے۔ محمد آفتاب عالم نے صلو چودھری کے ساتھ ایک خصوصی ملاقات میں اردو کی ادبی و معاشرتی تاریخ کے حوالے سے ان کی آرا کو انٹرویو کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اس کے علاوہ افسانے، ہدایات، مکتوبات، اس شمارہ کے مخصوص شاعر، نظمیں، غزلیں، تجزیہ، تبصرے، خطوط اور جائزے اس شمارہ کے مشمولات کی ہمہ گیری کا ثبوت دیتے ہیں۔ شمارہ کے آغاز میں ڈاکٹر امام اعظم کا اداریہ حمد و نعت کے علاوہ مولانا محمد ولی رحمانی اور علامہ شبلی کی جانب سے امام اعظم کے نام لکھے ہوئے خطوط سے اس شمارہ کے وقار میں اضافہ ہوتا ہے اور حسب سابق پروفیسر سید منظر امام کی خودنوشت ''یہ سرگذشت ہی ہے'' کو شمارہ میں شامل کر کے رسالہ کو گلدستہ کی حیثیت دی گئی ہے۔ اس قدر جامع اور مواد و معلومات سے بھرپور رسالہ ۳۵۲ صفحات کی ضخامت پر مشتمل ہے، جس میں لاتعداد ادیبوں کے خطوط

اور بے شمار کتابوں پر تبصرہ کے علاوہ حد درجہ سلگتے ہوئے موضوعات کی نمائندگی کا حق بھی ادا کیا گیا ہے۔
''تمثیل نو'' کے اس تازہ شمارہ میں ۷۵ صفحات میں شعری و نثری کتابوں پر تبصرے شامل ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ مغربی بنگال کی ادبی پیش رفت کا نمائندہ ہی نہیں، بلکہ ملک کے گوشہ گوشہ سے شاعری اور نثر نگاری کی نمائندگی کرنے والی کتابوں پر تبصرہ پیش کر کے اس رسالہ نے اپنی انفرادیت کے جوہر دکھائے ہیں۔ غرض اس قدر ضخیم اور افادیت سے بھرپور رسالہ کی اشاعت پر ڈاکٹر امام اعظم کو مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔ انہوں نے ہمہ رنگی سرورق پر مغربی بنگال کے انیس اضلاع کا نقشہ اور صلّو چودھری کی تصویر شائع کر کے مغربی بنگال کی ادبی خدمات کا برمحل اعتراف کیا ہے۔ سرورق کے دونوں حصوں کی پشت پر مختلف ادبی نشستوں کی رنگین تصاویر شائع کی گئی ہیں۔ امام اعظم کی ادارت میں رسالہ کی اس خصوصی اشاعت پر ادبی حلقوں سے دلی مبارکباد پیش کی جاتی ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'وارث اودھ'، وارانسی ۱۲/ مارچ ۲۰۱۵ء)

(مطبوعہ: ''تمثیل نو'' دربھنگہ جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء، ص: ۳۷۵-۳۷۶)

❑❑❑

سابق صدر شعبۂ اردو، جامعہ عثمانیہ، حیدرآباد

۳۰۳/ تیسری منزل، بشیر ریسیڈنسی، ۵/۵۴-۲-۱۶، اکبر باغ، ملک پیٹ، حیدرآباد-۵۰۰۰۳۶

موبائل: 09441697072

• یٰسین احمد (حیدرآباد)

''تمثیل نو'' کی گہرباری

(جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء)

دربھنگہ بہار کا ایک قدیم شہر ہے اور پچھلے کئی دہوں سے مذہبی، علمی و ادبی سرگرمیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اسی سرزمین سے ڈاکٹر امام اعظم 'تمثیل نو' شائع کرتے ہیں جو کئی برسوں سے نہایت اہتمام اور باقاعدگی سے شائع ہو رہا ہے۔ امام اعظم نوجوان ہیں ان کی رگوں میں گرم خون دوڑ رہا ہے۔ لیکن وہ لہو ہی کیا جو آنکھوں سے نہ چھلکے۔ چنانچہ جب امام اعظم کی آنکھوں سے لہو چھلکتا ہے تو 'تمثیل نو' کے عارض و گیسو سنورتے ہیں۔ اپنی بے پناہ انتظامی مصروفیتوں کے باوجود ''تمثیل نو'' کو نکھارنے سنوارنے میں وہ اپنی اُن راتوں کو قربان کرتے ہیں جن پر ان کی رفیقۂ حیات کا حق بنتا ہے۔ ان کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ ہر نیا شمارہ پچھلے شمارہ سے بہتر رہے۔

''تمثیل نو'' کا تازہ شمارہ ''پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار'' پر مشتمل ہے۔ اتنا حساس موضوع جس مواد کا متقاضی ہے اسے اکٹھا کرنے میں امام اعظم نے بڑی عرق ریزی کی ہے۔ اس جریدے کا اداریہ ہمیشہ اہمیت کا حامل رہا ہے۔ امام اعظم نے ہر بار نئے نکتوں، متنوع موضوعات اور اہم مسائل پر قلم اٹھایا ہے اور کہیں کوئی تشنگی، کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ وہ تفصیل اور واشگاف الفاظ میں اپنی بات قارئین تک پہنچانے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ تازہ شمارہ کے اداریہ میں انہوں نے اپنی گفتگو کا آغاز ۱۸۵۷ء کی اس تحریک آزادی سے شروع کیا ہے جسے سفید فام قوم نے غدر کا نام دیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ ''دربھنگہ اس اعتبار سے قابل مبارکباد ہے کہ ۱۸۵۷ء کی ڈیڑھ سو سالہ جنگ آزادی کی تقریب کا اہتمام یہاں حیدرآباد کے فوراً بعد کیا گیا۔'' اس شمارہ کو نایاب تصویروں سے آراستہ کیا گیا ہے جس سے کئی حقائق روشن ہو جاتے ہیں۔

اس شمارے کے جو صفحات پہلی جنگ آزادی پر خصوصی مضامین کے لئے مختص کئے گئے ہیں ان میں ڈاکٹر امام اعظم، محمد علی اشرف فاطمی، پروفیسر مجید بیدار، پروفیسر رئیس انور، ابوذر ہاشمی، پروفیسر منصور عمر نے حصہ لیا ہے۔ ابتداء ڈاکٹر امام اعظم کے خطبۂ استقبالیہ سے ہوتی ہے جو انہوں نے مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی ریجنل سنٹر دربھنگہ اور قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی کے اشتراک سے منعقدہ دو روزہ قومی سمینار زیر عنوان ''پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو زبان کا کردار'' کے افتتاحی اجلاس کے موقع پر پیش کیا تھا۔ اس سمینار میں عزت مآب وزیر ریلوے جناب لالو پرساد اور وزیر مملکت برائے

فروغ انسانی وسائل جناب محمد علی اشرف فاطمی کے علاوہ پاکستان سے احمد فراز نے شرکت کی تھی اور مشاہیر اردو ادب کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اس تاریخی سمینار کے خطبۂ استقبالیہ میں امام اعظم نے کہا کہ ''بلاشبہ جنگ آزادی ہندوستانیوں نے مل کر لڑی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس جنگ آزادی میں اردو زبان نے اہم کردار ادا کیا۔ چنانچہ ہر صنف ادب چاہے اس کا تعلق شاعری سے ہو یا نثر سے اس دور کے سارے ادب پر جدو جہد کا اثر غالب رہا۔ ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی اردو دانشوروں کے پر جوش ولولہ انگیز تقریروں اور تحریروں سے شروع ہوئی اور انقلاب زندہ باد کے نعرے پر ختم ہوئی۔''

جناب محمد علی اشرف فاطمی کا خطبہ صدارت بھی اس جریدہ میں پیش کیا گیا ہے، جس میں موصوف نے کہا کہ ''سارا ملک اس سال ۱۸۵۷ء کے عظیم رہنماؤں، جاں نثاروں اور مجاہدوں کی قربانی کو یادگار کے طور پر ۱۵۷ویں سالگرہ منا رہا ہے۔ زندہ قومیں ہمیشہ اپنی ناکامی و محرومی کے نتیجے پر غور کرتی ہیں اور اپنی کامیابی پر کامیابی کی بنیادی وجہ تلاش کرنے میں سرگرداں رہتی ہیں۔'' پروفیسر مجید بیدار نے اس سمینار ''۱۸۵۷ء سے متعلق لسانی و ادبی نقوش'' پڑھا جب کہ پروفیسر رئیس انور کا پرچہ ''اردو میں مجاہدین قلم کار اور عوام کے جذبات و خیالات'' کے عنوان سے لکھا گیا تھا۔ مجید بیدار نے اس اقدام کو سراہا کہ ہندوستان کی آزادی کے ساٹھ سال بعد یہ محسوس کیا گیا کہ ان سورماؤں کو یاد کیا جائے جنہوں نے پہلی جنگ آزادی میں نہ صرف تلوار کے ذریعہ جہاد کیا بلکہ قلم کے جہاد کے ذریعہ بھی اہم کارنامے انجام دیئے۔ ابوذر ہاشمی نے اس سیمینار کے تیسرے سیشن میں پڑھے جانے والے مقالوں کی تفصیل پیش کی۔ ڈاکٹر منصور عمر نے اس سمینار میں نمائش کے لئے جو تصویریں پیش کی گئی ہیں ان کے پس منظر کو بیان کیا ہے۔ اس کے بعد تاثرات پیش کئے گئے ہیں جن میں عزت مآب وزیر ریلوے لالو پرساد اور دوسرے دانشوران شامل ہیں۔ دربھنگہ کے دوروزہ قومی سیمینار کا رپورتاژ امام اعظم نے پیش کیا اور پھر ۷۶ رتصاویر بھی پیش کی گئیں جو نایاب ہیں۔

جنگ آزادی کے خصوصی صفحات کے بعد مضامین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جس میں ۱۱ رقلمکاروں نے اپنے جوہر قلم کا مظاہرہ کیا ہے۔ ان میں ایک انشائیہ بھی شامل ہے جس کو شاہد حسین لعل پوری نے لکھا ہے۔ پروفیسر سید منظر امام کی خودنوشت ''دربھنگہ دل سے جاتی ہی نہیں یادتری'' کا پانچواں باب اس شمارہ میں شامل ہے۔ سید منظر امام کی تحریر دلچسپ ہے اور دل گداز بھی۔ وہ لکھتے ہیں ''انسان مرجاتے ہیں لیکن یادیں نہیں مرتیں۔ ان کے ساتھ گزرے ہوئے خوش گوار لمحات نہیں مرتے ان کی اچھائیاں بھی زندہ رہتی ہیں اور برائیاں بھی اور برائی کس میں نہیں ہوتی۔ میرا خیال ہے کہ نیکی اور بدی شروع سے ہم سفر رہی ہیں۔'' ایسی خوبصورت تحریریں قاری کے ذہن سے چمٹ جاتی ہیں۔ شمس جلیلی نے پورنیہ کی مختصر

ادبی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ پر روشنی ڈالی ہے۔ پورنیہ ایک قدیم اور تاریخی شہر ہے جو حضرت عیسیٰ مسیح کے کوئی ۲۵ سال پہلے سے آباد ہے۔ شمس جلیلی لکھتے ہیں کہ ''یہ علاقہ اپنی خوش حالی کے لئے بہت مشہور ہے اس لئے پانڈوؤں نے بن باس کے زمانے میں یہیں آکر پناہ لی تھی۔''

ڈاکٹر ایم صلاح الدین کا ''شکری جو ایک گاؤں تھا متھلا میں انتخاب'' اور فیاض احمد وجیہ کے ''دو عظیم محقق'' (الیاس رحمانی اور شاداں فاروقی) دو اچھے مقالے ہیں۔ جن کے مطالعہ سے جہاں شکری کی تاریخ اور سماجی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے وہیں الیاس رحمانی اور شاداں فاروقی سے متعارف ہونے کا موقع ملتا ہے۔ ایک اور اچھا اور اہم مضمون محمد زکریا ورک کا ہے جو کینیڈا میں رہتے ہیں۔ زکریا نے پاکستان کے نوبل انعام یافتہ سائنسداں ڈاکٹر عبدالسلام کی نجی زندگی اور سائنسی خدمات پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ ''برہان الحق ابوریحان البیرونی (۱۰۵۳-۹۷۳) اور ڈاکٹر صاحب کئی معاملات میں مماثلت رکھتے ہیں۔ اسلامی تاریخ میں البیرونی ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ وہ ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ ہیئت داں، اراضی داں، نجومی، تاریخ داں، جغرافیہ داں، علم بصریات کے محقق، ماہر سماجیات، ماہر لسانیات، ماہر طبعیات، ماہر مذہبیات، ماہر معدنیات، ماہر دوا ساز، شاعر، محقق، دانشور، ادیب اور ترجمہ نگاری میں یکتائے روزگار تھے۔'' زکریا کا یہ دلچسپ موازنہ قارئین کے حلقوں میں یقیناً مقبول ہوگا۔ ''اردو تعلیم اور تعلّم'' میں تشنہ اعجاز کی آواز قابل غور ہے۔ انہوں نے املا کی کتابوں کو نصاب میں داخل کرنے کی نہ صرف پُرزور سفارش کی ہے بلکہ دن بہ دن اردو پڑھنے والوں کی گھٹتی ہوئی تعداد پر تشویش کا اظہار بھی کیا ہے۔ مزید یہ بھی کہا ہے کہ آج ملک میں ایک سے ایک ادبی رسائل جنم لے رہے ہیں مگر قاری نہیں۔ تشنہ اعجاز کی باتیں دل میں اتر جاتی ہیں ع مگر کون سنتا ہے فغان درویش

سلطانہ مہر نے محسنہ جیلانی کے افسانہ پر گفتگو کی ہے اور تسنیم فاطمہ نے ذوقی کے ناول ''پروفیسر ایس کی عجیب داستاں وایا سونامی'' پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ الطاف انجم نے ''اقبال تنقید: مسائل اور مضمرات'' پر نہایت محنت سے کام کیا ہے۔ اختر جاوید نے ''تمثیل نو'' (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء) کو منظوم خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ افسانوں کے باب میں اقبال انصاری کی ایک منی کہانی اور پانچ افسانے دعوت مطالعہ دے رہے ہیں۔ افسانے طاہر نقوی، یٰسین احمد، سید مظفر شعیب ہاشمی اور مہمینہ خاتون کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ اس شمارہ کے مخصوص شاعر میں امام اعظم نے عظیم ہاشمی پر سرسری گفتگو کی اور ان کی دو غزلیں پیش کی ہیں۔ لکھا ہے کہ ''عظیم ہاشمی ایک ایسے شاعر ہیں جن کا انداز تحریکی ہے لیکن لب و لہجہ بہت ہی نرم ہے۔'' عظیم ہاشمی کا یہ شعر دیکھئے:

ولی سے مصحفی اور میر سے منور تک　　　سنور رہی ہے غزل میکدے سے دفتر تک

بلاشبہ غزل سنور رہی ہے، اس کو سنوارنے میں وہ لوگ شامل ہیں جو اس کے عاشق ہیں اور وہ بھی جو اس کو "مجل" کہتے ہیں۔ عظیم ہاشمی کی غزلوں کے علاوہ علقمہ شبلی کی خماسیاں، ابواللیث جاوید کے دوہے، مسلم شہزاد، مامون ایمن کی رباعیات، حنیف ترین، انور آفاقی، حماد انجم کی نظموں کے علاوہ منظر شہاب، سہیل غازی پوری، انوار فیروز، حباب ہاشمی، رئیس الدین رئیس، رؤف خیر کے علاوہ اور کئی شعراء نے شعری حصہ کو دلکش بنادیا۔ عشرت ظفر کا یہ عزم دیکھیں:

میں داستانوں کا اک پرندہ خود اپنے شعلوں میں جل بجھا ہوں
مری ہی خاکستر سیہ سے ملے گا اک دن سراغ میرا

ایم اے ضیاء کی شاعری کا تیور دیکھئے:

شام کی دھوپ جیسے ڈھلتی ہے　　　زینہ زینہ اتر رہا ہوں میں

نگار عظیم کے حوصلہ کی داد دیجئے:

دل کو زخموں سے سجایا اپنے　　　اور پھر جشن منایا میں نے

امام اعظم کی شکایت بھی سنئے:

ساری دنیا سے نہیں ان کو ہے پردہ لیکن　　　وہ ملے جب بھی ملے مجھ کو نقابوں میں ملے

'نظر اپنی اپنی' کے مستقل کالم میں ۲۱ رکتابوں پر تبصرے شامل ہیں۔ مختلف مبصرین نے اپنے اپنے انداز میں دیکھا، پڑھا اور لکھا ہے۔ 'تمثیل نو' کے آخر میں 'راہ و رسم' کے عنوان سے مشاہیر ادب کے خطوط شامل کئے گئے ہیں جن کے مطالعہ سے 'تمثیل نو' کی کارگزاری اور اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ امام اعظم کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ 'تمثیل نو' کا ہر شمارہ ایک دستاویز بن کر قاری کے ہاتھوں تک پہنچے۔ وہ اس کوشش میں کامیاب بھی ہیں۔ انہیں کی کوشش کا نتیجہ ہے کہ متھلا، دربھنگہ، سمستی پور، پیغمبر پور، علی نگر اور بہار کے دوسرے کئی چھوٹے چھوٹے مقامات کی تاریخی، سماجی، ادبی اور مذہبی اہمیت سے قاری واقف ہوا ہے۔ اس طرح امام اعظم نے اپنے وطن کی مٹی کا قرض تو ادا کر رہے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ اردو بھی مالا مال ہو رہی ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ اعتماد، حیدرآباد ۴ر فروری ۲۰۰۸ء)

("تمثیل نو" دربھنگہ جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء)

□□□

موبائل: 09848642909

• رفیق شاہین

''تمثیل نو'' کی صحافتی معنیٰ آفرینی

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

تمثیل نو (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء) کی سب سے بڑی کشش تحقیق وتنقید کے مہم جو اور قبیلہ ادب کے بے مثال سورما پروفیسر وہاب اشرفی سے متعلق خصوصی گوشہ ہے۔ جیسا کہ وہ (وہاب اشرفی) خود بھی فرماتے ہیں کہ خواب دیکھنا زندہ افراد کا صحت مند رویہ ہے۔ اسی طرح قاموسی تصنیف ''تاریخ ادبیات عالم'' ان کی جاگتی آنکھوں کا سنہرا خواب ہے۔ تاج محل کی تعمیر سے قبل جس طرح کہ پہلی بار تاج محل کا نظارہ شاہجہاں نے خواب میں کیا تھا اسی طرح ''تاریخ ادبیات عالم'' وہاب اشرفی کا برسوں پہلے کا دیکھا ہوا خواب ہے جو قرطاس ابیض پر منتقل ہونے کی بیس سالہ مدت سے بھی بہت پہلے وہاب اشرفی کی نگاہوں کو خیرہ اور قلب و جگر کو گرماتا اور برماتا رہا ہے۔ تاج کی تعمیر پر چار کروڑ دولاکھ پچاس ہزار پونڈز کا سرمایہ صرف ہوا تھا۔ عہد شاہجہانی کی یہ خطیر رقم عصر حاضر میں کتنی شمار ہوگی اس کا اندازہ مجھے نہیں ہے۔ اس کی تعمیر میں بیس ہزار مزدوروں کو کام میں لگایا گیا اور یہ (۱۶۲۳ تا ۱۶۴۷) یعنی کہ پندرہ سال کی مدت میں بن کر تیار ہوا۔ وہاب اشرفی کے پاس اپنے عظیم منصوبے کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے نہ تو سرمایہ ہی تھا اور نہ ہی ممد ومعاون جماعتوں کی اعانت ہی حاصل تھی۔ البتہ ان کے پاس وقت تھا لگن تھی اور وہ خود تھے۔ اُن کا تن تنہا اس شہکار ادب کو تشکیل دینے کے لئے دنیا کی پینتیس زبانوں کے چھ ہزار سال کے تاریک زمانوں میں بکھرے پڑے ادب کے جدا جدا بحر ذخار کو سمیٹ کر کوزے میں پیش کر دینا شاہجہاں کے کام سے یقیناً بڑا کام ہے۔ بالفاظ دیگر ''تاریخ ادبیات عالم'' کو اگر ہم دنیائے ادب کے تاج محل سے منسوب کریں تو یہ غلط نہ ہوگا۔ بھلے ہی اس کے خالق کا نام شاہجہاں نہ ہوکر وہاب اشرفی ہے۔ حیرت تو اس بات پر ہے کہ جس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے خاصا بڑا عملہ درکار تھا۔ وہ بڑا اور مخدوش کام فرد واحد نے کامیابی سے ہم کنار کر کے دکھایا ہے۔ سات جلدوں پر مشتمل تین ہزار صفحات ادب کی روشنائی سے سیہ کر دینا کسی جناتی کرشمے سے کم نہیں ہے۔ ان کے کام کی تعریف میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کو صحیح اور سچے الفاظ مل گئے ہیں۔ انہوں نے ذوق وشوق کو قلندرانہ طور پر مہمیز کرنے والے اور دشت آسماں کو منظر گلستاں میں تبدیل کر دینے والے وہاب اشرفی کو بجا طور پر ''روشن ضمیر درویش'' کے لقب سے خطاب کیا ہے۔ بلاشبہ وہاب اشرفی نے اپنی لاثانی اور لافانی قاموسی تخلیق سے تاریخ ادب میں اپنا نام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر لیا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ منصۂ شہود پر آتے ہی کتاب مقبول نہیں ہو جاتی اس میں وقت لگتا ہے۔ روسی ادیب فیودور دستوئیفسکی نے

وطن سے دور سوئٹزر لینڈ میں غربت و ناداری اور فاقہ کشی کے عالم میں روشن توقعات کے ساتھ شاہکار ناول ایڈیٹ (Idiot) تخلیق کیا تھا۔ ناول مقبول بھی ہوا اور خوب ہوا لیکن اس سے بہت پہلے ناول کا خالق عسرت و بیکسی کے عالم میں ناول کی مقبولیت کا انتظار کرتے ہوئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر چکا تھا۔ وہاب اشرفی خوش بخت ہیں کہ تھوڑے ہی عرصے میں انہوں نے اپنی کامیابی کا سورج اپنی آنکھوں سے طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ طلوع ہونے والا آفتاب جلد ہی مہر نصف النہار میں تبدیل ہو جائے۔

وہاب اشرفی کے اس رفیع الشان کارنامے کو نام نہاد محققین اور ناقدین نے اپنے اپنے زاویہ نظر سے دیکھا سمجھا اور سراہا ہے۔ اور سراہے جانے کا معقول جواز بذات خود "تاریخ ادبیات عالم" ہے۔ حقانی القاسمی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر مجید بیدار، ڈاکٹر منصور عمر، ابوذر ہاشمی، جمال اویسی، ڈاکٹر ہمایوں اشرف اور ڈاکٹر قاسم فریدی کی مشترکہ قلمی کوشش و کاوش نے 'تمثیل نو' کے اس شمارے کو ایک ادبی دستاویز کی حیثیت عطا کردی ہے۔ جہاں تک کہ حقانی القاسمی کا تعلق ہے ان کی باریک بین نگاہ اور شعور کی تجلی تو اپنی جگہ ہے لیکن ان کے قلم کا جو ذائقہ ہے وہ سبھی سے الگ ہے۔ انہوں نے پچھلے شمارے پر جائزہ بھی بڑے رواں دواں اور رقصاں اسلوب میں پیش کیا ہے۔ ابھی "کچے کیلے کے خوش ذائقہ کوفتے" تک میری رسائی نہیں ہے جب ہوگی تو ان کے فن کو اجاگر کرنے کی کوشش ضرور کروں گا۔ فی الوقت تو بطور طالب علم اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تنقید کے ساتھ بار گراں بھی ہوتا ہے۔ جسے قاری جھیلتا ہے لیکن حقانی القاسمی کی بڑی خوبی یہی ہے کہ ان کی تنقید میں گراں باری کے بجائے سبک ساری تزئین نگاری اور مینا کاری ہوتی ہے۔ ان کے قلم کی نئی نئی، انوکھی دلربانہ ادائیں اور نزاکتیں بصارت و بصیرت کے ساتھ ہی حیرت و مسرت سے بھی ہمکنار کرتی ہیں۔

سید منظر امام کی یادوں کا سفر بھی بڑا سہانا سفر ہے۔ راہ سفر میں نئے نئے کردار آتے ہیں اور چلے جاتے ہیں لیکن اپنے پیچھے گہرا نقش چھوڑ جاتے ہیں۔ منظر امام صاحب جب مظہر امام صاحب کو اپنا آئیڈیل بنا کر پیش کرتے ہیں تو میرا دل اندر سے گواہی دیتا ہے کہ حقیقتاً وہ ایسی ہی کشش انگیز شخصیت کے حامل ہیں کہ ہر کوئی انہیں اپنا آئیڈیل بنانا پسند کرے گا۔ ۱۹۸۶ء تک خاکسار نے مظہر امام صاحب کو دیکھا نہیں تھا۔ البتہ سری نگر کشمیر سے ان کے پُر خلوص خطوط ملتے رہتے تھے۔ ان ہی دنوں انہوں نے سری نگر آنے کی دعوت دی تو میں ماہ جولائی ۱۹۸۷ء میں وہاں پہنچ ہی گیا۔ دوردرشن پر بالائی منزل میں واقع آپ اپنے ڈائریکٹر دوردرشن والے چیمبر میں موجود تھے۔ سرو قد، اُجلا چہرا، متبسم نگاہیں۔ اس وقت آپ سفید رنگ کے سوٹ، سفید ہی بوٹ اور لال رنگ کی ٹائی لگائے ہوئے خوش پوش، خوش طبع اور خوش مزاج نظر آرہے تھے۔ ان کی شاندار شخصیت کے ساتھ ان کا شاندار لباس بھی برابر اپنی طرف منعطف کررہا تھا۔ تپاک سے ملے تھے۔ گھریلو ماحول میں آزاد غزل پر ان سے گھنٹوں گفتگو رہی۔ دوسرے دن گراؤنڈ فلور پر دوردرشن

کے پروڈیوسر ظفر صاحب جب مجھے غزل پڑھنے کی ریہرسل کرا رہے تھے۔ بار بار ٹیلیفون کی گھنٹی بج رہی تھی، آخر کار ظفر احمد صاحب سے رہا نہیں گیا۔ کہنے لگے شاہین صاحب! آپ نے ہمارے پاس کیا جادو چلایا ہے وہ بار بار کہہ رہے ہیں اتنی دیر کیوں لگ رہی ہے۔ انہیں جلد میرے پاس بھیجو۔ وہ چیمبر میں بے چینی سے آپ کے منتظر ہیں۔ غرض کہ جیسا ان کے بارے میں سوچ رکھا تھا اس سے سوا ہی پایا۔ کشمیر سے واپسی پر ان کے حوالے سے قصہ حاتم طائی کے سات سوالوں میں سے یہ والا سوال بار بار دکھائی اور سنائی دے رہا تھا۔ ''ایک بار دیکھا ہے دوسری بار دیکھنے کی ہوس ہے۔''

تبصرہ طوالت اختیار کر رہا ہے اس لئے اختصار سے کام لیتا ہوں۔ کہانیوں میں اقبال انصاری کا افسانہ ''بھاری بھرکم'' محدود حجم اور پست قامتی کے باوجود حقیقتاً اپنے آپ میں بھاری بھرکم افسانہ ہے۔ موضوع کہانی پن، اشاریت اور حیرت سب کچھ کہانی کے حق میں جاتا ہے۔ فاروق راہب کی کہانی ''کرفیو'' اچھی تو ہے لیکن کہانی کار کے معیار کے مطابق نہیں ہے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی اپنی کہانی ''ہائی جیکرز'' میں خوبصورت، حسین مریضہ کو دوشیزہ اردو سے تعبیر کرتے ہیں وہ بھی بغیر جواز کے۔ وہ مریضہ کو اردو اور وہاں موجود ڈاکٹروں کو اغوا کار گردانتے ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ دوشیزہ اردو ہی کیوں یہ دوشیزہ یکجہتی بھی تو ہوسکتی ہے اور یہ ڈاکٹر ڈاکٹر نہ ہوکر سیاست داں جو اس دوشیزہ کو قتل کر کے ووٹ بینک کے سہارے اقتدار پر قبضہ جمانے کے خواہاں ہیں۔ جواز نہ وہاں ہے نہ یہاں۔ معاملہ گمان کا ہے جب کہانی گمان پر ٹکی ہوگی تو اس میں حقیقت کہاں سے آئے گی۔

حصہ نظم بھی اس بار متعدد معیاری تخلیقات کے باعث خاصا موثر اور کشش انگیز ہے۔ ڈاکٹر جاوید اختر چودھری، ڈاکٹر سلطانہ مہر، پروفیسر شاکر خلیق اور ڈاکٹر حنیف ترین کی نظمیں شدت سے متاثر کرتی ہیں۔

غزلیات میں مندرجہ ذیل شعراء کی غزلیں معیار اور تاثر کے اعتبار سے اہم تخلیقات ہیں۔ رشیدہ عیاں، سیما عابدی، شاہد جمیل، تسنیم فاروقی، منظر شہاب، ڈاکٹر مقبول احمد مقبول، سہیل غازی پوری، انجینئر ہارون شامی، علیم صبا نویدی، حباب ہاشمی، عمران راقم، آسی رامپوری، پادری افضال فردوس، ڈاکٹر مسلم شہزاد، بیتاب پیلی بھیتی، افسر حمزہ پوری اور عارف شفیق وغیرہ۔

''راہ و رسم'' کے تحت مناظر عاشق ہرگانوی، اقبال انصاری، تسنیم فاروقی، اندر سنگھ ورما، ڈاکٹر مجید بیدار، رؤف خیر، ڈاکٹر مسلم شہزاد، ڈاکٹر قاسم فریدی، ڈاکٹر راشد جمال فاروقی، فیاض احمد وجیہ اور ڈاکٹر سلطانہ مہر کے جہان معانی سے آباد اور بصارت و بصیرت افروز مراسلات نے بھی محظوظ و متاثر کیا ہے۔

□□□

''تعلیم منزل''، میرس روڈ، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲ (یوپی) موبائل: 08979248741

• ڈاکٹر محسن جلگانوی (حیدرآباد)

''تمثیل نو'' کا ایک اہم شمارہ

(اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء)

ادھر پچھلی ایک دہائی سے اردو کے منصۂ شہود پر آئے دن نت نئے ادبی و نیم ادبی جرائد و رسائل شائع ہو کر صحافتی دنیا میں اپنا نام درج کروار ہے ہیں۔ ان میں سے چند ایک مختصر سی مدت کے بعد قارئین اور خریداروں کی عدم دستیابی اور مالیہ کی تنگ دامنی کی وجہ سے دم توڑ دیتے ہیں۔ جرائد کی اشاعت کی مسدودی کی ایک اہم وجہ یہ بھی ہے کہ اس کاروبار حرف وصوت میں وہ لوگ کود پڑتے ہیں جنہیں صحافت ادب اور علم کی شد بد ہوتی ہے نہ ان میں معاملات سود و زیاں کا شعور ہوتا ہے۔ لیکن اسی بھیڑ میں چند باشعور لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو وقت کی نبض پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں ان میں ایک تازہ کارنامہ امام اعظم کا ہے جو ایک اچھے صحافی بھی ہیں فعال ادیب بھی اور شاعر بھی۔ وہ پچھلے کئی برسوں سے دربھنگہ سے ایک اہم رسالہ 'تمثیل نو' کے نام سے نکال رہے ہیں۔ اس جریدہ کی خصوصیت یہ رہی ہے کہ امام اعظم ہر شمارہ کو کسی نہ کسی حیثیت سے ایک دستاویزی حیثیت دے کر پیش کرنے کا قدم اٹھاتے ہیں اور اکثر اس کوشش میں کامیاب بھی رہتے ہیں۔ ابھی ابھی تمثیل نو نے ''پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء اور اردو زبان کا کردار'' کے عنوان سے ایک بھرپور شمارہ اردو کے قارئین کے لئے پیش کیا تھا جس کی جامعیت اور افادیت کا خواص کے ساتھ عوام میں بھی خیر مقدم کیا گیا۔ 'تمثیل نو' کی یہ انفرادیت رہی ہے کہ وہ اپنے ہر شمارے کو ''کچھ نیا کچھ الگ'' کے خطوط پر پیش کرتا رہا ہے۔ اب جو اس جریدے کا تازہ شمارہ آیا ہے اس میں ''سہرے'' جیسی نیم ادبی صنف سخن کو ادبی حیثیت اور معنویت دینے کی ایک انوکھی کوشش کی گئی ہے اور ''سہرا'' کے موضوع پر علیحدہ سے ایک خصوصی مطالعہ کے تحت ایسے نو عدد گرانقدر مضامین کو جمع کیا گیا ہے جس میں سہرے کی معنویت، سہرا نویسی، سہرا اور اس کی عصری معنویت، سہرے کی ادبی معنویت، غالب و ذوق کے سہرے، سہرا بندھاتے یا بوسوئے رہا جی، سہرے کی معنویت اور فنکاری، سہرے کے پھول میں امان خاں دل کا شعری اسلوب جیسے موضوعات پر مشاہرین ادب کی تحریریں ہیں۔ لکھنے والے اہم اہل قلم میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق، پروفیسر سید مجید بیدار، پروفیسر عبدالمنان طرزی، پروفیسر شاکر خلیق، احسان ثاقب، سیف رحمانی اور مامون ایمن شامل ہیں۔ اپنے اداریہ میں امام اعظم نے سہرے کی نگارش کا تقابل فلمی گیت نگاری سے کرنے کی کوشش کی ہے جس میں

کفن پہلے تیار ہوتا ہے اور اس میں مردہ کو بعد میں ڈالا جاتا ہے۔ یعنی یہ کہ یہ ضرورت کے تحت کی جانے والی شاعری ہے جس میں تک بندی، خیالات کی یکسانیت، ضروری اور غیر ضروری ناموں کی شمولیت، بے غنائی، شعریت، بھرتی کے مضامین و خیالات اور فرمائشی امور جگہ پاتے ہیں۔ سہرے کی ایک عمومیت یہ رہی ہے کہ اس کی ردیف کی تان سہرے کے لفظ پر ٹوٹتی ہے۔ سہرا نگاری کی روایت کا پتہ سب سے پہلے بہادر شاہ ظفر کے عہد میں ملتا ہے۔ جب غالبؔ کی انانیت اور ذوقؔ سے ان کی معرکہ آرائی نے ان سے یہ شعر کہلوایا:

ہم سخن فہم ہیں غالبؔ کے طرفدار نہیں　　دیکھیں کہہ دے کوئی اس سہرے سے بڑھ کر سہرا

اور جواباً استادِ سخن ذوقؔ کے قلم سے یہ شعر نکل آیا:

جس کو دعویٰ ہو سخن کا یہ سنادو اس کو　　دیکھ اس طرح سے کہتے ہیں سخنور سہرا

اسی سہرے کی وجہ سے غالبؔ کو بہادر شاہ ظفرؔ کی خدمت میں ''معذرت نامہ'' پیش کرنا پڑا تھا۔

اردو میں سہرا نگاری کی روایت بہت قدیم ہے اور غالبؔ و ذوقؔ کے سہرے اپنے معیار و اعتبار سے اردو شاعری کی آبرو ہیں۔ ابتدائی سہرے پابند نظم کے انداز ہی میں لکھے گئے لیکن ادھر چند برسوں میں سہرے کی ہیئت میں بھی تبدیلیاں آنے لگیں۔ بہت سے شاعروں نے آزاد شاعری کے فارم میں اور نثری نظم کی صورت میں بھی سہرے لکھے ہیں اور بحر، ردیف، قافیہ اور روایتی مضامین سے بھی روگردانی کی ہے۔ اب سہروں کی بجائے تہنیتی اور توشیحی نظمیں بھی لکھی جانے لگی ہیں۔

عہد جدید کے بعض نقادانِ ادب نے سہرے کو جہاں روایتی، سطحی اور ازکار رفتہ صنف قرار دیا ہے اور اس کی سماجی و ادبی معنویت سے انکار کیا ہے وہیں بعض اہلِ قلم نے سہرے کی افادیت اور معنویت کو اجاگر کیا۔ اس ضمن میں سابق ڈائریکٹر دوردرشن جناب جمال الدین ساحل کا خیال ہے کہ:

> ''...... فرمائش پر سہرا لکھتے رہے ہیں جس سے اس کی قدر و منزلت میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ جو جتنا بڑا فنکار ہوتا ہے اتنی خوبی سے اپنی بات کہتا ہے، اپنے احساسات کو شعری پیکر عطا کرتا ہے، نئی لفظیات کو سامنے لاتا ہے اور ایک تازگی کا احساس دلاتا ہے۔ ...... بھرتی کے اشعار بھی سہروں میں ہوتے ہیں لیکن انہیں محض تک بندی اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ سلیقۂ اظہار اس کو سنبھالے رکھتا ہے......'' (اداریہ ''تمثیل نو'' ص: ۲)

اس شمارے میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی نے بڑی تفصیل سے ''اردو سہرے کی معنویت'' پر گفتگو کی ہے اور عہد بہ عہد سہرا نگاری سے ہونے والی تبدیلیوں کو اساتذۂ سخن کے کلام کے نمونوں کے ذریعہ پیش کیا ہے۔ مناظر نے خاص طور پر فیض احمد فیض کا وہ سہرا نقل کیا ہے جس میں سہرے کا لفظ لائے بغیر شخصی علامات کو سامنے رکھ کر جمالیاتی ملاپ سے کام لیا گیا ہے۔ انہوں نے غالبؔ سے لے کر عہد حاضر

کے امام اعظم تک کے سہروں کے اشعار پیش کر کے سہرے کے منظر نامہ کو اجاگر کیا ہے۔ پروفیسر سید شاہ طلحہ رضوی برق نے اپنے مضمون میں سہرے کے ساتھ ساتھ دوسری اصناف سخن رخصتی، رخصتی نامہ، وداعیہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک صنف ''ازار بند'' کا بھی ذکر کیا ہے اور ''بند کمرے'' میں پیش کی جانے والی ازار بند کی ردیف کی شاعری کے قوافی کی مختصر فہرست بھی پیش کی ہے۔ (اچھا ہوا کہ وہ جلد ہی اصل موضوع سہرا کی جانب لوٹ آئے ورنہ کیا کیا کچھ گل کھلے ہوتے؟)

اپنے مضمون میں پروفیسر مجید بیدار نے سہرا نگاری کو اردو میں جاگیرداری نظام کے فروغ کا نتیجہ قرار دیا اور شہزادوں، امیروں اور امیر زادوں کی شادیوں کے موقع پر درباروں اور محفلوں میں سہرا پیش کرنے کی روایت کو اردو شاعری میں قدیم دور سے موجود رہنے کی توثیق کی ہے۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی اور شاکر خلیق کے مضامین سے بھی سہرے کے وجود کی بات غالب و ذوق کی معرکہ آرائی سے شروع ہو کر مخمس، مسدس اور تہنیتی نظموں تک آ پہنچی ہے۔ آخر میں احسان ثاقب کے مضمون سے قابل مطالعہ چند سطور پر بات کو ختم کرتے ہیں:

> ''.....کبھی کبھی اس موقع پر بعض شاعر داد و دہش کے ساتھ سینکڑوں روپے بھی بٹور لیتے ہیں۔ ڈاکٹر عابد ضمیر (معروف افسانہ نگار) کے بڑے بیٹے کی برات مدھوپور گئی تھی۔ وہاں جناب علامہ شبلی نے سہرا پڑھنا شروع کیا تو ایک صاحب نے دس روپے کا ایک نوٹ بڑھا دیا۔ شبلی صاحب کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا۔ ان کا یہ جملہ مجھے آج بھی یاد ہے ''اچھا شاعر کبھی بھانڈ نہیں ہوتا۔'' لیکن میں نے جناب رونق نعیم کو سہرا پڑھتے اور روپیہ وصول کرتے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ۵۶ منٹ تک سہرا پڑھنے کے بعد عابد ضمیر نے جب یہ اعلان کیا کہ سہرا پڑھنے کے تعلق سے جو رقم مجھے ملی ہے، بغیر گنے ہوئے میں اسے مقامی مسجد کے انتظامی امور میں بطور عطیہ پیش کرتا ہوں۔ بعد میں رسید پر لکھی ہوئی رقم دیکھ کر معلوم ہوا کہ کل رقم ۱۱۰۶۷۰ روپے تھی۔''

(مضمون ''سہرا بندھاتے بابو سوئے رہا جی'' ''تمثیل نو'' ص: ۶۸-۶۹)

ان تمام سخن گسترانہ باتوں سے قطع نظر ماضی میں جنوبی ہندوستان میں سہرے کی روایت رہی ہے لیکن اب یہاں سہرا گوئی اور سہرا خوانی کم کم ہی نظر آتی ہے۔ شاید شمالی ہند کے علاقوں میں سہرا خوانی کی روایت اب بھی زندہ ہے اسی لئے امام اعظم نے اس صنف کے فن، تکنیک اور معنویت پر بحث کے لئے یہ منفرد شمارہ پیش کر کے اس صنف کی بازیافت کی مستحسن کوشش کی ہے۔ اس کا خیر مقدم کیا جانا چاہئے۔ سہرے کی سرگذشت کے بعد پروفیسر سید منظر امام کی ''یہ سرگذشت ہی ہے'' کی چھٹی قسط شامل شمارہ ہے۔ اس مرحلہ سے اظہار خیال دخل در معقولات قرار پائے گا کہ ابھی اس سرگذشت کی باقی اقساط بھی آنی ہیں۔

مناسب ہوگا کہ منظر امام صاحب کی یہ سرگذشت کتابی شکل میں آجائے اور قاری اس سے یکمشت استفادہ کر سکے۔ مولانا محمد ولی رحمانی نے جنگ آزادی پر لکھے مضمون ''کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد پہلی جنگ آزادی تھی ....؟'' میں مرکزی حکومت کی جنگ آزادی تقاریب منانے کے فیصلہ کو اچھا اقدام قرار دیا۔ اس ضمن میں حکومت نے ہر چند کہ قابل لحاظ رقم مختص کئے لیکن ان تقاریب کو ملک بھر میں جس انداز سے منایا گیا اس میں کہیں خلوص نیتی اور جوش وخروش نہیں دیکھا گیا۔ این ڈی اے ریاستوں میں تو جنگ آزادی کی ان تقاریب کو نظر انداز ہی کر دیا گیا کیوں کہ اس کا راست تعلق بہادر شاہ ظفر، علمائے کرام اور مسلمانوں کی جدوجہد اور قربانیوں سے تھا۔ رحمانی صاحب نے ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے کی جدوجہد کا تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا لیکن یہ بات ثابت ہے کہ یہ جنگ آزادی آخری مسلح جدوجہد تھی اور جس خونیں اختتام پر بہادر شاہ ظفر کو جلاوطن کر دیا گیا تھا افسوس ہے کہ اردو صحافت میں ''تمثیل نو'' کے خصوصی نمبر کی طرح دیگر رسالوں نے خصوصی توجہ نہیں دی اور نہ اردو اداروں، تنظیموں اور اخبارات نے ان تقاریب کو اتنی اہمیت دی جتنی دی جانی چاہئے تھی۔ بعد کے پانچ مضامین مختلف کتابوں پر کئے گئے تجزیوں اور خصوصی مطالعوں کے باب میں آتے ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم کا محمد علی اشرف فاطمی پر لکھا مضمون فاطمی صاحب کی مختلف فلاحی خدمات اور ملت کی دردمندی کی نشاندہی کرتا ہے۔ جناب یٰسین احمد نے اپنے تبصرہ میں ''تمثیل نو'' کے جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء کے شمارہ کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ حسب معمول اہم افسانہ نگاروں میں فاروق راہب، نعیمہ ضیاء الدین، آصف الدین طارق، سید مظفر شعیب ہاشمی اور ڈاکٹر کہکشاں پروین کے افسانے شامل ہیں۔ اسی شمارہ میں ''مخصوص شاعر'' کے تحت افتخار اجمل شاہین کا مختصر تعارف اور دو غزلیں دی گئی ہیں جو ناکافی لگتی ہیں۔ حصہ نظم میں نثری نظمیں، نظمیں، غزلیں پیش کی گئی ہیں لیکن بہت سے لکھنے والوں کی نمائندگی دینے کی کوشش میں چند اہم شاعر بے توجہی کا شکار ہوگئے ہیں۔ تبصروں کے باب میں کوئی چالیس مختلف کتابوں، مختلف مبصرین کے تبصرے شامل ہیں جن میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، حسن امام درد، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، شکیل احمد سلفی، فیاض احمد وجیہ، صفی اختر، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر امام اعظم وغیرہ شامل ہیں۔ ایک ہی شمارہ میں اتنی بڑی مقدار میں تبصروں کی اشاعت ''تمثیل نو'' کا ایک ریکارڈ ہے۔ مواد اور معیار کی اس عمودی پرواز کے لئے ادارہ قابل مبارک باد ہے۔

(مطبوعہ: ''تمثیل نو''، جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء)

□□□

موبائل: 09505967365

• حلیم صابر

''تمثیلِ نو'' اور اکیسویں صدی میں اردو صحافت

(جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء)

اردو صحافت دنیا کی دیگر زبانوں کے مقابلے میں کم عمر سہی لیکن اپنی اس کم عمری ہی سے کیسے کیسے انقلابِ زمانہ سے اسے گزرنا پڑا اس کی رودادِ سفر ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے۔ اردو صحافت نے جب آنکھیں کھولیں تو اپنی جنم بھومی ہندستان کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھا۔ جو حالات اس وقت تھے، اردو کے صحافیوں کو بڑی سخت آزمائش کے مرحلے سے گزرنا پڑا۔ وہ استعماریت کی حمایت کرکے شاہانِ برطانیہ کی تعریف وتوصیف کا فریضہ ادا کرکے اعزاز واکرام حاصل کریں یا جنگ آزادی میں جان ہتھیلی پر لئے بے سروسامانی کے عالم میں فرنگیوں سے برسرِ پیکار مجاہدین آزادی کی تحریک کو مستحکم کرنے کے لئے اپنے قلم کو وقف کردیں۔ جس طرح آئینہ جھوٹ نہیں بولتا اسی طرح ایک بیباک صحافی اپنی صحافت کے آئینے میں سچائی کا چہرہ پیش کرنے کے لئے ہمہ وقت مستعد رہتا ہے۔ اس کے لئے انہیں چاہے جتنی صعوبتیں اٹھانی پڑیں یا جان بھی گنوانی پڑے تو بھی وہ اس سے دریغ نہیں کرتا۔ اس طرح کے تمام معاملات جو راہِ صحافت میں صحافیوں کو پیش آئے اور آئندہ بھی پیش آسکتے ہیں۔ ان کے بارے میں معلومات افزا مضامین کا دفتر بعنوان ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' ماہنامہ 'تمثیل نو' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم نے اس طرح جمع کردیا ہے کہ جب سے صحافت نے آنکھیں کھولیں اس وقت سے آج تک کی صحافتی تاریخ کو 85 صفحات میں سموکر اسے دستاویزی حیثیت کا حامل بناڈالا ہے۔ ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' کے عنوان سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے صحافتی نظام کو چار شعبوں — ادارتی شعبہ، تکنیکی شعبہ، تجارتی شعبہ اور انتظامی شعبہ میں تقسیم کرکے مذکورہ عنوانات کی بڑی اچھی تشریح کی ہے۔ شمس جلیلی نے اکیسویں صدی کی اردو صحافت کو بہار کے ادبی مراکز کے تناظر میں پیش کرکے ادب کے حوالے سے صحافت کو پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر سید احمد قادری نے لکھا ہے کہ صحافت کو تجارت سے دور رکھنا چاہئے اور انہوں نے کہا کہ اکیسویں صدی کی دوسری دہائی میں داخل ہوکر صحافت نے اپنا اعتماد کھودیا ہے۔ حقانی القاسمی نے ''ادبی صحافت کا عصری منظرنامہ'' پیش کرکے یہ ثابت کیا ہے کہ صحافت ادب سے جدا نہیں ہے۔ صحافت میں بھی فکرونظر کی نئی دنیا تلاش کرنے والوں نے صحافت کو ادب کے مماثل قرار دیا ہے۔

ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز نے اکیسویں صدی کے حوالے سے ''اردو صحافت، اندیشے اور نئے امکانات'' کا جائزہ لیتے ہوئے اس کا انکشاف کیا ہے کہ ''یوں تو اکیسویں صدی کی شروعات ۱۹۷۰ء کی دہائی سے ہی ہوئی تھی۔ انہوں نے انفارمیشن ٹکنالوجی کی ترقی کے حوالے سے یہ بات کہی جسے اردو صحافت نے بھی اپنایا جس کی بدولت اردو صحافت ترقیاتی اور مسابقتی دوڑ میں دیگر زبانوں کے ذرائع ابلاغ سے پیچھے نہیں ہے۔ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے ادبی صحافت کا ذکر اردو کے جرائد اور رسائل کے تعلق سے کیا ہے جس میں بطور خاص 'تمثیل نو' کو موضوع سخن بنایا ہے۔ ڈاکٹر فیاض احمد وجیہ نے ادبی صحافت آنچلک ڈسکورس اور اداریہ نویسی پر کھل کر بہت ساری بحثیں پیش کی ہیں جن سے معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔

'تمثیل نو' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم نے طویل پُر مغز اداریہ کے علاوہ ''کولکاتا میں اردو صحافت'' سپرد قلم کر کے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ کلکتہ میں قیام کے دوران اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتے ہوئے یہاں کی صحافتی سرگرمیوں پر بھی ان کی گہری نگاہ ہے۔ علاوہ ازیں ''متھلا میں اردو صحافت'' کا بھی انہوں نے بھرپور جائزہ لیا ہے۔ سلمان عبدالصمد نے اردو صحافت کے تئیں چند بکھری بکھری دلچسپ باتیں پیش کر کے اپنے مضمون میں دلچسپی کی چاشنی بھردی ہے جبکہ شاہد الرحمٰن نے دنیائے ادب کی معروف شخصیت وہاب اشرفی جن کی ناقدانہ بصیرت کا معترف ایک جہان ہے، کی صحافتی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔

مغربی بنگال جہاں اردو صحافت نے آنکھیں کھولیں اور پروان چڑھی، اس پر ڈاکٹر نصرت جہاں نے جو مضمون ''مغربی بنگال کی اردو صحافت میری نظر میں'' لکھا ہے اس سے مختصراً بہت سارے گوشے وا ہوتے ہیں جو یقیناً معلومات میں اضافے کا سبب بنتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر احسان عالم کا مضمون ''اردو صحافت کا بدلتا رنگ اکیسویں صدی میں'' بھی عمدہ ہے جس میں انہوں نے تغیرات زمانہ کے ساتھ ترقی یافتہ صحافت کا موازنہ الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا کو سامنے رکھ کر کیا ہے جس سے اردو صحافت بقول ان کے جسے ہندستان کے قومی افق پر تیسرا مقام حاصل ہے کی اچھی تشریح پیش کی ہے۔ صحافت کے حوالے سے امام اعظم نے 'تمثیل نو' میں اتنے سارے مواد جمع کر دیئے ہیں جن سے اس کی دستاویزی حیثیت مسلّم ہوگئی ہے۔

اردو صحافت پر اتنے سارے مضامین کے علاوہ حمد (ارشد مینانگری)، نعت (نجم عثمانی)، مسجد اقصیٰ کا سفر (پروفیسر شمیم باروی)، ٹیگور جینتی کا مشاعرہ اور ساحر لدھیانوی (انجم عظیم آبادی)، یادداشت (پروفیسر ایم نہال) کے علاوہ مضامین میں صدیق عالم کی نظموں اور ابواللیث جاوید کے افسانوں پر ڈاکٹر مناظر عاشق

ہرگانوی، ناول ''چارنگ کی کشتی'' میں عورتوں کے مسائل (ڈاکٹر امام اعظم)، انشائیہ (شاہد حسین لعل پوری)، ڈاکٹر وہاب اشرفی کے تنقیدی زاویئے (پروفیسر عبدالمنان کا تجزیہ)، احسان ثاقب پر ایم نصر اللہ نصر کی خامہ فرسائی، غالب کی شاعرانہ عظمت پر ڈاکٹر شگفتہ یاسمین، اس کے علاوہ ڈاکٹر سید تقی عابدی، ڈاکٹر عشرت بیتاب، ڈاکٹر فاران شکوہ یزدانی، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، ڈاکٹر حافظ شائق احمد یحییٰ، صفی اختر، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر سرور کریم، حلیمہ بی کولور، فرحت بانو، علیم الدین، محمد افروز الہدیٰ، عروسہ یاسمین زیبا، نزہت جبیں اور عبدالسلام عارف کے بصیرت افروز مضامین سید ایاز احمد روہوی کے ترجمے اور احمد معراج کا سید منظر امام سے لیا گیا انٹرویو بھی لائق مطالعہ ہیں۔ افسانے، غزلیں، نظمیں اور رباعیات وغیرہ جو ''تمثیل نو'' کی زینت ہیں سب معیاری ہیں۔

'تمثیل نو' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم نے چار سو سے زائد صفحات پر اتنے سارے قلم کاروں کو جمع کر دیا ہے کہ اس رسالے کی ضخامت دیگر رسالوں پر بھاری پڑ گئی ہے نیز ان کی مدیرانہ صلاحیت تو اپنی جگہ لائق تحسین ہے ہی ان کا مدیرانہ ذوق بھی جنون کی حد تک جا پہنچا ہے جس کے لئے انہیں داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اللہ ان کا یہ ذوق سلامت رکھے تاکہ آئندہ بھی اس طرح کا ضخیم گوشہ دے پائیں جس طرح وہ برسوں سے اردو صحافت کا فریضہ بحسن وخوبی انجام دے رہے ہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''اخبار مشرق''، کولکاتا ۲۷ر مارچ ۲۰۱۶ء)

□□□

موبائل: 09163052340

• حقانی القاسمی

'تمثیلِ نو': مانندِ شمع، ضوفشاں اور ضیابار

(اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء)

''تمثیلِ نو'' نوجوان ناقد اور صحافی ڈاکٹر امام اعظم کے ذہنی، فکری اور عملی تحرک کی تمثال ہے۔ ان کے اندر بے پناہ جذبہ اور استقلال (Passion and Preseverance) ہے۔ اس لئے وہ کامران اور ظفریاب ہیں۔ مشرق وسطیٰ، امریکہ اور یوروپی ممالک میں 'تمثیلِ نو' کا حسن قبول اس کا ثبوت ہے کہ یہ مجلّہ بہت مختصر عرصے میں شہرت کے مصادر تک پہنچ گیا ہے۔ مجلّہ کے مشمولات بیان و برہان، دقائق و لطائف کے اعتبار سے بھی متنوع اور مختلف ہیں۔ اپریل۔ستمبر ۲۰۰۴ء کا شمارہ انہوں نے ایسے حالات میں شائع کیا جب پورا بہار 'نقش برآب' تھا۔ ان کے پاس کوئی تابندہ قوت ضرور ہے جس کی وجہ سے دربھنگہ جیسے علاقے سے یہ رسالہ نہایت پابندی کے ساتھ نامساعد حالات میں بھی شائع ہو رہا ہے۔ تازہ شمارہ وزیر مملکت برائے فروغ انسانی وسائل جناب محمد علی اشرف فاطمی کی تصویر سے مزین ہے۔ مضامین کا حصہ وقیع ہے۔ احمد یوسف نے جہاں عبید قمر کے افسانوں کے مجموعہ ''آخری کش'' کے حوالے سے اچھی گفتگو کی ہے اور ان کے افسانوی سفر کا احاطہ کیا ہے، وہیں ڈاکٹر مجید بیدار نے رضاء الجبار کی افسانوی نثر میں عصری صداقتوں کی تلاش و جستجو کرتے ہوئے انہیں سماجی سائنس داں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ایک نئے زاویے سے لکھا گیا یہ ایک عمدہ مضمون ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحریر 'ایک لہر نئی نئی' ان کے کثیر مطالعاتی ذہن کی غماز ہے۔ وہ بسیار اور زود نویس ہونے کے باوجود نئے نئے نکات تلاش کرنے میں کامیاب رہتے ہیں۔ ایسی دقیق نکتہ سنجی ہمارے ادیبوں میں کتنوں کو میسر ہے۔ کاغذ، قینچی اور گوند کے طفیل پیدا ہونے والی خانقاہی تنظیم کے مقابل انہوں نے جدید تخلیقی تنقید کی وکالت کی ہے اور نظام صدیقی کے فرمودات عالیہ کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہے کہ یہ تنقید ہی تخلیق کا ضمیمہ، تتمہ ہے یا فکری، جمالیاتی بازآفرینی اور مکاشفہ ہے۔ اس میں جس زاویہ نظر پر زور صرف کیا گیا ہے اس پر ناقدین کو تمکنت کے ساتھ توجہ دینی چاہئے۔ ڈاکٹر منصور عمر کی قسط وار تحریر 'دربھنگہ کی ادبی پیش رفت' بہت اچھا سلسلہ ہے۔ بہار کے دیگر اضلاع اور اماکن کے اہالیان کو بھی اس سے انسپائر ہو کر اپنے علاقہ کی تاریخی، تہذیبی، ادبی حسیت کے حوالے سے لکھنا چاہئے تاکہ ان کے ادبی جغرافئے سے اردو دنیا بھی آگاہ ہو سکے۔ شمس فریدی

نے منظر شہاب کے نثری مضامین کے مجموعہ 'اور پھر بیاں اپنا' کا مبسوط، مفصل جائزہ پیش کیا ہے جس سے منظر شہاب کے علمی آفاق سے آگہی ملتی ہے۔ افسانوی حصہ میں سید مظفر شعیب ہاشمی کی شاید پہلی مگر پختہ اور پراثر تحریر شامل ہے۔ 'ہزاروں سال کا انتظار' میں جو اسطوری ڈائمنشن ہے وہی اس تحریر کی تاثیر اور تابندگی کا ضامن ہے۔ رادیوتا اور دیوی اسس کے اساطیری وصال سے اظہاری جمال کی دوشیزگی نکھر آئی ہے۔ یٰسین احمد اور ابواللیث جاوید کی کہانیاں بھی موضوعاتی اور اسلوبیاتی اعتبار سے مختلف نظر آئیں۔ غزلیں اور نظمیں بھی گل نو بہار کی طرح ہیں۔ بعض تخلیق کاروں نے سنگلاخ میں بھی گلزار سجایا ہے۔ تبصرے، منصفانہ اور مکاشفانہ ہیں۔ 'راہ و رسم' سے اندازہ ہوتا ہے کہ ''تمثیل نو'' ہر حلقہ میں مانند شمع، ضوفشاں اور ضیابار ہے۔ مجلّہ کی مقبولیت میں مدیر کی محنت شامل ہے۔ بڑے بزرگ کہتے ہیں کہ آج کے ادب میں تو سگ و شغال بھی سفلہ پن سے پھل ہو گئے ہیں مگر امام اعظم نے اپنی معصومیت اور متانت سے بلندی کے مدارج طے کئے ہیں اور ادب کے Imitators سے الگ امتیاز قائم کرنے میں کامیاب ہیں۔

(بشکریہ: آل انڈیا ریڈیو، نیشنل چینل دہلی/ ماہنامہ کتاب نما، دہلی جنوری ۲۰۰۵ء)

(مطبوعہ: تمثیل نو، دربھنگہ، اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء)

....

(۲)

گلوب پر پھیلتی 'ادب گلاب' کی خوشبو

(اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء)

ولی دکنی کا ایک شعر ہے:

سجن تم مکھ ستی کھولو نقاب آہستہ آہستہ
کہ جیوں گل سوں نکستا ہے گلاب آہستہ آہستہ

'آہستہ آہستہ' کی اسی نشاطی کیفیت کے ساتھ ''تمثیل نو'' بھی نکھرتا جا رہا ہے اور ''ادب گلاب'' کی خوشبو گلوب پر پھیلتی ہی جا رہی ہے...... آہستہ آہستہ......!

اچھی بات یہ ہے کہ یہ یک رنگی، یک نوعی مجلّہ نہیں ہے۔ نارنگ صاحب کی مابعد جدیدیت کی اصطلاح میں کہا جائے تو ''تمثیل نو'' تکثیری اور متنوع مجلّہ ہے جس میں ہر طرح کے سماجی، تاریخی، ثقافتی، مذہبی

ڈسکورس کو شامل رکھا گیا ہے۔ سفینۂ نوح کی طرح "تمثیل نو" کی تخلیقی کشتی میں 'نانا پر کار' کے لوگ سوار ہیں۔ ایسی ہی کشتی سلامتی کی ضمانت بھی ہوتی ہے اور یہی کلیت پسندی اور نظری جبریت کے بھنور سے بچ نکلنے کی راہ بھی ہموار کرتی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کے تدویری تفاعل کی وجہ سے مجلّہ میں آزاد تخلیقی فضا بھی بحال ہے اور جملہ اصناف ادب کے احاطے کی کوشش بھی نمایاں ہے۔ مجلّہ کے محتویات، میری بات کے ثبوت کے لئے کافی ہیں۔

تازہ شمارہ میں قارئین کے ذہنی مناسبات کا بھرپور خیال رکھا گیا ہے، حمد، نعت، سفرنامہ، انشائیہ، مضامین، افسانے، نظمیں، غزلیں، تبصرے، خطوط، ہر سطح کے ذوق و ذہن کی تسکین کا مواد موجود ہے۔ پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ نے پُر لطف اور معلوماتی 'سفرنامہ جنوبی افریقہ' کے ذریعہ ہمارے خفتہ احساس کو بیدار کیا ہے۔ وائلڈ لائف کے تئیں ہماری بے حسی، بہت بڑا سماجی المیہ ہے۔ جبکہ ماضی میں ادب سے وائلڈ لائف کا نہایت گہرا رشتہ رہا ہے۔ ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ادب میں بس اسے کھنگالنے کی ضرورت ہے۔ پنج تنتر، منطق الطیر، حیوۃ الحیوان (دمیری)، کتاب الحیوان (الجاحظ)...... جانے کتنی کتابیں، کہانیاں، مثنویاں ہیں جو حیوانات سے متعلق ہیں۔ مثنوی مدرنامہ، مرغ نامہ کو کیا کوئی بھلا سکتا ہے۔ یہ باتیں اس وقت کی ہیں جب وائلڈ لائف کو بطور سائنس شناخت نہیں ملی تھی۔ ہمارے تخلیق کاروں کا تخیل اس وقت بھی عروج پر تھا، وائلڈ لائف اور ادب کے حوالے سے نئے تناظر میں بھرپور تنقیدی تحقیقی کام کیا جائے تو یہ نہایت مختلف اور منفرد کام ہوگا۔ ادب کے فرسودہ پامال موضوعات کے بجائے اس نوع کے موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

حصہ مضامین میں رفیع الدین ہاشمی نے عصمت جاوید کو عمدہ خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا قسط وار مضمون ان کے تفرد آشنا ذہن کا عکاس ہے۔ صدف سے گہر نکالنے کا ہنر انہیں خوب آتا ہے۔ ڈاکٹر مجید بیدار کے مضمون 'ترجمہ کے تقاضے' سے ترجمہ کے تلازمات اور تفاعلات پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ ترجمہ بھی تخلیقی تجربے کا ہی ایک حصہ ہے۔ ترجمہ کی روایت سے ہمارے علوم و معارف میں گراں بہا اضافہ ہوتا ہے۔ اس سلسلہ کا احیاء ہونا چاہئے تاکہ عالمی ادبیات، رجحانات، تحریکات اور تخلیقات سے شناسائی کی راہ ہموار ہو۔ احمد سہیل نے 'ترجمہ کی تجرید' کے عنوان سے "تنقیدی تحریریں" میں جو مضمون شامل کیا ہے، اس پر غور کیا جائے تو اچھا ہوگا۔ ترجمہ کے تعلق سے "تمثیل نو" کا ایک شمارہ مختص کیا جائے تو بہت سی باتیں اور سامنے آئیں گی۔ اسرار اکبر آبادی، منصور عمر، رضوانہ پروین ارم کے

مضامین سے معلومات میں ''بیش بہا'' اضافہ ہوا۔ عفت موہانی کی کہانی میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی لہر ہوتی ہے۔ فاروق راہب بھی نئے منطقے کی تلاش کرتے ہیں۔ یہ دونوں کہانیاں 'نیلا ہیرا'، 'ویزہ' نہ صرف ذہن کو مرتعش کرتی ہیں بلکہ فن کار کی عظمت کا انمٹ نقش بھی دل میں قائم کرتی ہیں۔

منظومات اور غزلیات کا حصہ معتبر ناموں سے مزین ہے اور تبصرے بھی مبصرین کے زاویہ ہائے نظر اور مصنفین کے تخلیقی آفاق سے آگہی عطا کرتے ہیں۔ 'راہ و رسم' سے قارئین کے اذہان پر 'تمثیل نو' کے پڑنے والے اثرات کی نشان دہی ہوتی ہے۔ مجملہ یہ مجلّہ صوری، معنوی دونوں اعتبار سے پُرکشش اور معنی خیز ہے۔ مگر ان دونوں خوبیوں کی تشکیل میں سب سے اہم کردار اس کہانی نے ادا کیا ہے جس کا عنوان گو کہ مجھے عامیانہ سا لگا لیکن موضوع اور ٹریٹمنٹ کے اعتبار سے کہانی ''خطرناک حد تک'' متاثر کن ہے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی کی یہ کہانی ایک Contra Sexual عورت کی ذہنی، جنسی ترجیحات اور اس کی تقلیب و تحویل سے متعلق ہے۔ Bridget Jones Syndrome کی اسیر اور Sexual quotient کی متلاشی، نمرتا کی ذہنی تقلیب کی کیفیت کو کہانی کار نے نہایت خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کہانی میں کیمیائی ردعمل کے اثرات اور Pheromones کے پھیلاؤ اور فسوں کو قاری کلائمکس میں اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کہتی ہے ''اچھا بابا! تم جیت گئے'' یہ سیکس کی شکست اور محبت کی فتح کی کہانی ہے یعنی Love wins over sex۔ اس کہانی کی قرأت کئی سطحوں پر کی جا سکتی ہے۔ اس کا صحیح تحلیل و تجزیہ سوشل سائیکالوجسٹ یا نیوروسائنس کا کوئی متخصص ہی کر سکتا ہے کیوں کہ پوری کہانی نیورل سسٹم کے تحرک پر ہی مبنی ہے۔ دماغ کے بائیں حصے پر دائیں حصے کا غالب آ جانا، یہ اس کہانی کا طلسماتی ہی نہیں سائنسی عنصر بھی ہے جس پر غور کیا جائے تو کہانی کی تہہ سے کئی طرح کے مفاہیم برآمد ہوں گے۔ بین مذہبی مناکحت کے تصور پر مبنی یہ پہلی کہانی نہیں ہے۔ ذکیہ مشہدی کی ''صدائے بازگشت'' میں اس نوع کی کہانی موجود ہے۔ مگر کہانی کار نے کچھ اس طور سے کہانی بُنی ہے کہ تخلیقی متن کے بجائے سماجی، سیاسی اور مذہبی متن کے طور پر لوگ اس کی قرأت کریں گے اور اس سے نیا سماجی، سیاسی ڈسکورس بھی جنم لے گا۔ بہت ممکن ہے کہ اس کہانی کے حوالے سے ڈاکٹر سید حسین اور وجے لکشمی، قاضی اشرف محمود اور سمترا اور بہت سے لوگوں کا ذکر چھڑ جائے اور مہاتما گاندھی کے ردعمل کی بابت بھی بات ہونے لگے۔ بہرحال تخلیقی سیاق میں میرے نزدیک یہ کہانی دو متضاد ذہنی جوڑے کے اختلاط سے ہی نہیں بلکہ دو تہذیبی دھاروں کے ارتباط سے بھی عبارت ہے۔ آج کی لبرل عورت کی اس ذہنی تقلیب میں سماجی،

مذہبی رویے کی تقلیب کا اشارہ بھی مضمر ہے اور یہی تقلیب سماج، مذہب، عقیدے کی تطہیر کا سبب بھی بن سکتی ہے اور بین تہذیبی مفاہمت کی وسیع تر، کشادہ شاہراہ بھی عطا کر سکتی ہے۔ مظفر شعیب ہاشمی صاحب کو اس ''تہہ دار کہانی'' کے لئے مبارکاں مبارکاں......!!!

(مطبوعہ: ''تمثیل نو''، دربھنگہ اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء)

....

(۳)

''بہاری، باہری اور تمثیلِ نو''

(اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء)

تازہ 'تمثیل نو' میں 'کچے کیلے کے کوفتے' جیسا ذائقہ محسوس ہوا' بالکل نیا اور مختلف۔ سنا ہے کہ کچے کوفتے کھانے سے تخلیقی تحرک اور تنقیدی تموج میں ''غیر معمولی'' اضافہ ہوتا ہے اور عرفان و آگہی کی نئی منزلیں روشن ہوتی ہیں۔ کبھی آپ بھی یہ تجربہ کر کے دیکھئے کہ ان دنوں آپ رسالے میں نت نئے تجربے کر رہے ہیں۔ یہ کم اذیت ناک تجربہ ہے کہ ایک ایسی ریاست سے رسالہ نکال رہے ہیں جہاں صحت مند سیاست بھی Survive نہیں کر پاتی اور جو خلائی سائنسی ادارہ ناسا کی رپورٹ کے مطابق سب سے زیادہ کثافت زدہ ریاست ہے اور اس کا اثر وہاں کی تخلیقی، ادبی صورت حال پر بھی نمایاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کلیم الدین احمد اور قاضی عبدالودود کے بعد بہار سے باہر والوں سے کہیں زیادہ اندر والوں کو اندھیرا نظر آ رہا ہے۔ سچائی کیا ہے، مجھے پتہ نہیں، ممکن ہے بہار میں اتنا اندھیرا نہ ہو، مگر اجالا بھی زیادہ نہیں ہے، اتنا تو مجھے بھی پتہ ہے۔ المیہ یہ ہے کہ خود اہل بہار، بہار کی جڑیں کاٹ رہے ہیں۔ مظہر امام، حسین الحق، وہاب اشرفی، مناظر عاشق ہرگانوی، جابر حسین اور شکیل الرحمن کو مضحکہ بنانے والوں اور مخالفت کرنے والوں کا تعلق آخر اردو کی کس بستی سے ہے؟ ذرا سوچئے، صورت حال خود بخود واضح ہو جائے گی۔ میں علی گڑھ کے ان جملوں کو نہیں دہرانا چاہتا جو میرے احباب اکثر کہا کرتے تھے۔ مجھے علم ہے کہ اُردو زبان کی زمین پر بلائیں تو ہر طرف سے اترتی رہی ہیں۔ ویسے وہ لوگ غلط نہیں تھے جو بہار کی بابت بولتے رہتے تھے۔

آپ آندھی میں چراغ جلا رہے ہیں۔ یہی اصل جہاد ہے۔ اسے جاری رکھئے اور 'تمثیل نو' کو 'تخریب' سے بچائے رکھئے، یہی آپ کی اصل کامرانی ہے۔

شمارہ ۱۷، ۱۸ کے سرورق پر صنادید ثلاثہ کی تصویر اور اندرون کی فکری تنویر سے رسالے کی روح کو نئی سرشاری اور اوج کو نئی موج مل گئی ہے۔ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل کی تفہیم اور تقسیم میں منصور عمر، ابوذر ہاشمی، جمال اُویسی، مناظر عاشق ہرگانوی کے مضامین معاون اور مفید ثابت ہوں گے۔ ان تمام تحریروں میں تمکنت ہے۔

سید منظر امام کے ''ے موائز'' سے محظوظ ہو رہا ہوں۔ نہایت شگفتہ نثر میں 'یادِ ایام' لکھ رہے ہیں۔ وداع و وصل کی کہانیاں بھی خوب ہیں، نرگس جہاں اور جاوید اختر چودھری کے افسانے نئے افق کی تلاش میں ہیں۔ نظمیں نازک اندام، گجرارے اور غزلیں غزال ہیں۔ حامدی کاشمیری، منظر شہاب، امین اشرف، رفیق شاہین، راشد جمال فاروقی، رئیس الدین رئیس، اقبال آرش اور شمس جلیلی کی شمولیت نے اس 'چمنستان سخن' کو رنگارنگ بنا دیا ہے۔ ان شاعروں کے اسٹائل اور مسلک سے ہر حساس فرد متاثر ہوگا۔ غزلیں واقعتاً Spell binding ہیں۔

تبصرے وقیع اور آپ کے جائزے وجیہ ہیں۔ خطوط میں تو معلومات کا سمندر ہے۔ طلحہ رضوی برق نے ''عروضی اغلاط'' کی خوب نشان دہی کی ہے۔ شاعروں کی شامت اعمال، برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر، ویسے نثر میں بھی ''عروضی خامیاں'' تلاش کی جائیں تو ایک دفتر تیار ہو جائے۔ اردو میں زبان و بیان کی اتنی خامیاں ہیں کہ اردو کی الفت میں اس کلفت سے بھی گزرنا پڑتا ہے۔ اساتذہ ادبیات اردو کے حال پر اللہ رحم فرمائے کہ یہ بے چارے مرفوع القلم ہیں۔ طلحہ رضوی برق صاحب جانے کس زبان کے پروفیسر ہیں۔ تحریر کی تمازت اتنا تو پتہ دے رہی ہے کہ موصوف اردو کے پروفیسر نہیں ہیں۔

''تمثیل نو'' کا ہر شمارہ خوب سے خوب تر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ خدا آپ کے جنوں کا سلسلہ دراز کرے کہ ادب میں دیوانگی ہی کام آتی ہے۔ علامہ اقبال نے بھی یہی دعا کی تھی کہ 'مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر' اور جنون سے ہی شعور کے سارے مرحلے طے ہوتے ہیں۔ میر تقی میر کا معنی سے معمور ایک عمدہ شعر ہے:

خوش ہیں دیوانگیٔ میر سے سب
کیا جنوں کر گیا شعور سے وہ

سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی ''خوش فہمی'' میں بھی ایسی ہی دیوانگی ہے، اس کا ذکر پھر کبھی!

(مطبوعہ ''تمثیل نو'' دربھنگہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

(۴)

تاریخِ ادبیاتِ عالم اور "تمثیل نو"

(اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء)

مصنف کے بجائے متن پر مرکوز مطالعات کی روش افادیت بخش ہے اور قابلِ تحسین بھی۔ متن کو مرکز ومحور بنا کر جو ادبی ڈسکورس قائم کیے جاتے ہیں، اس کی اہمیت اور معنویت زیادہ مستحکم ہوتی ہے اور لکھنے والا بھی 'شخصیت پرستی' یا 'طرفداری' کے اتہام سے بچ نکلنے میں کامیاب رہتا ہے۔

'تمثیل نو' دربھنگہ کا تازہ شمارہ پروفیسر وہاب اشرفی کی لازوال تصنیف 'تاریخ ادبیات عالم' پر ارباب فضل وکمال کے ان مطالعات سے مختص ہے جن میں اس تصنیف کے امتیازات اور تفردات کے تعین اور تفہیم کی کوشش کی گئی ہے۔ اس نوع کے مرکوز اور مرتکز مطالعہ سے ایک ہی کتاب کے متعلق مختلف اہل نظر اور ارباب ہنر کے زاویہ ہائے ادراک سے آگہی ہوتی ہے اور نئے زاویے روشن ہوتے ہیں۔

مطبوع خاطر رہے کہ پروفیسر وہاب اشرفی کی یہ تاریخ سات جلدوں پر محیط ہے اور ان میں تقریباً ۳۵ رزبانوں کی ادبیات کا احاطہ اور استقصاء کیا گیا ہے۔ گو کہ کشمیری، میتھلی اور اڑیا جیسی کچھ اور زبانیں اس تاریخ کے حریم وحدود میں داخل ہونے سے محروم رہ گئیں، جس کا شکوہ منصور عمر نے بھی کیا ہے مگر اس سے کتاب کی مجموعی معنویت متاثر نہیں ہوتی کہ اس طرح کے پروجیکٹ میں کچھ پرابلمز بھی آتی ہیں جن کا احساس صرف صاحبِ کتاب کو ہوتا ہے۔

آج کی 'تنقیدی پیوندکاری' اور Inverted comma research یعنی ''واوین'' تنقید و تحقیق کے دور میں یہ کتاب اساسی اہمیت اور امتیازات کی حامل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے دانشوروں نے اس قاموسی کام کی تعریف وتوصیف کی ہے اور اسے وہاب اشرفی کا ایک عظیم کارنامہ قرار دیا ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ 'تاریخ ادبیات عالم' کے ذریعہ ہمارے عرفان وآگہی میں اضافہ ہوا اور سلسلۂ ادبیات کے نئے باب وا ہوئے، ورنہ ادھر تو حال کچھ یوں تھا:

کیا جانیں ہم اسیر قفس زادے نسیم　　گل کسے، باغ کہتے ہیں کس کو، بہار کیا

وہاب اشرفی کی اس وقیع تصنیف کے ذریعہ 'ہم اسیران قفس' کو بھی بہت سی آشنائیاں میسر آئیں اور زبان وادب کے نئے نسائم وشمائم کا ادراک ہوا۔ تاریخ ادبیات عالم کا یہ بہت بڑا فیضان ہے اور اسے

تسلیم نہ کرنا بہت بڑی مداہنت قرار پائے گی۔

یہ ایک مختلف اور منفرد کام ہے۔ اس کا اعتراف بہر طور کرنا پڑے گا۔ چاہے جبہ پوشان ادب کی شکن آلود ہوں یا دلوں میں غبار نفاق بھر جائے۔ مگر یہ طے ہے کہ اردو میں تاریخ ادبیات عالم کی تفہیم منضبط اور مربوط طور پر پہلی بار سامنے آئی ہے۔ کچھ تو وجہ ہے کہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اسے بصیرت افروز اضافہ اور وہاب اشرفی کے دوررس ذہن کی بلند پروازی کہا ہے تو منصور عمر نے تین ہزار صفحات پر پھیلے کام اور بیس سالہ ریاضت کو تاریخی کارنامہ قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر مجید بیدار نے تالیف و ترتیب میں بیش بہا اضافہ کہا ہے تو ابوذر ہاشمی نے اس مفتخر مٹی پہ بجا طور پر ناز کا اظہار کیا ہے۔ جس مٹی نے وہاب اشرفی جیسی شخصیت کو جنم دیا جس نے اردو زبان کو بڑی زبان کے شانہ بشانہ لا کھڑا کیا۔ جمال اویسی نے اسے وہاب اشرفی کے ادبی عشق و جنوں کا ثمر آور نتیجہ اور اردو کا سب سے وقیع کارنامہ کہا ہے۔ ڈاکٹر ہمایوں اشرف نے دانشوروں کی نظر میں اپنی نگاہ شامل کرتے ہوئے بھرپور معلوماتی مضمون لکھا ہے اور ہندی زبان میں اس کی اشاعت کی مسرت بخش اطلاع بھی دی ہے۔ گویا یہ صرف اردو نہیں، ہندی میں بھی اپنی نوعیت کا بڑا کارنامہ ہے۔

ڈاکٹر قاسم فریدی نے اپنے مختصر مضمون میں یہ بہت اچھا انکشاف کیا کہ تاریخ ادبیات عالم میں تاریخ جیسی خشکی نہیں ہے بلکہ بیان کی دل کشی اور قلم کی شگفتگی موجود ہے۔ اس طور پہ تمام لکھنے والوں نے وہاب اشرفی کی اس تصنیف منیف کے اہم پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے اور اردو کا ایک بڑا کارنامہ قرار دیا ہے جو شاید مبنی بر غلو یا مبالغہ نہیں ہے بلکہ حقیقت کا برملا اظہار ہے۔

'تمثیل نو' میں 'تاریخ ادبیات عالم' پر نہایت بسیط ڈسکورس کے ساتھ دیگر مشمولات بھی ہیں جو 'تمثیل نو' کے تنوع کی تصدیق کرتے ہیں۔ عبدالعزیز خالد، منظر شہاب، نادم بلخی، مثنی رضوی، سہیل غازیپوری، تسنیم فاروقی، سیما عابدی، رشیدہ عیاں، پادری افضال فردوس، شمس جلیلی، قمر رئیس، حفیظ انجم، شاذ رحمانی، رفیق شاہین اور عارف شفیق جیسے عبا قرہ کی غزلیں بھی ہیں۔ یہ تمام غزلیں اپنے فکری و فنی آہنگ کے اعتبار سے قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہیں۔ ان میں سے بہت سی غزلوں کے مصرعے مجھے متاع امیر و سلطاں سے عزیز تر نظر آئے مگر ان غزلوں کی شومی قسمت کہ انہیں اسلوب احمد انصاری، زیڈ اے۔ عثمانی، انور صدیقی، نقی حسین جعفری، سید وقار حسین جیسے نقاد نہیں ملے جو ان غزلوں کی لفظیاتی معنیاتی جہتوں کو منکشف کرتے، لسانیاتی نظام پر مبسوط گفتگو کرتے اور ان کے اسرار و رموز کو واضح کرتے۔ ان غزلوں کو ایسے ناقد مل جاتے تو شاید ان غزلوں کی تقدیر بھی تابندہ ہو جاتی۔ یہ غزلیں یوں ہی گوشۂ بے اعتنائی میں پڑی سسک رہی ہیں۔

اس عہد نو کا یہ عجب انداز ہے۔ کم از کم ان غزلوں میں ترصیع، توجیہ، تفریق، تکریر، تقلیب، تنسیق، توشیع، تجنیس، تلاش کرنے والے بھی مل جاتے تو پتہ چلتا کہ محسنات لفظیہ کی سطح پہ غزل میں کتنی افزونی ہوئی۔ بیان و بدیع کی سطح پر غزل نے کتنی ترقی کی یا غزل میں اب تک وہی ٹھہراؤ، وہی جمود، وہی یکسانیت، وہی تکرار، وہی توارد ہے۔ اس طرف ناقدان سخن کو توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ غزل کے ارتقائی سفر کی نئی داستان لکھی جاسکے۔ 'تمثیل نو' میں تبصرے، خطوط، افسانے اس کی وقعت اور مقبولیت کے شواہد پیش کرتے ہیں۔ فریدہ فرح لاکھانی کی نئی اور خوب صورت تحریر 'صحبتِ سخن لازمی ہے' نے بھی آنکھوں کو اپنا اسیر کرلیا۔ خیال کی خوبصورتی لطف زبان میں ڈھل گئی ہے۔

'تمثیل نو' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم کی کوشش رنگ لارہی ہے اور یہ رسالہ مجلاتی صحافت میں ایک روشن تمثیل بنتا جارہا ہے۔ مصحفی کے دو شعروں کے ساتھ مدیر اور مجلّہ کو مبارک باد:

رانجھا کے پاس جاتی ہے دریا کو پیر کر	کہتا ہے شوق آفریں ہمت پہ ہیر کی
الٰہی یوں ہی رہے آفتاب جام طلوع	کہ یہ ستارہ شامِ وصال تک ڈوبے

(مطبوعہ: روزنامہ ''اردو ٹائمز''، ممبئی ۱۳؍جنوری، ۲۰۰۶ء)

(مطبوعہ ''تمثیل نو''، دربھنگہ جنوری تا جون ۲۰۰۶ء)

(۵)

''تمثیل نو'': فلم اور اردو کے تناظر میں ایک اچھی پیشکش

(جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء)

رابطہ عامہ کے رسالوں کی شکل وصورت ہی الگ ہوتی ہے۔ رسالے میں شامل مواد سے اس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں۔ ہندوستان بالخصوص بہار کے بعض رسائل وجرائد 'رابطہ عامہ کے رسالے' کہلاتے ہیں۔ اس سوچ میں عصبیت بھی ہوسکتی ہے مگر کچھ نہ کچھ حقیقت ضرور ہے۔ ویسے آج کے اردو کش دور میں اس طرح کے رسائل کی اشاعت میں بھی کوئی قباحت نہیں ہے کہ کم از کم رابطہ عامہ کے ان رسائل سے اردو زبان وادب کو فروغ تو مل رہا ہے۔

ہر سوچ کی دو شکلیں ہوتی ہیں، مثبت اور منفی۔ رابطہ عامہ کی بھی دو شکلیں ہیں اور اس میں بھی مثبت

اور منفی دونوں عناصر شامل ہیں۔ رسائل کے لئے رابطہ عامہ کا لیبل منفی ہوسکتا ہے مگر فلموں کے لئے مثبت ہے۔ فلم رابطہ عامہ کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اگر اس کا عوامی ربط ختم ہوجائے تو اس کے سارے سلسلے ہی تھم جائیں گے۔ ماہنامہ تمثیل نو دربھنگہ نے رابطہ عامہ کے موثر ترین ذریعہ ہندوستانی فلموں اور اردو کے حوالے سے ایک گوشہ مختص کیا ہے جس میں اردو کے لسانی اور ادبی تناظر میں ہندوستانی فلموں کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ موضوع آج کے سیاق وسباق میں بہت ہی معنویت اور اہمیت کا حامل ہے کہ بیشتر فلمیں جو اردو کی شیرینی، چاشنی، نزاکت اور لطافت لئے ہوئے ہوتی ہیں، انہیں اردو کے سرٹیفکٹ نہیں دیئے جاتے۔ بہر حال یہ لسانی تنازعہ یا قضیہ سے زیادہ کچھ کسی اور 'سیاست' سے جڑا ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ اگر ہندوستانی فلموں کی رگوں میں اردو زبان کی نفاست اور شائستگی کا لہو نہ ہوتا تو پرانی فلموں کا معیار لسانی اعتبار سے بلند نہ ہوتا۔ تمثیل نو میں فلم اور اردو کے تعلق سے جو مضامین شامل ہیں ان میں پروفیسر خالد سعید اور فیاض احمد وجیہہ کے مضامین زیادہ وقیع ہیں۔ اس اعتبار سے کہ ان لوگوں نے اپنے مضامین میں کچھ اہم سوالات بھی اٹھائے ہیں اور سوچ کی سطح بھی دانشورانہ اور عالمانہ ہے۔ اس نوع کے مضامین نہیں ہیں جو اکثر اردو رسائل وجرائد کے فلمی صفحات پر ہندی یا انگریزی کی رنگین میگزینوں سے ماخوذ اور مستعار ہوتے ہیں اور ان میں اس درجہ سطحیت ہوتی ہے کہ اہل دانش کا طبقہ انہیں پڑھنے بلکہ دیکھنے میں بھی 'ہتک' محسوس کرتا ہے یا کم سے کم اپنے وقت کا زیاں تو سمجھتا ہی ہے۔ فیاض احمد وجیہ نے ہندوستانی فلموں میں ادبی عناصر اور خالد سعید نے فکشن، الیکٹرانک میڈیا کے تناظر میں بہت ہی اہم باتیں کہی ہیں۔ خالد سعید نے فکشن اور فکشن کی فلم بندی کے تعلق سے جو نتائج اخذ کئے ہیں وہ بہت اہم ہیں اور جو سوالات قائم کئے ہیں ان پر آج غور کرنے کی ضرورت ہے۔

خالد سعید کے سوالات یوں ہیں: (۱) اس الیکٹرانک عہد میں فکشن کی معنویت کیا ہے؟ (۲) اس الیکٹرانک میڈیا کے سبب فکشن اور اس کی معنویت پر کس طرح کے اثرات مرتب ہورہے ہیں؟ (۳) کیا فکشن کو اس الیکٹرانک عہد کے تقاضوں اور ضروریات سے ہم آہنگ کیا جاسکتا ہے؟ (۴) فکشن کے تحفظ، ترویج اور ترقی میں الیکٹرانک میڈیا کو کس طرح استعمال کیا جاسکتا ہے؟

پروفیسر خالد سعید نے ان سوالات کے جوابات تلاش کرنے کی کوشش کی ہے اور فلم اور فکشن کے مابین جو فرق یا فاصلے ہیں ان کی بھی وضاحت کی ہے۔ ان کے خیال میں: (۱) فکشن نویسی ایک تخلیقی عمل Recreative Process یعنی افلاطون کی اصطلاح میں فکشن اگر نقل کی ہے تو فکشن کی فلم بندی نقل

کی نقل کی نقل ہے۔ (۲) فکشن ایک انفرادی تخلیقی عمل ہے جبکہ فکشن کی فلم بندی ایک اجتماعی تخلیقی عمل یعنی یہ مصنف، ہدایتکار، کیمرہ مین اور اداکاروں کی اجتماعی تخلیقی سرگرمی ہے۔ (۳) فکشن کا ذریعہ اظہار قرطاس ہیں تو فکشن کی ڈرامائی پیشکش کے لئے اظہار کے ذرائع رنگ ونور، صوت ونغمہ، عکس وآواز، پیکر وساز ہیں۔ (۴) تحریری فکشن اپنے انتہائی لمحوں میں ابہام وتجرد کا حامل ہوتا ہے جبکہ فکشن کی فلم بندی شفاف اور انتہائی اثر انگیز ہوتی ہے۔

خالد سعید نے مضمون میں اچھے نکات اٹھائے ہیں۔ اسی طرح فیاض احمد وجیہ نے بھی فلم کو ایک بیانیہ آرٹ قرار دیتے ہوئے ان فلموں کے حوالے سے گفتگو کی ہے جن کی اساس ادبی فن پاروں پر ہے۔ یہ دونوں مضامین سطحی نوعیت کے فلمی مضامین سے بہت مختلف ہیں اور اس میں لکھنے والے کی اپنی سوچ کی بلند سطح بھی نظر آتی ہے۔ ان کے علاوہ مظہر امام، حسن امام درد، مناظر عاشق ہرگانوی، محمد خالد عابدی، رشید انجم، پروفیسر شاکر خلیق، ابراہیم اشک، مراق مرزا، پروفیسر ایم اے ضیاء، نینا جوگن، قمر علی، امام اعظم کی تحریریں بھی شامل ہیں۔ تمام مضامین کے مطالعے کے بعد یہی کہا جا سکتا ہے کہ موضوع جتنا اچھا تھا مواد اس کے بقدر نہیں ہے۔ یہ کہا جائے تو غلط نہیں ہوگا کہ اس گوشے میں ایک نہیں بلکہ کئی آنچ کی کسر رہ گئی ہے۔ اس کے برعکس رسالے میں شامل وہاب قیصر کا گوشہ نہایت وقیع اور عالمانہ ہے۔ اس میں شامل بیشتر تحریریں عمدہ اور عالمانہ سطح کی ہیں۔ خاص طور پر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون 'غالب کا سائنسی شعور' اور وہاب قیصر کی 'سائنٹفک تنقید' شمارے کی جان ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی نے وہاب قیصر کے حوالے سے یہ واضح کیا ہے کہ غالب صرف شاعر نہیں تھے بلکہ فلکیات، طب، کیمیا، منطق، جمادات، ماحولیات، مابعد طبیعات کے اصولوں سے بھی آگاہ تھے۔ انہوں نے فلکیات، ارضیات، طبعیات، حیاتیات اور دوسرے سائنسی موضوعات اور مسائل پر بھی شعر کہے ہیں۔ اس طرح اندازہ ہوتا ہے کہ غالب کا سائنسی شعور کس قدر بلند تھا۔ ایک شعر کے حوالے سے مناظر عاشق ہرگانوی نے باب غالب میں وہاب قیصر کی انفرادیت کو یوں نمایاں کیا ہے:

کیا کہوں بیماری غم کی فراغت کا بیاں ‌ ‌ ‌ ‌ جو کہ کھایا خون دل بے منت کیموس تھا

اس شعر کی حسرت موہانی اور سلیم چشتی اور دوسرے شارحین نے تشریح کی ہے مگر ڈاکٹر وہاب قیصر کی سائنسی تشریح اس طرح ہے: ''ہم غذا کے طور پر جو کچھ بھی کھاتے ہیں وہ مکمل طور پر ہضم ہونے سے قبل دو اہم مرحلوں سے گزرتی ہے۔ پہلے وہ کیلوس (Chyme) کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور پھر کیموس

میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ان دونوں مدارج طے کرنے کے بعد غذا ہضم ہو جاتی ہے اور خون بنتا (Chyle)
ہے۔ خون ہماری رگوں میں دوڑتے ہوئے جسم کے تمام حصوں کو درکار توانائی کی فراہمی کے لئے آکسیجن،
گلوکوز وغیرہ مہیا کرتا ہے۔ جب کوئی شخص بیمار پڑ جاتا ہے تو اس کا کھانا پینا چھوٹ جاتا ہے۔ تب اس کے
جسم کی چربی غذا کا نعم البدل ثابت ہوتی ہے جو خون میں شامل ہوتی رہتی ہے۔ (یہی وجہ ہے کہ بیماری کی
حالت میں لوگوں کا وزن کم ہو جاتا ہے اور وہ دبلے نظر آتے ہیں)۔ اس طرح بیمار شخص وقتی طور پر غذا کے
استعمال سے فراغت پاتا ہے۔ جب غذا کا استعمال ہی نہیں ہوتا تو اس کو ہاضمے کے مدارج کیلوس اور کیموس
سے گزرنا نہیں پڑتا۔ بیماری کی صورت میں جسم خود غذا کی جو پابجائی کرتا ہے۔ اس کو غالب نے نظم کیا ہے۔"

وہاب قیصر نے ادب اور سائنس کو مربوط کرنے کی جو کوشش کی ہے۔ وہ قابل قدر ہے۔ یہ ادب اور
سائنس کے حوالے سے ایک نئے جزیرے کی جستجو کے مترادف ہے۔ وہاب قیصر کی کتابیں سائنس کے
نئے اصول، سائنس اور غالب، سوالوں میں رنگ بھرے، مولانا آزاد کی سائنسی بصیرت، مولانا آزاد کے
سائنسی مضامین اور مولانا ابوالکلام آزاد فکر وعمل کے چند زاویے اہم ہیں۔ سائنس اور غالب کے ذریعے
انہوں نے غالبیات میں ایک نئی جہت کا اضافہ کیا ہے اور تشریحی نقادوں سے الگ اپنی ایک پہچان بنائی ہے۔
شاید غالب کی شاعری کو بھی ایسی ہی سائنسی تعبیر کی ضرورت تھی۔ اس طرف بہت کم ناقدین نے توجہ دی
ہے۔ اس گوشہ میں عبدالمنان طرزی، منصور عمر، امام اعظم، مجیر احمد آزاد، شکیل احمد سلفی کے مضامین شامل
ہیں اور تمام مضامین وہاب قیصر کی خدمات کا بھرپور احاطہ کرتے ہیں۔ یہ بہت محنت سے تحریر کئے گئے ہیں۔
وہاب قیصر کے لئے یہ ایک بہترین خراج تحسین ہے مگر ان پر گوشہ نہیں بلکہ رسالوں کے خصوصی شمارے آنے
چاہئیں کہ انہوں نے رہ عام سے الگ ہٹ کر کام کیا ہے اور اردو ادب میں گرانقدر اضافے کئے ہیں۔

"تمثیل نو" کے شمارے میں حسب روایت مضامین، افسانے اور شعری تخلیقات شامل ہیں اور
تبصرے بھی۔ مجموعی طور پر تمثیل نو کا یہ شمارہ اپنے جلو میں بہت سی رعنائیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ رسالے کے
مدیر ڈاکٹر امام اعظم قابل مبارکباد ہیں کہ انہوں نے ہندوستانی فلمیں اور اردو کے حوالے سے ایک خصوصی
شمارہ شائع کیا۔ تھوڑی سی محنت اور ہو جاتی تو اس گوشہ کی حیثیت دستاویزی ہو جاتی۔

(مطبوعہ "عالمی سہارا" ۲۱/اگست ۲۰۱۰ء)

□□□

ای-میل: haqqanialqasmi@gmail.com موبائل: 09891726444

• ڈاکٹر ریحان غنی (پٹنہ)

''تمثیلِ نو'': ایک اہم رسالہ

(جولائی ۲۰۱۴ تا جون ۲۰۱۵)

'تمثیل نو' شمالی بہار کے مردم خیز شہر دربھنگہ سے شائع ہونے والا ایک معیاری ادبی رسالہ ہے۔ اس کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم ہیں جو اس وقت کولکاتا میں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ریجنل ڈائریکٹر ہیں۔ رسالہ کی مدیرہ ڈاکٹر زہرہ شمائل ہیں۔ اس کا پہلا شمارہ مارچ ۲۰۰۱ میں منظر عام پر آیا۔ اس طرح یہ رسالہ اپنی اشاعت کے چودھویں سال میں داخل ہو چکا ہے۔ ادھر کئی برسوں سے اس کے موضوعاتی شمارے شائع ہو رہے ہیں۔ اب تک اس کے تین موضوعاتی شمارے شائع ہو چکے ہیں جن میں ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' (اپریل ۲۰۱۲ - جون ۲۰۱۳ء)، ''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں'' (جولائی ۲۰۱۳ - جون ۲۰۱۴ء) اور شہر کولکاتا کی منظوم مختصر تاریخ اور دو شخصیات ڈاکٹر سید تقی عابدی اور پروفیسر منصور عمر پر خصوصی گوشہ (جولائی ۲۰۱۴ - جون ۲۰۱۵) شامل ہے۔ تازہ شمارے میں ڈاکٹر امام اعظم نے اعلان کیا ہے کہ 'تمثیل نو' کے اگلے شمارے میں ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' پر خصوصی گوشہ شائع کیا جائے گا۔ یہ اچھی کوشش ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم چونکہ بنیادی طور پر اردو کے استاد ہیں اور اردو تحریک سے جڑے رہے ہیں اس لئے انہیں اردو سے قلبی لگاؤ ہے اور وہ اس کے فروغ کے لئے مختلف سطح پر کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہیں۔ ان میں اردو کے لئے کچھ کرنے کا جذبہ موجود ہے۔ یہی وہ جذبہ ہے جس کی وجہ سے 'تمثیل نو' گذشتہ ۱۴ برسوں سے مسلسل نکل رہا ہے ورنہ بڑے بڑے ادارے رسالہ نکالنے کیلئے سوچتے رہتے ہیں۔

اس وقت میرے مطالعہ میں 'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ (جولائی ۲۰۱۴ تا جون ۲۰۱۵) ہے جو ۳۵۶ ر صفحات پر مشتمل ہے۔ اپنے اداریہ میں امام اعظم نے اردو کو درپیش مسائل اور اردو والوں کی احساس کمتری کا ذکر کرتے ہوئے جو سوالات اٹھائے ہیں وہ قابل غور ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ''اردو والوں کو دوسری زبانوں کے ارباب حل وعقد سے سبق لینا چاہئے کہ بنگلہ، اڑیا، گجراتی، تمل، تلگو اور بہت ساری زبانوں کے لئے ایک مہم کے تحت لوگ کام کرتے ہیں اور زبان کو زندہ اور توانا رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اردو والے نہ جانے کیوں احساس کمتری کا شکار نظر آتے ہیں۔ حالانکہ سرکاری مراعات کی وجہ سے اردو والوں کو بولڈ اور فعال ہونا چاہئے۔'' ان کی یہ تحریر اردو سے اُن کی دلی محبت کی غمازی کرتی ہے۔ اس شمارے

میں تین خصوصی گوشے ہیں۔ ان میں ایک گوشہ خصوصی مطالعہ شہر کولکاتا بھی ہے جس میں شمس جلیلی کی نظم روداد کولکاتا، منور رانا سے ڈاکٹر عرش منیر کا انٹرویو، انجم عظیم آبادی کا ایک انشائیہ اور ڈاکٹر امام اعظم کی ''کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ'' شامل ہے۔ اس کے علاوہ گوشہ سید تقی عابدی (صفحہ ۸۸ سے صفحہ ۱۱۸) اور گوشہ منصور عمر مرحوم (صفحہ ۱۲۳ سے صفحہ ۱۴۶) کے تحت کئی معروف ادیبوں اور قلم کاروں کے معیاری مضامین نے اس رسالے کو وقار بخشا ہے۔ سید تقی عابدی کا گہرا تعلق میڈیکل سائنس سے ہے لیکن گوشہ میں شامل مضامین پڑھنے سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ شاعر، محقق اور نقاد بھی ہیں اور ان کی تقریباً ایک درجن کتابیں شائع ہو کر منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ایسی ہمہ جہت شخصیت کا تعارف کرا کے ڈاکٹر امام اعظم نے بڑا کام کیا ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ ''سید تقی عابدی - سائنس کے آدمی ہیں لیکن ماہر امراض کے ساتھ ماہر ادبیات و نفسیات بھی ہیں۔ سیاسیات اور مذہب سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ اخلاقیات ان کے کردار کا اہم حصہ ہے۔'' ڈاکٹر منصور عمر پر گوشہ بھی شاندار اور جاندار ہے۔ منصور عمر کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ مجھے یاد آتا ہے کہ ۸۲-1981 میں 'قومی آواز' میں ''نئی نسل کے فنکار'' کے عنوان سے میں نے ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ اُس وقت منصور عمر کی عمر تقریباً ۲۷ سال تھی۔ میں نے اس مخصوص کالم میں ان کی بھی مختصر سوانح عمری شائع کی تھی۔ درمیان میں ان سے رابطہ منقطع ہو گیا اور اچانک خبر ملی کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ تحقیق، تنقید اور درس و تدریس ان کا خاص میدان تھا لیکن انہوں نے غزلیں، نظمیں اور قطعات بھی کہے۔ ان کے تعلق سے 'تمثیل نو' کا گوشہ دیکھ کر پرانی یادیں تازہ ہو گئیں۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ 'تمثیل نو' میں اس کے بعد یعنی صفحہ ۱۴۹ سے مختلف ادبی موضوعات پر معیاری مضامین کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ پھر فیاض رفعت سے نثار احمد صدیقی اور ڈاکٹر امام اعظم سے طلعت صلاح الدین کے انٹرویو ہیں۔ اس رسالے کے حسن کو افسانوں، نظموں اور غزلوں نے اور دوبالا کر دیا ہے۔ مختصراً یہ کہ یہ رسالہ ایک خوبصورت ادبی گلدستہ ہے جسے مالی نے بہت خوبصورتی سے سجا کر محبان اردو کی خدمت میں خلوص کے ساتھ پیش کیا ہے۔ میں اس شاندار پیشکش کے لئے ڈاکٹر امام اعظم کو دل کی گہرائی سے مبارکباد دیتا ہوں اور ان کی درازیٔ عمر کی دعا کرتا ہوں تاکہ وہ اسی طرح اردو زبان و ادب کی خدمت کرتے رہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'پندار' پٹنہ ۱۶ رمئی 2015ء)

□□□

موبائل : 09308610691

● انوار الحسن وسطوی

''تمثیلِ نو'': ایک مختصر جائزہ

(جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء)

ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والا ادبی رسالہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ جس کا پہلا شمارہ مارچ ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آیا تھا، نہایت کامیابی اور تسلسل کے ساتھ ۱۴ ربرسوں سے شائع ہو رہا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کی اس ادبی اور صحافتی خدمت کی پذیرائی ملک اور بیرونِ ملک میں بڑے پیمانے پر ہوتی رہی ہے۔ اس ادبی رسالے کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ گذشتہ ۱۲ ربرسوں سے اس کے موضوعاتی شمارے شائع ہو رہے ہیں، جن کے موضوعات اس طرح ہیں ''متھلا کے دو روشن چراغ: فاطمی اور شکیل'' (اکتوبر ۲۰۰۴-مارچ ۲۰۰۵ء)، ''اردو ادب کے رجحان ساز: فاروقی، نارنگ اور مظہر امام'' (اپریل-ستمبر ۲۰۰۵ء)، ''تاریخِ ادبیاتِ عالم اور عہد ساز شخصیت: وہاب اشرفی'' (اکتوبر-دسمبر ۲۰۰۵ء)، ''کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے؟'' (جنوری-جون ۲۰۰۶ء)، ''متھلا اردو زبان اور تہذیب و ثقافت کا ایک قدیم مرکز'' (جولائی-دسمبر ۲۰۰۶ء)، ''سہرے کی ادبی معنویت'' (اکتوبر ۲۰۰۷ء- جون ۲۰۰۸ء)، ''سات سمندر پار کا ہم عصر ادب'' (جولائی ۲۰۰۸ء-مارچ ۲۰۰۹ء)، ''بیسویں صدی کے مدبر و مفکر: مولانا آزاد'' (اپریل-دسمبر ۲۰۰۹ء)، ''ہندوستانی فلمیں اور اردو'' (جنوری-ستمبر ۲۰۱۰ء)، ''اردو کا ہم عصر ادب ۱۹۸۵ء کے بعد'' (اکتوبر ۲۰۱۰ء-مارچ ۲۰۱۱ء)، ''اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و فراز'' (اپریل ۲۰۱۱ء-مارچ ۲۰۱۲ء)، ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' (اپریل ۲۰۱۲ء- جون ۲۰۱۳ء)، ''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں'' (جولائی ۲۰۱۳ء-جون ۲۰۱۴ء)۔

زیرِ نظر شمارہ ''شہرِ کولکاتا کی منظوم تاریخ'' اور دو شخصیات ڈاکٹر سیّد تقی عابدی اور پروفیسر منصور عمر کے خصوصی گوشے پر مشتمل ہے۔ یہ شمارہ ۳۷۶ ر صفحات پر محیط ہے۔ جس میں شمس جلیلی کی نظم ''روداد کولکاتا''، نامور شاعر و ادیب جناب منور رانا سے ڈاکٹر عرشِ منیر کا انٹرویو، انجم عظیم آبادی کا انشائیہ ''نقیب: دلچسپ نقابت اور ہوٹنگ''، کامتا پرشاد سود کا ''مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی اعزازی تقریب کے موقع پر پیش کیا گیا خطبہ اور ڈاکٹر امام اعظم کی طویل نظم ''یہی کولکاتا ہے'' نیز ''شہرِ کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ'' شامل ہیں۔ گوشۂ سیّد تقی عابدی (ص: ۸۸-۱۲۲) میں موصوف کے سوانحی کوائف کے بعد ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر ایم

صلاح الدین، ڈاکٹر رشید گل، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد اور ڈاکٹر امام اعظم کی تحریریں شامل ہیں۔ ان تحریروں کے مطالعے سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ سیّد تقی عابدی کا پیشہ گرچہ علاج و معالجہ ہے لیکن ان کا ذوق شاعری اور ادبی تحقیق و تنقید سے ہے لہٰذا انھوں نے اپنے اس ذوق کی تسکین کیلئے تین درجن کتابیں تالیف و تصنیف کی ہیں۔ اردو شعر و ادب کے ایسے دیوانے اور عاشق کی خدمات اور کارنامے کو اجاگر کرنے کیلئے ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے رسالہ ''تمثیلِ نو'' میں خصوصی گوشہ کی اشاعت کر کے قابلِ تعریف کام کیا ہے۔ ڈاکٹر رشید گل نے اپنے مضمون میں ڈاکٹر سیّد تقی عابدی کی ادبی و شعری خدمات کے پیش نظر یہ صحیح رائے قائم کی ہے کہ:

''بھارت، پاکستان اور دوسرے ممالک کی تمام جامعات اور اداروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ ڈاکٹر تقی عابدی کے جیسے عالمانہ اور مدبرانہ شخصیت کو اردو ادب کے شعبۂ نقد و نظر و تحقیق میں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کرنے کیلئے ضرور غور و خوض کریں گے۔ وہ اس ڈگری کے جائز اور مستحق امیدوار ہیں۔'' (ص-۱۰۰)

ڈاکٹر منصور عمر اردو کے قادر الکلام شاعر، ادیب اور ناقد تھے۔ پی جی شعبۂ اردو سی ایم کالج دربھنگہ میں پروفیسر کے عہدے پر فائض تھے۔ تقریباً ڈیڑھ درجن کتابوں کے مصنف و مؤلف تھے۔ ۲۳ر اپریل ۲۰۱۴ء کو انھوں نے اس دارِ فانی سے کوچ فرمایا۔ ایسی گراں قدر شخصیت پر ڈاکٹر امام اعظم نے گوشہ شائع کر کے مرحوم کو بہترین خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ گوشۂ منصور عمر میں مرحوم کے سوانحی کوائف کے بعد ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد اور ڈاکٹر امام اعظم کی تحریریں شامل ہیں۔ گوشے میں پروفیسر عبدالمنان طرزی، پروفیسر شاکر خلیق، ظہیر صدیقی، منور عالم راہی، ڈاکٹر عبدالحق امام اور خالدہ پروین رعنا کے منظوم خراجِ عقیدت بھی شامل ہیں۔ مذکورہ مخصوص گوشوں کے علاوہ بھی رسالہ کی کئی خوبیاں ہیں جو قاری کو متاثر کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کا ذکر کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ ڈاکٹر امام اعظم اردو کاز کے مضبوط سپاہی اور اردو تحریک کے بڑے علم بردار ہیں چنانچہ انھوں نے ''تمثیلِ نو'' کے اس تازہ شمارہ کے اداریے میں اردو کی صورت حال کی جانب اپنی جس تشویش کا اظہار کیا ہے وہ قابلِ توجہ ہے۔ انھوں نے اپنے اداریے میں بنگلہ، اڑیا، گجراتی، مراٹھی، تمل، تیلگو اور دوسری زبانوں کے فروغ اور بقا کے لیے ان زبانوں کے اربابِ حل و عقد کے ذریعہ کی گئی کوششوں سے اردو والوں کو سبق لینے کی جو ترغیب دلائی ہے وہ بالکل مناسب ہے۔ ان کی یہ رائے بھی بالکل درست ہے کہ اردو کتابیں، رسائل و جرائد کی اشاعت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے لیکن قاری کم ہو گئے ہیں۔ موصوف کا یہ مشورہ قابلِ توجہ ہے کہ زبان کے تحفظ کے لیے ہمیں سر جوڑ کر بیٹھنا ہوگا، تب

ہی اردو کا مستقبل روشن رہ سکے گا۔ رسالے میں حسب سابق ادبی وثقافتی خبروں کے ساتھ ساتھ وفیات کی خبریں بھی موجود ہیں۔ جن مشاہیر کی وفات کی خبر کو رسالے میں جگہ دی گئی ہے ان میں شباب للت، ڈاکٹر صدیق مجیبی، پروفیسر صغریٰ مہدی، خشونت سنگھ، ڈاکٹر منصور عمر، محبوب انور، سیّد علی، ڈاکٹر اقبال مرزا، ہوش نعمانی، شمیم فاروقی، عادل اسیر دہلوی، ظفر مجیبی، سیّد حامد، پروفیسر اختر الحسن، پروفیسر سیّد ضیاء الرحمٰن، شیدا چینی، احسن شفیق، حماد انجم، علی حیدر ملک اور ڈاکٹر کلیم احمد عاجز وغیرہ کے نام بطور خاص شامل ہیں۔ شمارے میں شامل مضامین ہمیشہ کی طرح ''تمثیلِ نو'' کے ادبی معیار و مزاج کے مطابق ہیں۔ بالخصوص پروفیسر سیّد محمد عزیز الدین حسین ہمدانی کا مضمون ''مادری زبان کی اہمیت''، منیر سیفی کا مضمون ''مے خانۂ اردو کا پیر مغاں: نارنگ ساقی''، ڈاکٹر ایم صلاح الدین کی تحریر ''بنگال کے اردو ادب کی ارتقاء کا سنگِ میل: ڈاکٹر جاوید نہال''، ملک مقبول احمد کی تحریر ''پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی: شناسا ادبی چہرہ، ڈاکٹر ارشد جمیل کی تحریر ''مجاہدِ آزادی مولانا محمد لطف الرحمٰن ہر سنگھ پوری''، اظہر نیر کی تحریر ''حسن امام درد: یادیں اور باتیں''، ڈاکٹر رستم انصاری کی تحریر ''جنگِ آزادی میں اردو زبان کا رول''، ڈاکٹر سرور کریم کا مضمون ''دربھنگہ کا ادبی منظر نامہ ۲۰ رویں صدی کے حوالے سے''، شاہد اقبال کا مضمون ''۲۱ رویں صدی میں بنگال میں اردو ناول''، احمد معراج کا مضمون ''سیّد منظر امام: ایک ہمہ جہت شخصیت'' اور محترمہ رخسانہ اطہر کا مضمون ''مولانا مناظر احسن گیلانی: ایک نامور عالمِ دین اور محقق'' بے حد معلوماتی اور دلچسپ ہیں۔ عمدہ نظموں اور غزلوں سے بھی یہ شمارہ مزین ہے۔ ۴۱ کتابوں پر مختلف مبصروں مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، فہیم انور، اشرف احمد جعفری، منور حسن کمال، صابر رضا شمسی، شبانہ خاتون ثمن، شاہد اقبال، ایاز احمد روہوی، احمد معراج، سعیدہ امان اور عظیم ہاشمی کے لکھے تبصرے بھی رسالے کی افادیت کی غماز ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں کتابوں پر تبصرے شاید ہی کسی دوسرے ادبی رسالے میں شائع ہوتے ہوں گے۔

''تمثیلِ نو'' کے آئندہ شمارے کے سلسلے میں ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اداریہ میں یہ خوش آئند اعلان کیا ہے کہ رسالے کا اگلا شمارہ ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' کے موضوع پر ہوگا۔ یقیناً یہ موضوع بیحد دلچسپ ہے۔ لہٰذا قارئین رسالہ شدت سے اس شمارے کے منتظر ہیں گے۔ دعا گو ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ڈاکٹر امام اعظم کو صحت مند اور سلامت رکھے تاکہ وہ تادیر اردو شعروادب اور اردو صحافت کی خدمت کرتے رہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'پندار'، پٹنہ ۲۸ رجون ۲۰۱۵ء)

....

(۲)

"تمثیل نو":

اکیسویں صدی میں اردو صحافت: تعارف و تجزیہ

(جولائی 2015ء تا جون ۲۰۱۶ء)

اردو کے معروف ادیب و شاعر ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والا ادبی رسالہ "تمثیل نو" دربھنگہ نے اپنے تازہ شمارہ کی اشاعت کے ساتھ اپنی عمر کے 15 سال مکمل کر لئے ہیں۔ تازہ شمارہ (جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء) ۲۱۶/صفحات پر مشتمل ہے۔ حسب سابق "تمثیل نو" کا یہ شمارہ بھی خصوصی نمبر ہے جس میں اکیسویں صدی میں اردو صحافت کے موضوع پر ۱۳/مضامین جمع کئے گئے ہیں۔ یہ مضامین اردو صحافت کے تعلق سے کارآمد اور معلومات افزا ہیں۔ مضامین کے عنوانات حسب ذیل ہیں:

"اکیسویں صدی میں اردو صحافت" (پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی) "اکیسویں صدی میں اردو صحافت بہار کے ادبی مراکز میں" (شمس جمیلی) "اکیسویں صدی میں اردو صحافت" (ڈاکٹر سید احمد قادری) "ادبی صحافت کا عصری منظرنامہ" (حقانی القاسمی) "اردو صحافت، اندیشے اور نئے امکانات" (ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز) "دربھنگہ میں ادبی صحافت" (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد) "ادبی صحافت: آنچلک ڈسکورس اور اداریہ نویسی" (ڈاکٹر فیاض احمد وجیہہ) "کولکاتا میں اردو صحافت" (ڈاکٹر امام اعظم) "اردو صحافت: چند بکھری دلچسپ باتیں" (سلمان عبدالصمد) "وہاب اشرفی کی صحافتی خدمات" (شاہد الرحمٰن) "مغربی بنگال کی اردو صحافت میری نظر میں" (ڈاکٹر نصرت جہاں) "اردو صحافت کا بدلتا رنگ: اکیسویں صدی میں" (ڈاکٹر احسان عالم)، "متھلا میں اردو صحافت" (ڈاکٹر امام اعظم)۔ یہ سبھی مضامین اردو صحافت کے تعلق سے بے حد معلوماتی، کارآمد اور حوالے کی حیثیت رکھتے ہیں۔ پروفیسر ہرگانوی کے مضمون میں نہ صرف ہندوستان بلکہ عالمگیر سطح پر نکلنے والے اردو کے اخبارات و رسائل کا ذکر ہے۔ ہندوستان کے تعلق سے موصوف نے یہ ثابت کیا ہے کہ اردو صحافت ہندوستان میں تیسرے نمبر پر ہے یعنی ہندی اور انگریزی کے بعد اردو کا ہی نمبر ہے۔ ان کی تحقیق کے مطابق ہندوستان کی اٹھارہ ریاستوں سے اردو اخبارات و رسائل نکل رہے ہیں۔ ڈاکٹر سید احمد قادری نے اکیسویں صدی میں اردو صحافت کا جائزہ لیتے

ہوئے یہ بجا تحریر فرمایا ہے کہ ''موجودہ صارفیت کے اس دور میں اردو صحافت بھی عبادت اور ریاضت سے بھٹک کر تجارت کی دوڑ میں شامل ہوگئی ہے جس کا منفی اثر یہ ہو رہا ہے کہ سرکاری اشتہارات کے لئے بیشتر اخبارات حکومتِ وقت کی ٹیوننگ پر ڈانس کرتے نظر آتے ہیں۔'' حقانی القاسمی کا مضمون ''ادبی صحافت کا منظر نامہ'' بھی بہت عمدہ اور معلومات افزا تحریر ہے۔ جناب قاسمی نے اپنی اس تحریر میں پورے ملک میں شائع ہونے والے اردو اخبارات و رسائل کا بہت عمدہ تجزیہ کیا ہے۔ انہوں نے نہایت صاف گوئی سے یہ تسلیم کیا ہے کہ ریاست بہار اردو زبان و ادب کے فروغ کے معاملے میں ملک کی دوسری ریاستوں کے مقابلے میں زیادہ متحرک اور بیدار ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے بڑی محنت سے کولکاتا میں اردو صحافت کا تحقیقی مطالعہ پیش کیا ہے۔ اس طرح انہوں نے یہ تحریر لکھ کر کولکاتا کا حق نمک ادا کر دیا ہے۔ ڈاکٹر نصرت جہاں نے بھی مغربی بنگال کی اردو صحافت کا اچھا اور عمدہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ ''تمثیل نو'' کے اس خصوصی گوشے میں اکیسویں صدی میں اردو صحافت کے تعلق سے دیگر قلمکاروں کی تحریریں بھی بے حد معلوماتی ہیں اور حوالے کی حیثیت رکھتی ہیں۔

رسالہ کے زیر مطالعہ شمارے میں دیگر مضامین جو مختلف موضوعات پر ہیں ان کی تعداد ۲۴ رہے جن میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''صدیق عالم کی نظموں میں فعال کائنات کی شیشہ گری'' ہے جس میں جناب ہرگانوی نے صدیق عالم کی نظموں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے جبکہ ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی نے شمس جلیلی کی شاعری کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ نے اپنے مضمون میں پروفیسر شاکر خلیق کی شخصیت کے گوشوں کو اجاگر کیا ہے۔ جناب صفی اختر نے ''عالمانہ بصیرت کے نئے امیر: مولانا سید ولی رحمانی'' کے عنوان سے تحریر کردہ اپنے مضمون میں حضرت مولانا کی ہمہ جہت شخصیت پر روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر ایم صلاح الدین نے مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی کی تنقیدی بصیرت پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ مضامین کے اس حصے میں ڈاکٹر سرور کریم کی تحریر ''بیسویں صدی کے حوالے سے دربھنگہ کا ادبی منظر نامہ'' ایک دلچسپ اور معلوماتی تحریر ہے جس کے مطالعہ سے ڈھیر ساری علمی و ادبی شخصیتوں سے ہماری ملاقات ہوتی ہے اور ان کی خدمات سے بھی ہم واقف ہوتے ہیں۔ محمد افروز الہدیٰ نے اپنے مضمون میں حضرت مولانا سید منت اللہ رحمانی ؒ (امیر شریعت رابع) کی ادبی خدمات کا احاطہ کیا ہے۔ مضامین کی اس فہرست کی دیگر تحریریں بھی قابل مطالعہ اور معلوماتی ہیں۔

حسبِ سابق ڈاکٹر امام اعظم کا اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ''ادبی وثقافتی خبریں'' اور ''وفیات''

کا کالم مفصل ہے اور تاریخی و دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ گزشتہ ایک سال کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کی ایسی مکمل رپورٹ شاید "تمثیل نو" کے علاوہ کسی دوسرے رسالے میں دیکھنے کو نہیں ملتی ہیں۔ "وفیات" کا کالم بھی مفصل اور معلوماتی ہے۔ اس کالم کے ذریعہ ہمارے درمیان سے گزشتہ ایک سال کے درمیان رخصت ہوگئے اہل قلم اور اہل علم و دانش کا ذکر مع تعارف بڑے سلیقہ سے درج ہے جس کی اپنی ایک تاریخی حیثیت ہے۔ "تمثیل نو" کے اس تازہ شمارہ کے ذریعہ ہی راقم السطور کو یہ علم ہوا کہ معروف شاعر، محقق اور ادیب ش م عارف ماہر آروی کا انتقال گزشتہ برس ۳۰ رمئی (۲۰۱۵ء) کو ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میں روزنامہ "قومی تنظیم" پٹنہ اور روزنامہ "پندار" پٹنہ کا مستقل قاری ہوں لیکن ان دونوں اخباروں میں موصوف کے نہ انتقال کی خبر ہی چھپی اور نہ کسی کا تعزیتی بیان ہی میری نگاہ سے گزرا۔ موصوف مجھے بیحد عزیز رکھتے تھے۔ اکثر بذریعہ خط اپنی دعاؤں سے نوازتے رہتے تھے۔ غفور و رحیم انہیں غریق رحمت کرے اور جنت میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

شمارہ ہذا میں "اداریہ" کے بعد "حمد" (ارشد مینانگری) "نعت" (انجم عثمانی) سفرنامہ "مسجد اقصیٰ کا سفر" (پروفیسر شمیم باروی) روداد "ٹیگور جینتی کا مشاعرہ اور ساحر لدھیانوی" (انجم عظیم آبادی) انشائیہ "زبان درزبان" (شاہد حسین لعل پوری) یادداشت "کچھ یادیں کچھ باتیں" (پروفیسر ایم نہال) تاثرات (ڈاکٹر امام اعظم) اور انٹرویو (پروفیسر سید منظر امام سے احمد معراج کا) قابل مطالعہ ہیں۔

نظموں کے حصے میں ابواللیث جاوید، انجم عظیم آبادی، شمس فریدی، اختر جاوید، پروفیسر شاکر خلیق، شفیق الدین شایاں، احسان ثاقب، ساحر داؤدنگری اور چندر بھان خیال کی نظموں کو جگہ دی گئی ہے۔ معراج احمد معراج کی چار رباعیات بھی شمارہ کی زینت بنی ہیں۔ گزشتہ ایک سال کے درمیان راہی ملک عدم ہوئی مذہبی، علمی، ادبی و صحافتی شخصیتوں میں امیر شریعت حضرت مولانا سید نظام الدین، جناب ایس. ایم. اجمل فرید (ایڈیٹر روزنامہ 'قومی تنظیم')، جناب ایم. اے. مجید، سید عبدالرافع (صحافی)، زبیر رضوی (شاعر و نقاد)، سرور عثمانی (شاعر و صحافی)، سید ضیاء الرحمٰن اور حضرت اکمل یزدانی کی یاد میں متعدد شعراء کے منظوم خراج عقیدت بھی رسالہ کی قدر و قیمت میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ تقریباً دو درجن شعراء کی غزلوں سے بھی یہ شمارہ مزین ہے۔

"نظر اپنی اپنی" (تبصرے) کے تحت کل ۶۷ رکتابوں پر تبصرے اس شمارے میں شامل ہیں جن میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے ۱۳ ر تبصرے، ابواللیث جاوید کے ۱۲، ایم صلاح الدین کے ۲، ڈاکٹر

مجیر احمد آزاد کے ۲۱، اسلم چشتی کا – ۱، ایم نصر اللہ نصر کے ۳، اشرف احمد جعفری کا ایک، صابر رضا شمسی اروی کے ۶، ڈاکٹر شبانہ آفرین جاوید کے ۲، عرش منیر کے ۳، ایاز احمد روہوی کے ۴ اور احمد معراج کے ۸ تبصرے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں کتابوں پر تبصرے شاید ہی کسی دوسرے ادبی رسالے میں پڑھنے کو ملیں گے۔ مذکورہ تمام مبصرین شعروادب کے جانے مانے ناقد اور پارکھ ہیں۔ رسالہ کے گزشتہ شماروں کی طرح اس شمارے میں بھی ادیبوں، شاعروں، ناقدوں اور دانشوروں کے خطوط کو "راہ ورسم" کے کالم میں جگہ دی گئی ہے۔ جن کی تعداد ۳۱ رہے۔ یہ خطوط نہ صرف اندرون ملک کے ادباء وشعراء کے ہیں بلکہ کئی خطوط بیرون ملک سے آئے ہوئے بھی ہیں جن کے مطالعہ سے بیرون ملک میں بھی اس رسالہ کی مقبولیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ شمارہ میں دس ادبی تقریبات کی رنگین تصویریں بھی دی گئی ہیں جن کے دیکھنے سے ایک سال کے اندر منعقد ہوئے بعض سیمینار اور مشاعرے کی واقفیت ہوتی ہے۔ مختصر یہ کہ "تمثیل نو" کا یہ تازہ شمارہ ہر لحاظ سے معیاری، دیدہ زیب، قابل استفادہ اور دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔

(مطبوعہ روزنامہ "عوامی نیوز" کولکاتا ۱۷ راپریل ۲۰۱۶ء)

□□□

آشیانہ کالونی، حاجی پور، ویشالی (بہار) موبائل : 09430649112

• مرزا رفیق شاکر (اکولہ)

نیر اقبالِ صحافت "تمثیلِ نو"

۲۰۰۹ء

طوفان میں ہے اردو ملتا نہیں ہے ساحل
خود عاشقانِ اردو' اردو زباں سے غافل

پرچم لئے ہوئے ہیں پھر بھی امام اعظم
"تمثیلِ نو" میں جن کا خونِ جگر ہے شامل

چھٹ جائے گا اندھیرا "تمثیلِ نو" سے شاکر
نورِ صباح گویا "تمثیلِ نو" کی منزل

۱۴۳۰ھ

• جاوید ہمایوں (کولکاتا)

''تمثیل نو'': ایک جائزہ

(جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء)

'تمثیل نو' دربھنگہ کا مشترکہ شمارہ ۲۷ (جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء) ۳۵۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شمارہ 'مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: ۲۱رویں صدی کے تناظر میں' اور 'صلو چودھری: خصوصی تعارف' کے لئے مختص ہے۔ 'مجھے کچھ کہنا ہے' کی صورت میں ایک اداریہ ڈاکٹر امام اعظم نے کولکاتا کی علمی وادبی اور سیاسی وفلاحی زندگی وسرگرمی کی تاریخ بڑے سلیقے اور ہنرمندی سے مختصراً بیان کی ہے۔ ۱۹رصفحات پر اردو دنیا پر وفیات (۳۵) پر مبنی خبریں ہیں۔ اتنی ساری خبروں کو دیکھ کر اور پڑھ کر مجھے یہ کہنے میں مسرت کا احساس ہو رہا ہے کہ ۱۰۰رروپے کے رسالے میں دنیا جہان کی خبریں اور معلومات بلاتاخیر زیردست ہو جاتی ہیں۔ میں اپنے خیالات وجذبات کی عکاسی وترجمانی کے لئے پروفیسر ثوبان فاروقی کا یہ جملہ مستعار لینا چاہتا ہوں جو انہوں نے اس شمارے میں رقم کیا ہے:

> ''حیران ہوں کی اس شمارے میں کس جہت سے اپنی بات کا آغاز کروں کیونکہ ہر جہت جاذب توجہ اور دامن کش دل ہے۔''

وہاب اشرفی کے رسالہ 'مباحثہ' کے کسی اوائل شمارے میں شمس الرحمن فاروقی کا ایک مراسلہ شائع ہوا تھا جس میں شمس الرحمن فاروقی نے یہ سوال اُٹھایا تھا کہ 'مباحثہ' کس پالیسی/مطمح نظر/ضرورت (یا اسی طرح کا ملتا جلتا جملہ) کے تحت منظر عام پر آ رہا ہے۔ چونکہ شمس الرحمن فاروقی کی ہر بات اجمل، انسب اور قابل تقلید تو ہوتی نہیں کہ ادبی رسالے کی کوئی پالیسی ہوگی؟ اس طرح کی باتیں کسی زمانے میں تحسین کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں کہ فلاں رسالہ فلاں نظریہ یا تحریک یا رجحان اور رویہ کی ترجمانی اور ترویج کے لئے قارئین کے سامنے لایا گیا ہے۔ یوں بھی ادبی رسالہ کوئی فلاحی یا تنظیمی انجمن تو ہوتا نہیں ہے کہ ابھی یہ اس رجحان کی ترویج وتبلیغ کے اغراض ومقاصد کے تحت منظر عام پر آیا ہے یعنی موجودہ عہد کی ادبی صحافتی اصطلاح میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ جو چیزیں (اچھی کم/خراب زیادہ) لکھی جائیں گی، وہ پیش ہوں گی۔ لہٰذا قارئین حضرات سے میں التماس کرتا ہوں کہ رسالے کے مدیروں سے کسی نئی، انوکھی، قابل توجہ اور فکر انگیز بات کی توقع وتمنا نہ کریں۔ مدیروں کی یہ کیا کم خدمت اور ان کا احسان ہے کہ وہ ہر طرح کی نگارشات کو شائع کرتے ہیں۔ ویسے بھی 'تمثیل نو'

جدید تر شعری اور ادبی رجحانات کا ترجمان ہے جس کا اعتراف آپ کو اور ہم کو بلا تکلف کرنا چاہئے۔

آج کی نسل میں تخلیقی وفور اور تنقیدی شعور کا فقدان ہوتا جا رہا ہے جس کے نتیجے میں رسالوں میں عامیانہ پن اور سوقیانہ پن آ رہا ہے۔ ظاہر ہے، ایسے حالات میں بے چارے مدیر اعلیٰ تخلیقی و تنقیدی نگارشات کیوں اور کس طرح پیش کریں گے۔ غیر مصدقہ اطلاع کے مطابق اب تو یہ عالم ہے کہ اوسط درجے کے شاعر و ادیب بیچارے مدیروں کو قیمتی تحفے تحائف اور مال و زر کی پیشکش کرتے ہوئے گوشے شائع کرواتے ہیں۔ میرے جیسا مفلس اور نیم شاعر اگر چہ کچھ دے تو نہیں سکتا مگر خطوط اور فون کال کے ذریعے قصیدہ خوانی سے اپنی کمزور نگارشات شائع کروانے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ لہٰذا قارئین سے گذارش ہے کہ اول تو وہ مدیروں سے رسالے کا مطمح نظر دریافت نہ کریں، دوم ان کے رسالوں میں اچھی تحریروں کا مطالبہ بھی نہ کریں۔

''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: ۲۱ رویں صدی کے تناظر میں'' کے تعلق سے رسالے میں ۱۰ر مضامین شامل ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم نے بڑی محنت اور مشقت اور تگ و دو سے ان موضوعات پر مضمون لکھوانے کی کامیاب کوشش کی ہے، جو ایک اچھے رسالے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اردو تنقید و تحقیق سے لے کر افسانہ نگاری، غزل گوئی، ڈراما نگاری وغیرہ اور اردو زبان کی صورت حال سے لے کر پی ایچ. ڈی/ ڈی لٹ تک کے منظر نامے کو ضبط تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے، تاہم بعض موضوعات جیسے حمد نگاری، نعت گوئی، قصیدہ گوئی، ماہیا نگاری، دوہا نگاری، غزل نگاری، ہائیکو نگاری، ترائیلے نگاری، ترینی نگاری وغیرہ پر مضامین کے نہ ہونے سے قارئین ملول و مضمحل ہو سکتے ہیں۔

مغربی بنگال میں اردو تنقید، تحقیق، تبصرہ اور تذکرہ کے عنوان سے ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے دلچسپ اور قابل مطالعہ ہے۔ میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحریروں کو بڑے ذوق و شوق سے پڑھتا ہوں کہ ان کی علمی و ادبی خدمات و فتوحات کا سلسلہ اس قدر طویل ہے کہ اب تک ان کی ۱۵۱ر کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں اور کوئی دس کتابیں زیر طباعت ہیں۔ مزید برآں کوئی دس کتابیں زیر تشکیل ہیں اور اسی طرح کوئی دس کتابیں زیر غور ہوں گی۔ مصحفی کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ زود گو شاعر تھے تو ان کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ اردو دنیا میں ان کے جیسا عدیم المثال نثر نگار نہیں، جو اتنی تعداد میں کتابیں لکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کتابوں اور مضامین کے انبار میں کچھ مضامین ایسے ہو سکتے ہیں جو بھرتی کے ہوں گے، جس طرح کسی شاعر کے مجموعے میں بعض شعر بھرتی کے بھی ہوتے ہیں لہٰذا اس نکتے کی روشنی میں ان کا مضمون پڑھا جائے تا کہ نثری اور شماریاتی اغلاط نظر انداز ہو جائیں۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی ص: ۶۱ میں ایم علی کے تعلق سے فرماتے ہیں:

''ایم۔علی کے مضامین تفہیم کی چشم ظاہر اور باطن کی گنگناہٹ اور بہاؤ کے آہنگ کا ارتعاش پیدا کرتے ہیں۔''

قارئین کرام ماہرین چشمیات وموسیقیات سے مشاورت کر کے اندازہ لگائیں کہ آنکھوں میں گنگناہٹ کس طرح پیدا ہوتی ہے۔ص: ۶۵ میں مشتاق دربھنگوی کی کتاب 'صل علیٰ محمدؐ' کے سلسلے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی یوں لکھتے ہیں:

''ان کے (مشتاق دربھنگوی) یہاں فکریاتی نظام کی توانائی ضو انگیز ہوتی رہتی ہے۔''

''فکریاتی نظام'' کی اصطلاح بالعموم فلسفہ اور ادب تنقید کی محرکات ومضمرات کی تفہیم وتشریح میں استعمال ہوتی ہے۔اشتراکی حضرات بالخصوص عقیدہ اور عینیات (Ideology) کی تشہیر وترویج کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ص: ۶۶ میں مناظر عاشق ہرگانوی رقم طراز ہیں:

''مشتاق دربھنگوی کی کتاب غزلوں کا انتخاب 'میر بھی ہم بھی' میں حروف تہجی کے تحت ۲۲۶ رشاعروں کے پتے اور موبائل نمبر اور تصویریں دائرۂ فکر میں اضافہ کر رہے ہیں۔''

یعنی شاعروں کے پتے، موبائل نمبر اور تصاویر سے فکر ونظر کے دائروں میں وسعت واضافہ ہوتا ہے۔یہ اپنی نوعیت کی جدید ادبی تحقیق ہوئی۔

مناظر عاشق ہرگانوی کے مضمون کا ذرا اس پہلو سے بھی مطالعہ کیا جائے کہ ان کی فہرست سازی میں کون کون سی کتابیں اور کن کن تنقید نگاروں، مضمون نگاروں، مرتبین، مؤلفین کا ذکر سہواً یا عمداً رہ گیا ہے۔سالک لکھنوی کی کتاب 'بنگال میں اردو نثر کی تاریخ: آغاز تا حال'، پروفیسر ڈاکٹر یوسف تقی کی کتاب 'مثنوی شاہجہاں بانو' اور جاوید نہال کے مضامین 'نقش جاوید' کی اشاعت ۱۹۹۹ء میں ہوئی ہے۔یہ کتابیں کس ریاضیاتی اصول کے مطابق ۲۱ رویں صدی میں رکھی جائیں گی جبکہ جاوید نہال کے مضامین کا دوسرا مجموعہ 'مرقع جاوید' مرتبین: ڈاکٹر اقبال جاوید اور دیبا ہاشمی اور 'مضامین سالک' مرتب: ڈاکٹر ہمایوں جمیل خان کی کتاب ۲۰۰۰ء کے بعد شائع ہوئی ہیں جن کا ذکر مناظر عاشق ہرگانوی کے مضمون میں ہونا چاہیے تھا۔اسی طرح ایسی بہت ساری کتابیں ہیں اور بہت سارے مضمون نگار ہیں، جن کا کہیں کوئی ذکر نہیں ملتا ہے۔عشرت بیتاب (مغربی بنگال میں افسانے کا انتخاب ۲۰۰۰ء کے بعد)، کلیم حاذق (آ گہی گر نہیں۔یہ حلیم حاذق کی کتاب نہیں بلکہ ان کے بڑے بھائی کلیم حاذق کی کتاب ہے)، شکیل الزماں حبیب، شمس افتخاری، رضا جونپوری، ڈاکٹر شہناز نبی، بلقیس بیگم، ڈاکٹر نعیم انیس، اشرف احمد جعفری، فاطمہ شبلی، پروفیسر نصر غزالی،

نورالہدیٰ، ڈاکٹر افضال عاقل، ڈاکٹر عاصم شہنواز شبلی، اعزاز افضل، پروفیسر شکیل احمد خاں، ڈاکٹر دبیر احمد، ڈاکٹر شاہد ساز، ڈاکٹر عمر غزالی ظہیر انور، ڈاکٹر ہمایوں جمیل خاں، صابرہ حنا، فضیلت النساء، خواجہ نسیم اختر، ڈاکٹر ندیم احمد، محمد اسلام، مقصود دانش، جاوید ہمایوں وغیرہ کی کتابوں کا ذکر ناگزیر ہے کہ ان سارے لوگوں کی کئی کئی کتابیں اسی ۲۱ رویں صدی میں منظر عام پر آئی ہیں۔ ہاں عذرا مناظ کا ذکر ضروری تھا کہ یہ تواتر سے مضامین لکھ رہی ہیں۔ اگر چہ ان کی کوئی کتاب اب تک شائع نہیں ہوئی ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ۴۱۴ رسطور پر مشتمل ہے۔ ان میں ۲۰۰ رسطریں یعنی ۴۸ رفیصد حصہ شاعر و ادیب کے نام ان کی کتاب، عنوانات و موضوعات نیز اقتباسات کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان سے اس بات کی توقع تھی کہ وہ عمدہ مضمون تحریر کریں گے مگر یہ تحریر تنقیدی مضمون کے بجائے ریفرنس گائیڈ کی حیثیت اختیار کر گئی۔

ڈاکٹر شاہد اختر کا مضمون اردو زبان کے تعلق سے ایک علمی و ادبی تحریر ہے جو اردو زبان کی صورت حال، بولنے والوں کی تعداد، اردو علاقہ اور اردو اسکول کی کمی پر ایک جامع ،فکر انگیز اور بھرپور مضمون ہے۔ ڈاکٹر عشرت بیتاب کا مضمون نہ صرف تفصیلی ہے بلکہ استشاراتی بھی ہے۔ اس مضمون میں اس صدی کے حوالے سے مغربی بنگال میں افسانہ نگاری کی صورت عمدگی سے پیش ہوئی ہے، تاہم ان کے مضمون میں قدرے تشنگی کا احساس اس طرح ہوتا ہے کہ محولہ افسانہ نگاروں کے معیار و مزاج پر کم کم روشنی ڈالی گئی ہے اور مباحثہ و مکالمہ سے گریز کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی چند اہم افسانہ نگاروں کا نام بھی چھوٹ گیا ہے۔

'۲۱ رصدی میں مغربی بنگال میں اردو ڈراما: ایک جائزہ' مصطفیٰ اکبر کا ایک دلچسپ اور لائق مطالعہ مضمون ہے۔ یہ اگر چہ کم کم لکھتے ہیں مگر قلم کی حرمت کو بچائے رکھتے ہیں۔ انہوں نے کمال احمد، ظہیر انور اور اظہر عالم کی ڈراما نگاری پر تنقیدی انداز سے گہری روشنی ڈالی ہے جس سے ان ڈراما نگاروں کی تخلیقی قوت و بصیرت مزید روشن ہو جاتی ہے۔ اسی طرح دوسرے ڈراما نگاروں پر بھی ان کی تنقیدی رائیں ملتی ہیں۔ محسن باعشن حسرت کا مضمون 'اطفال ادب' چار صفحات پر مشتمل ہے۔ ان چار صفحوں میں خود ان کے مطابق نصف حصہ سے زیادہ و تمہیدی کلمات پر محیط ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی مضمون میں تمہید و تعارف کا ضرورت سے زیادہ ہونا، مضمون کو کمزور بنا دیتا ہے۔

ڈاکٹر نصرت جہاں کا مضمون قابل مطالعہ اور لائق تحسین ہے۔ اس مضمون میں ان کی محنت و ریاضت اور تنقیدی داری واضح اور عیاں ہے۔ یہ مضمون اہم اور قابل مطالعہ اسی لئے کہا جائے گا کہ انہوں نے ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی تحریک و نظریہ کے پس منظر میں قلم کاروں کے رجحانات و

میلانات پر اچھی خاصی روشنی ڈالی ہے جو ان کے مطالعات و مدرکات کا بیّن ثبوت ہے۔

'مغربی بنگال میں اُردو نظم: ۲۱ رویں صدی کے تناظر میں' ڈاکٹر عمر غزالی کا تحریر کردہ مضمون ہے۔ اس مضمون کو پڑھنے کی للک کچھ زیادہ تھی کہ عمر غزالی اردو کے استاد بھی ہیں اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی جیسی دانش گاہ سے سند یافتہ بھی ہیں۔ ساتھ ہی ذہن میں یہ بھی تھا کہ عمر غزالی چونکہ نئی نسل سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے پورا شعری منظر نامہ ان کی نگاہوں میں اچھی طرح واضح ہوگا لیکن مضمون کے مطالعے کے بعد حیرت ہوئی کہ انہوں نے بغیر کسی سیاق کے براہ راست عین رشید کی نظم نگاری سے اپنی گفتگو کا آغاز کر دیا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر محسوس ہوا کہ عمر غزالی جو ذہین اور بالغ نظر قلم کار ہیں، نے تعارف و تمہید سے ضرور کام لیا ہوگا۔ ہوسکتا ہے کہ مدیر محترم نے صفحات کی کمی کے باعث مضمون پر اپنا حق ادارت کا استعمال کیا ہو۔ پورے مضمون کی قرأت کے بعد یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر یہ مضمون تنقیدی تقاعلات اور ادبی تفکیر و تعدیل سے کام لیتے ہوئے لکھا جاتا تو یہ ایک بہت ہی عمدہ علمی، ادبی، تحقیقی اور تنقیدی مضمون ثابت ہوتا۔ معروضی انداز و اسلوب اختیار کرنے کی بجائے اگر مضمون میں ذہنی تحفظات و ترجیحات در آئیں تو تحریر اچھا مضمون ہونے سے قاصر ہو جاتی ہے۔ عمر غزالی اگر تھوڑی سی محنت و جستجو کرتے اور اسم شماری کی بجائے فن کار اور فن پارے کے حوالے سے گفتگو کرتے تو مغربی بنگال کی نظمیہ شاعری (اکیسویں صدی کے تناظر میں) کے متعدد جہات و ابعاد سامنے آ جاتے۔ انہوں نے کئی نو وارد شاعروں پر نہ صرف خاصی توجہ دی ہے بلکہ نیم شاعروں کو انہوں نے 'منفرد'، 'اہم'، 'حساس'، 'عرفان کا حامل' جیسے القاب و اسناد سے سرفراز بھی کیا ہے۔ ان کا بھی ذکر کیا ہے، جنہوں نے منہ کا مزہ بدلنے کے لئے اپنی ادبی زندگی میں دو ایک نظمیں ہی لکھی ہیں۔ حیرت اس وقت ہوتی ہے جب مسلسل نظمیں لکھنے والے شعرا کا نام لکھ کر عمر غزالی ادبی فرض ادا کر دیتے ہیں۔ بعض ایسے نام بھی رہ گئے ہیں، جن کا ذکر اگر ہوتا تو مضمون میں پائداری اور تنقیدی تمکنت قائم ہو جاتی۔ مثال کے طور پر اختر جاوید، اشہر ہاشمی، زاہد امر، محمد امین، رضا جونپوری، احمد سلیم، کلیم حاذق، اشرف احمد جعفری، نصر اللہ نصر، ڈاکٹر مظہر کبریا، ارشد جمال حشمی، شمس افتخاری وغیرہ کی نظموں کے حوالے نہ سہی، ان کا ذکر ضرور ہونا چاہئے تھا۔ کچھ سال قبل عمر غزالی کا ایک مضمون نظم نگاری کے تعلق سے شائع ہوا تھا جس میں پروفیسر انیس اختر پر انہوں نے خصوصی توجہ سے خامہ فرسائی کی تھی مگر اس مضمون میں انیس اختر کا ذکر طائرانہ بھی نہیں ہے۔ اتنی جلد تحفظات میں تبدیلی! میں عمر غزالی سے امید کے ساتھ درخواست بھی کروں گا کہ ایسی فروگذاشتوں کو دور کرنے کے لئے تنقیدی لائحہ عمل کے تحت نئے سرے

سے مضمون تحریر کریں تاکہ ۲۱ رویں صدی کی نظمیہ شاعری کے خدوخال اور منظرنامہ روشن اور واضح ہو سکیں۔

'مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت' کے سلسلے کے باقی مضامین کچھ زیادہ خوشگوار تاثر اور معلومات افزا کے حامل نہیں، تاہم قابل مطالعہ ضرور ہیں۔ امتیاز احمد راشد نے اخبارات اور رسائل و جرائد پر تفصیلی نہ سہی، روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

صلاح الدین چودھری عرف صلو چودھری عالمی شہرت کے مالک ہیں۔ یہ کولکاتا کی تہذیبی و ثقافتی اور علمی و ادبی محفلوں کی جان سمجھے جاتے ہیں۔ ان کا مشاہدہ و مطالعہ بہت وسیع و عمیق ہے اور ان میں شعر فہمی کا مادہ بھی خوب سے خوب تر ہے۔ ان کے اندرون میں شاعرانہ کیف و کم اور شاعرانہ خیالات و احساسات کا جذبہ اس قدر موجزن ہے کہ انہوں نے بھگوت گیتا جیسی مقدس کتاب کا اردو میں سلیس ترجمہ کیا ہے۔ ترجمے کی زبان و اسلوب رواں ہے جس سے تازہ کاری کا احساس ہوتا ہے۔ ان سے توقع کی جائے گی کہ ہم قارئین کو طبع زاد غزلوں اور نظموں سے بھی محظوظ کرائیں۔ صلو چودھری کے اس کارنامے پر میں انہیں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور ساتھ ہی مدیر محترم بھی مبارک باد قبول کریں کہ انہوں نے صلو چوھری پر مضمون لکھوا کر نہ صرف ان کو ترجمہ نگار کی حیثیت سے قارئین سے متعارف کرایا ہے بلکہ بین المذاہب مطالعات پر ایک شعری پیش رفت بھی کرائی ہے۔

'تمثیل نو' کے دیگر مضامین میں ڈاکٹر باجرہ کا مضمون 'غالب کا عقیدہ اور گوپی چند نارنگ کی معنی آفرینی'، اور رافعہ شجیع کا مضمون 'شوکت حیات کی افسانہ نگاری گنبد کے کبوتر کی روشنی میں' خاصے کی چیز ہے۔ دونوں نے فنکاروں کے مختلف گوشوں کو روشن کرنے کی عمدہ کاوش کی ہے۔ شعری انتخاب بھی شوق سے پڑھا جائے گا۔ ان تمام باتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے میں یہ کہنے میں حق بہ جانب ہوں کہ ڈاکٹر امام اعظم نے ایک بہت بڑا کام کیا ہے اور پہلی بار مغربی بنگال کے شعر و ادب کو اکیسویں صدی کے تناظر میں پیش کرنے کی مکمل نہ سہی کامیاب کوشش ضرور کی ہے۔ اتنے سارے مضامین کو ایک ساتھ جمع کرنا واقعی بڑی ہمت و حوصلہ کی بات ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امام اعظم کی تقلید میں مغربی بنگال سے نکلنے والے دیگر رسائل بھی اس جانب پیش قدمی کریں اور جو پہلو تشنہ رہ گئے ہیں، ان کی سیرابی ہو سکے۔

(مطبوعہ: دوماہی 'سہیل' کولکاتا، جنوری فروری ۲۰۱۴ء)

□□□

۸۸ ر رپن اسٹریٹ، دوسری منزل، کولکاتا-۷۰۰۰۱۶ (مغربی بنگال) موبائل: 8013060345

• ڈاکٹر مجیر احمد آزاد

''تمثیل نو'' کی بازیافت

زبان وادب کے ارتقاء میں ادبی جریدے کی اہمیت وافادیت ناگزیر حقیقت ہے۔ اس کے ذریعہ نہ صرف ادب کی توسیع واشاعت کا معرکتہ الآرا شغل انجام پذیر ہوتا ہے بلکہ عصری ادب کا تمثال قاری کے اذہان تک بہ آسانی منتقل ہوکر زمانہ مستقبل میں محفوظ ہونے کی ضمانت بن جاتا ہے۔ یہ آرگن کی شکل میں ادیب وفن کو قاری کے روبرو کرتا ہے۔ مزید برآنکہ اس کی آبیاری وسیرابی کے مواقع مرحمت فرماتا ہے اور مطالعہ پسند ادب نوازوں کی مختصر سے مختصر اشارات کی اساس پر تخلیق کار اپنی سمتیں متعین کرتا ہے۔ اس طور پر جرائد ورسائل تخلیقی اور تنقیدی صلاحیت رکھنے والے ذہنوں کے افکار وخیالات کی آماج گاہ ہوتے ہیں۔ یہیں سے نظریہ کا پہلا درک اور انکشاف وجود میں آتا ہے۔ نظریہ سازی پر مفید مباحث کی چاپ اولاً یہیں سنائی پڑتی ہے اور یہ عمل مسلسل جاری رہتا ہے۔ دراصل جرائد ورسائل میں جہاں اجالنے کا عمل اور شناخت کی تگ ودو واضح صورت میں موجود ہوتی ہے وہیں لوح وقلم کی پرورش کا مقدس عمل بھی روز افزوں ہوتا ہے۔ ادبی تاریخ کا مشاہدہ ہے کہ اس کے توسط سے ابتدائی زندگی جینے والے (پہلا پڑاؤ) ادیبوں نے شہرہ آفاق منازل پر کمندیں ڈالی ہیں، میں سمجھتا ہوں اس مسلم حقیقت سے چشم پوشی ادبی غیر دیانت داری ہوگی۔ چوں کہ اعتراف واقرار اور اقدار کی پُر مشقت راہ میں اس کا بڑا اہم رول ہے چنانچہ اس کو اولیت بھی حاصل ہے۔ ''جام جہاں نما'' سے آج تک نکلنے والے تمام جرائد اپنے پوشیدہ اور عیاں مقاصد کے حصول کی خاطر ہی وجود میں آئے ہیں۔ بعض کو اس میں دوام حاصل ہوا ہے اور بعض گمنامی کا حصہ بن گئے ہیں۔ بقا، کی ضمانت رکھنے والے جرائد تخلیق کار کی تلاش وجستجو اور ان کی مکمل عیانت کرتے ہیں جو ادب کا گراں مایہ سرمایہ سینے میں چھپائے رکھتے ہیں۔ یہ بات اور بھی وقیع اور بامعنی ہوجاتی ہے جب سہ ماہی ''تمثیل نو'' کے اولین شمارے کا اداریہ یہ کہتا ہے کہ ''ادبی سطح پر ایک ادیب یا شاعر کی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اچھا لکھے، لیکن کیا اس حقیقت سے انکار کی گنجائش ہے کہ فن پارہ کو منظر عام پر لانے کے لئے ادبی جریدے کا زندہ ہونا لازمی ہے۔''

جدید تر شعری وادبی رجحانات کے ترجمان ''تمثیل نو'' کی فعالیت پر سنجیدگی سے غور کیا جانے چاہئے چوں کہ اس جریدے کے اب تک منظر عام پر آئے سولہ شماروں میں نت نیا کر دکھانے کا جو تصور پیش کیا

گیا ہے وہ قدر و مرتبہ کا حقدار ہے۔ اس طور پر یہ گوشہ بھی روشن کرتا چلوں کہ اس کے مشمولات پس مطالعہ یہ اعلان کرنے کا جواز فراہم کرتے ہیں کہ اس کا دائرہ امکانی طور پر آفاقی ہے اور چیدہ چیدہ قلم کاروں کے لئے کھلا آسمان بھی، جہاں وہ بے خطر پرواز سے لذت کوش ہو سکیں۔

ہندی زبان میں مثل مشہور ہے ''ہونہار بروا کے ہوت چکنے چکنے پات'' اسی کے مصداق اوّلین شمارہ مظہر امام، شاکر خلیق، مانی فاروقی، مناظر عاشق ہرگانوی، اقبال انصاری، نظیر صدیقی، رؤف خیر وغیرہم کی تحاریر سے مزین ہے۔ یہاں یہ گفتگو موضوع سے انحراف نہیں گردانا جانا چاہئے کہ مظہر امام نے اپنے مضمون ''دربھنگے میں ادبی صحافت'' میں اشارہ دیا تھا کہ ''لیکن کوئی رسالہ نہیں ہے جو بالکل نئے لکھنے والوں کے ذوق کو مہمیز دے سکے۔ دیکھنا ہے: کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق۔ (''تمثیل نو'' ش ا، ص ۱۳۱)

بزرگ شاعر اور ادیب کی خواہش پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے۔ چوں کہ 'تمثیل نو' مقامی اہل قلم حضرات کو آستانہ مہیا کر رہا ہے۔ تازہ دم ذہن رسا نوجوان ادیب و شاعر کی خدمات شمارۂ اول سے اس جریدے کو میسر ہے۔ اس میں مدیر ''تمثیل نو'' ڈاکٹر امام اعظم کے لئے شاید پروفیسر گوپی چند نارنگ کا وہ مکتوب بھی راہ عمل میں راہنما ثابت ہوا ہے جس میں انہوں لکھا ہے..... ''اس کے لئے (تمثیل نو) ان نوجوانوں سے لکھوایئے جو اپنے ذہن سے سوچ سکتے ہوں۔'' (شمارہ ۲، ص ۸۷) پروفیسر وہاب اشرفی نے تو واضح طور پر کہا ہے کہ ''اس رسالے کے محتویات کو دربھنگے اور اس کے گرد و نواح سے نکلنا چاہئے۔ مقامی ادیبوں اور شاعروں کو ساتھ رکھئے لیکن دائرہ بڑھتا رہے تو بہتر ہے۔'' (شمارہ ۴، ص: ۸۹)

درون جریدہ مقناطیسی عمل سے سرشار ''مجھے کچھ کہنا ہے'' (اداریہ) میں متفرق موضوعات کو اختصار کا جامہ زیب کرتے ہوئے کبھی چونکایا گیا ہے تو کبھی شرم سار بھی کیا گیا ہے۔ تلفظ کے بگاڑ کا موضوع اٹھاتے ہوئے لفظیات کی تہہ داری میں کالج اور یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبا کی تربیت اور زبان دانی کو لازم ٹھہرایا گیا ہے اور اردو اخبارات و رسائل خرید کر نہیں پڑھنے کو اردو کی زبوں حالی کا ایک راست پہلو گردانتے ہوئے اردو داں طبقہ کو ہلکا سا تھپیڑا بھی دیا گیا ہے۔ اداریہ کی شکل میں مذکورہ عنوان کے تحت اپنے مختلف سفر کی روداد پیش کر کے ڈاکٹر امام اعظم نے اس میں جدت لانے کی پہل کی ہے۔ اداریے کی روایت میں یہ عمل شاید پہلی بار ہوا ہے۔ ادبی و ثقافتی پروگرام کی خبریں منفرد انداز میں اس رسالہ میں ترتیب پاتی ہیں۔ کچھ اہم خبروں کے عنوان سے ادبی اور ثقافتی خبروں کی مختصر رپورٹ ادبی تاریخ کو زندہ رکھنے کی کوشش کہنی چاہئے۔ وفیات کے تحت اردو آبادی سے رخصت ہوئے اہل قلم کا ذکر ہوتا ہے اس کا اہتمام اتنا جاذب نظر

ہوتا ہے کہ مرحومین کے تعلق سے تمام ضروری اطلاع بہم پہنچا دیئے جاتے ہیں اور سوگواری کا احساس دعا کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اداریہ کی سب سے اہم خوبی مدیر کا ادبی ذوق اور استفسار ہے۔ ادب اور ادب پارے کے تعلق سے مدیر کی پھوہار بڑے کام کی چیز ہوتی ہے۔ مثال کے طور پر:

''پریم چند نے اگر گاؤں اور کسانوں کے بارے میں اپنے فکشن میں نقشہ کھینچا تو انہوں نے برٹش سرکار کی ظالمانہ روش اور حکومت کرنے کے من مانے انداز سے پیدا ہونے والی صورت حال کے پیش نظر پریم چند نے کہانی کے تانے بانے بُنے ہیں۔ جب ہم لارڈ کارنیولس کے جبراً وصول کرنے کی پالیسی کا جائزہ لیں تو ہمیں اندازہ ہوگا کہ پریم چند کی ادبی اپیل اس عہد کے لئے بہت اہم تھی لیکن کیا آج کا ہمارا ادب اس طرح کی اپیل رکھتا ہے؟''

''تمثیل نو'' کی ترتیب کو نظر نواز کیا جائے تو یہ عقدہ کھلتا ہے کہ مضامین کے انتخاب میں گہری چھان پھٹک موجود ہے۔ یہاں یہ کہتے ہوئے مدیر ''تمثیل نو'' کو گرفت میں لینا چاہتا ہوں کہ چند مضمون نگار اس تواتر سے جریدہ کے ہر شمارے میں براجمان ہیں کہ از خود سوالیہ نشان قائم ہو جاتا ہے۔ باوجود اس کے مضامین کی نوعیت قاری کو اپنے فریب میں مبتلا رکھنے میں کامیاب ہوتی ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا طویل ترین مضمون ''ایک لہر نئی نئی'' اختلافی گنجائش کے باوجود معلوماتی، رواں اور اظہار تاثر کے کامیاب بیان کا نمونہ ہے۔ اس مضمون کی افادیت اپنی جگہ لیکن باذوق قاری کی رائے بھی کم توجہ طلب نہیں ہے مثلاً ڈاکٹر ظفر حمیدی کی سوچ دھنگ اس طرح ہے:

''ایک لہر نئی نئی'' کی قسطوں میں وہ فن تنقید کی چیستاں بناتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ بنیادی بات تو یہ ہے کہ ہر تنقید اپنے اصلی مزاج میں تاثراتی ہی ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کو پیچیدہ بنا دیا جائے اور بے شمار نظریات کا بار گراں بلا ضرورت اس کے دوش پر ڈال دیا جائے۔'' (تمثیل نو، شمارہ ۶، ص: ۸۸)

اب تک اس طویل تنقیدی مضامین کی ۱۴ اقسط تمثیل نو میں شائع ہو چکی ہیں۔ 'تمثیل نو' نے کچھ طویل مضامین سے بھی قاری کو نوازا ہے۔ ان میں بعض کی بڑی ضرورت تھی۔ مضمون نگاروں کو جو مواقع اس جریدہ نے عطا کیے ہیں شاذ و نادر ہی اردو میں شائع ہونے والے جریدے اس کے مد مقابل رکھے جائیں گے۔

علاقائی طور پر تو یہ ایک تاریخ ساز عمل ہے چوں کہ اس جریدے نے کنارہ کش چھپے ہوئے باصلاحیت فنکار و ادیب سے اردو آبادی کو روشناس کرایا ہے۔ بعض ادیب و فنکار تو اس جریدے میں شمولیت کے بعد ہی عالمی ادبی منظرنامے پر آئے ہیں بلاشبہ اس میں فنکار کی اپنی استعداد، صلاحیت، تخلیقی اُبال و جوش

کا عنصر شامل ہے لیکن اردو آبادی تک رسائی میں 'تمثیل نو' کی کوشش اور اس کے صفحات میں شمولیت کا بھی بہت اہم رول ہے۔ فہرست سازی مقصود نہیں ہے چوں کہ ''تمثیل نو'' کے قاری ان ناموں سے بخوبی واقف اور آشنا ہیں جن کی تحریریں صرف اور صرف اسی رسالے میں ترتیب پاتی رہی ہیں۔

'تمثیل نو' کے مضامین میں 'قبر حضرت ایوبؑ' (پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن)، سمستی پور ماضی کے آئینہ میں (ڈاکٹر انیس صدری)، کھگوا میلہ مشاعرے کی ایک جھلک (اکمل یزدانی)، متھلانچل میں قومی یکجہتی (شاکر خلیق)، شعریات کوئی منجمد چیز نہیں (جمال اویسی)، پروین شاکر کی نسائیہ شاعری (امام اعظم)، حرف تمنا کی شاعرہ: شاہدہ نسیم سالک (پروفیسر کرامت علی کرامت)، نقد شعر بحضور خواہش (ڈاکٹر ثوبان فاروقی)، مخصوص مزاج کی شاعرہ: حلیمہ سعدیہ شگفتہ (قاسم فریدی)، سید امین اشرف کی غزل: ایک مطالعہ (محمد عاصم رضوی)، ایک سلیقہ مند محقق: امام اعظم (اقبال انصاری)، گیتا میں صحائف (اسرار اکبر آبادی)، نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع (ڈاکٹر عبدالمجید بیدار) وغیرہ معلومات کے خزینے ہیں جس کو اردو قاری کے رو برو کرنے کا بروقت کام اس پرچے نے انجام دیا ہے۔

''کچھ یادیں کچھ باتیں'' کے تحت ڈاکٹر ایم نہال کے ذریعے لئے گئے انٹرویوز متعدد ادبی اور ثقافتی نکات کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ اجتبیٰ حسین رضوی، عصمت چغتائی اور سردار جعفری سے ملاقاتوں کا یہ انداز بیان ادب میں اضافہ جدید ہے۔ یہ جان کر کہ ایم نہال شعبہ سائنس (حیوانیات) کے استاد ہیں ان تحاریر کی اہمیت اور ان کی اردو دوستی کا قائل ہو کر سر ادب سے خم کرنے کو کس کا جی نہیں چاہے گا۔

اب تک منظر عام پر آئے تمام شماروں کے مطالعے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اسے بعض مستقل قلم کاروں کا بھی ساتھ ملتا رہا ہے۔ شمارہ ایک سے اب تک ڈاکٹر منصور عمر اور عبدالمنان طرزی کو 'تمثیل نو' اپنے صفحات پر ان کی معلومات اور تخلیق کے ساتھ پیش کرتا رہا ہے۔ یہ دونوں حضرات اور 'تمثیل نو' ایک دوسرے کے تکملہ معلوم ہوتے ہیں۔ ''اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت'' لکھ کر منصور عمر نے اپنے وطن عزیز کے فنکاروں کا حق ادا کیا ہے۔ اس میں ان کی ذاتی پسند و ناپسند نے احاطہ تحریر کو اثر انداز کیا ہے چند فنکاروں اور ادیبوں پر ان کی رائے Unblance attitude کی نشاندہی کرتی ہے۔ اس کے باوجود ان کا یہ مضمون دربھنگہ کی ادبی صورت حال کو جاننے کے لئے ناگزیر ہے۔ موصوف نے قطعات تاریخ بر وفات مشاہیر ادب کا سلسلہ بھی برقرار رکھا ہے۔ عبدالمنان طرزی کی حیثیت زود گو شاعر کی ہے۔ 'تمثیل نو' شمارہ ۲ سے اب تک کسی نہ کسی شکل میں ان کی موجودگی قاری کو اجنبیت سے انحراف کی طرف

لے جاتی ہے۔ ان کے کارنامے کی طویل فہرست میں 'رفتگاں وقائماں' کو 'تمثیل نو' نے ہی اولاً اپنے شمارے میں شائع کر کے قبول عام کی سند عطا کرنے میں معاونت کی ہے۔ جاننا چاہئے کہ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی ''تمثیل نو'' کی ہی دریافت ہیں۔ مدیر جریدہ ہذا کا قول:

''تین شمارے نے دربھنگہ کو ایک وقیع اور یادگار منظوم تذکرہ ''رفتگاں وقائماں'' (عبدالمنان طرزی) دیا اور شمارہ ۴ نے پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن کا تحقیقی مقالہ ''قبر حضرت ایوبؑ'' فراہم کیا۔ ان دونوں کتابوں کا محرک 'تمثیل نو' ہی ہے اس کے چاروں شمارے Reference Journal کی حیثیت رکھتے ہیں۔''

(شمارہ-۵، ص:۳)

''رفتگاں وقائماں' اپنی تمام تر رعنائیوں کے باوجود اختلافی راہیں کھلا چھوڑ جاتی ہے اس میں جہاں قدیم دربھنگہ کے ادباء وشعرا کی رنگا رنگ بوقلمونی کا منفرد احساس موجود ہے وہیں تحقیقی نوعیت سے چند ادباء وشعراء احاطۂ تحریر میں نہیں آسکے ہیں۔ اس کو وسائل سے جوڑ کر خاموشی اختیار کی جاسکتی ہے مگر ان صاحبان کا کیا کیجئے جن کو عبدالمنان طرزی نے اپنے قلم سے اردو ادیب وشاعر کی فہرست میں شامل کر کے نئے طرز کا فن ایجاد کر لیا ہے۔ رفتگاں وقائماں کے بعد اک قاضی شرع متین، پروفیسر گوپی چند نارنگ، رعنائی 'تمثیل نو' رفیع الدین راز، لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو وغیرہ نظم پارے مسلسل اس جریدے میں شائع ہوئے ہیں۔ اسے 'تمثیل نو' کی بازیافت تصور کرنا غلط بیانی پر محمول نہیں کیا جانا چاہئے۔ یہاں پر فیاض احمد وجیہ کی رائے مناسب معلوم ہوتی ہے:

''مجھے اعتراف ہے کہ حافظ عبدالمنان طرزی موجودہ عصر میں بحیثیت شاعر بڑا نام ہے لیکن میرے اس کلام میں ذرا بھی مبالغہ نہیں کہ اردو کی نئی بستیوں تک رسائی رکھنے والے جریدہ 'تمثیل نو' نے ہی ان کو شہرت دوام بخشا ہے اور ان کی غیر معمولی فنکارانہ صلاحیت کے اعتراف بعض مفتیان ادب کو قلم اٹھانے کیلئے مجبور کیا ہے۔ میرے خیال میں یہ بات طرزی صاحب کے لئے باعث افتخار ہے۔ اس طور پر کہتا چلوں کہ اگر آنے والے عصر میں کوئی نباض طرزی کو عہد ساز شخصیت کے طور پر دریافت کرتا ہے تو اس وقت مدیر تمثیل نو کی حیثیت ثانوی ہوتے ہوئے بھی دور رس پارکھ کی ہوگی۔'' (بحوالہ ''قومی تنظیم'' زبان وادب ایڈیشن، ۱۳ جون ۲۰۰۵ء)

''تمثیل نو'' نے بحث کے دریچے بھی وا کئے ہیں۔ حاجی مشرف امام کا مضمون ''فکر اقبال پر ایک تنقیدی نظر'' شائع کیا ہوا کہ اقبال شناس اور محب اقبال کی جماعت نے مشرف امام کو آڑے ہاتھوں لیا۔ اس طرح اقبالؒ ایک دفعہ پھر 'تمثیل نو' کے ذریعے موضوع بحث ہو گئے۔ حماد انجم، سید محمود احمد کریمی، عظیم

صدیقی، ڈاکٹر عبدالوہاب وغیرہ نے مطالعۂ اقبال کو قاری کے سامنے نئے انداز میں پیش کیا۔ معلومات کے دفاتر کھول دیئے گئے اور قارئین کی توجہ کے مرکز بنے۔

فکشن کا انتخاب حد درجہ اثر انگیز نہیں ہے مگر ہلچل پیدا کرنے والے افسانے کی اچھی تعداد بھی یہاں شائع ہوئی ہے۔ اقبال انصاری بطور خاص شائع ہوئے اور مکتوب (راہ و رسم) کے ذریعہ سراہے بھی گئے ہیں۔ عفت موہانی، جوگندر پال، عاتقہ شبلی، مشتاق احمد نوری، نفیس بانو شمع، مقصود الٰہی شیخ، ابواللیث جاوید، اقبال حسن آزاد وغیرہ کے افسانے بھی شائع ہو کر مقبول ہوئے اور مکتوب نگاروں کی خاصی تعداد نے اس پر اپنی منضبط رائے بھی دی۔

افسانہ ''بیل'' (نگار عظیم) متضاد بحث کا موضوع بنا۔ ''بیل'' جیسے افسانے نسائی ادب لکھنے والوں کے لئے ایک اشارہ ہے۔ اس کو محسوس کرنا چاہئے۔ سکہ بند ہو کر لکھنا، گروہ بندی کو سامنے رکھ کر رائے دینا ادب کے لئے مضر ہے۔ افسانہ نگار کی تخلیق پر رائے دیتے ہوئے متانت اور سنجیدگی اختیار کرنا لازمی ہے۔

فکشن کے انتخاب میں مدیر 'تمثیل نو' ایک معتبر نام کا اضافہ کیا ہے وہ ہے سید مظفر شعیب ہاشمی (آئی جی پولس ویکر سیکشن، سی آئی ڈی، پٹنہ)۔ ان کے تین افسانے 'تمثیل نو' میں تواتر سے شائع ہوئے ہیں۔ افسانہ نگار ہاشمی نے اس کا اعتراف برملا کیا ہے........ ''میں تمثیل نو' کی دریافت ہوں'' اس کے باوجود چند مقامی افسانہ نگاروں کی یہ شکایتیں نظر انداز نہیں کی جاسکتیں کہ انہیں ہنوز 'تمثیل نو' سے توقعات وابستہ ہیں۔

فکشن کے تعلق سے مقالات بھی ترتیب میں ملتے ہیں۔ سید منظر امام کا اقبال انصاری کا فن ڈاکٹر نسیم احمد نسیم کا اردو افسانے پر علاقائی اثرات، ایس ایم ابوذر کا ایڈس ایک تجزیاتی مطالعہ، ڈاکٹر مجید بیدار کا افسانوی نثر میں عصری صداقتوں کا امین: رضاء الجبار، نعمان شوق کا لیبارٹری، جلتے ہوئے گجرات کی کہانی، سید احمد قادری کا ذوقی کے ناول 'ذبح' کا تجزیاتی مطالعہ، اسلم جمشید پوری کا گائے وغیرہ مقالات فکشن تنقید کی جدید تر حسیات کا پتہ دیتے ہیں۔

'تمثیل نو' کا شعری حصہ کافی گٹھا ہوا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ شاید اس کی وجہ مدیر کا شعری ادب سے حد درجہ لگاؤ ہے۔ امام اعظم جدید نسل کے اچھے شاعر بھی ہیں۔ ان کا شعر مجموعہ ''قربتوں کی دھوپ' میں زندگی کی سچائیاں اس طور پر کروٹ لے رہی ہیں کہ اس سے قربتوں میں بھی تمازت پیدا ہوگئی ہے۔ مابعد جدید شعراء کی شعری خصلتیں ان کے یہاں جگہ بہ جگہ چمک اٹھتی ہیں۔ شاعری سے گہری وابستگی کی وجہ سے شمارے میں ایک مخصوص شاعر کو جگہ دینے کا سلسلہ بھی عمدہ ہے شاعر کے مختصر کوائف، شعری محاسن

کے ساتھ شعری انتخاب دیدہ زیب ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی ان کی نظر باز یافت پر ہوتی ہے۔ انہوں نے حیدر وارثی، ناشاد اورنگ آبادی، حنیف ترین، انجینئر محمد ہارون شامی، ڈاکٹر انوری بیگم، نیاز احمد، حلیمہ سعدیہ شگفتہ، کمال جعفری، انور آفاقی، ڈاکٹر نسیم اختر وغیرہ کی شعری صلاحیت سے پردہ اٹھایا ہے۔ غزلوں کی ایک وسیع دنیا آباد ہے 'تمثیل نو' میں رنگارنگ، سبک، متاثر کن، عصری کلاسیکی انداز سے مزین غزلیں زینت جریدہ ہوتی ہیں۔ نظمیں بھی شامل کی جاتی ہیں مگر اس کی تعداد غزل کے مقابلے میں کم ہے۔ اردو آبادی کے بیشتر معروف شعراء کے کلام 'تمثیل نو' میں شائع ہوئے ہیں۔ مقامی شعراء جگہ پانے میں پیچھے نہیں ہیں۔

''نظر اپنی اپنی' کے تحت مطبوعہ کتابوں پر تبصرے کا منفرد انداز ہے یہاں اس طرف کوشش ہونی چاہئے تھی کہ جس نوعیت کی کتاب ہو اس سے جڑے ہوئے مبصر خامہ فرسائی کریں اس سے رائے نپی تلی اور صاحب کتاب کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ ورنہ قصر ادب میں بیٹھا ہوا ہر ادیب خود کو تمام تر فنون کا ماہر جانتا ہے۔

'راہ و رسم' کے تحت دنیا بھر کے تمثیلی قاری کی رائے خطوط کی شکل میں 'تمثیل نو' کے آخری صفحات پر مثل کہکشاں تکے مل جائیں گے، آپ کی آنکھیں حیرت زدہ ہو جائیں گی کہ دنیا بھر کے قارئین کے خطوط ان کی دانشمندی، مشمولات پر رائے اس ہنر مندی سے شائع ہوتے ہیں کہ تازہ شمارہ مطالعہ کے بعد پچھلے شمارے کے مواد ذہن میں دوڑنے لگتے ہیں۔ یہ مدیر کا کمال ہے کہ انہوں نے راہ رسم کو دو شمارے کے درمیان کا پل بنا دیا ہے۔ یہاں سے بحث کے دریچے بھی کھلتے ہیں۔ انتخاب کے پسند و ناپسند کا علم بھی ہوتا ہے۔ دعائیں بھی ملتی ہیں اور کانٹوں کا تحفہ بھی رسید ہوتا ہے۔

یہاں 'تمثیل نو' کی مقبولیت کا جواز پیش کرنا میرا مقصد نہیں لیکن میں چشم پوشی کیسے کر سکتا ہوں کہ خشونت سنگھ نے اپنے کالم میں 'تمثیل نو' کی عصری معنویت اور اس کے مشمولات کو Reference کرلیا ہے:

"There is an Urdu Quarterly,Tamseel-e- Nau edited by Dr.Imam Azam of Quilaghat,Darbhanga,which I make a point to read: it has good articles,short stories and poems......"

(ٹیلی گراف کولکاتا، ۷ر فروری ۲۰۰۴ء)

حقانی القاسمی نے 'تمثیل نو' کو اس صداقت سے ہمکنار کیا ہے:

''تمثیل نو' ہر حلقہ میں مانند شمع 'ضوفشاں اور ضیا بار' ہے۔ مجلّہ کی مقبولیت میں مدیر کی محنت شامل ہے۔ بڑے

بزرگ کہتے ہیں کہ آج کے ادب میں سنگ وشغال بھی سفلہ پن سے مکمل ہو گئے ہیں مگر امام اعظم نے اپنی معصومیت اور متانت سے بلندی کے مدارج طے کئے ہیں اور ادب کے imitators سے الگ امتیاز قائم کرنے میں کامیاب ہیں۔ (بشکریہ: آل انڈیا ریڈیو نیشنل چینل دہلی/ماہنامہ 'کتاب نما' دہلی جنوری ۲۰۰۵ء)

''تمثیل نو'' کی گفتگو میں تشنگی باقی رہ جائے گی اگر ڈاکٹر قاسم فریدی کی ان بوقلمونیوں کا ذکر نہ کیا جائے جو انہوں نے اس معیاری جریدہ کے شمارہ اول سے اب تک کے تمام شماروں پر مطالعہ کی شکل میں پیش کیا ہے۔ موصوف نے ''تمثیل نو'' کے منظر عام پر آنے والے تمام شماروں کا نہ صرف تعارف کرایا بلکہ مشمولات کی افادیت اور انفرادیت کی گرہ کشائی کا کام بھی انجام دیا ہے۔ ''تمثیل نو: شمارہ ۱۸ ایک مطالعہ'' سے یہ اقتباس ان کی ادبی دیانت داری اور مذکورہ رسالہ کی اہمیت درشاتا ہے:

''.... 'تمثیل نو' اردو کا ایک معتبر جریدہ ہے۔ اس نے محض ۴۲ مہینوں میں ہی ادبی افق پر جو اپنی پہچان بنائی ہے وہ اسے تابندہ رکھنے کے لئے کافی ہے۔ شروع میں یہ رسالہ جب جاری ہوا تو ادب کے شائقین نے سوچا کہ دوسرے رسالوں کی طرح ہی یہ بھی چند بہاریں دکھا کر ادب کے افق سے غروب ہو جائے گا مگر جب اس کی آٹھویں بہاریں ادب کے منظر نامے پر اپنی شان وشوکت کے ساتھ نظر آئیں تو ڈاکٹر امام اعظم کے بلند عزائم اور حوصلہ مند منصوبوں کا اندازہ ہوا۔ موجودہ شمارہ کی نفاست اور مشمولات حسن انتخاب پر ایک نظر ڈالنے کے بعد یہ محسوس ہوتا ہے کہ 'تمثیل نو' کی مقبولیت میں روز انہ اضافہ ہو رہا ہے...۔''

(روزنامہ 'قومی تنظیم' پٹنہ ۱۱ رمئی ۲۰۰۳ء)

'تمثیل نو' کے اب تک سولہ شمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ اس کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک بے کراں سمندر موجزن ہے۔ لہر لہر معنی صفحہ صفحہ افکار موجود ہیں۔ شمارہ ایک سے ۱۰ تک سرورق سادہ مگر دیدہ زیب ہے۔ شمارہ-۱۱ سے اب تک سرورق پر تصویروں کی حکمرانی ہے۔ شمارہ نمبر ۱۱-۱۲/اردو ادب سے وابستہ ادیب وشاعر کی تصاویر سے مزین جس کو خاص موقعے پر قید کیا گیا ہے۔ شمارہ ۱۳-۱۴ (اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء) کے ٹائٹل کور پر مرکزی وزیر جناب محمد علی اشرف فاطمی اور شمارہ ۱۵-۱۶ (اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء) پر اول الذکر اور وزیر مملکت ڈاکٹر شکیل احمد کی تصاویر موجود ہیں۔ ادبی دیانت داری اور طرز عمل پر مکمل اعتماد ہے۔ شاید اسی لئے تصاویر کے ساتھ نظم وقطعات بھی سرورق پر درج ہیں جو ان کی جمالیاتی حس اور شعری افکار کا عمدہ امتزاج ہیں۔

اب تک کے تمام شمارے میرے سامنے بکھرے پڑے ہیں۔ تمام مشمولات اپنا وجود منوانے کو

میرے سامنے سینہ سپر ہیں۔ حرف حرف اپنی افادیت بھری موجودگی کے ذکر کا خواہاں ہیں۔ میں مجبور محض ہوں مگر یہ تو کہہ سکتا ہوں کہ اس جریدے نے جس انداز سے جس ولولے اور جوش کے ساتھ ادبی دنیا میں اپنا وجود منوایا ہے اور جس طریقہ کو اپنا کر قلم کاروں کو یکجا کیا ہے بلکہ دریافت کیا ہے یہ اہل علم وادب سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ضرورت ہے ایسے قارئین کی جس کو خوب سے خوب تر کی تلاش رہتی ہے ان کے لئے مدیر 'تمثیل نو' کا یہ شعر محرک ہونا چاہئے:

ڈھونڈ کر لاؤ کوئی تمثیل نو　　صاف کر کے آئینے کی گرد کو

(۲)

''تمثیل نو'': اختصاصی مطالعہ

''.....آج کا نوجوان ادیب کسی بھی سیاسی یا غیر سیاسی نظریہ، فلسفہ یا مغربی تھیوریز سے اخذ کئے ہوئے مسلکوں سے وابستہ ہونے کو تیار نہیں۔ وہ آزادانہ طور پر سوچنے اور آج کی نہایت پیچیدہ زندگی کے مسائل کے حوالے سے خود نتائج اخذ کرنے پر یقین رکھتا ہے۔ وہ یہ بھی نہیں چاہتا کہ کسی نظریاتی تحریک کے سہارے اپنی شناخت بنائے یا اس کے بال و پر لگا کر شہرت کے آسمان میں اڑے.....''

('تمثیل نو'، جنوری تا جون ۲۰۰۶ء، ص: ۲۳)

''پروفیسر قمر رئیس سے مکالمہ'' کے مذکورہ اقتباس کی روشنی میں یہ کہنے میں آسانی ہو رہی ہے کہ آج ازم اور تھیوری سے ہٹ کر ادب کی تخلیق و تعبیر کا ماحول سازگار ہو رہا ہے۔ اس میدان میں چند رسائل و جرائد اپنی خدمات سے قارئین کو متاثر کرتے ہوئے نت نئے تجربے کو آکاش مہیا کرا رہے ہیں جہاں طائر ان ادب اپنی بے کراں پرواز کو سمت دیتے ہیں۔ ''تمثیل نو'' اسی کی ایک چیدہ مثال ہے۔ جس کے لگاتار تین شمارے اپنے مخصوص گوشے کی وجہ سے مطالعہ کو مہمیز دیتے ہیں۔ اردو ادب کے رجحان ساز کے لئے مختص شمارہ نئے تجربات کے آغاز کا پیش خیمہ اور سودمند مباحث پر مبنی تحریروں کا عمدہ انتخاب ہے۔ 'تمثیل نو' کی یہ کاوش روایتی پیش کش کے شانت دھارے میں ایک نئی فکری ارتعاش کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ رسائل و جرائد نہ صرف اہل قلم کی نگارشات کو قاری تک پہنچانے کی سبیل ہوتے ہیں بلکہ زندہ جاوید رہنے والے ادبی رسائل پر بحث و مباحثہ کے راستے ہموار کرتے ہیں۔ فکر و نظر، دلائل و براہین سے مزین آرا کا انعکاس ہونے لگتا ہے اور مرکز میں رسالہ ایک انجمن کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ 'تمثیل نو' کے مذکورہ شمارے

میں' مجھے کچھ کہنا ہے' کے تحت اپنی فکری بوقلمونی کا ثبوت دیتے ہوئے مدیر 'تمثیل نو' ڈاکٹر امام اعظم لکھتے ہیں کہ'' ...... ادب میں بھی وقت کا اہم رول ہوتا ہے اور ماضی، حال، مستقبل کچھ اس طرح ایک دوسرے سے مدغم ہونے لگتے ہیں کہ اس کے اثر سے انسانی فکر کی رو کچھ ایسے کارنامے انجام دینے لگتی ہے جسے کبھی تحریک، کبھی انقلاب، کبھی تبدیلی، کبھی رجحان کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ فطری عمل ہے ...... ۔'' (اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵، ص: ۳) اس فطری عمل میں تخلیقی تجربہ بنیاد گزار ہوتا ہے۔ تھیوری وضع کیے جاتے ہیں اور صورت حال کی شکل میں تفہیمات کی نئی راہیں نکالی جاتی ہیں۔ 'تمثیل نو' کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ رجحان ساز شخصیات میں سے تین اہم اسمائے گرامی کے افکار و نظریات کی بازآفرینی کا جواز پیدا کیا۔ اردو کے مایہ ناز ادیب جدیدیت کے روح رواں شمس الرحمن فاروقی کی ایک اہم تقریر کا اقتباس نہ صرف جدیدیت کا لب ولباب ہے بلکہ ان کی علمی استدلال اور منطقی استفہامیہ کی عمدہ مثال ہے۔ جدیدیت کو سمجھنے میں یہ مضمون نما حصہ بنیادی اینٹ ہے۔ ادبی معیار اور ادبی اقدار کی وکالت جدیدیت کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ اسی طرح گوپی چند نارنگ کا مضمون ''مابعد جدیدیت'' ایک صورت حال کو واضح کرنے کا موثر آلہ کار ہے۔ موصوف نے ترتیب وار جدیدیت کے بعد رونما ہونے والے حالات وکوائف کی روشنی میں جدیدیت کو منہدم قرار دیا ہے۔ یہ دونوں نظریاتی افکار قاری کے لئے ایک خزانہ سے کم نہیں ہیں خاص طور پر دونوں افکار ایک ساتھ جمع کر 'تمثیل نو' نے تقابلی مطالعہ پسند قارئین کو تحفہ پیش کیا ہے۔ جناب مظہر امام آزاد غزل کے موجد ہیں۔ تخلیقی تجربہ کی ادب میں بیش بہا اہمیت رہی ہے۔ غزل جیسی مربوط و مبسوط صنف کی شاعری میں جڑیں گہری پیوست ہونے کے باوجود اس سے متعلق نیا تجربہ خاصا ہنگامہ خیز رہا ہوگا۔ مظہر امام صاحب نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے:

> ''میں نے آزاد غزل کی ایجاد ضرور کی ہے لیکن میری آزاد غزلوں کی تعداد صرف ۱۰ ہے اور ان کا زمانہ تخلیق پچاس سال کو محیط ہے۔'' ('تمثیل نو'، شمارہ ۱۸، ص: ۲۱)

'تمثیل نو' نے تخلیقی تجربہ کرنے والے بزرگ شاعر مظہر امام کو رجحان ساز کی حیثیت دیکر اس کے اعتراف کو تقویت بہم پہنچائی ہے کہ نظریہ اور تھیوری کے ساتھ ساتھ تخلیقی اذہان بھی ذہنوں کی تربیت میں حصہ لیتے ہیں۔ رجحان ساز ادباء کے افکار کے بعد نظریاتی مباحث کے ابواب میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر منصور عمر، ابوذر ہاشمی، جمال اویسی اور حقانی القاسمی کے خیالات بہتر معلومات فراہم کرتے ہیں۔ 'فکری اور عملی ڈسکورس' کے تحت ترقی پسندی، جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے جملہ اوصاف میں آزاد

غزل کی حقیقت کو مختصر مگر جامع صورت میں ڈاکٹر ہرگانوی نے پیش کیا ہے اس کی جتنی داد دی جائے کم ہے۔ان کے اس جملے سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو۔

''فطرت، جذبات، نامیاتی وحدت، اسلوب میں تہہ داری، نرم لہجہ کی میٹھی آنچ اخلاقی بصیرت، ثقافت، جمالیاتی ترجیحات، برتاؤ کی برنائی، اسطورہ اور روایت وغیرہ آزاد غزل پر اثر انداز نہیں ہوتی کہ یہ سب کچھ اس کے بطون میں شامل ہیں خواہ دور عہد یار۔حجان گوئی بھی ہو۔''

(تمثیلِ نو، شمارہ ۱۷،ص:۲۲)

ڈاکٹر منصور عمر نے مباحث میں حصہ لیتے ہوئے اپنے رشحات قلم سے ترقی پسندی اور جدیدیت کے اوصاف اور ان کے انجام کے اسباب کو واضح کیا ہے۔مابعد جدیدیت پر انہوں نے سوسیر، لاکاں، بارتھ، فوکو، دریدا وغیرہ مغربی مفکرین کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے مابعد جدیدیت کے پانچ نکات کی نشاندہی کی ہے۔پھر اردو میں اس رجحان کی پرورش پر اپنے بیش قیمتی آرا کو بیان کیا ہے۔بلا شبہ مابعد جدیدیت کی جامع تعریف فی الوقت ممکن نہیں ہے ہاں اس کے دائرہ کی وسعت اور اس کے غیر متعین حدود کے اشارے ضرور کئے جا سکتے ہیں۔گوپی چند نارنگ کی قیادت میں ایک قافلہ اس رجحان کو فکری وعملی طور پر قبول کر چکا ہے۔ڈاکٹر منصور عمر نے جامعیت کے ساتھ مابعد جدیدیت کے نکات کو کھنگالا ہے جس میں عالمی ادب کے نامور مفکرین کا نظریہ در آیا ہے اور عالمی ادب میں رائج اس رجحان یا صورت حال کا عکس بھی موجود ہے۔انہوں نے لکھا ہے:

''......اس سے مابعد جدیدیت کے پانچ نکتے قائم کیے جا سکتے ہیں مثلاً تکثیریت (Pluralism)، تانیثیت (Feminism)، بین المتونیت (Inter textuality) پوسٹ کالونیل ازم (Post Colonialism) اور تاریخی پس منظر مابعد جدیدیت کے یہ پانچ اہم ستون ہیں جن پر مابعد کی عمارت کھڑی ہے یا اردو مابعد جدیدیت کی عمارت کھڑی کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔'' (تمثیلِ نو، شمارہ ۱۸-۱۷،ص:۱۵)

ڈاکٹر منصور عمر نے آزاد غزل پر خامہ سرائی کرتے ہوئے مظہر امام کو اس کے بانی ومبانی قرار دے کر آزاد غزل کو غزل کے قریب ترین صنف ثابت کیا ہے۔ان کا مضمون اپنے دامن میں بیش بہا پہلو سمیٹے ہوئے ہے۔ابوذر ہاشمی نے ایجادات کی جلوہ سامانی کو موضوع بنا کر تحریک کے خدوخال کو روشن کیا ہے۔ جدید نسل کے معتبر نثر نگار حقانی القاسمی کے مضمون کا عنوان 'اس رنج بے خمار کی اب انتہا بھی ہو' رواں اور دل پذیر نثر کا عمدہ نمونہ ہونے کے ساتھ تحریکوں کے عروج وزوال پر معلومات افزا ہے۔ان کی

اس بات سے کہ ''ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں'' کس کو انکار ہو سکتا ہے، خواہ اس کی زد میں تھیوری اور تحریک ہی کیوں نہ آتی ہوں۔

''تمثیل نو'' کا یہ مستحسن قدم تمثیلی قاری کے لئے معلومات سے مزین، معتبر پر وقار اور ادبیت سے بھرپور ہے۔ جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل پر گراں قدر آرا اور اس پر مباحثہ ''تمثیل نو'' کے منفرد مزاج کا نمائندہ ہے۔ ان Living Legend کو بڑی ہی خوبصورتی سے امام اعظم صاحب نے شعر کے قالب میں ڈھالا ہے۔ ان کی دیدہ زیب تصاویر کے نیچے درج اشعار نہ صرف شخصیت کے اوصاف سے پُر ہیں بلکہ تحریکات کی خوبھی اس میں شامل ہوگئی ہے۔ مثلاً گوپی چند نارنگ کے لئے موزوں کلام ملاحظہ کیجئے جس میں شخص بھی ہے اور تحریک بھی:

اردو ادب میں لائے ہیں بعد جدیدیت　　نارنگ عہد ساز ہیں رجحان ساز ہیں
ان سے نیا زمانہ، زمانے سے یہ نہیں　　جو آپ عہد نو کے تغیر نواز ہیں

''تمثیل نو'' کی کاوش پر عفت موہانی کا ایک خط نگاہ سے گزرا جس میں تمثیل نو کا بہترین تجزیہ موجود ہے۔ ''تمثیل نو، عطر کی بہت قیمتی مگر بہت چھوٹی شیشی ہے۔'' اردو ادب کے رجحان ساز گوشے کو پڑھنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کی رائے سے اتفاق کر لی جائے کہ ''تمثیل نو'' مواد کے اعتبار سے رجحان ساز بنتا جا رہا ہے۔'' اس کے تجربے پسند کئے جا رہے ہیں اور اس کی کوشش کو استحکام حاصل ہو رہا ہے۔ بایں سبب ''تاریخ ادبیات عالم'' عہد ساز پیش کش کے نام سے شمارہ ۱۹ر منظر عام پر آتے ہی اسے ہاتھوں ہاتھ لیا جاتا ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی کی معرکہ آرا کتاب ''تاریخ ادبیات عالم'' کے حوالے سے یہ شمارہ دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس تاریخ ساز کارنامے پر مختلف عنوانات کے تحت ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر مجید بیدار، ڈاکٹر منصور عمر، ابوذر ہاشمی، جمال اویسی، ڈاکٹر ہمایوں اشرف، حقانی القاسمی وغیرہ کے پرمغز مقالے شمارے کی زینت بنے ہیں۔ اردو کے مشہور ادیب و فنکار کے خیالات ''تاریخ ادبیات عالم'' کے افادیات اور اس کی قاموسی حیثیت نیز اس وقیع کارنامے کو روشن کرتے ہیں۔ اتنے بڑے پروجیکٹ کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے بالخصوص دنیا بھر میں رائج بڑی زبانوں کے ادب اور اس کے اثرات کا مکاشفہ فرد واحد کے لئے ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور تھا جس کو وہاب اشرفی نے پایۂ تکمیل تک پہنچا کر اپنی زندگی کا عظیم کارنامہ سر کر لیا۔ وہاب اشرفی کے متعلق ڈاکٹر امام اعظم کا قول حاصل مطالعہ ہے جس میں انہوں نے تین باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو

موصوف کے پرکھ میں معاون ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''اول وہ ایسے نقاد ہیں جو محض دلائل اور مثالوں سے اپنی باتوں کو تسلیم کروانے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ اس کی ٹھوس بنیادوں کو بھی بروئے کار لاتے ہیں جس سے ان کی آرا خود بخود Establish ہونے لگتی ہے۔ دوم وہاب اشرفی محض سرسری جائزہ لینے کے عادی نہیں ہیں۔ جارحانہ اور منفی رویوں کو رد کرتے وقت اس بات کا خصوصی دھیان رکھتے ہیں کہ مثبت پہلوؤں کو نظر انداز کرنے کی کوشش کسی طرح پس پردہ نہ رہ جائے۔ تیسری اہم بات یہ ہے کہ ماضی، حال اور مستقبل کے ادبی کارناموں کو وہ سرمایہ سمجھتے ہیں اس لئے حوالہ دیتے وقت ان کی نظر بہ یک وقت تینوں زمانے کے عکس لئے ہوئے نظر آتی ہے۔'' ('تمثیل نو' شمارہ:۱۹،ص:۳)

پروفیسر وہاب اشرفی کی تیسری خصوصیت ان کو اردو کے بڑے نقاد کی صف میں جگہ دلانے کے لئے کافی ہے۔ ان کے کارنامے ''تاریخ ادبیات عالم'' کے علاوہ بھی وسعت لئے ہوئے ہیں۔ وہ تخلیق کار ہیں، ناقد ہیں مورخ ادب ہیں۔ ''تمثیل نو نے ان کے ایک بڑے کام کو خراج عقیدت پیش کر کے اردو جریدے کے رواج کو نئی دشا دی ہے۔

''تمثیل نو'' کے محتویات اس امر کے شاہد ہیں کہ نظر کہاں تک جا سکتی ہے اور زاویہ نظر کس طور پر طے کیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر وہاب اشرفی کا ''تاریخ ادبیات عالم'' پر ایک نوٹ کا ابتدائی حصہ موصوف کی طرز کا عکس ہے اور بعد کے حصے اس پر عزم کام کے اختتام پذیر ہونے پر احباب کے شکریے پر محیط ہیں۔ زاویہ نظر میں شامل مضامین تاریخ ادبیات عالم کے مطالعے کو اکساتے ہیں جو معلومات کا خزانہ ہے اور اردو داں کے لئے قابل فخر بات ہے کہ اردو کے علاوہ کسی بھی زبان میں اس طور کا قاموسی کام دستیاب نہیں ہے۔ البتہ دوسری غیر ملکی زبانوں میں الگ الگ موضوعات کے تحت عالمی ادب کا مطالعہ ضرور پیش کیا گیا ہے۔ مگر مذکورہ کتاب کی اپنی ایک الگ خوبی ہے۔ ''تمثیل نو'' کی اس کاوش کو یعقوب تصور نے بجا طور پر سراہتے ہوئے ادبی دستاویز لکھا ہے:

> ''پروفیسر وہاب اشرفی کے عظیم کارنامے تاریخ ادبیات عالم پر خود ان کے نوٹ اور دیگر اکابرین کو فن و نقد کے ان کی مشقت و عرق ریزی، وسعت علمی، عالمی ادبیات پر نگاہ عمیق اور دسترس، دانشورانہ صد جہتی اور ادب سے ان کے کمٹ منٹ کے اعتراف اور بصدق دل تحسین کے مضامین کے تناظر میں مرتب و مزین حاصل ہوا۔ یہ بھی ایک دستاویز ہے۔'' ('تمثیل نو' شمارہ ۲-۱،ص:۱۱۵)

بلا خوف تردید ''تمثیل نو'' کی اس تجرباتی جہت کو دستاویزی کہا جا سکتا ہے جو پروفیسر موصوف کی

گراں قدر ادبی خدمات کے اعتراف میں خراج پیش کرنے لئے بروقت اٹھایا گیا مستحسن قدم ہے۔ بقول امام اعظم: 'وہاب اشرفی کا کارنامہ = زمانے بھر کو پیچھے چھوڑ دے گا'

تجربات کو جاری رکھتے ہوئے سجاد ظہیر اور پروفیسر قمر رئیس کی خوبصورت تصاویر سے مزین 'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ منظر عام پر آچکا ہے۔ جس کو" کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے؟" کا عنوان دیا گیا ہے۔ ترقی پسندی جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے تناظر میں ایک ایسی تحریک پر مباحث چھیڑنا جوکھم کا کام تھا۔ اس کو امام اعظم صاحب نے اپنی مدیرانہ صلاحیت سے آسان بنالیا ہے۔ ترقی پسند ادب کے شہرۂ آفاق ناقد پروفیسر قمر رئیس سے مکالمہ اسی بات کا تاثر دیتا ہے کہ "تمثیل نو" کی منشا اس معنی میں صاف ہے کہ ادبی تحریک کے عروج و زوال کا حقیقت پسندانہ نظریہ کیا ہونا چاہئے 'مجھے کچھ کہنا ہے' میں اس کو واضح کرنے کی یوں سعی کی گئی ہے کہ:

"سجاد ظہیر سے قمر رئیس تک جو کچھ ہوتا رہا وہ ایک تاریخی تقاضہ تھا۔ اس کی ضرورت تھی اور اس کی تکمیل ہوگئی۔ اب آگے کا مرحلہ جاری وساری ہے۔ یہ الگ سی بات ہے کہ اس نئے رجحان کا جو مابعد جدیدیت سے الگ ہو کر طرح طرح کے جلوے دکھا رہا ہے پہچاننے کی ضرورت ہے اور اس کو نیا نام ملنے کا انتظار ہے......۔"

(تمثیل نو جنوری تا جون ۲۰۰۶ء، ص:۵)

بلاشبہ ادبی سفر جاری وساری ہے۔ ترقی پسند تحریک کے زوال پر اپنا واضح موقف اختیار کرتے ہوئے پروفیسر رئیس انور رحمان لکھتے ہیں:

"جب تک سماج انصاف اور مساوات کی بنیاد کروٹ نہیں لے گا ترقی پسندی ختم نہیں ہوگی۔"

وہ ایک جگہ انتباہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"...... موجودہ دور میں اگر ترقی پسندی ۳۶ء والے انداز سے اپنا احیاء چاہے تو یہ ناممکن ہے۔ اس کے بنیادی Cause میں آج بھی جان ہے اور اس کا خاصا مواد اب بھی آس پاس بکھرا پڑا ہے مگر اس کے ساتھ برتاؤ میں تبدیلی ضروری ہے......۔" (تمثیل نو جنوری تا جون ۲۰۰۶ء، ص ۷۲)

پروفیسر منصور عمر نے ترقی پسند تحریک کے ختم ہونے کی وکالت کی لیکن اس کی ضرورت کو حال اور مستقبل کے لئے ناگزیر گردانا ہے۔ جناب حقانی القاسمی کا مضمون ذہن میں کئی سوالات چھوڑ جاتا ہے اور آخر میں صرف ہاتھ یہ آتا ہے کہ کل من علیھا فان۔

پیش نظر شمارہ تنوع رکھتا ہے۔ زاویۂ نظر پیش کرنے والے ادباء نے ترقی پسندی کے اوصاف حمیدہ

اور اسباب زوال کو بھرپور انداز میں احاطہ کیا ہے۔ بحث کے دریچے ہنوز کھلے ہیں۔ اختلاف رائے فطری عمل ہے۔ تحریکات کا زوال پذیر ہونا بھی طے شدہ ہے۔ انسان کی ترقی کے ساتھ ادب میں تغیر عین فطرت ہے۔ ضرورت ہے تو بس 'تمثیل نو' کی طرح بحث کے مواقع مہیا کرانے کی۔ ''تمثیل نو'' نے جس طرح گذشتہ تین شماروں سے تجرباتی نہج پر کام شروع کیا ہے اس کی افادیت کے پیش نظر یہ رسالہ نہ صرف محبوبِ نظر ہوا ہے بلکہ اس کی حیثیت قابلِ تقلید ہوگئی ہے۔ اس کا اختصاص اپنے مستقل کالم اور متفرق موضوعات کے ساتھ نئے عنوانات کے تحت خصوصی گوشے کی اشاعت ہے۔ ہندوستان میں شائع ہونے والے ادبی رسائل میں اس کا شمار اوّلیت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ ''تمثیل نو'' کا یہ کارنامہ ناقابل فراموش ہے کہ اس کے بینر تلے نئے اور پرانے اہل قلم منصۂ شہود پر جگہ پاتے ہیں۔ سید منظر امام کی آپ بیتی اور پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون خاصی اہمیت کی چیز ہوتی ہے۔ رسالہ مذکورہ کے افسانے پسند کیئے جاتے ہیں اور بحث کے عنوان ہوتے ہیں۔ کبھی شمارے مخصوص شاعر کو پیش کرتے ہیں تو 'راہ و رسم' کے تحت عالمی ادب کی ہلچل سے روبرو ہونے کا موقع ملتا ہے۔ اس کی پیش کش 'ادبی اور صحافتی خبریں' جاننے کے لیئے بے چینی رہتی ہے اور بقول حقانی القاسمی 'دل کہنے کو مچلنے لگتا ہے کہ:

> ''تمثیل نو'' کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم کی کوشش رنگ لا رہی ہے اور یہ رسالہ مجلاتی صحافت میں ایک روشن تمثیل بنتا جا رہا ہے۔۔۔۔'' (مضمون 'تاریخ ادبیات عالم اور تمثیل نو' جنوری تا جون ۲۰۰۶ء ص: ۹۹)

(مطبوعہ روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۷ رجنوری ۲۰۰۷ء)

(۳)

''تمثیل نو'' اور سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب

(جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء)

''تمثیل نو'' دربھنگہ کا تازہ شمارہ اپنے اختصاص کے ساتھ منظر عام پر آتے ہی علمی و ادبی حلقے میں پسند کی سند پا رہا ہے۔ معاصر ادبی رسائل میں اپنی پہچان بنا چکے اس رسالے کے گذشتہ شمارے دستاویزی حیثیت کے حامل رہے ہیں۔ ان میں 'سہرے کی روایت اور ادبی معنویت''، ''پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں اردو زبان کا کردار''، ''متھلا اردو زبان اور ثقافت کا ایک قدیم مرکز'' وغیرہ موضوعات پر مختص گوشے کی خوب پذیرائی ہوئی ہے۔ اس وقیع اور جامع شمارے کا اگلا قدم ''سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب'' پر

گوشہ ہے۔ یوں تو تمثیل نو میں اردو کی نئی بستیوں کے قلمکار شائع ہوتے رہے ہیں۔ ہم عصر اردو ادب کے بیشتر توانا نام تمثیل نو کے صفحات پر اپنی فکری جولانی سے قاری کو متاثر کرتے رہے ہیں، لیکن ایک ساتھ اردو ادب کی نئی بستیوں کے تعلق سے پُر مغز گفتگو اس شمارے کی خاصیت ہے۔ مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم لکھتے ہیں:

"میں نے سوچا کہ سات سمندر پار کے ادباء وشعراء سے خود اپنے اردو کے لوگ ناواقف ہیں۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ سات سمندر پار کے ہم عصر اردو کے فنکاروں کے کارناموں سے قارئین کو واقف کرائیں اور اسی غرض سے یہ خصوصی شمارہ ترتیب دیا ہے۔ اب آپ فیصلہ کریں کہ یہ خلیج پاٹنے کا کام کتنا ضروری تھا۔" (صفحہ ۴)

خصوصی شمارے کے مقاصد بیان کرنے سے قبل مدیر نے ایک بڑا سوال اٹھایا ہے اور اس سمت اپنی فکر کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"...... آج تک کسی اردو شاعر یا ادیب کو نوبل پرائز سے نہیں نوازا گیا۔ یہ المیہ اسی لئے ہے کہ اردو ادیب یا شاعر ان سیاسی پیچیدگیوں کو سمجھتے تو ہیں لیکن اس کے لئے راہ ہموار نہیں کرتے اور ان کمیٹیوں میں ہماری نمائندگی بھی نہیں ہے۔" (صفحہ ۴)

یقیناً دنیا کی بڑی زبانوں کی ادبی پیش رفت پر گہری نگاہ رکھنی ہوگی اور راہ پُر خار پر چلتے ہوئے منزل پانے کا گُر جاننا ہوگا۔

خصوصی مطالعہ کے تحت دس وقیع مضامین سات سمندر پار کے اردو ادب پر محیط ہیں۔ ان میں سے تین مضامین وہاں کی ادبی پیش رفت پر وسیع تناظر میں معلوماتی گفتگو کے نمائندہ ہیں۔ باقی مضامین شخصی تعارف و نقد پر مبنی ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ہم عصر اردو ادب کا جائزہ لیتے ہوئے برطانیہ، جرمنی، کینیڈا، ترکی، ڈنمارک، ہالینڈ، اسپین، فرانس اور آسٹریلیا جیسے ممالک کے شعراء و ادباء کو مرکز میں رکھا ہے جہاں کثیر تعداد میں علم و ادب کے رسیا موجود ہیں۔ شاعر و ادیب نت نئے جدید تجربات و مشاہدات سے قاری کو محظوظ کر رہے ہیں۔ ڈاکٹر ہرگانوی نے بجا طور پر لکھا ہے کہ:

"سات سمندر پار کے قلمکاروں نے عرصہ سے اردو کے رشتوں کو مضبوط کیا ہے، عہد کے تناظر میں ازلی اور ابدی بندھن کو جوڑنے کی کامیاب کوشش کی ہے اور تجربے، تازہ کاری اور دریافت نو کے امکانات کے ساتھ محسوسات کو تحریر کا حصہ بنایا ہے۔ ساتھ ہی رنگارنگی پیدا کی ہے۔" (صفحہ ۴۴)

اس مضمون کے دامن میں نئی بستیوں کے اہم و معتبر اسمائے گرامی کی موجودگی سے ایک ادبی خاکہ ذہن میں بن جاتا ہے اور ان کی خدمات کے اعترافات کو تقویت ملتی ہے۔ "سرحد پار کے نثری ادب کا

حقیقت پسند تجزیہ'' کیا ہے پروفیسر مجید بیدار نے۔ انہوں نے واضح کیا کہ ''غیر افسانوی نثر کے قلمکاروں کی تعداد یوروپ میں بہت کم ہے لیکن وہ ترجمہ، رپورتاژ، تبصرہ، یادنگاری اور خاکہ جیسی اصناف کو اختیار کر کے نثر کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔'' (ص:۵۳) اس کے باوجود وہاں عمدہ لکھنے والے اہل قلم کی نہ تو کمی ہے اور نہ اہل نقد کا فقدان۔ ڈاکٹر حسن رضا نے ''غزل کا خمار: سات سمندر پار'' کے عنوان سے ہم عصر غزلیہ شاعری کی اس پار جو دھنک ہے اس کا احاطہ کیا ہے۔ شعراء کی فہرست میں چند نام کے اضافے ہو سکتے ہیں مگر جن شعرا کے اشعار حوالے کے طور پر درج ہیں وہ بیشک نمائندہ ہیں۔ شیخ پورہ سے تعلق رکھنے والی صوفیہ انجم تاج کی خودنوشت ''یادوں کی دستک'' پر پروفیسر افتخار اجمل شاہین کا تبصراتی مضمون کتاب کو پڑھنے کی دعوت دیتا ہے۔ شاہین صاحب نے اس کتاب کی کمیوں کی طرف اشارہ کر کے مصنفہ کی مدد اور اوصاف کا ذکر کر کے ان کی ہمت افزائی کی ہے۔ لندن میں مقیم عطیہ خان کی کتاب ''تاثرات'' پر رؤف خیر صاحب نے مختصر مگر جامع مضمون قلمبند کیا ہے۔ ان کی تحریر پڑھ کر مذکورہ کتاب کی افادیت اور ادبی معیار و مزاج کا علم ہوتا ہے۔ بلاشبہ وہ جس بے باکی اور ہنرمندی سے ادبی سروکار پر قلم اٹھاتی ہیں وہ بڑے دل گردے کی بات ہے۔

''سہ رنگ امیجز کی شاعرہ پروین شیر'' پروفیسر ایم اے ضیا، کا مضمون ہے۔ اس میں پروین شیر کے مجموعہ کلام ''کرچیاں'' کو مرکز میں رکھ کر تخلیقی فنکارہ کے فکر و فن سے بحث کی گئی ہے۔ موصوفہ نے ترجمے کے ذریعہ اردو داں طبقہ کو زبان دیگر کی تخلیقات سے محظوظ ہونے کا موقع دیا ہے۔ یہ ان کی خدمات کا جداگانہ رنگ ہے۔

نقشبند قمر نقوی ہمہ جہت شخصیت کا نام ہے۔ وہ ناول نویس ہیں، شکاریات کے ماہر ہیں، میدان صحافت کے شہ سوار ہیں، اچھے شاعر بھی ہیں۔ رفیق شاہین نے ان کی شاعری پر جامع مضمون قلمبند کیا ہے۔ ان کے شعری خصائص اور فکری تب و تاب پر تفصیل سے تحریر کردہ مقالے کا عنوان ''عصری لوازمات کے جمالیاتی شاعر نقشبند قمر نقوی'' معنوی تہہ داری لئے ہوئے ہے۔ یہ شاعری پر عمدہ تنقیدی تحریر ہے۔ ڈاکٹر سید تقی عابدی کی دو کتابوں ''چوں مرگ آید'' اور ''غالب دیوان نعت و منقبت'' کے حوالے سے ڈاکٹر امام اعظم صاحب نے اپنے مضمون 'اقبال اور غالب مخفی گوشے اور ڈاکٹر سید تقی عابدی' میں موصوف کی تحقیقی کاوش کو سراہا ہے۔ ڈاکٹر تقی عابدی نے غالب و اقبال سے متعلق انفرادی خوبیوں کا جو اظہار اپنی کتابوں میں کیا ہے وہ قابل مطالعہ ہے۔ نوجوان افسانہ نگار فیاض احمد وجیہ نے نعیمہ ضیاء الدین پر جامع

تحریر میں ان کی فنکاری اور فکری جہت کے اندران سے مکالمہ کیا ہے۔ فیاض کی تحریر میں موضوع کو ابھارنے اور قاری کا اس سے تعلق پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ نعیمہ ضیاء الدین پر اس مضمون کا براہ راست مطالعہ قابل اطمینان وانبساط ہے۔ کل ملا کر یہ گوشہ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر بحث کے دروازے وا کرے گا۔ نئی بستیوں کے قلمکاروں کے اعتراف اور ان کے تعین قدر پر محیط یہ مضامین قارئین کے مطالعہ کو مہمیز کریں گے۔ سات سمندر پار کے اردو ادب کو جاننے اور پرکھنے کے لئے یہ گوشہ ناگزیر ہے۔ 'تمثیل نو' کی خاصیت رہی ہے کہ وہ گوشے کے ساتھ ساتھ دیگر مضامین، افسانے اور شاعری کی شمولیت سے اپنے قاری کو جوڑے رکھتا ہے۔ 'یہ سرگذشت ہی ہے' کی ساتویں قسط پروفیسر سید منظر امام کی دلفریب نثر کا نمونہ ہے۔ واقعی یہ سچ ہے کہ دل سے جاتی نہیں یاد تری۔ جمشید پور کے شب و روز کو تصویر بنالیا ہے سید منظر امام نے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے احمد فراز کی شاعری کا احاطہ کرتے ہوئے انہیں زندگی کے تلخ حقائق کا شاعر قرار دیا ہے۔ یونس حسن، حافظ منشی عبدالغفور، ڈاکٹر حلیمہ سعدیہ، ڈاکٹر محمد ظفر الدین انصاری کے مضامین مثل باد تازہ ہیں، جس میں موضوعاتی وسعت اور مطالعاتی تنوع ہے۔ ''حامیان اردو کی خدمت میں دعوت فکر وعمل'' کے عنوان سے حافظ منشی عبدالغفور کی سولہ نکاتی تجاویز قابل فکر عمل ہیں۔ تحریر کردہ امور کو ہر اردو داں اپنا لے تو نہ صرف اردو پڑھنے اور بولنے والوں کا اضافہ ہوگا بلکہ مایوسی کے جو خدشات ہیں ان سے نجات بھی ملے گی۔ ''موجودہ ہندوستان میں اردو تدریس: مسائل اور حل'' کے عنوان سے ڈاکٹر حلیمہ سعدیہ نے تفصیلی مضمون میں اردو تعلیم سے متعلق کارآمد باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ''سید منظر امام: تیری تحریر سے خوشبو پھوٹے'' اختصار کے ساتھ موصوف کی عمدہ نثر نگاری کا تجزیہ ہے۔ جس میں منظر امام شخص اور فنکار واضح طور پر ابھر کر آیا ہے۔ اقبال انصاری، جاوید اختر، فاروق راہب، سلطانہ مہر، مظفر شعیب ہاشمی، ڈاکٹر خان حفیظ افسانے کے بزم کے مہمان ہیں۔ اس شمارے کے مخصوص شاعر ودیا ساگر آنند کو مدیر محترم نے ایک باکمال شاعر کہا ہے جو احساس کو جگانے میں کامیاب ہے۔ دیپک قمر، منور رانا، سید جعفر امیر، علاء الدین حیدر وارثی، رئیس الدین رئیس، سیدہ نسرین نقاش، ڈاکٹر قمر رئیس بہرائچی وغیرہ کی غزلیں اس شمارے کی زینت ہیں۔ پچھلے شمارے پر مشاہیر ادب کے خطوط راہ ورسم کے تحت جمع کئے گئے ہیں۔ ادبی وثقافتی خبریں اہمیت کی حامل ہیں۔ حمد باری تعالیٰ از نتیجہ فکر فرحت حسین خوشدل نے دل کو فرحت بخشا، ڈاکٹر منصور عمر کے قطعات تاریخ بروفات کی منفرد پہچان ہے۔ مشہور اداکار دلیپ کمار سے مظہر امام کا لیا گیا انٹرویو کئی جہتوں سے سودمند ہے۔ دلیپ کمار سے پوچھے گئے

سوالات فنکار کے باطن میں جھانکنے کی کوشش ہے تو جواب اتنا ہی نپا تُلا اور فکر انگیز ہے۔ مدیرِ اعزازی نے اپنے جدہ کے سفر کو لفظوں میں بیان کر کے خوشنما رنگ عطا کیا ہے۔ کالج آف ٹیچرس ایجوکیشن کے افتتاح کے موقع پر پیش کئے گئے خطبۂ استقبالیہ میں متھلا کے حوالے سے نظم اچھا تاثر دے رہی ہے۔

مجموعی طور پر یہ شمارہ اپنی پُر وقار روایت کا اگلا قدم ہے۔ سرورق پر گلوبل ولیج کا عکس اور اس پر تحریر کردہ قطعہ جاذبِ نظر ہے۔ اس کا گیٹ اپ خوبصورت ہے۔ یقین ہے اس شمارے کی خوب خوب پذیرائی ہوگی۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۱۷/فروری ۲۰۰۹ء) (مطبوعہ: 'تمثیلِ نو' اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء)

(۴)

''تمثیلِ نو'' کی اہم پیشکش: ہندوستانی فلمیں اور اردو

(جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء)

'تمثیلِ نو' دربھنگہ کا شمار اردو کے ان چند مشہور رسائل میں ہوتا ہے، جن میں تنوع اور جدید فکر و نظر کے مباحث ہوتے ہیں۔ نئے نئے موضوعات پر مختص گوشے 'تمثیلِ نو' کی خصوصیت رہی ہے۔ اس رسالے نے ان موضوعات کو مطالعے کا خاص سرنامہ بنایا ہے، جن کی اہمیت و افادیت مسلّم رہی ہے۔ اس قبیل کی اگلی کڑی کے طور پر ''ہندوستانی فلمیں اور اردو'' ہمارے سامنے ہے، جس کی پسندیدگی اس تبصراتی مضمون کا محرک ہے۔

'مجھے کچھ کہنا ہے' کے عنوان سے اداریہ میں ڈاکٹر امام اعظم نے ہندوستانی فلموں کی شروعات اور اس میں اردو کے چلن کو موضوع بنایا ہے۔ فلموں کے لئے کی جارہی شاعری، مکالمہ نگاری اور اسکرپٹ نویسی سے گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے اس سچائی کو ہمارے سامنے رکھا ہے کہ ہندوستانی فلمیں اور اردو کا گہرا ارتباط رہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''حالات کی تبدیلی کے تحت کاسٹنگ میں فلم کی زبان کا ذکر کرتے ہوئے ہندی لکھا جاتا ہے لیکن اصل میں جو زبان مقبولِ عام اور ذہنوں پر گہرے نقش مرتسم کرتے ہیں وہ اردو کے الفاظ سے مزین ہوتے ہیں اردو کا بانکپن ان میں دیکھا جاسکتا ہے اور اردو کے ادبی عناصر کو فلموں میں رچائے بسائے بغیر اچھی فلم، مقبول فلم اور دلچسپ فلمیں نہیں بنائی جاسکتیں......'' (ص: ۵-۶)

پروفیسر سید منظر امام کی 'یہ سرگزشت ہی ہے' کی مشمولہ آٹھویں قسط بھی فلم کے حوالے سے ہے۔

انہوں نے اس تحریر میں لڑکپن میں فلموں سے اپنی دلچسپی اور بعدۂ فلم اداکاروں سے ملاقاتیں، نیز اپنے پسندیدہ ہیرو دلیپ کمار کی فلموں اور یادوں کو بڑی خوبصورتی سے سمیٹا ہے۔ دلیپ کمار کی فلموں کی فہرست ان کی جذباتی وابستگی کا ثبوت ہے۔

'ہندوستانی فلمیں اور اردو' کی شہ سرخی سے مشمولہ ۱۴ رمضامین میں پہلا مضمون مظہر امام کا ہے۔ 'یش چوپڑہ کی اردو فلمیں' کے عنوان سے ان کی اس تحریر میں یش چوپڑہ کی بے حد مقبول فلموں کی فہرست ہے جن کی زبان اردو ہے بھلے ہی سند ہندی کی ہو۔ ان فلموں کے گیت کار، موسیقی اور مکالمے کے فنکاروں کے نام بھی درج ہیں۔ حسن امام درد نے 'ابتدائی دور کی ہندوستانی فلمیں' میں اپنے تجربات و مشاہدات بیان کرتے ہوئے چند مشہور فلموں کا ذکر کیا ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے یاد ماضی کو تازہ کرتے ہوئے 'امیتابھ بچن اور راج کمار سے ملاقات' کے خوبصورت لمحوں کو الفاظ کا جامہ عطا کیا ہے۔ ان کے مضمون میں اداکاروں کی عوامی و نجی زندگی نیز طور طریقے کا علم ہوتا ہے۔ اس مضمون میں روانی بہت ہے۔ محمد خالد عابدی کا مضمون اہمیت کا حامل ہے۔ ایک نئے موضوع پر ان کی تحریر اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ 'مولانا ابوالکلام آزاد اور فلم' میں انہوں نے فلم کے بارے میں مولانا آزاد کے خیالات کوڈ کئے ہیں اور ان کے رشتہ داروں کا فلم میں کیریئر بنانے کا ذکر کیا ہے۔ 'ہندوستانی فلموں میں طرز معاشرت' رشید انجم کا مضمون ہے۔ مضمون نگار نے مسلم طرز معاشرت کی عکاسی کرنے والی فلموں کے نام گنوائے ہیں اور ان میں سے چند ایک کی کہانیوں میں مذکورہ خیالات کی نمائندگی کو موضوع بنایا ہے۔ پروفیسر شاکر خلیق نے 'اردو کی کہانی فلموں کی زبانی' کے ذریعے اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ فلموں کے ذریعہ اردو کا سفر جاری و ساری ہے اور جب تک فلموں میں اس کا استعمال ہوتا رہے گا اسے کامیابی ملتی رہے گی۔ فلموں میں اردو کی اہمیت پر انہوں نے لکھا ہے:

> "۔۔۔۔۔ ہندوستانی فلم انڈسٹری کے شاندار سو سال کو کامیابی اور بلندی عطا کرنے میں اردو نے سب سے بڑا رول ادا کیا ہے۔ اگر ایک طرف اردو کے سدا بہار گانوں کے میٹھے بول سننے والوں کے کانوں میں رس گھولتے اور دلوں کو چھو لیتے ہیں تو دوسری طرف اس کے زوردار مکالمے (Dialogue) اپنے کرداروں (Characters) کے رول کو اور بھی اجاگر کرتے ہیں۔ اردو کے گانوں اور Dialogue کے بغیر آج تک ایک بھی فلم کامیاب نہیں ہو سکی۔ جب بھی کسی فلم میں اردو کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی گئی تو وہ فلم فلاپ ہوئی اور ہندوستانی عوام نے اسے مسترد کر دیا۔" (ص:۵۳)

ابراہیم اشک کے مشمولہ مضمون کا عنوان ''ہندوستانی فلموں میں موسیقی اور گیت'' ہے۔ انہوں نے ۱۹۵۰ء سے ۱۹۷۰ء کے عہد کو ہندوستانی فلم موسیقی اور گیت کے لئے سنہری دور سے تعبیر کیا ہے۔ یہ جامع مضمون ہے جو عنوان کی مناسبت سے فلم انڈسٹری میں موسیقی اور گیت کی ابتدا سے اب تک کی صورتحال کو منعکس کرتا ہے۔ اس مضمون میں فلم موسیقی اور گیت کے روبہ زوال ہونے کے اسباب کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ 'ہندوستانی فلمیں اور اسکرین پلے' کے عنوان سے مراق مرزا نے اپنی تحریر میں راجندر سنگھ بیدی، سعادت حسن منٹو، کرشن چندر وغیرہ شہرۂ آفاق فنکاروں کی فلم سے وابستگی کا ذکر کیا ہے۔ انہوں نے بطور اسکرین پلے سلیم جاوید کے حصے میں جو کامیابی اور شہرت کا ذکر کیا ہے جو واقعی دوسرے پلے رائٹرز کو اب تک حاصل نہیں ہے۔ پروفیسر خالد سعید نے 'الیکٹرانک میڈیا کے تناظر میں فکشن' کی صورت کو قارئین کے روبرو کیا ہے۔ انہوں نے اپنے مطالعے کو اس خاص نقطے پر مرکوز رکھا ہے جہاں اسے اردو فکشن کی اہمیت، بصری و سماعی میڈیا کے ذریعے اس کی پیشکاری اور فلمی ضرورت کے تحت فکشن میں تبدیلیوں کے اسباب کا جائزہ لیا جاسکتا ہے۔ اس مضمون میں جو امکانات اور خدشات ظاہر کئے گئے ان پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔ پروفیسر خالد سعید کے مشورے اہمیت رکھتے ہیں اور ان کی اس بات سے اتفاق ہے کہ الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے اردو ادب کے ورثہ کو محفوظ اور نئے لوگوں کو جوڑا جاسکتا ہے۔ پروفیسر ایم اے ضیاء کا مضمون 'فلمی ادبی عناصر: اردو زبان کی طاقت' فلموں میں اردو شاعری کی جادوگری کو بیان کرتا ہے۔ انہوں نے خوبصورت اشعار اور مصرعوں سے مثالیں دی ہیں۔ محترمہ نینا جوگن نے بہار کی ایک میتھلی فلم 'اگنارے مورے کتے گیلا' پر مختصر مگر مکمل تعارفی مضمون 'تمثیل نو' کے اس گوشے کے لئے لکھا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے فلمی جریدہ 'شمع' کو یاد کرتے ہوئے اسے ایک مقبول ترین فلمی جریدہ قرار دیا ہے جو ادبی اوصاف سے مزین تھا۔ شمع کی ادبی کاوشوں اور فلمی مشمولات کو انہوں نے تحسین کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بہتر خراج عقیدت پیش کیا ہے۔ 'ہندوستانی فلموں میں ادبی عناصر' فیاض احمد وجیہہ کا بے حد معلوماتی اور نئے گوشوں کو روشن کرتا ہوا عمدہ مضمون ہے۔ اس طویل مضمون کے باطن میں ہندوستانی فلموں کا مزاج، زبان کی پیش کاری، افسانے، فکشن کی شمولیت، آرٹ اور روشنی کے مباحث اور اردو بطور رابطے کی زبان کو ہنرمندی سے پرودیا گیا ہے۔ فیاض احمد وجیہہ نے معیاری حوالہ جات سے اپنی گفتگو کو مدلل اور موثر بنایا ہے۔ یہ مضمون ہندوستانی سنیما کی تاریخی اور فکری حیثیت سے بحث کرتا ہوا دیرپا تاثر بنانے میں کامیاب ہے۔ بہ ایں سبب اس کی انفرادیت مسلم ہے۔ گوشہ 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' کا آخری مضمون ڈاکٹر قمر علی

کا ہے۔ انہوں نے ہندوستانی فلموں کو اردو فلمیں ماننے پر اصرار کیا ہے جو درست ہے۔ اس سے کسی کو انکار نہیں ہونا چاہئے کہ جو زبان فلموں میں استعمال کی جاتی ہے وہ تحریر میں ہندی تو ہرگز نہیں ہے مگر اردو ضرور ہے۔ پتہ نہیں کب یہ تعصب ختم ہوگا اور اردو فلموں کے سرٹیفکیٹ جاری ہوں گے۔

'تمثیل نو' کی یہ کاوش مستحسن ہے۔ ہندوستانی فلموں کے حوالے سے اردو رسائل و جرائد میں ایک ساتھ اتنے مضامین کی شمولیت نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔ مضامین کی نوعیت ایسی ہے کہ برسوں اس سے استفادہ کیا جائے گا۔ ہندوستانی فلموں میں اردو پر جب بھی گفتگو ہوگی 'تمثیل نو' کا یہ شمارہ (جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء) مرکز میں ضرور ہوگا۔ اس اعتبار سے یہ تاریخی مجلّہ ہے اور اس کے لئے مدیر اعزازی تمثیل نو ڈاکٹر امام اعظم مبارکباد کے مستحق ہیں۔

فلموں پر خاص کے بعد اس شمارے میں پروفیسر وہاب قیصر پر گوشہ شامل ہے۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی کا 'غالب اور سائنس کے حوالے سے منظوم تبصرہ' ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا 'غالب کا سائنسی شعور اور وہاب قیصر کی سائنٹفک تنقید'، ڈاکٹر منصور عمر کا 'سائنس اور غالب ایک جائزہ'، ڈاکٹر امام اعظم کا 'ادب میں سائنس کا رمز شناس: وہاب قیصر'، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کا 'ڈاکٹر وہاب قیصر مطالعہ آزاد کا ایک معتبر نام' اور شکیل سلفی کا 'وہاب قیصر کی غالب شناسی ادب میں نئے افق کی تلاش' مضامین سے پروفیسر وہاب قیصر کی ادبی انفرادیت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ مذکورہ مضامین پروفیسر وہاب قیصر کی سائنس سے گہری دلچسپی اور ادب میں سائنس کی جلوہ گری جیسے خدمات کو عیاں کرتے ہوئے ان کی قدر افزائی سے مملو ہیں۔

'تمثیل نو' کا زیر مطالعہ شمارہ 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' اور 'گوشۂ وہاب قیصر' کی جلوہ گری کے ساتھ اپنے قارئین کو حسب روایت مضامین، افسانے، طنز و مزاح، شعری تخلیقات وغیرہ سے بھی مستفیض کر رہا ہے یہ اس رسالے کی خوبی ہے۔ گلشن کھنہ نے اپنے مضمون میں وریاساگر آنند کو دوہا سنسار کا مہا کوی مانا ہے۔ پروفیسر افتخار اجمل شاہین نے شاہین صاحب کی کتاب ''پشتارہ'' کو اپنے مضمون کا عنوان بنایا ہے اور ان کی شاعری کے اختصاص پر رائے دی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ڈاکٹر سید ضیاء الرحمٰن کی تحقیقی کتاب 'ساحر لدھیانوی حیات اور شاعری' کا اجمالی جائزہ لیا ہے۔ اس تحقیقی مقالے کی ترتیب و تزئین کار ڈاکٹر نکہت افشاں خاتون ہیں۔ ڈاکٹر پرویز عالم نے 'ترقی پسند افسانے کے دو اہم ستون' کے عنوان سے منٹو اور عصمت کی افسانہ نگاری پر مضمون سپرد قلم کیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ڈاکٹر حمید اللہ بھٹ کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے انہیں فروغ اردو کی علامت قرار دیا ہے۔ محترمہ شمع اختر کاظمی صاحبہ نے

اردو ادب میں تمثیلی مشاعرے کو تصویر کیا ہے۔ اس روداد سے اردو کی بگڑتی صورتحال کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ ''آج گالب گجل سرانہ ہوا'' واقعی ہماری تساہلی پر آنسو بہانے کے لئے کافی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے کلکتہ کے سفر کو یادگار بنادیا ہے۔ اس سفرنامے کا انداز بیان دلکش ہے امام اعظم رواں اور شگفتہ نثر لکھنے پر قادر ہیں۔ اس شمارے کے افسانے 'ایک کمزور عورت' (اقبال انصاری)، 'درماں' (یٰسین احمد)، 'تلاش' (فیض الحسن فیض) اچھے ہیں۔ ان افسانوں کا مطالعہ اطمینان بخش ہے۔ مشمولہ دونوں مزاحیے 'اردو کا اغوا' اور 'بریگیڈیئر غین' کہیں زیرلب مسکرانے تو کہیں کھلکھلا کر ہنسنے پر اکساتے ہیں۔

اس شمارے کے مخصوص شاعر کے طور پر خورشید اکبر کو پیش کیا گیا ہے۔ خورشید اکبر محتاج تعارف نہیں۔ منفرد لب ولہجہ کے تازہ کار شاعر کے طور پر ان کی ادبی حیثیت مسلّم ہے۔ لفظیات کو نئے معانی کے ساتھ شعری قالب میں ڈھالنا ان کا کمال فن ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اختصار میں جامعیت کے ساتھ ان کی شخصیت اور شاعری پر گفتگو کی ہے اور ان کی دو غزلیں شریک اشاعت رکھی ہیں۔ ان کی غزل کا یہ شعر دیکھئے اور رنگ غزل کا اندازہ کیجئے:

نیا کچھ بھی نہیں چلتا کہو ظل الٰہی سے
ادھر میں سر اٹھاتا ہوں اُدھر تلوار چلتی ہے

اس شمارے کے شعری حصے میں علقمہ شبلی، خالد رحیم، ساحر شیوی، ڈاکٹر ودیا ساگر آنند، ڈاکٹر پریمی رومانی، ظفر اقبال، قوس صدیقی، صلاح الدین نیر، رؤف خیر، حباب ہاشمی وغیرہ کی تخلیقات مثل قوس قزح جگمگا رہے ہیں۔ کثیر تعداد میں کتابوں پر تبصرے 'تمثیل نو' کی خوبی ہے جس میں اعتدال اور معیار کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔ مبصرین حسن امام درد، مناظر عاشق ہرگانوی، ایم صلاح الدین، امام اعظم، نسیم احمد نسیم، مجیر احمد آزاد، جابر زماں اور امتیاز سرمد نے کتابوں کے محتویات سے گفتگو کی ہے۔ راہ ورسم کے تحت مشاہیر ادب کے خطوط کا الگ مزہ ہے۔ پروفیسر مختار الدین احمد، ڈاکٹر ایم ہاشم قدوائی، قمر اعظم ہاشمی، سید احمد شمیم، شمیم فاروقی، ڈاکٹر لطیف سبحانی، احسان ثاقب، ہما مظفر، فرحت حسین خوشدل اور جناب تشنہ اعجاز کے مراسلے گزشتہ شمارے پر تبصرہ اور نئے نکات سے آراستہ ہیں۔

'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ (جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء) اپنی متنوع مشمولات اور عمدہ پیش کاری کی وجہ سے تادیر حلقہ احباب میں زیر گفتگو رہے گا۔ ہندوستانی فلمیں اور اردو کی شاندار پیشکش سے یہ شمارہ ریفرنس کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہاب قیصر پر گوشہ کی شمولیت سے ایک سائنسی ادیب کو مقام و اعتبار دینے میں مدد

ملتی ہے۔اسی طرح یہ رسالہ معیار و مزاج سے اپنی روایت کو آگے بڑھانے میں کامیاب و کامران ہے جس کے ہر شمارے سے نیا پن اور نئی فکری ابعاد کا اندازہ ہوتا ہے۔مشہور زمانہ پرانی فلم 'مغل اعظم' اور آج کی کامیاب ایوارڈ یافتہ فلم 'تھری ایڈیٹس' کے مناظر سے سرورق مزین اور ساتھ ہی ساتھ ہندوستانی فلموں کے تعلق سے قطعہ بھی متاثر کن ہے۔یقین ہے حلقۂ علم و ادب میں اس شمارے کو پسند کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اس کی خوب پذیرائی ہوگی۔ (مطبوعہ روزنامہ ''پندار''، پٹنہ ۲۹-۳۰ ستمبر ۲۰۱۰ء)

(۵)

دربھنگہ میں ادبی صحافت

(''تمثیل نو'' کے حوالے سے)

زبان و ادب کے ارتقاء میں ادبی جریدے کی اہمیت و افادیت ناگزیر حقیقت ہے۔اس کے ذریعہ نہ صرف ادب کی توسیع و اشاعت کا معرکۃ الآرا شغل انجام پذیر ہوتا ہے بلکہ عصری ادب کا سرمایہ قاری کے اذہان تک بہ آسانی منتقل ہو کر زمانہ مستقبل میں محفوظ ہونے کی ضمانت بن جاتا ہے۔یہ آرگن کی شکل میں ادیب و فنکار کو قاری کے روبرو کرتا ہے اور اس کی آبیاری کے مواقع مرحمت فرماتا ہے۔ساتھ ہی ساتھ ادب نوازوں کی مختصر سے مختصر اشارات کی اساس پر تخلیق کار کی سمتیں متعین کرتا ہے۔اس طرح رسائل و جرائد تخلیقی اور تنقیدی صلاحیت سے آراستہ ذہنوں کے افکار و خیالات کی آماج گاہ ہوتے ہیں۔مبتدیان کی ادبی پرورش کا مقدس کام رسائل و جرائد کے ذریعہ ہی ہوتا رہا ہے۔تاریخ کا مطالعہ ہمیں اس بات کا ثبوت فراہم کرتا ہے کہ ادبی صحافت کے ذریعہ شہرہ آفاق منازل پر کمندیں ڈالی جاسکتی ہیں۔''جام جہاں نما'' سے آج تک نکلنے والے تمام جرائد اپنی پوشیدہ اور واضح مقاصد کے حصول کی خاطر وجود میں آئے ہیں۔ ان میں سے بعض کو دوام حاصل ہے اور بہت سے گمنامی کا حصہ بن گئے ہیں۔جن رسائل کو بقا حاصل ہے اس کے طریقہ کار میں نئے تخلیق کار کی تلاش و جستجو اور ان کے افکار و خیالات کو مناسب نمائندگی کا جذبہ موجود ہے۔مذکورہ حوالے سے رسائل و جرائد کی گفتگو میں ''تمثیل نو'' کو معیار و مقام حاصل ہے۔

رسائل و جرائد کے ذریعہ دربھنگہ میں ادبی صحافت کی تاریخ قدیم ہے۔یہاں سے کئی رسالے شائع ہوئے اور ان میں سے چند کو ملک گیر پیمانے پر مقبولیت بھی ملی۔لیکن ان رسائل کو بہت دور تک جانے کا موقع نہیں ملا۔اکیسویں صدی آتے آتے دربھنگہ اردو شعر و ادب کا گہوارہ بن چکا ہے۔فی الوقت یہاں

سے ''تمثیل نو'' (مدیر: ڈاکٹر امام اعظم)، ''جہان اردو'' (مدیر: ڈاکٹر مشتاق احمد)، ''الہدیٰ'' (مدیر: شکیل سلفی) اور'' دربھنگہ ٹائمز'' (مدیر: منصور خوشتر) رسالے شائع ہورہے ہیں۔ یہ رسالے اپنے مقاصد کے حصول میں سرگرداں ہیں۔ یہاں ''تمثیل نو'' کی کارکردگی اور اس کے اقرار واعتراف کا جائزہ اس تحریر کا مدعا ہے۔ جس سے دربھنگہ میں موجود ادبی صحافت کا ایک گوشہ روشن ہوسکے گا۔

''تمثیل نو'' کے اولین شمارہ کا اداریہ اس کے عزائم کا پتہ دیتا ہے۔ اداریے کا یہ جملہ دیکھئے کہ ''ادبی سطح پر ایک ادیب یا شاعر کی یہی ذمہ داری ہے کہ وہ اچھا لکھے، لیکن کیا اس حقیقت سے انکار کی گنجائش ہے کہ فن پارہ کو منظر عام پر لانے کے لئے ادبی جریدہ کا زندہ ہونا لازمی ہے۔'' اس اولین شمارے میں مظہر امام، پروفیسر شاکر خلیق، مانی فاروقی، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، اقبال انصاری، نظیر صدیقی، رؤف خیر کی تحریروں سے اس کے نقش کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ اب تک اس کے ۲۸ رشمارے منظر عام پر آچکے ہیں۔ جدید تر شعری وادبی رجحانات کا ترجمان ''تمثیل نو'' نے تمام شماروں میں نت نیا کر دکھانے کا جو جذبہ پیش کیا ہے وہ قدر ومرتبہ کا حقدار ہے۔ اس ادبی رسالہ کے اختصاصی پہلوؤں کا ذکر یہاں نامناسب نہیں ہونا چاہئے۔

''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے عنوان سے اس کے اداریے اختصار اور جامعیت کی مثال ہیں۔ ان میں متفرق موضوعات کی پیش کش نے خوب متاثر کیا ہے۔ ان کے اداریوں نے چونکایا بھی ہے اور سوچنے کو مجبور بھی کیا ہے۔ تلفظ کے بگاڑ کا مسئلہ ہو یا اردو اخبارات، وجرائد خرید کر نہیں پڑھنے کا معاملہ، اردو کی زبوں حالی کا مسئلہ ہو یا اس زبان کی دوسری زبانوں کے ادبا، کے درمیان پسندیدگی، سفر کی روداد ہو یا پھر ثقافتی موضوعات، ان کے اداریے جدت سے بھرے ہوتے ہیں۔ ادبی وثقافتی پروگرام کی خبریں منفرد انداز میں اس رسالے میں ترتیب پاتی ہیں۔ ''وفیات'' کے تحت اردو آبادی سے رخصت ہوئے اہل قلم کا ذکر اس سلیقے سے کیا جاتا ہے کہ مرحومین کے تعلق سے اہم اطلاع بہم ہوجاتی ہے اور سوگواری کا احساس دعا کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔ اداریہ کی نمایاں خوبی مدیر کا صاف ستھرا ادبی ذوق اور استفسار ہے۔

اس رسالہ کی مستحکم شناخت اس کے خاص نمبر اور گوشے ہیں۔ ''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت اکیسوی صدی کے تناظر میں''، ''ہندوستانی فلمیں اور اردو''، ''اردو کا ہم عصر ادب، ۱۹۸۰ء کے بعد''، ''سہرا: خصوصی مطالعہ''، ''اکیسویں صدی میں اردو: نشیب وفراز''، ''اردو ادب اور رجحان ساز (شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ اور مظہر امام)''، ''تاریخ ادبیات عالم: عہد ساز پیشکش''، ''ترقی پسندی کیا زوال پذیر ہوچکی ہے؟''، ''پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان کا کردار''، ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' اور

''شہر کولکاتا کا خصوصی مطالعہ'' اس جریدہ کے وہ اختصاص ہیں جس پر ادبی دنیا میں ان کو پذیرائی ملی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف شماروں کے گوشے میں وہاب قیصر، خورشید اکبر، سید منظر امام، سید تقی عابدی، پروفیسر منصور عمر، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، پروفیسر وسیم بریلوی، یٰسین احمد وغیرہ کے حوالے سے شخصیات کی کارکردگی اور نمایاں خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ یہ کاوشیں بھی قابل قدر ہیں۔

''تمثیل نو'' میں کئی مضامین/تحریریں قسط وار شائع ہوئی ہیں۔ طویل مضامین کی اشاعت سے یہ عقدہ کھلا ہے کہ یہ رسالہ اپنے قارئین کے ذوق کی تسکین میں تسلسل بنائے رکھنے میں کامیاب ہے۔ ''ایک لہر نئی نئی'' (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا طویل مضمون)، ''یہ سرگذشت ہی ہے'' (سید منظر امام کی خودنوشت)، وغیرہ ایسی تحریریں ہیں جن کی بنت میں تمثیل نو کی محنت اور قاری سے جڑے رہنے کا جذبہ کارفرما نظر آتا ہے۔ اس جریدے میں تاریخی اور ثقافتی مضامین بھی اچھی تعداد میں شائع ہوئے ہیں۔ ان مضامین کے ذریعہ ماضی کو جاننے میں فرحت کا احساس ہوتا ہے۔ مقامی تاریخ وادب کے حوالے سے بھی یہاں مضامین ملتے ہیں جن سے مدیر کی اپنے وطن سے وابستگی کا شوق وذوق عیاں ہے۔

اس رسالے نے بحث ومباحثہ کے دریچے کھولے ہیں۔ فکر اقبال پر تنقیدی نظر (حاجی مشرف عالم) کا مضمون شائع ہوا تو ایک زبردست بحث چھڑی۔ قارئین وادباء نے اس میں جم کر حصہ لیا۔ افسانہ ''بیل'' (نگار عظیم) شائع ہوا تو یہ بھی اپنے پیچھے بحث کا کارواں لے آیا۔ اس رسالہ میں افسانوی انتخاب عمدہ ہوا کرتا ہے۔ نئے پرانے افسانہ نویس اس بزم میں شامل ہوتے ہیں۔ اقبال انصاری، عفت موہانی، جوگندر پال، مشتاق احمد نوری، نفیس بانو شمع، مقصود الٰہی شیخ، ابواللیث جاوید، نگار عظیم، اقبال حسن آزاد، مظفر شعیب ہاشمی، کلیم ضیاء، مجیر احمد آزاد، نقش بند قمر نقوی، سید ظفر ہاشمی، نعیمہ ضیاء الدین، وصیہ عرفانہ وغیرہ مشاہیر افسانہ نگار ''تمثیل نو'' کی کہانی دنیا میں شامل رہے ہیں۔ یہاں یہ بات مجھے بہت اچھی لگی کہ مذکورہ اسمائے گرامی کے افسانے پر قارئین کے خیال پارے اس رسالے کی زینت بنے ہیں۔ یہ بھی اس رسالے کی اہمیت وافادیت اور مقبولیت کو ظاہر کرتا ہے۔

''تمثیل نو'' کا شعری حصہ کافی گٹھا ہوا اور خوبصورت ہوتا ہے۔ اس کی وجہ مدیر موصوف کا شعری ادب سے حد درجہ وابستگی ہے۔ امام اعظم اچھے شاعر بھی ہیں۔ ان کے شعری مجموعے ''قربتوں کی دھوپ'' اور ''نیلم کی آواز'' میں زندگی کی سچائیاں اس طرح جلوہ گر ہیں کہ اس سے قربتوں میں بھی تمازت پیدا ہوگئی ہے۔ صوت واحساس کی سرزمین، سرسبز وشاداب ہے ان کی شاعری میں۔ ان کے یہاں جدید تر

شاعری کی خصلتیں نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہیں۔ شاعری سے شغف کی وجہ سے اس رسالے کا شعری حصہ وقیع اور متاثر کرنے والا ہوتا ہے۔ ہر شمارے میں مخصوص شاعر کو جگہ دینے کا سلسلہ بھی عمدہ ہے۔ اس میں شاعر کا مختصر تعارف، شعری محاسن کے بیان کے ساتھ ساتھ شعری انتخاب شامل ہوا کرتا ہے۔ یہاں بھی ان کی نگاہ نئے چہرے کی تلاش پر ٹکی رہتی ہے۔ غزلیں یہاں وافر تعداد میں شائع ہوتی ہیں۔ غزلوں کی وسیع دنیا میں سبک، متاثر کن، عصری، کلاسیکی سبھی طرح کے رنگ موجود رہتے ہیں۔ نظمیں بھی اس جریدے میں شامل ہوتی ہیں مگر اس کی تعداد تھوڑی کم ہوتی ہے۔ شعری حصہ کے مطالعہ سے یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے کہ اردو کے معروف شعرا کے کلام یہاں شائع ہوئے ہیں اور یہ سلسلہ ہنوز قائم ہے۔

''نظر اپنی اپنی'' کے تحت کتابوں پر تبصرے کو جگہ دی جاتی ہے۔ تبصرے کی تعداد اچھی خاصی ہوتی ہے۔ ان میں زیادہ تر نئی کتابیں ہوتی ہیں جن کے محتویات سے مبصرین قارئین کو آگاہ کرتے ہیں۔ تمثیل نو کے مبصرین علم و ادب کے شناسا اسمائے گرامی ہیں۔ ''راہ و رسم'' کے تحت قارئین کے خطوط میں ان کے جذبات آئینہ ہوا کرتے ہیں۔ یہ وہی حصہ ہے جو قاری کے لئے پوری طرح وقف ہوا کرتا ہے۔ یہیں مباحث ہوتے ہیں اور نظر و نظریہ پر کھل کر رائے بنتی ہے۔ یہ حصہ بے حد سودمند ہوتا ہے کہ قاری کی پسند و ناپسند کا اظہار یہ سامنے آتا ہے۔ تمثیل نو میں طویل ترین مراسلے بھی شائع ہوئے ہیں اور اس کے ذریعہ عالمی اردو آبادی کے قارئین اپنی بے باک رائے بھی رکھتے ہیں۔

اس جریدے نے جس انداز اور جوش و ولولے کے ساتھ اپنا سفر جاری رکھا ہوا ہے وہ اس کی ضمانت ہے کہ اس رسالے میں تابندگی ہے اور زندہ رہنے کی تمام تر خوبیاں موجود ہیں۔ اس نے گوناں گوں خوبیوں کی بنا پر ادبی دنیا میں اپنا وجود منوالیا ہے۔ نت نئے تجربے اور خوب سے خوب تر کی تلاش میں سرگرم عمل، دربھنگہ کی سرزمین سے نکلنے والا یہ رسالہ عالمی اردو آبادی تک رسائی حاصل کر کے اپنی بھرپور موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔ جب بھی رسائل و جرائد کے حوالے سے ادبی صحافت کی تاریخ رقم کی جائے گی ''تمثیل نو'' کی خدمات کو نظر انداز ہرگز نہیں کیا جاسکے گا۔

(مطبوعہ کتاب ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' اشاعت: ۲۰۱۶، ص: ۲۳۰ تا ۲۳۴)

□□□

حامد کالونی محلہ: فیض اللہ خاں، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۴ (بہار)

موبائل: 9430898766

• ڈاکٹر فیاض احمد وجیہ

''تمثیل نو'' کا وسیع آسمان

(جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء)

برصغیر کے بعض رسائل کے درمیان 'تمثیلِ نو' کا مطالعہ کئی معنوں میں باعث مسرت وانبساط ہے۔ دراصل کسی رسالے کے تعلق سے کوئی مجموعی رائے بنانا اس طور سہل نہیں ہے کہ اس کے مشمولات میں فکر ونظر کا فقدان واضح طور پر نظر آتا ہے۔ ہندو پاک کے چند رسالے جو واقعتاً ادب کے گہرے مسائل پر سنجیدگی سے غور وفکر کا سامان مہیا کرتے ہیں اور اپنی موجودگی کا احساس دلاتے ہیں ان میں نیا سفر، کاغذی پیرہن، بادبان، اردو چینل اور تمثیل نو کا نام ذہن میں فوراً روشن ہوتا ہے۔ متذکرہ تمام رسالوں کا اپنا مزاج ہے اس طور پر کہنا ہوگا کہ ان جملہ رسائل کو مزاج عطا کرنے میں مدیر کی سنجیدہ ذہنیت کا اہم رول ہے۔ فی الوقت میرے پیش نظر ''تمثیل نو'' کا تازہ شمارہ (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء) ہے۔ اس کے مشمولات پر کچھ بھی عرض کرنے سے قبل بتاتا چلوں کہ حال کے چند شماروں نے عصری ادب کی تفہیم کا نیا ڈھنگ دریافت کیا ہے۔ خواہ دیدہ ور ناقدین شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ اور آزاد غزل کے بانی مظہر امام کو مختص شمارہ کی اساس میں جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل کے تعلق سے نئے ذہنوں کا فکری مکالمہ ہو یا پھر بلند مرتبہ نقاد وہاب اشرفی کے حوالے سے تاریخ ادبیات عالم کا مطالعہ ہو۔ ان دو شمارہ کے بعد شہرہ آفاق ادیب پروفیسر قمر رئیس کے باب میں ترقی پسندی کی نئی قرأت کو نیا مزاج عطا کرنے میں ''تمثیل نو'' اشاریہ کے طور پر ہمارے سامنے آیا ہے۔ بالخصوص قمر رئیس سے امام اعظم کا بے حد فکری مکالمہ بحث کے نئے در یچے وا کرتا ہے۔ صارفیت کے زمانے میں ڈاکٹر امام اعظم ادب کے اتنے گہرے مسائل کو لے کر فکر مند ہیں تو کہنے دیجئے کہ گھاٹے کا سودا ان کو خوب راس آرہا ہے۔ بلاشبہ امام اعظم اختراعی ذہن کے مالک ہیں، ورنہ اس طرح کے تجربات سے گذرنے کے بعد حسب توقع کسی عام شمارہ کو منظر عام پر آنا چاہئے تھا۔ مگر پیش نظر شمارہ بھی کسی دستاویز سے کم نہیں ہے۔ سرورق صوری اعتبار سے نہایت دیدہ زیب ہے کئی رنگوں کے آمیزہ میں متھلا پینٹنگ کا نقش نمایاں ہے۔ بیحد خوبصورت عنوان ''متھلا اردو زبان اور تہذیب وثقافت کا قدیم مرکز'' کی معنویت کے پیش نظر چند اشعار درج ہیں۔ کہنے والی بات نہیں کہ اس میں متھلا کی بیحد پھیلی ہوئی تاریخ کا اشاریہ ہے۔ متھلا کی عظیم روایات کو مختص یہ شمارہ امام اعظم کی جہد کا ہی نتیجہ ہے۔

چنانچہ اس کے فکری تعمق اور گہری معنویت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے......!'' کے عنوان سے ان کا اداریہ بہت عمدہ ہے انہوں نے سابقہ شماروں کی طرح اس بار بھی عنوان کے برعکس بہت کچھ کہہ دیا ہے۔ متھلا کی تہذیب وثقافت کے ان جملہ پہلوؤں سے ان کا سروکار ہے جس کو مختلف قلمکاروں نے تفصیل سے روشن کیا ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر کے قطعات 'عصر آئندگاں' میں متعلقہ باب کی اجمالی تاریخ ثابت ہوں گے۔ منصور عمر خوش اسلوب شاعر ہیں ان کے یہاں تخلیقیت کا عالم یہ ہے کہ وہ قطعات کہتے وقت بھی اپنے فطری شاعر کو بیدار کر لیتے ہیں۔ ان کے یہاں دیگر لوگوں کی طرح محض تک بندی کا معاملہ نہیں ہوتا۔ یعقوب تصور کا ''حمد باری تعالیٰ'' اور امان خاں دل کا ''نعت پاک'' ایمان کی تازگی کا باعث ہے۔

پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط ہر بار کی طرح اس شمارہ کی بھی جان ہیں، اس بار مرحوم نے جن ادبی حقائق کی طرف نگاہ کی ہے اس کی صورتحال بدترین ہے۔

سید منظر امام صاحب ان دنوں جس خوش سلیقگی سے ''خودنوشت'' کے ابواب رقم کر رہے ہیں وہ انہی کا خاصہ ہے۔ ان کی نثر میں حد درجہ تخلیقیت ہے۔ میں ذاتی طور پر ان کی نثر کا قائل ہوں۔ دراصل منظر امام خودنمائی کے کسی پہلو کو بروئے کار نہیں لاتے ہیں۔ پیش نظر پانچواں باب اس لحاظ سے قابل دید ہے کہ اس میں انہوں نے اپنی نثر کو افسانویت اور شعریت دونوں سے ہمکنار کر دیا ہے، حالانکہ اس میں اینٹی اسٹوری کا ہر ہر پہلو نمایاں ہے۔ منظر امام صاحب اگر ادبی معاملات کے علاوہ بھی دربھنگہ کی زندگی کو پیش کرتے ہیں تو یقین جانئے کہ اس کی اہمیت تاریخی ہوگی اور بلاشبہ یہ ایک بڑے فن پارہ کا حصہ ہوگا۔

میں نے ابھی تک جن باتوں کو پیش کیا ہے ان کی اساس وہ مشمولات ہیں جن کا انسلاک اس کے سابقہ شماروں سے بھی ہے۔ پیش نظر شمارہ کو متھلا کے باب میں اس لئے بھی اولیت حاصل ہے کہ یہ اس مردم خیز خطہ کو ہمہ جہتی کے ساتھ پیش کرنے کی پہلی جہد ہے۔ حفیظ اللہ نیو لپوری نے دربھنگہ کی یادوں کو بڑی عمدگی کے ساتھ سمیٹا ہے لیکن بعض شخصیتوں کے حوالے سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ ان کا ایک اور مضمون ''......اور مدح باقی ہے'' شامل اشاعت ہے۔ اس میں جہاں ڈاکٹر جلیل اشرف اور خورشید جہاں کی نیک نفسی کا بیان ہے وہیں خورشید جہاں کی رحلت یعنی اپنی پیاری اور مشفق بہن کا مرثیہ بس اتنا ہی کہ ''سفر تمام ہوا اور مدح باقی ہے۔''

تشنہ اعجاز کا مضمون ''کچھ ایسا بھی ہوا'' ان کے تجربات کا زائیدہ ہے اس کے ایک پہلو میں محمد ظفر المنان ظفر فاروقی کے تعلق سے در آیا واقعہ بے حد فکر انگیز ہے۔ واضح ہو کہ فاروقی صاحب امام اعظم

کے والد گرامی ہیں جنہوں نے پولس محکمہ میں بھی رہ کر نیک نامی پیدا کی۔

حسن امام درد کا مضمون ''متھلا اور ادب (۱۹۴۶ء تک)'' جن تاریخی حقائق کے پیش نظر لکھا گیا ہے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں بھاشا کے نام پر کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں تھی۔ اس کے ایک اہم حصہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے محمد الیاس رحمانی نے اپنے مضمون میں بعض باتیں لکھی تھیں۔ متھلا کا نام آئے اور ودیاپتی کا تذکرہ نہ ہو یہ بعید از امکان ہے۔ چوں کہ ودیاپتی صرف اس سرزمین کی آبرو نہیں ہیں بلکہ ان کا مقام ورلڈ لٹریچر میں بھی مسلّم ہے۔ اس شمارے میں منظر شہاب نے ودیاپتی کے حوالے سے ایک اہم مضمون لکھا ہے انہوں نے ان کا صرف تعارف پیش نہیں کیا بلکہ ان کی بعض شعری ہنرمندی کے پیش نظر اپنی تنقیدی فکر کو بھی اجالا کیا ہے۔

''ایک لہر نئی نئی'' (۱۹) مناظر عاشق ہرگانوی کا ریگولر کالم ہے جس کے تحت وہ تھیوری، تحریک اور صورتحال کے علاوہ بعض کتابوں پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ اس بار انہوں نے ساختیات، پس ساختیات، ردتشکیل، تخلیقیت شناسی اور امتزاجی تنقید کے باب میں متھلا میں اردو تنقید کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی یہ گفتگو بہت فکر انگیز ہے۔ پروفیسر رئیس انور ہمیشہ کسی نہ کسی علمی پہلو پر خامہ فرسائی کرتے ہیں۔ معاصر اور بعض اکابر شعراء ادباء کے علاوہ بالکل نئی نسل کے لوگ جس میں راقم الحروف بھی شامل ہے ان کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ انہوں نے جس طرح سے دربھنگہ کا مطالعہ کیا ہے اور اس کی عظمت کا اعتراف کیا ہے وہ ان ہی کا حصہ ہے دراصل ہمارے بعض لکھاری اس طرح کی تحریر لکھتے ہوئے مصلحت پسندی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں یہ مضمون اس شمارے کی جان ہے۔ انہوں للت نارائن متھلا یونیورسٹی کے شعبہ اردو کو ایک نئے انداز سے پیش کرتے ہوئے ان تمام مقالات کی فہرست درج کی ہے جن پر ڈاکٹریٹ اور ڈی لٹ کی ڈگری ایوارڈ ہو چکی ہے۔ اس فہرست سے نئے ریسرچ اسکالروں کی عملی رہنمائی ہوگی۔

متھلا میں اردو شاعری، منصور عمر کا فکر انگیز مکالمہ ہے، خاص طور سے تمہید کی تاریخی اہمیت اور دلکش نثر کا اپنا مزہ ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم تحقیق و جستجو کی طرف پورے طور سے مائل ہیں ان کا مضمون ''متھلا میں اردو صحافت'' ان کے اسی میلان کا ثبوت ہے۔ اس مضمون سے بعض ایسے حقائق پر روشنی پڑتی ہے جن سے نئی نسل بالکل نابلد ہے۔

ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے جس دلجمعی سے ''متھلا میں اردو افسانہ: سمت و رفتار'' کے عنوان سے مضمون لکھا ہے وہ صرف ناموں کی یکجائی سے عبارت نہیں ہے بلکہ ان کے خیالات میں فکری عمق بھی ہے۔ میں

سمجھتا ہوں اس میں بعض نام چھوٹ گئے ہیں۔ حالاں کہ انہوں نے خود بھی اس کا اعتراف کیا ہے مگر مجھے کہنے میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ کوئی بھی معتبر نام متروکات میں شامل نہیں ہیں۔ پیش نظر مضمون کے علاوہ ان کے دو مضامین ''متھلا کی تاریخی اور تہذیبی روایت کا امین: مدھوبنی'' اور ''چندن پٹی: ایک تعارف'' قابل دید ہیں۔ تحقیقی نوعیت کے اس مطالعے میں انہوں نے ثقافت، کلچر اور روایات کے امتزاج کے علاوہ یہاں کی مستند تاریخ کو ملحوظ رکھا ہے۔ چندن پٹی متھلا کا مردم خیز خطہ ہے۔ پروین شاکر جیسی شاعرہ کا تعلق بھی اس سرزمین سے رہا ہے۔ ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے پروین شاکر کے ایک خط کا اقتباس نقل کیا ہے:

''میرے والدین کا تعلق صوبہ بہار کے شہر پٹنہ اور ضلع لہریا سرائے سے ہے۔ ہمارے گاؤں کا نام چندن پٹی ہے لیکن چونکہ میں پیدا یہیں (یعنی پاکستان میں) ہوئی۔ میری Schooling یہیں کی ہے۔ لہٰذا اس سرزمین کو بس اپنے ماں باپ کے حوالے سے جانتی ہوں۔

(بحوالہ ''پروین شاکر کے خطوط نظیر صدیقی کے نام'' ص: ۱۵)

ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے چندن پٹی کی تاریخی حیثیت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس خیال کا بھی اظہار کیا ہے کہ اجتبیٰ رضوی جیسے معروف فلسفی شاعر یہیں مدفون ہیں۔

ڈاکٹر منظر سلیمان نے ''اردو اور میتھلی کا باہمی رشتہ'' میں اس کے باہمی رشتہ کو واضح کرنے کی بھرپور جہد کی ہے۔ بعض مثالوں کی روشنی میں دونوں زبانوں کے لین دین اور ادب پر اس کے خاطر خواہ اثرات کو اجالا کرتے ہوئے انہوں نے نتیجہ نکالا ہے کہ ''زبان میتھلی'' کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے دیگر زبانوں سے الفاظ لے کر اپنی ادبی سرزمین کو زرخیز اور ادبی سرمایہ کو مالا مال بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔ امید ہی نہیں بلکہ یقین ہے کہ آئندہ مزید اردو کے الفاظ میتھلی میں شمولیت حاصل کر کے دونوں زبانوں کے باہمی رشتہ کو اور بھی استوار کریں گے۔ دربھنگہ کے مشہور مسلم وکلاء اور اطباء کے پیش نظر ڈاکٹر آفتاب اشرف نے ان تمام شخصیات کا تعارف پیش کیا ہے جنہوں نے متعلقہ میدان میں کارہائے نمایاں انجام دئے اور قوم وملت کی بھلائی کو اپنا ایمان جانا ہے۔ ڈاکٹر انیس صدری گذشتہ دو شمارے سے قسط وار سمستی پور کے ماضی کو روشن کر رہے ہیں۔ اس شمارے میں تیسری قسط شامل ہے۔ سید محمود احمد کریمی نے پیغمبر پور اسٹیٹ کی ادبی اور ثقافتی خدمات کا اعتراف کیا ہے۔ اپنی بے حد دلکش نثر میں کریمی صاحب نے ان نکات کو بھی ملحوظ رکھا ہے جو آنے والے عصر میں تحقیقی مذاق رکھنے والے لوگوں کے لئے معاون ثابت ہوں گے۔

انیس صدری کا ایک اور مضمون ''نواب بریول: ایک استعارہ'' متھلا کی بکھری ہوئی تاریخ کو جمع کرنے

کی جہد جمیل ہے۔ علی نگر کے تعلق سے غلام فرید کی ایک کتاب ''نقوش علی نگر'' حال ہی میں شائع ہوئی ہے۔ یہاں انہوں نے بڑے اختصار سے علی نگر کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کے ضمن میں اظہار خیال کیا ہے۔

''ململ اور یکہتہ کی ادبی تہذیب اور سیاسی خدمات'' کے باب میں نیاز احمد نے بعض پہلوؤں پر گفتگو کی ہے اور چند پہلوؤں کے لئے اشاریہ فراہم کر دیا ہے ان کی یہ ہنرمندی لائق تحسین ہے۔ ڈاکٹر ایم صلاح الدین نے ''ہرسنگھ پور'' کا بھرپور تعارف چند صفحات میں پیش کیا ہے۔ صفی اختر نے ''علم و عمل کا گہوارہ مہدولی'' کے عنوان سے بعض اولیا اللہ کے واقعات اور ان ہستیوں کے علم و عمل پر تبصرہ کیا ہے جن کا علم و عمل ہمارے لئے قابل تقلید ہے۔ اخلاقی قدروں کی ایک لہر جو اس میں موجزن ہے وہ صرف مہدولی کی تہذیب کا مطالعہ نہیں ہے بلکہ اس میں موجودہ نسل کی تربیت کا سامان بھی ہے۔ ایم صلاح الدین نے 'گنگوارہ' کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کو ایک اہم مرکز قرار دیا ہے۔ ان کا خیال ہے:

''جناب امیر السلامؒ کے نواسے اور جناب ایم زیڈ ایم زیڈ فاروقی کے خلف رشید ڈاکٹر امام اعظم کی شخصیت علمی دنیا کے لئے محتاج تعارف نہیں۔ انہوں نے نہ صرف اپنے نانا کی میراث سنبھال رکھی ہے بلکہ اکیسویں صدی میں گنگوارہ کی نئی تاریخ رچ دی ہے۔''

دربھنگہ کے حوالے سے ایک اہم مضمون حسن امام درد نے لکھا ہے۔ انہوں نے یہاں کے محرم کے پیش نظر ان تاریخی حقائق پر نگاہ کی ہے جو دو قوموں کی محبت اور اتحاد کا درشن ہے۔ انہوں نے اس کو بین المذاہب تہوار قرار دیتے ہوئے موجودہ تبدیلیوں کو بھی محسوس کیا ہے۔

نادر تحریر کے باب میں ادارتی نوٹس کے ساتھ مولانا مقبول احمد خاں کے خطبہ صدارت سے چند سطور شامل اشاعت ہے۔ اس کا مطالعہ ہر طالب علم کے لئے ناگزیر ہے۔

متذکرہ تمام مضامین کی یکجائی کسی طور پر سہل نہیں ہے اس کے باوجود کہنا ہوگا کہ متھلا کا یہ شدید مطالعہ بھی نہیں ہے۔ اسی کے باعث مدیر ''تمثیل نو'' الگ سے ایک کتاب ترتیب دے رہے ہیں۔ اس کتاب میں جن ابواب کا مطالعہ یہاں نہیں کیا جا سکا ہے اس کی شمولیت کے لئے ایک گنجائش ہے۔ پروفیسر سلیمان اطہر جاوید نے ''تمثیل نو'' کے پچھلے شماروں کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی تحریر ان تمام مشمولات سے بحث کرتی ہیں جن کا ذکر میں نے مضمون کے شروع میں کیا ہے۔

ڈاکٹر مشتاق صدف مبارک باد کے اہل ہیں۔ انہوں نے گوپی چند نارنگ کے موقف کو سامنے رکھ کر اردو زبان اور لسانیات کا منفرد تجزیہ کیا ہے اس مطالعہ سے گیان چند جین کے تعلق سے متنازع فیہ مسئلہ

کا راست پہلو بھی سامنے آتا ہے اور گوپی چند نارنگ کا موقف بھی۔ گوپی چند نارنگ جیسے بلند مرتبہ نقاد کی کتاب ''اردو زبان اور لسانیات'' کے بعض اقتباس کو نقل کر کے صدف نے علمی سوجھ بوجھ کا ثبوت دیا ہے۔ نارنگ صاحب نے اردو کے سیکولر کردار کو بحال کرنے میں جو نمایاں رول انجام دیا ہے اس سے اردو کا کوئی ادنیٰ قاری بھی انکار نہیں کرسکتا۔ سلطانہ مہر نے والٹ ڈزنی اور گوہر تاج کا بے حد مختصر مگر دلکش تعارف پیش کیا ہے۔ باب افسانہ میں جاوید اختر چودھری کی کہانی ''زلزلے کے بعد'' مختلف جھلکیوں کی اساس میں ایک تاثر تو قائم کرتی ہے مگر اس کے واقعات جتنے اہم ہیں برتاؤ میں اتنی برجستگی نہیں ہے۔ قرأت کے دوران اگر کوئی چیز متاثر کرتی ہے تو وہ اس کا اختتامیہ ہے۔ اقبال انصاری کا افسانہ ''واپسی کا سفر'' پل پل بدلتی زندگی اور انسانی قدروں کی بازآفرینی ہے۔ اس کا بیانیہ بہت واضح ہے مگر یہ کہنے میں کوئی جھول نہیں ہے کہ فوری ردعمل کے طور پر لکھا گیا ہے۔ فاروق راہب نے آج کے صارفی نظام کی اساس میں واقعے کی ایک ہی شکل کو ترتیب دے کر اچھی کہانی لکھی ہے۔ دیپک کنول کا افسانہ ایک طاقتور انسان کی دکھتی رگ کا نوحہ ہے۔ سید مظفر شعیب ہاشمی اچھے افسانہ نگار ہیں۔ ہر بار کی طرح شمارہ کے مخصوص شاعر کے کالم میں امام اعظم نے چند سطور میں ڈاکٹر مسلم شہزاد کی شعوری ہنرمندی کو پیش کیا ہے۔

نظموں میں صاحبہ شہریار، رضوانہ پروین ارم، حنیف ترین اور صدف معصوم متاثر کرتے ہیں۔ غزلیات میں حامدی کاشمیری، رشیدہ عیاں، عاقبہ شبلی، امام اعظم، غلام مرتضیٰ راہی، ایم اے ضیا، سلطان اختر وغیرہ کے یہاں فکر کی فراوانی نظر آتی ہے۔ 'نظر اپنی اپنی' کے تحت تبصرہ نگاروں نے بے حد عمدہ تبصرہ لکھا ہے۔ راہ و رسم میں متعدد قاریوں کی آراء درج ہیں جس کے مطالعے سے ''تمثیل نو'' کی مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ پشت پر ایک تاریخی تصویر موجود ہے۔ بیک جملہ 'تمثیل نو' ہر اعتبار سے اپنی موجودگی کا احساس دلا رہا ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''اعتماد''، اوراق ادب، حیدرآباد ۲۲؍اکتوبر ۲۰۰۷ء)

□□□

ای میل: faiyazwajeeh@gmail.com

موبائل: 9953459126

''تمثیلِ نو'' اردو ادب کا مثالی جریدہ

(اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء)

اردو مر نہیں رہی ہے، اردو از سرِ نو زندہ ہو رہی ہے۔ زندہ زبان و ادب کی پہلی پہچان ہے کتابیں اور رسائل اور بولنے والوں کی بڑھتی تعداد۔ ان تین پہلوؤں کے تناظر میں غور کیا جائے تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے کے مقابلے میں ہم آج اردو کے سلسلہ میں زیادہ بیدار مغز ہو گئے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ بہت جلد ہم نے اپنی کھوئی ہوئی وراثت کی بازیافت کی کوشش شروع کر دی ہے۔ مارچ ۲۰۰۱ء سے شائع ہونے والا رسالہ ''تمثیلِ نو'' کا تقریباً ہر شمارہ اپنے قاری کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ خاص طور سے جو موضوعاتی گوشے سامنے آ رہے ہیں، ان کے مطالعے سے اردو ادب کی سمت و رفتار کے ساتھ رسالہ کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم کی متفرق موضوعات سے بھرپور دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حالیہ شمارے میں انہوں نے 'اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر' کے ساتھ دو خصوصی گوشے بھی پیش کیے ہیں۔ مشہور شاعر وسیم بریلوی اور معروف افسانہ نگار یٰسین احمد کے خصوصی مطالعے نے موضوعاتی اعتبار سے رسالے کی وقعت بڑھائی ہے۔

اداریہ بعنوان ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ڈاکٹر امام اعظم نے 'تمثیلِ نو' کے گذشتہ خصوصی شماروں کا بھی ذکر کیا ہے اور زیرِ بحث شمارے میں شامل مواد و موضوعات کی بھی ایک جھلک دکھائی ہے، ساتھ میں ''ادبی وثقافتی خبریں'' کے عنوان سے ۲۰۱۲ء میں ہونے والے سیمینار اور ورکشاپ وغیرہ کی تفصیلی رپورٹنگ کی ہے۔ بعد میں 'وفیات' کا کالم ہے، جس میں سالِ رفتہ میں جو دانشورانِ ادب وفن ہمیں داغ مفارقت دے گئے، ان سب کے سن حیات وموت کے ساتھ ان کے کارناموں کا بھی سرسری جائزہ ہے۔ اس طرح یہ حصہ کافی وقیع بن گیا ہے۔ ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' کے عنوان سے کل چھ مضامین ہیں۔ ان میں نئے عہد کی ناولاتی تخلیقیت کی بوطیقا (نظام صدیقی)، اردو ناول کا پس منظر و پیش منظر (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، اردو ناول۔ کل اور آج: ایک جائزہ (ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی)، ناولٹ ''آنچ'' کی فلسفیانہ اساس (ڈاکٹر ایم اے ضیاء)، نئے عہد کی بوطیقا ''پلیتہ'' (حقانی القاسمی)، ذوقی کے ناول ''لے سانس بھی آہستہ'' (ناظم جلیلی)، سنگم پر غضنفر کا مانجھی (ڈاکٹر امام اعظم) اپنے عنوان سے لے کر موضوع اور مواد

کی طرحداری تک قاری کی توجہ کو اپنی گرفت میں لئے رہتے ہیں اور جدید اردو ناول کے متعلق اچھی خاصی معلومات یکجا کرتے رہتے ہیں۔

خصوصی مطالعے میں مشہور و معروف شاعر ''وسیم بریلوی'' اور اردو افسانے کا ایک معتبر نام ''یٰسین احمد'' پر دئے گئے خاکے و مضامین جہاں ان دو دو نمائندہ ناموں کے روشن امکانات کی گواہی دے رہے ہیں، وہیں زیر بحث شمارے کے وزن اور وقار میں بھی اضافے کا سبب بنے ہیں۔ ان خصوصی گوشوں کے بعد مضامین کا عنوان ہے، جن میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح'' کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ سید صابر حسن نے پروفیسر قمر اعظم ہاشمی کی خودنوشت ''سرسری اس جہاں سے گزرے'' کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ اختر جاوید نے ''آواز میری گیسوئے شب کھول رہی ہے'' کے خوبصورت عنوان سے عالمی ادب میں سوانح نگاری اور خودنوشت کی تاریخ دہرائی ہے۔ ساتھ ہی معروف افسانہ نگار اور صحافی سید منظر امام کی ''یہ خودنوشت ہی ہے'' سے متعلق اچھی معلومات بہم کی ہیں۔ ان کے علاوہ سرور کریم، رضوانہ پروین ارم، اسلم چشتی، مجیر احمد آزاد، شبانہ خاتون شمن، محمد سمیع، بی بی شہناز بانو، اعجاز احمد، امام اعظم وغیرہ نے مختلف موضوعات پر اپنے مضامین پیش کئے ہیں۔

□□□

(مطبوعہ روزنامہ ''عکاس''، کولکاتا ۲۲/جون ۲۰۱۵ء اور ۲۹/مئی ۲۰۱۶ء)

ڈاکٹر اویناش امن

"تمثیلِ نو" کا ایک اچھوتا شمارہ

"اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر"

'تمثیلِ نو' ڈاکٹر امام اعظم کی دیکھ ریکھ میں گذشتہ سولہ برسوں سے تواتر کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اس رسالے نے ادبی حلقوں میں اپنی منفرد شناخت قائم کی ہے۔ وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے اس کے موضوعاتی نمبر خاص طور پر سراہے گئے اور قدر ومنزلت کی نگاہوں سے دیکھے گئے ہیں جن کا تفصیلی ذکر ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اداریہ میں کیا ہے۔ ساتھ ہی گذشتہ دنوں وقوع پذیر مختلف ادبی اور ثقافتی واقعات کا تفصیلی جائزہ بھی پیش کیا ہے جس سے ہماری چشم بصیرت روشن ہوتی ہے۔

زیرِ نظر خصوصی شمارہ 'اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر' پر مشتمل ہے۔ مشرقی فکر میں ان دونوں موضوعات کی ہزاروں سال سے اہمیت رہی ہے اور ظہورِ اسلام کے بعد اس پر نئے زاویے اور نئی معنویت کے ساتھ باضابطہ بحث شروع ہوئی۔ اسلامی تصوف میں اس کی بنیاد حضرت جنید بغدادیؒ کے ذریعہ عمل میں آئی اور شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب فصوص الحکم میں اس کا سیر حاصل تذکرہ ملتا ہے۔ یہ فکر دراصل ہمہ اوست کے اصول پر مبنی ہے جس کے تانے بانے ہندی فلسفہ میں شنکر اچاریہ کے ادویت واد سے بھی جا ملتے ہیں جن کے مطابق کچھ وہی ایک رب ہے جو ہر شئے میں جلوہ گر ہے۔ اس کی تجلّی سے ہر چیز متحرک اور روشن ہے۔ بیشتر صوفیائے کرام نے وحدت الوجود کو تسلیم کیا ہے جن میں مولانا رومیؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، ابوبکر شبلیؒ وغیرہ اہم ہیں۔ منصور حلاج نے کہا کہ جب سب اسی کا نور ہے تو میں بھی وہی ہے "اناالحق" اور اپنا علیحدہ وجود تسلیم کرنے کی وجہ سے منصور پر کفر کا فتویٰ جاری ہوا۔

وحدت الشہود یعنی ہمہ از اوست میں وحدت الوجود کو بہت سے Units میں تقسیم کر دیا گیا یعنی کہ ہر کسی میں اس کا حصہ ہے لیکن جز کبھی کُل نہیں ہو سکتا۔ اس کے نظریہ ساز حضرت مجدد الف ثانیؒ ہیں۔ مذکورہ موضوع پر اسلامی تصوف کی روشنی میں زیرِ نظر شمارہ میں سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ صوفیائے کرام کی خصوصاً سماج کے ہر طبقے میں قبولیت کی ایک بڑی وجہ تقریباً سبھی کا وحدت الوجود پر عقیدہ رکھنا بھی ہے۔ اس موضوع کے تحت رسالے میں کُل ۷ مضامین ہیں جن میں سے پانچ ادبی اور دو نظریاتی نوعیت کے

ہیں۔ یہ مضامین تصوف سے دلچسپی رکھنے والے قارئین کے لئے خاص طور پر دلچسپی کے باعث ہیں۔ پہلا مضمون ''اردو غزل میں وحدت الوجودی عقیدت'' پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر رئیس انور، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، سید محمود احمد کریمی، سلیمہ بی کولور، حیدر وارثی اور ڈاکٹر امام اعظم کے مضامین نے اس حصے کو آویزاں کیا ہے۔

اس کے بعد مختلف مضامین کا حصہ ہے جس میں ادبی، شخصی اور تنقیدی ہر طرح کے مضمون شامل ہیں۔ یہاں بھی پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے بعد سید محمد اشرف کے ناول سے بحث کرتا مضمون شروعات میں موجود ہے اور اس موضوع پر ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون بھی شامل ہے۔

نظام صدیقی کا شمار اردو کے صف اول کے ناقدین میں ہوتا ہے اور ان کی تفہیم بھی عام قارئین کے لئے آسان عمل نہیں ہے۔ نظام صدیقی کی تنقید پر سیر حاصل روشنی ڈالتا پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون اس شمارے کی اہم شمولیات میں سے ہے۔ احمد سہیل کا مضمون ٹیگور کو نوبل انعام ملنا اور سر اقبالؒ کو نہ ملنے کے اسباب کی پڑتال کرتا نظر آتا ہے۔ ناچیز کی ناقص رائے میں نوبل انعام ملنا کسی ادیب کی عظمت کی اکیلی گارنٹی نہیں ہے۔ بہت سے مصنف اور شعراء ہیں جنہیں یہ انعام نہیں ملا۔ صرف اردو کی ہی بات کریں تو غالب، منشی پریم چند اور فیض احمد فیض کیا اس کے کم حقدار تھے؟ اور یہ بھی نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور بڑے تھے، اقبال چھوٹے تھے یا پھر اقبال بڑے اور ٹیگور چھوٹے لکھاری تھے۔ یہ ایک لایعنی بحث ہے۔ بہرحال اس مضمون سے ان دونوں عظیم شخصیات کے بکھ اور جانے انجانے پہلو تو بہرکیف واشگاف ہوتے ہی ہیں۔

دیگر شخصیات جن پر اس رسالے میں گفتگو کی گئی ہے ان میں ابراہیم ہوش، پروفیسر ابوذر عثمانی، منظر شہاب، سید عبدالرافع، حنیف ترین، جوش ملیح آبادی، عابد ضمیر، اسلم بدر، ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی، پروفیسر احمد سجاد، مظہر امام کے علاوہ ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی سرگرمیوں اور شخصیت پر مشہور شاعر و ادیب حلیم صابر کے علاوہ ڈاکٹر احسان عالم کے مضمون اہم ہیں۔ جن نگارشات پر گفتگو کی گئی ہے ان میں ''دروازہ ابھی بند ہے''، ناول ''اکیلی''، جزائر انڈمان ونکوبار، شموئل احمد کا ناول ''گرداب''، جواں سال ناول نگار سلمان عبدالصمد کا ناول ''لفظوں کا لہو''، اور ڈاکٹر امام اعظم کی کتاب ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' پر دو مضامین کے علاوہ مناظر عاشق ہرگانوی کی افسانہ نگاری، شاکر کریمی کی افسانہ نگاری اور عابد ضمیر کی افسانہ نگاری کے علاوہ نئی نسل کے مشہور افسانہ نگار مجیر احمد آزاد کی افسانہ نگاری پر مضامین شامل ہیں۔

اتر پردیش اردو اکاڈمی کے سابق صدر اور مشہور شاعر ڈاکٹر نواز دیوبندی سے ڈاکٹر امام اعظم کا لیا گیا انٹرویو بھی خاصا اہم ہے۔ اس کے علاوہ جواں سال شاعر احمد معراج کے ذریعہ لیا گیا احمد سعید ملیح آبادی کا انٹرویو بھی شامل ہے۔ پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ کے ''اسفار کولکا تا کی مختصر روداد'' بھی دلچسپ ہے۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سے پُر مغز اور معلوماتی مضامین اس شمارے کی زینت بنے ہیں۔

رسالہ اردو کا ہو اور شاعری پر خاطر خواہ توجہ نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے لہٰذا رسالے کا ایک اچھا خاصا حصہ شاعری کے لئے وقف کیا گیا ہے جس میں ڈاکٹر منصور عمر مرحوم، کرشن پرویز، مراق مرزا اور بھی دیگر شعراء کی نظموں کے ساتھ ہی مظہر امام، شمیم قاسمی، حلیم صابر، احمد معراج، نگار سلطانہ، مشتاق دربھنگوی وغیرہ کے ساتھ ہی کئی مشہور شعراء کی غزلیں شامل ہیں۔ غزلوں کی ترتیب میں شعراء کی سینئریٹی کا تھوڑا خیال رکھنا چاہئے تھا۔ عشرت معین سیما کی افسانہ نگاری سے پہلے سے آشنائی تھی۔ زیر نظر رسالہ سے ان کے شعری جوہر کا انکشاف پہلی بار ہوا۔

پورے رسالے میں ایک بات جو اہم طور پر سامنے آئی وہ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی صاحب کی سرگرمی ہے جو ہر صنف میں دیکھنے کو ملتی ہے۔ غرض کہ مضامین، شاعری اور تبصرہ ہر جگہ ان کا جلوہ اس شمارے میں روشن ہے۔ اللہ انہیں اسی طرح سرگرم عمل بنائے رکھے اور صحت سے نوازے تا کہ وہ اسی طرح اردو ادب کے لئے اپنی بیش بہا خدمات انجام دیتے رہیں۔

رسالے کا افسانوی حصہ تھوڑا مختصر ہے اور اس میں فاروق راہب، مجیر احمد آزاد، ترنم جمال اور نکہت فاطمہ کے کل ملا کر چار افسانے شامل ہیں۔

۴۰۰ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ اپنے آپ میں معلوماتی و ادبی سرمایہ کا خزینہ اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے اور امید ہے کہ یہ شمارہ بھی گذشتہ خصوصی شماروں کی طرح کامیاب ہوگا اور ادبی حلقوں نیز قارئین میں خاص پذیرائی حاصل کرے گا۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''پندار'' پٹنہ ادبی ایڈیشن ۱۳؍اگست ۲۰۱۷ء)

□□□

● لائبریری سیکشن، بہار ودھان پریشد، پٹنہ-۸۰۰۰۱۵

شیب چندر پتھ، ۲؍ کالی مندر روڈ، ہنومان نگر، پٹنہ-۸۰۰۰۲۰

موبائل: 07870678786

• ڈاکٹر احسان عالم

"تمثیل نو" کی صحافتی دانشوری

(جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء)

ڈاکٹر امام اعظم ان دنوں مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے کولکاتا ریجنل سنٹر کے ڈائرکٹر ہیں۔ اس کے باوجود وہ کئی طرح کے علمی، ادبی، صحافتی اور سماجی کاموں میں متحرک اور فعال رہتے ہیں۔ لوگوں سے نہایت خلوص کے ساتھ ملنا جلنا، نیک مشوروں سے نوازنا ان کی ایک اہم خوبی ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ آپ ایک ناقد، کامیاب مترجم، اچھے مبصر، باصلاحیت مرتب، فعال صحافی اور ایک عمدہ شاعر ہیں۔ ادب کے مختلف موضوعات پر ایک درجن سے زائد کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں۔ مارچ ۲۰۰۱ء سے ایک اہم ادبی رسالہ "تمثیل نو" دربھنگہ سے مسلسل شائع کر رہے ہیں جس کے کئی خاص نمبر اور خصوصی شمارے صحافت کے میدان میں قابل قدر اضافہ ہیں۔ "تمثیل نو" کے اداریے کافی طویل، معلوم افزا اور دلچسپ ہوا کرتے ہیں۔ چند روز قبل "تمثیل نو" کا شمارہ جو جولائی ۲۰۱۶ء سے جون ۲۰۱۷ء پر مشتمل ہے منظر عام پر آیا ہے۔ یہ بھی ایک خصوصی شمارہ ہے جو "اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر" پر محیط ہے۔ اس کے علاوہ ۳۵؍معلومات افزا مضامین، چند افسانے، نظمیں، غزلیں، ترجمے، کتابوں پر خوبصورت انداز میں کئے گئے تبصرے، شائقین ادب کے خطوط اور پھر مدیر کا اداریہ جس میں ادبی، ثقافتی اور وفیات کی خبریں ہیں۔ یعنی کل ملا کر یہ شمارہ بھی دستاویزی اہمیت کا حامل ہے۔

رسالہ "تمثیل نو" کا آغاز ڈاکٹر امام اعظم کے اداریہ "مجھے کچھ کہنا ہے" سے ہوتا ہے۔ اس میں مدیر نے اپنے اظہار خیال کے ساتھ ساتھ ادبی، ثقافتی اور وفیات کی خبریں بڑی عرق ریزی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ سال بھر کے اندر اردو ادب، قومی یا صوبائی یا ضلعی سطح کے اشخاص جو ہم سے بچھڑ گئے یعنی مالک حقیقی سے جا ملے ان کی خبریں بھی اس رسالہ کے ذریعہ مل جاتی ہیں۔

مدیر نے اپنے رسالہ کی شروعات حمد اور نعت پاک سے کی ہے جسے سعید رحمانی، کٹک اور سیفی سرونجی نے تحریر کیا ہے۔ اگلے صفحہ پر ڈاکٹر امام اعظم اور نواز دیوبندی کا ایک انٹرویو ہے جو بڑا ہی دلچسپ ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے جناب نواز دیوبندی سے کئی اہم سوال کیے ہیں جن کے جوابات نواز دیوبندی نے بہت ہی متاثر کن انداز میں دیا ہے۔ دوسرا انٹرویو احمد معراج (کولکاتا) کا ہے جنہوں نے بزرگ صحافی

احمد سعید ملیح آبادی سے بہت سے پُر مغز سوالات کئے ہیں اور احمد سعید ملیح آبادی نے مدلل انداز میں ان کے جوابات پیش کر کے قارئین کے لئے ایک تحفہ پیش کیا ہے۔

ایک انشائیہ اور فیچر کے بعد رسالہ کا خصوصی گوشہ شروع ہوتا ہے جس کا عنوان ''اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر'' ہے۔ اس کے تحت سات ادبی شخصیتوں نے اپنے مضامین قلم بند کئے ہیں۔ ''اردو غزل میں وحدت الوجودی عقیدت (پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''تصوف کے دو اہم تصورات اور اردو شاعری'' (پروفیسر رئیس انور)، ''غالب کی شاعری میں وحدت الوجود'' (مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی) ''شیخ مجدد کا تصور توحید'' (سید محمود احمد کریمی) ''اردو شاعری میں مذہب و تصوف کی اہمیت'' (سلیمہ بی کولور) ''اردو شاعری میں وحدت الوجودی اور شہودی عناصر'' (حیدر وارثی) اور ''صوفیاء اور تصور حیات انسانی'' (ڈاکٹر امام اعظم) نے رسالہ کے صفحات کو زینت بخشنے کا کام کیا ہے۔

صفحہ ۱۴۳ر سے ۲۵۵ر تک مضامین کے صفحات ہیں۔ یوں تو تمام مضامین کافی معلومات افزا ہیں لیکن ان میں چند مضامین اردو ادب کے باب میں ایک اہم اضافہ ہیں۔ چند نامور ادبی شخصیتیں مثلاً پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر عبد المنان، انجم عظیم آبادی، ڈاکٹر مظفر مہدی، اختر جاوید، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، انوار الحسن وسطوی، ڈاکٹر سید شاہد اقبال، غلام نبی کمار، ڈاکٹر امام اعظم، پروفیسر مجید بیدار، حلیم صابر، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے جو مضامین پیش کئے ہیں وہ رسالہ کو دستاویزی حیثیت عطا کرنے کے لئے کافی ہیں۔ قارئین کی دلچسپی کے لئے چند مضامین کی مختصر جھلک پیش کر رہا ہوں۔

سید محمد اشرف کے ناول ''آخری سواریاں'' پر دو مضامین پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی اور ڈاکٹر امام اعظم نے قلم بند کیے ہیں۔ دونوں مضامین کا انداز بیان نہایت سلیس، شگفتہ اور پرکشش ہے۔ اس ناول کے سلسلہ میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کہتے ہیں:

> ''ثقافتی وفات کے جس نوحہ کو سید محمد اشرف نے بیان کیا ہے اس میں کھردری فکریاتی کسوٹی ہے، تہذیبی کم مائیگی ہے، ختم ہوتی ہوئی مشترکہ تہذیب کا نزع ہے اور کم عمری کے جمالیاتی جذبات کی ساخت و بافت ہے۔ ساتھ ہی کشمکش، اشارے اور خود احتسابی کی گومگو کیفیت کی اعتبار آگینی ہے۔ ۲۰۹ صفحات کا یہ ناول دو حصے میں منقسم ہے۔ پہلا حصہ شناخت اور منفرد سرگرمی کے باوجود سادہ اور پیچیدہ رشتے سے باہم مربوط ہمہ پہلو لئے حسن قبول سے محروم یہ حصہ نفسیات کی شمع جلاتا ہے۔ دوسرا حصہ کئی واقعات اور کئی مختصر کہانیوں پر مشتمل ہے جسے ذہن قبول کرتا ہے۔''

دوسری جانب ڈاکٹر امام اعظم کا انداز بیان کچھ اس طرح ہے:

''اس ناول کا مرکزی کردار، ایک کہانی کار اور اس کی بیوی ہے۔ ظاہر ہے وہ تخلیق کار و فن کار ہے۔ اس لئے عصری حالات و واقعات کے منفی اثرات اس کی حساسیت کو اتنا بڑھا دیتے ہیں کہ وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ ڈپریشن سے نکالنے کے لئے اس کی بیوی اسے کریدتی ہے۔ حالیہ تمدنی ترقی کی رو میں پنپتے معاشرتی رجحان و رویے کو آنکتا ہوا کہانی کار کا ذہن ماضی میں اتر جاتا ہے اور اپنے بچپن سے ڈھلتی عمر تک کے مختلف النوع مشاہدات و تجربے بیان کرنے لگتا ہے۔''

پروفیسر عبدالمنان نے پروفیسر محمد محفوظ الحسن کی رشحات فکر پر ایک نظر ڈالی ہے اور بڑے دلکش انداز میں ڈاکٹر محفوظ الحسن کی کاوشوں کو تحریری سانچے میں ڈھالا ہے۔ ڈاکٹر مظفر مہدی نے جوان دنوں امریکہ میں مقیم ہیں لیکن اردو ادب کی خدمت میں مسلسل کوشاں ہیں، پروفیسر ابوذر عثمانی کے اخلاق، کردار، شرافت، اعلیٰ ظرفی، وضع داری اور ادبی تصنیفات کا تذکرہ بڑے سہل اور دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ امریکہ میں مقیم معروف ادیب اور دانشور احمد سہیل نے ''ٹیگور کو ادب کا نوبیل انعام ملنا اور علامہ اقبال کا اس سے محروم رہنا'' کے عنوان سے ایک عمدہ تجزیہ پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر ایم صلاح الدین نے منظر شہاب کی شاعرانہ عظمت کو اپنے مختصر مضمون میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ انوار الحسن وسطوی نے سید عبدالرافع کی صحافتی خدمات کو یادوں کے آئینے سے دیکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ عذرا مناظ نے پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے افسانے میں زندگی کی نیرنگیوں اور جدیدحسیت کو تلاش کرنے کی جستجو کی ہے۔ مضمون ''اقبال انصاری کی ناول نگاری 'اکیلی' کے آئینے میں'' میں مسرت جہاں نے بھرپور روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر سرور کریم کی کتاب ''دربھنگہ کا ادبی منظر نامہ......'' کے حوالے سے بزرگ شاعر و ادیب حلیم صابر اپنے مضمون ''دربھنگہ کی ادبی سرگرمیوں میں ڈاکٹر امام اعظم کے گہرے نقوش'' میں ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی تحریکات کا تشفی بخش جائزہ لیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کی مرتبہ کتاب ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' پر ڈاکٹر ابرار اجراوی نے اپنے مضمون ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت کا تجزیاتی مطالعہ'' میں بحث کی ہے۔ اسی کتاب پر بزرگ صحافی رضوان اللہ نے اپنے مضمون ''اردو میڈیا: زندہ باد'' میں عمدہ جائزہ لیا ہے۔ ان مضامین کے علاوہ پروفیسر مجید بیدار کا مضمون ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت: ایک جائزہ''، اور ایم نصر اللہ نصر کا مضمون ''بھیگے مناظر کا شاعر: حنیف ترین'' کافی اہم ہیں۔ غلام نبی کمار نے سلمان عبدالصمد کے ناول ''لفظوں کا لہو'' پر اظہار خیال کیا ہے۔ ناول نگار نے اس ناول میں معاشرہ کے

دکھتی رگ پر ہاتھ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ صحافت کے گرتے معیار پر گہرا طنز کیا ہے۔ غلام نبی کماران کے فن اور ناول کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''سلمان عبدالصمد ابھی تک اردو دنیا میں گاہ گاہ تنقیدی اور صحافتی مضامین اور مختصر افسانوی تحریروں کے ساتھ نظر آتے تھے لیکن اب ناول میں طبع آزمائی کر کے انہوں نے ناول نگاروں کی صف میں بھی اپنی ایک مستحکم اور منفرد شناخت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ان کی تحریریں معانی و مفاہیم، فنی و فکری، قوت فہم اور قوت ادراکیہ، ہمہ گیری اور وسعت، جوش اور جذبہ، حوصلے اور امنگوں کی سطح پر ادب کے خمیر سے گوندھی ہوئی نظر آتی ہیں۔''

فاروق راہب، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ترنم جمال، ڈاکٹر نکہت فاطمہ کے افسانے قابل توجہ ہیں اور کوئی نہ کوئی سبق دیتے ہیں۔

رسالہ میں شامل نظمیں، غزلیں بہت اچھی ہیں۔ ''نظر اپنی اپنی'' کے تحت کتابوں پر مناظر عاشق ہرگانوی، ابواللیث جاوید، عشرت بیتاب، حلیم صابر، معراج احمد معراج، اشرف احمد جعفری، محمد علی حسین شائق، ایم نصر اللہ نصر، مجیر احمد آزاد، شمیم احمد صدیقی، شاہ عمران حسن، عرش منیر، احمد معراج، احسان عالم، ظہیر حسن ظہیر کے تبصرے بھی بہت ساری کتابوں سے قارئین کو متعارف کراتے ہیں۔ ''راہ و رسم'' میں قارئین اور اردو ادب کے شائقین کے خطوط بہت اچھے انداز میں لکھے گئے ہیں۔ شمارہ میں ادبی تقریبات سے متعلق چند تصاویر اس کی زیب و زینت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ مختصر طور پر یہ کہنا بالکل مناسب معلوم پڑتا ہے کہ ''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ ہر لحاظ سے معیاری اور دستاویزی حیثیت رکھتا ہے۔

□□□

ای میل: ahsanalam16@yahoo.com

موبائل: 09431414808

• ڈاکٹر عارف حسن وسطوی

''تمثیلِ نو'': تعارف و تجزیہ

(جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء)

ڈاکٹر امام اعظم کا شمار اُن مدیرانِ رسائل میں ہوتا ہے جو سب کا ساتھ سب کا وکاس کے نعرہ پر پوری طرح کھرے اترتے ہیں۔ ان کے نزدیک کوئی شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ وہ ہر چھوٹے بڑے لکھنے والے کا استقبال کرتے ہیں، چاہے ادبی محاذ پہ اس کی فکر جیسی بھی ہو لیکن بذاتِ خود وہ تعمیری ادب کے قائل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے رسالہ ''تمثیلِ نو'' میں بھی قاری کو جس ادب سے ملاقات ہوتی ہے وہ بنیادی طور پر سب سے پہلے صرف اور صرف ادب ہی ہوتا ہے۔ میرے مطالعے میں اس وقت جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء پر مشتمل 'تمثیلِ نو' کا تازہ شمارہ ہے۔ اپنے اداریہ میں ڈاکٹر امام اعظم لکھتے ہیں:

''اکیسویں صدی میں اردو کا منظر نامہ شعر و ادب، اپنی زمین کی تہذیب اور روایات کے ساتھ جذب کرا احساس کی شدت کو نئی پہچان اور نئی دفاع سے آشنا کراتا ہے۔ اردو کے مراکز آج کے تناظر میں تجزیہ کاری و ہنر کاری اور مطالعہ کی غیر جانبداری کو سامنے لانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ''تمثیلِ نو' اردو زبان و ادب اور سماج میں رونما ہونے والی بڑی تبدیلیوں کے موقف کو عام کرنے اور فن جمال و تصوف کی نزاکتوں کو ترجیح دینے پر مشتمل ہے۔'' (مجھے کچھ کہنا ہے ص:۳)

''تمثیلِ نو'' کا تازہ شمارہ ''اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر'' کے عنوان سے سولہواں موضوعاتی شمارہ ہے۔ ہر شمارے کی طرح اس شمارہ میں بھی متعدد اہم مضامین، خوبصورت افسانے، عمدہ نظمیں، اچھی غزلیں، بے لاگ تبصرے اور دل کی آواز پر لکھے گئے خطوط اپنی بیش بہا رنگوں کے ساتھ قاری کے ادبی ذوق کی تسکین کر رہے ہیں۔ عالمی سطح پر اردو زبان و ادب سے متعلق سرگرمیوں کی روداد اور مشاہیر کے انتقال کی خبریں ان کے ادبی کارناموں کے ساتھ جس سلیقہ کے ساتھ ''تمثیلِ نو'' کا حصہ بنے ہوئے ہیں وہ قابلِ ستائش ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ''تمثیلِ نو'' میں انٹرویوز کا جو سلسلہ شروع کر رکھا ہے اس کڑی کے تحت اس شمارے میں بھی دو اہم مصاحبے شامل ہے۔ پہلا مصاحبہ مقبول و معروف ادیب و شاعر نواز دیوبندی سے لیا گیا ہے جبکہ دوسرا مصاحبہ اردو کے قدآور صحافی اور سابق رکن پارلیمنٹ (راجیہ سبھا) احمد سعید ملیح آبادی کا ہے۔ یہ دونوں انٹرویوز بڑے قیمتی ہیں اور پڑھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ کا سفرنامہ ''گولکاتا اسفار کی مختصر روداد'' مختصر ہونے کے باوجود دلچسپ ہے۔ شاہد حسین لعل پوری کا انشائیہ

''جام وسبو'' اور محسن دہلوی کا فیچر ''تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا'' اچھے تاثر قائم کرتے ہیں۔

مضامین کی شروعات موضوعاتی سلسلے ''اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر'' سے ہوتی ہے۔ اس کے تحت کل سات مضامین ہیں جن میں فن کے مختلف اصناف سے کچھ الگ ہٹ کر تصوف کی جانب پیش رفت کی گئی ہے۔ اس ضمن میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کی تحریر ''اردو غزل میں وحدت الوجودی عقیدت''، پروفیسر رئیس انور کا مضمون ''تصوف کے دو اہم تصورات اور اردو شاعری''، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کا مضمون ''غالب کی شاعری میں وحدت الوجود''، سیّد محمود احمد کریمی کی تحریر ''شیخ مجدد کا تصور جدید''، سلیمہ بی کولور کی تحریر ''اردو شاعری میں مذہب و تصوف کی اہمیت''، حیدر وارثی کا مضمون ''اردو شاعری میں وحدت الوجودی اور شہودی عناصر'' اور ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون ''صوفیا اور تصور حیات انسانی'' شمارہ میں شامل ہیں۔ مدیر اعزازی نے ان مضامین کی نوعیت اور قدر و قیمت کے متعلق اداریے میں لکھا ہے کہ:

> ''تمثیل نو'' کے ذریعہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے معیار کا تعین اجماع کے ساتھ پیش کرنے کی پہل کی گئی ہے جو لائق توجہ ہے۔ احتساب کی بھی دعوت دیتا ہے اور اجتماعی طاقت کی نازک صورت حال کو لائق اعتنا بناتا ہے۔ فی زمانہ خلوص و محبت کی قدر افزائی کم ہوئی ہے۔ اس کی نشان دہی کے لیے، معنوی جہت کو ہمہ گیر کرنے کے لیے، جذبات الفت کے تشخص کی آرزو مندی کے لیے اور اخلاقی پیغام کو از سر نو دور تک پہنچانے کے لیے ہم نے تلاش و تعبیر کی منزل سے گزر کر ایسی تخلیقات پیش کی ہیں جن میں تجربے کی آنچ ہے، جذبے کی آنچ ہے اور بے محابہ روشن رکھنے کی تسکین ہے۔'' (مجھے کچھ کہنا ہے ص:۴)

موضوعاتی مضامین کے بعد مختلف النوع مضامین کی ایک لمبی فہرست ہے، جن میں ادب، شاعری، تنقید، تحقیق، فکشن، شخصیات، صحافت اور ذرائع ابلاغ جیسے موضوعات پر چھوٹے بڑے کل ۳۰ رتنقیدی و نیم تنقیدی مضامین شامل ہیں۔ تمام مضامین کے عنوانات اور قلمکاروں کے نام نقل کرنا تو دشوار ہے لیکن چند مضامین کے تذکرے ضروری بھی ہیں مثلاً ''تنقید کے نئے میلان کے نقیب: نظام صدیقی'' (مناظر عاشق ہرگانوی)، ''پروفیسر محفوظ الحسن کی رشحات فکر پر ایک نظر'' (پروفیسر عبدالمنان)، ''پروفیسر ابوذر عثمانی پر ایک نظر'' (ڈاکٹر مظفر مہدی) ''سیّد عبدالرافع: یادوں کے آئینے میں'' (انوار الحسن وسطوی)، ''جزائر انڈمان و نکوبار میں آسودہ خواب علمائے بہار'' (ڈاکٹر سیّد شاہد اقبال)، ''مناظر عاشق ہرگانوی کے افسانے میں خوب تر کی جستجو'' (عذرا مناظ)، ''پروفیسر احمد سجاد کی تنقید میں متاع دین و دانش'' (ڈاکٹر امام اعظم)۔ یہ چند ایسے مضامین ہیں جن سے شمارہ کی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ مضامین کے درمیان احمد سہیل کی

تحریر ''ٹیگور کو ادب کا نوبل انعام ملنا اور علامہ اقبالؔ کا اس سے محروم رہنا: کچھ سوالات کچھ حقائق'' ایک ایسا مضمون ہے جو اپنے عنوان سے ہی قاری کو متوجہ کر لیتا ہے۔ اس مضمون پر لمبی بحث ہو سکتی ہے۔ احمد سہیل نے اپنی فکر اور مطالعے و تجزیے کی روشنی میں ٹیگور کا دفاع اور اقبالؔ کو کنڈیم کیا ہے۔ اقبال کو نوبل انعام ملا یا نہ ملا اس سے اقبال کی شخصیت یا شاعری پر کوئی آنچ نہیں آتی ہے۔ اقبال کل بھی زندہ تھے، آج بھی زندہ ہیں اور کل بھی زندہ رہیں گے۔ رہی بات ٹیگور کی تو ٹیگور کی بنگلہ شاعری آج کی تاریخ میں محض بنگالیوں تک سمٹی پڑی ہے اور وہ English Gitanjali جسے نوبل انعام ملا انعام حاصل کرنے تک ہی محدود رہی۔ اپنے عہد کے ان دو بڑے ادیبوں کی شاعری اور فن کے متعلق اگر نابغۂ عصر نقاد پروفیسر عبدالمغنی کے ایک جملے کو ہی پڑھ لیا جائے تو مطلع صاف ہو جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''ٹیگور کی شاعری سلاتی ہے اور اقبالؔ کی شاعری جگاتی ہے۔'' ان مضامین کے علاوہ پروفیسر مجید بیدار، ڈاکٹر ابرار اجراوی، ڈاکٹر احسان عالم اور حلیم صابر کی تبصراتی نگارشات ڈاکٹر امام اعظم اور دربھنگہ کی ادبی سرگرمیوں کے حوالے سے لکھی گئی تحریریں (ڈاکٹر سرور کریم کی کتاب) بھی بہت خوب ہیں۔

''تمثیلِ نو'' کے اس شمارہ میں چار افسانے فاروق راہب کا افسانہ ''سوار''، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کا افسانہ ''ایک اور مسجد''، ترنم جمال کا افسانہ ''دل کی آنکھ'' اور ڈاکٹر نکہت فاطمہ کا افسانہ ''اس در سے یا اس در سے'' شامل ہیں۔ شمارے میں شامل اچھی خاصی تعداد میں نظمیں، غزلیں اور تبصرے بھی رسالے کے حسن کو دوبالا کر رہے ہیں۔ معروف علمی و ادبی شخصیتوں کے خطوط اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ''تمثیلِ نو'' کی پذیرائی ادبی حلقوں میں کی جا رہی ہے اور ڈاکٹر امام اعظم کی خدمات کا اعتراف ہو رہا ہے۔ شمارے کے آخری صفحات میں ''تمثیلِ نو'' کے خصوصی شمارہ ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' پر جہاں انوار الحسن وسطوی کی تجزیاتی تحریر شامل ہے، وہیں احمد علی برقی اعظمی اور حلیم صابر کے منظوم تاثرات کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ عمومی طور پر ''تمثیلِ نو'' کا یہ شمارہ قاری کے درمیان اچھا تاثر قائم کرتا ہے۔ مدیر اعزازی نے اداریہ میں یہ اعلان کر رکھا ہے کہ ''تمثیلِ نو'' کا اگلا خصوصی شمارہ ''اکیسویں صدی میں اردو تنقید کی پیش رفت'' پر مشتمل ہوگا۔

امید کی جانی چاہیے کہ ''تمثیلِ نو'' کا اگلا شمارہ بھی حسب سابق قارئین ادب کے درمیان مقبول ہوگا۔

(مطبوعہ ہفت روزہ ''گوشوارہ'' روڑکی ۱۶ تا ۳۱ رجولائی ۲۰۱۷)

□□□

حسن منزل، آشیانہ کالونی، سڑک نمبر ۱، ڈاکخانہ: حاجی پور، ضلع: ویشالی – ۸۴۴۱۰۱ (بہار)

ای میل: arifhasan2211@gmail.com

• ریاض الدین اشرف (دربھنگہ)

’’تمثیلِ نو‘‘ اور اردو کا ہم عصر ادب

’’تمثیلِ نو‘‘ کا تازہ شمارہ منظر عام پر آچکا ہے لیکن اس دفعہ اس کے آب و تاب اور دھوم دھام کا عالم ہی اور ہے۔ ’’اردو کا ہم عصر ادب ۱۹۸۵ء کے بعد‘‘ یہ انطباق کرتے ہوئے اس کے مدیر ڈاکٹر امام اعظم نے درج ذیل قطعہ کہا ہے:

عجمی نہ کوئی آج ہے نہ آج عرب ہے　　تبدیلیٔ حالات تقاضوں کے سبب ہے
سب آئینے ٹوٹے ہوئے گمنام پڑے ہیں　　خود عکس اور اظہار ۸۵ کا ادب ہے

اس حصے کے تحت ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (اردو افسانہ ۱۹۸۵ء کے بعد: نظریہ و تجزیہ)، نظام صدیقی (مابعد جدید تنقید کے نئے فکریاتی زاویئے)، پروفیسر مجید بیدار (جنوبی ہند میں ۱۹۸۵ء کے بعد ہم عصر ادبی تنقید)، پروفیسر ایم اے ضیاء (۱۹۸۵ء کے بعد کی غزلیں: اپنی ذات کا مسیحا)، ڈاکٹر امام اعظم (اردو نظموں کا پس منظر اور پیش منظر: ۱۹۸۵ء کے بعد) کی نگارشات ۱۹۸۵ء کے ادب کا کئی جہتوں سے احاطہ کرتی ہیں۔ ان مضامین میں جو مباحث اٹھائے گئے ہیں، وہ نہ صرف فکری اور نظریاتی سطح پر اہم ہیں بلکہ اصناف ادب کی موجودہ صورتحال کو بحسن و خوبی منعکس بھی کرتے ہیں۔

ڈاکٹر امام اعظم نے مذاکرہ کے تحت جدید اردو غزل میں Repetition کے مسئلے پر بہت ہی گرما گرم اور کارآمد بحث کا آغاز کیا ہے۔ یہ مذاکرہ ایک طرح سے اس شمارے کی روح ہے۔ اس مذاکرے کے شرکاء میں خود ڈاکٹر اعظم بھی شامل ہیں۔ انہوں نے سوال اٹھایا ہے:

> ’’ ...... غزل میں آپ سب کا تجربہ، آپ کی دوررس نگاہی اور غزل کے ہیئتی اتار چڑھاؤ میں جو جہتیں ہیں، روایت اور عصری آگہی کی جو تفصیل ہے، ان سب سے آپ اچھی طرح واقف ہیں۔ میں چاہوں گا کہ آج کے مذاکرے میں کیا ۱۹۸۵ء کے بعد اردو غزل جمود کی شکار ہے؟ اور ان ۲۵ برسوں میں اردو غزل میں Repetition کا مسئلہ سامنے آکھڑا ہوا ہے؟‘‘

اس سوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے شرکاء میں حسن امام درد، پروفیسر سیّد امین اشرف، سید احمد شمیم، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر عبدالمنان طرزی، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر منصور عمر، پروفیسر ایم اے ضیاء، خورشید اکبر، عطا عابدی، ابوذر ہاشمی، ڈاکٹر مشتاق صدف، ڈاکٹر مولا بخش، ڈاکٹر ہمایوں اشرف اور ڈاکٹر نسیم احمد نسیم شامل ہیں۔ ڈاکٹر نسیم احمد کے علاوہ تقریباً تمام شرکاء نے اردو غزل میں جمود اور تعطل کی

موجودگی سے انکار کیا ہے اور ۱۹۸۵ء میں غزلیہ شاعری کو ہر اعتبار سے سراہا ہے جب کہ ڈاکٹر نسیم احمد نے ۱۹۸۵ء کے بعد کی شاعری پر اپنی مایوسی کا اظہار کیا ہے۔ ان کے مطابق ۱۹۸۵ء کے بعد کی شاعری ترقی پسندوں اور جدیدیوں سے کمتر درجے کی ہے۔ شعریت اور غنائیت کا وصف جو شاعری کا جوہر ہے وہی عنقاء ہے تو پھر عصری آگہی اور ندرت خیال کی بحث عبث۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''۱۹۸۵ء کے بعد کی شاعری بالخصوص غزلیہ کسی طور متاثر نہیں کر پاتی، نہ زبان کی سطح پر اور نہ فن کی سطح پر۔ تکرار، یکسانیت، بے لطفی اور جمود کا ماحول گزشتہ ۲۵ برسوں سے قائم ہے۔ جدیدیت جسے مطعون کیا جاتا ہے اسے صرف دس سال ملے لیکن ندرت، عصریت اور نئے نئے تجربات کی بنیاد پر درجن بھر سے زیادہ ایسے شعراء منظر عام پر آئے جنھیں آج بھی سنجیدہ قارئین کا حلقہ بہت بیش قیمتی اور قابل قدر جانتا ہے۔ ہمارے نئے شاعروں کو ۳۰ برس ملے۔ اس دوران چند اہم نام تو سامنے آئے لیکن کوئی بڑا اور قدآور نام منظر عام پر نہیں آیا۔ ۱۹۸۵ء کے بعد کی شاعری کا یہ ایک بڑا المیہ ہے۔ آخر اردو فکشن کے مقابلے ۱۹۸۵ء کے بعد کی شاعری کیوں نہیں اپنا امتیازی مقام اب تک پاسکی اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔'' (مذاکرہ ''جدید اردو غزل میں Repetition کا مسئلہ'' ص-۷۶)

''تمثیل نو'' نے اس بار ایک ساتھ دو گوشے شائع کئے ہیں۔ سیّد منظر امام ہمارے ان سینئر ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں جنہوں نے بہت کم لکھا لیکن بہت ناموری پائی۔ ان کا خاندان چونکہ ادبی اور علمی تھا اسلئے شعروادب کا ذوق انہیں بہت کم عمری میں حاصل ہوگیا۔ شاعری، افسانہ، صحافت اور خودنوشت میں انہوں نے جو سرمایہ چھوڑا ہے وہ نہ صرف قابل قدر ہے بلکہ قابل رشک بھی ہے۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر امام اعظم اور ڈاکٹر عبدالمنان طرزی نے بہت ہی موثر انداز میں ان کی شخصیت اور فن پر روشنی ڈالی ہے۔ ساتھ ہی مدیر نے سیّد منظر امام کی کہانی اور شاعری کے نمونے شائع کر کے اہم فریضہ انجام دیا ہے۔ دوسرا گوشہ خورشید اکبر کا ہے۔ خورشید اکبر نئی نسل کے اہم ترین اور صاحب طرز شاعروں میں شمار کئے جاتے ہیں۔ سیّد منظر امام نے جناب خورشید اکبر کو ان کے ہم عصروں میں سب سے ممتاز شاعر ثابت کیا ہے۔ اردو کی نئی غزل میں نئی لفظیات نئے اسلوب اور نئے رنگ و آہنگ کی انفرادیت کے باعث ان کی شناخت مستحکم ہو چکی ہے۔ ان کی شخصیت اور فن پر جہاں مناظر عاشق ہرگانوی، سید منظر امام، ڈاکٹر منظر اعجاز، ابوذر ہاشمی، مجیر احمد آزاد، شکیل احمد سلفی، فیاض احمد وجیہ، وصیہ عرفانہ اور ڈاکٹر امام اعظم نے اظہار خیال کیا ہے وہیں محمد سالم (امریکہ) نے جناب خورشید اکبر کے چند منتخب اشعار انگریزی میں ترجمہ کر کے اس کی معنویت کو اور وسیع کیا ہے۔ دوسرے مضامین میں اے یو آصف، سید اقبال اختر نے اچھا تاثر قائم کیا ہے۔ ''تمثیل نو'' کے وہ چند صفحات بہت ہی

بیش قیمتی اور یادگار ہیں جن میں ایک نہایت ہی فرض شناس، دین دار اور باعمل پولس افسر محمد ظفر المنان ظفر فاروقی کے چرچے ہیں۔ ظفر فاروقی مرحوم مدیر ''تمثیل نو'' کے والد محترم تھے جن کا انتقال ۲۴ ر اگست ۲۰۱۰ء کو ہوگیا۔ ان کا جسم تو سپرد خاک ہوگیا لیکن ان کے کردار اور علمی شغف کی خوشبو اب بھی موجود ہے اور آئندہ بھی باقی رہے گی۔ اس ضمن میں امام اعظم اور تشنہ اعجاز کے مضامین واقعی دل کو چھو لینے والے ہیں۔

'بھونیشور کا ایک مختصر سفر' اور' ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم' (فیض الحسن) ان دونوں تحریروں میں بھی قارئین کے لئے بہت کچھ ہے۔ اس شمارے کی خوبصورتی میں اضافہ کیلئے اقبال انصاری، خالد عابدی، وسیہ عرفانہ کے افسانے شامل کئے گئے ہیں۔ یہ افسانہ کسی نہ کسی طور پر ہمارے ذہن و دل کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتے۔ اس شمارے کے مخصوص شاعر خالد رحیم ہیں۔ ان کی غزلوں نے نئی تازگی کا احساس کرایا ہے۔ دوسری شعری تخلیقات میں علیم صبا نویدی، شاکر خلیق، اسرار اکبر آبادی، ذکی احمد، راحت حسین بزمی، احسان ثاقب، افروز عالم، رضوانہ ارم، امام اعظم، عبدالرحمٰن عبد، اسد رضا، ظفر کمالی، عبدالمتین جامی، علقمہ شبلی، حسن ظہیر، اسحاق ملک، نقشبند قمر نقوی، ہارون شامی، سہیل غازی پوری، امان خاں دل، رفیق شاہین، دیپک قمر، رونق شہری، محسن جلگانوی، ظفر اقبال ظفر، علاء الدین حیدر وارثی، انجینئر خورشید عالم، کرشن پرویز، شباب للت، سنجیدہ عنبری، محمد ہارون سیٹھ سلیم، اویس جمال شمسی وغیرہ کے کلام اپنی ندرت کے اعتبار سے پر کشش ہیں۔ ''نظر اپنی اپنی'' کے تحت ڈاکٹر خورشید سمیع، فراز حامدی، ڈاکٹر محمد موصوف احمد، اسلم مرزا، محبوب راہی، غیاث انجم، رضوانہ ارم، مناظر عاشق ہرگانوی، سید شکیل دسنوی، مشتاق انجم، شاہد ماہلی، پروفیسر وہاب اشرفی، معید رشیدی، داؤد کشمیری، ہمایوں اشرف، نعیم انیس، مظفر مہدی اور محمد حسنین سیّد کی کتابوں پر مبصرین نے بھر پور تبصرے کئے ہیں۔

اتمام حجت کے طور پر کہا جا سکتا ہے کہ ''تمثیل نو'' کا حالیہ شمارہ اپنے گزشتہ بیشتر شماروں سے بہت ہی اہم اور دستاویزی ہے۔ ۲۵۶ صفحات پر مشتمل اس شمارے کو ڈاکٹر امام اعظم نے جس ہنرمندی سے ترتیب دیا ہے وہ بالخصوص اردو رسائل کے مدیروں کے لئے قابل تقلید ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ بھی سابقہ شماروں کی طرح اپنی مقبولیت اور افادیت کے اعتبار سے ادبی حلقوں میں تادیر ذکر کا موضوع بنا رہے گا۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''پندار''، پٹنہ ۲۷ ر فروری ۲۰۱۱ء)

□□□

موبائل: 9304354489 ای-میل: reyaz786ashraf@gmail.com

• سلمان عبدالصمد

''تمثیلِ نو'' ادبی صحافت کی نئی مثال

دربھنگہ کی ادبی صحافت کو مضبوطی بخشنے میں 'تمثیل نو' کا بھی اہم کردار ہے کیوں کہ آج خطۂ متھلانچل سے نکلنے والے ادبی رسالوں میں ڈاکٹر امام اعظم کے رسالہ کی اہمیت مسلم ہے۔ انہوں نے ۱۹۸۷ء میں غیر اردو داں حلقہ میں اردو کا ذوق پیدا کرنے کے لیے ہندی رسم الخط میں فاروقی اورینٹل لائبریری قلعہ گھاٹ دربھنگہ سے ایک فولڈر 'تمثیل' جاری کیا تھا، جس کے نو شمارے شائع ہوئے۔ کچھ وقفے کے بعد اسی فولڈر کو مارچ ۲۰۰۱ء میں اردو ماہنامہ 'تمثیل نو' کی شکل میں جاری کیا گیا، جو آج تک جاری ہے اور دربھنگہ کی صحافت کے دائرہ کو وسیع کر رہا ہے۔ یوں تو یہ 'ماہنامہ' ہے تاہم اس کی اشاعت کی رفتار 'سہ ماہی' یا پھر 'سالانہ' رسالوں جیسی ہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سال میں ہی سہی ڈاکٹر امام اعظم ایک بھرپور رسالہ نکالتے ہیں، عموماً اس کی ضخامت تین سو صفحات سے زیادہ ہوتی ہے۔ شمارہ (۲۸) میں تقریباً ۴۰ صفحات پر مشتمل اداریہ ہے جس میں عمومی طور پر سال بھر کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں اور سمت و رفتار پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس شمارہ میں تین خصوصی گوشے شامل اشاعت ہیں۔ ایک گوشہ شہر کولکاتا سے متعلق ہے۔ دوسرا ڈاکٹر سید تقی عابدی اور تیسرا پروفیسر منصور عمر مرحوم پر محیط ہے۔

کئی علمی و ادبی خصوصی گوشوں اور خصوصی شماروں کی وجہ سے یہ رسالہ قارئین میں بیحد مقبول و محبوب ہوا۔ نامور صحافی آنجہانی خشونت سنگھ نے اس پر کالم لکھا، جو انگریزی روزنامہ ''ٹیلی گراف'' کولکاتا، ''ٹریبون'' جالندھر میں ۷ فروری ۲۰۰۴ء اور ''دکن ہیرالڈ'' بنگلور میں ۱۷ر جولائی ۲۰۰۴ء کو شائع ہوا۔ اس کے قابل ذکر شمارے کچھ اس طرح ہیں: ''اردو ادب کے رجحان ساز: شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ اور مظہر امام ۲۰۰۵ء، 'تاریخ ادبیات عالم عہد ساز پیشکش ۲۰۰۵ء'، 'کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے؟' ۲۰۰۶ء، 'متھلا: اردو زبان اور تہذیب و ثقافت کا ایک قدیم مرکز' ۲۰۰۶ء، 'پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان و ادب کا کردار' ۲۰۰۷ء، 'سہرے کی ادبی معنویت' ۲۰۰۸ء اور 'سات سمندر پار کا معاصر اردو ادب' ۲۰۰۹ء۔ ان قابل ذکر شماروں نے ادبی صحافت میں ''تمثیل نو'' کو ایک مقام عطا کیا اور علمی سطح پر ہر طبقہ کو متاثر کیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کی فعالیت نے دن بہ دن اس کے شماروں میں جدت پیدا کی۔ پروفیسر قمر رئیس لکھتے ہیں:

''امام اعظم صاحب صرف متحرک اور مستعد ہی نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اپنی توانائیوں کو کس مصرف میں لائیں۔ اردو زبان کی ترویج و ترقی اور تدریسی کاموں کے علاوہ وہ ایک معیاری مجلہ ''تمثیل نو''

کی ادارت کے صبر آزما مشغلہ میں بھی فعال رہتے ہیں۔ یہی نہیں نہایت محنت اور منصوبہ بندی کے ساتھ اس کے خاص نمبر نکالتے رہتے ہیں۔'' (پیش لفظ'' گیسوئے تنقید'' ۲۰۰۸ء، ص:۷)

اگر ''تمثیلِ نو'' کی انفرادیت کی بات کریں تو سب سے پہلے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ ماہنامہ ہونے کے باوجود بھی مستقل ماہنامہ کی حیثیت سے شائع نہیں ہوتا ہے، عموماً سال/چھ ماہ میں ایک بار ہی منظر عام پر آتا ہے، لیکن اگر مواد کے لحاظ سے دیکھا جائے تو پورے سال کی بھرپائی ہو جاتی ہے اور پورے سال کی کسر پوری کرتے ہوئے ایڈیٹر کے قلم سے اداریہ بھی انتہائی طول طویل ہوتا ہے۔ سالانہ مجلّہ میں عموماً اداریہ چالیس صفحات پر مشتمل ہوتے ہیں۔ ظاہر ہے اتنا تفصیلی اداریہ یک موضوعی نہیں ہو سکتا ہے، لہٰذا اداریہ کبھی کبھی خبر نامہ بنتا ہوا دکھائی دیتا ہے تو کبھی محسوس ہوتا ہے کہ پورے سال کی ادبی سرگرمیوں کی روداد ہے۔ بعض مقامات پر ادبی مسائل و مباحث پر منطقی اور استدلالی انداز میں بات چیت کی جاتی ہے۔ اداریے کے متعلق ڈاکٹر سرور کریم لکھتے ہیں:

''تمثیلِ نو کے اداریے عموماً تین عنوانات کے تحت ہوتے ہیں: مجھے کچھ کہنا ہے، ادبی و ثقافتی خبریں اور وفیات۔ 'مجھے کچھ کہنا ہے' کے ذیل میں امام اعظم اردو کے تعلق سے عصری مسائل اور رجحانات پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں۔ 'ادبی و ثقافتی خبریں' قومی اور بین الاقوامی سطح پر ادب کی تازہ ترین سرگرمیوں اور ادبی صورت حال کا تفصیلی احاطہ کرتے ہیں۔ 'وفیات' کے کالم میں علمی، ادبی، ثقافتی شعبے سے وابستہ افراد کی وفات پر ان کی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اظہار تعزیت کی جاتی ہے۔''

(کتاب'' دربھنگہ کا ادبی منظر نامہ: ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی و صحافتی خدمات کے حوالے سے'' ۲۰۱۶ء ص:۲۸۷)

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اندازہ ہوگا کہ ''تمثیلِ نو'' کا اداریہ جداگانہ ہوتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم رسالہ سال میں ایک بار شائع کرتے ہیں، تاہم اداریہ پابندی سے ہر ماہ لکھتے رہتے ہیں۔ عام طور سے رسالوں کو مختلف گوشوں اور کالموں میں تقسیم تو کیا جاتا ہے، تاہم اداریے کو نہیں، لیکن ''تمثیلِ نو'' کا اداریہ اس لحاظ سے بھی قابل ذکر ہے۔ شمارہ نمبر ۲۸ر میں اداریہ ۳۷ر صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدائی دو صفحات 'مجھے کچھ کہنا ہے' پر مشتمل ہے، جس میں سرسری طور پر پیش نظر رسالہ کا تعارف اور اگلے شمارے 'اکیسویں صدی میں اردو صحافت' کا اعلان ہے۔ جب کہ ادبی و ثقافتی خبروں کے لیے تقریباً بیس صفحات وقف ہیں۔ بقیہ دیگر صفحات پر وفیات کی خبریں ہیں۔ میرے لحاظ سے اداریہ میں ادبی و ثقافتی خبروں کو اس اہتمام سے شائع کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے لئے موزوں طریقہ یہ ہوگا کہ اخیر کے چند صفحات پر خبریں اور وفیات کے کالم شائع کیے جائیں، تاکہ اداریہ کی روح مجروح نہ ہونے پائے کیوں کہ پیش نظر

مجموعہ کے تقریباً ۲۷ صفحات پر کہیں بھی تجزیہ کا عنصر نہیں پایا جاتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اخباروں کی کٹنگ سے اداریہ کا کالم بھر دیا گیا۔ اس حد تک تو گنجائش نکلتی ہے کہ تمام تر ادبی وثقافتی خبروں کا عمومی ذکر کرنے کے بعد بھرپور تجزیہ کیا جائے تاکہ پتا چل سکے کہ ان پروگرامس اور محفلوں سے اردو کا دائرہ کتنا وسیع ہوا ہے اور سال بھر کیسے کیسے مسائل ومباحث پر گفتگو ہوتی رہی اور فروغ اردو اور تہذیب وثقافت کے تئیں کیا لائحہ عمل تیار کیا گیا لیکن فقط ترتیب وار خبروں کا ذکر کر دینا مناسب نہیں ہے، اس کے لیے تو اخبارات کے صفحات ہی کافی ہیں۔ اسی طرح شمارہ نمبر ۱۰-۹ جس میں دو گوشے ہیں، 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' اور 'گوشہ وہاب قیصر'۔ اس میں بھی اداریہ تین گوشوں میں منقسم ۲۳ صفحات پر مشتمل ہے۔ فلمی حوالوں سے کئی مضامین پڑھے جانے کے قابل ہیں مثلاً محمد خالد عابدی کا مضمون 'مولانا ابوالکلام آزاد اور فلم'، 'فکشن: الیکٹرانک میڈیا کے تناظر میں' (پروفیسر خالد سعید) اور 'اردو کی کہانی فلموں کی زبانی' (پروفیسر شاکر خلیق) وغیرہ۔

شمارہ -۲۹ ر''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' کے مسائل ومباحث پر مبنی ہے۔ اس شمارے میں شامل مضامین کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم انتخاب مضامین میں کسی کی پروا نہیں کرتے، بلکہ حالات کے مدنظر جو مواد انھیں ہاتھ آتا ہے، اسے ضرور شائع کرتے ہیں۔ صحافت کا دو سوسالہ جشن مناتے ہوئے کیا کچھ نہیں کہا گیا اور ہر ایک کی زبان پر یہی تھا کہ اردو صحافت کا حال تابناک ہے اور مستقبل تو مزید تابناک ہے ہی۔ مستزاد یہ کہ صحافت پر گوشہ شائع کرنے والوں نے بھی وہی کچھ شامل کیا ہے جو ہمیں خام خیالی میں مبتلا رکھے، تاہم حقائق کو چھپانے والوں سے برعکس امام اعظم نے صحافت پر بھرپور گوشہ شائع کیا اور ایسے مضامین بھی شامل کئے، جو موجودہ صحافت پر حقیقت پسندانہ ہوں۔ اس بیباکی سے صاف ظاہر ہے کہ تمثیل نو حق پسندی کا علمبردار ہے، نہ کہ فقط رٹے رٹائے جملوں کو فروغ دینا اس کا شیوہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ ''تمثیل نو'' گزرتے ایام کے ساتھ اور بھی نکھر کر سامنے آرہا ہے، اس کے مشمولات قابل توجہ ہوتے جارہے ہیں۔ ہر آنے والے شمارہ کو پہلے شمارے سے ممتاز ومنفرد بنانے کی لاشعوری کوشش نظر آتی ہے اور ڈاکٹر امام اعظم کا تجربہ ہر نئے شمارے کو دلکش بناتا ہے اور ادبی صحافت میں اس رسالے کی ایک نئی مثال قائم ہوجاتی ہے۔

(ماخوذ مضمون ''متھلانچل میں اردو صحافت'' مطبوعہ ماہنامہ ''اردو دنیا'' نئی دہلی اپریل ۲۰۱۶ء)

□□□

ریسرچ اسکالر، جواہر لعل نہرو یونیورسٹی، دہلی

موبائل: 9810318692، ای-میل: salmansamadsalman@gmail.com

تبصرے

● نام رسالہ: سہ ماہی ''تمثیل نو'' دربھنگہ (ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم قیمت: ۱۵ر روپے
رابطہ: اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۴ (بہار) مبصر: خلیق انجم (دہلی)

سہ ماہی ''تمثیل نو'' پچھلے تین مہینے سے دربھنگہ سے شائع ہو رہا ہے، یہ ایک ادبی پرچہ ہے جس میں مختلف موضوعات پر مضامین، کہانیاں، نظمیں، غزلیں، تبصرے اور خطوط وغیرہ شامل ہیں۔ رسالے کے شروع میں ''کھگرا میلہ مشاعرہ ۱۹۵۵ء کی ایک جھلک'' کے عنوان سے ایک مضمون ہے جس میں کھگرا میلہ میں ہونے والے مشاعرے کی مختصر کارروائی بیان کی گئی ہے اور مشاعرے میں پڑھی جانے والی چار یا پانچ غزلیں شامل کی گئی ہیں۔ اس مضمون کے مصنف ہیں اکمل یزدانی جامعی۔ اس کے بعد پروفیسر حافظ عبدالمنان طرزی نے دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ لکھی ہے جس کی یہ ایک قسط ہے۔ 'تمثیل نو' کے پچھلے شمارے میں بھی اس تاریخ کا ایک حصہ شائع ہوا تھا 'قائماں' کے عنوان سے زندہ ادیبوں کے مختصر ترین حالات لکھے گئے ہیں۔ اگر ان حالات میں مصنفین کی تاریخ ولادت بھی شامل کر لی جاتی تو مناسب ہوتا۔ پروین شاکر ہماری ان چند ممتاز شاعروں میں تھیں جن کی شاعری میں بھرپور نسائیت ہے، ان کے بہت سے اشعار ایسے ہیں جو اردو والوں کے ذہنوں میں محفوظ ہیں۔ بس دو شعر ملاحظہ ہوں:

کمال ضبط کو خود بھی تو آزماؤں گی	میں اپنے ہاتھ سے اُس کی دلہن سجاؤں گی
میں سچ کہوں گی مگر پھر بھی ہار جاؤں گی	وہ جھوٹ بولے گا اور لاجواب کر دے گا

کہانیوں میں اقبال انصاری صاحب کی کہانی ''دو سال'' بہت پسند آئی۔ اقبال صاحب ہمارے ممتاز فکشن نگار ہیں لیکن انہیں اردو فکشن کے ناقدین نے وہ اہمیت نہیں دی جس کے وہ مستحق ہیں۔ سہ ماہی 'تمثیل نو' ایک اچھا صاف ستھرا ادبی رسالہ ہے' ہمارے ادبی رسالوں میں ایک ممتاز حیثیت کا مستحق ہے۔
(مطبوعہ: ہفت روزہ 'ہماری زبان' نئی دہلی ۲۲ تا ۲۸ نومبر ۲۰۰۱ء)

....

● نام جریدہ: سہ ماہی 'تمثیلِ نو' (اپریل تا جون ۲۰۰۲ء) ایڈیٹر: ڈاکٹر امام اعظم
زرسالانہ: ۱۰۰ر روپے رابطہ: اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۴ (بہار)
مبصر: ظہیر غازی پوری، ہزاری باغ (جھارکھنڈ)

''تمثیلِ نو'' کے اداریہ میں سچ کی تلخی بھی ہے اور غور وفکر کے لائق مسائل بھی۔ مدیر کی یہ رائے صحیح ہے کہ آج کے ادیب وشاعر یا اردو کے نام پر ہزاروں لاکھوں کمانے والے اردو کے خدمت گار، نہ تو خود اردو کے رسائل وکتب خریدتے ہیں اور نہ طلباء ولواحقین میں اس کا شوق وذوق پیدا کرتے ہیں۔ پروفیسر عبدالمنان طرزیؔ نے اپنے لئے ایک الگ میدان چن لیا ہے جو منفرد بھی ہے اور قابلِ توجہ بھی۔ انہوں نے قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، آل احمد سرور، ہیرا نند سوز وغیرہ پر قطعہ تاریخ لکھ کر بہترین خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ مولانا قاسمی، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور 'تمثیلِ نو' پر ان کی نظمیں ادبی تاریخ میں محفوظ رہیں گی۔ شعیب شمس مرحوم کی ڈاکٹر شکیل الرحمٰن سے گفتگو کارآمد اور معلومات افزا ہے۔ یہ سچ ہے کہ فنکار حُسن کی تلاش کرتا ہے۔ لیکن اس کا رویہ حقیقت پسندانہ ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ناقد منطقی اور فلسفیانہ گفتگو کر کے تیس مار خاں بن جاتا ہے۔ آج کی بیشتر تنقید شخصیت پرستی کی آئینہ دار ہے۔ ناقد کو حقیقتاً تخلیق کار کے پیچھے چلنا تھا۔ مگر اسے یہ گوارہ نہ ہوا تو اس نے دبستان تنقید کا دفتر کھول دیا اور اپنی بلند قامتی کے دعوے کرنے لگا۔ جناب مظہر امام کی مرتب کردہ کتاب ''نگارشاتِ آرزو جلیلی'' پر حسن امام درد کے معلوماتی تعارفی مضمون نے خوشگوار تاثر قائم کیا۔ احمد سہیل نے ڈاکٹر ستیہ پال آنند کی نظم ''تیسرا زخم'' کا تجزیہ خوبصورت اور معروضی انداز میں لکھا ہے۔ ان کی تنقیدی نظر نے نظم کے ان گوشوں کو بھی اجاگر کیا ہے جہاں پر قاری نہیں پہنچ سکتا تھا۔ ڈاکٹر ظفر حمیدی بزرگ اور کہنہ مشق شاعر ہیں۔ غالباً ان کے پہلے مجموعہ پر میں نے اس وقت تبصرہ لکھا تھا جب ''دوماہی سریر'' (گیا) سے وابستہ تھا۔ ابواللیث جاوید نے سچی بات لکھی کہ ''ظفر حمیدی اپنی فکری پرواز میں اپنے بیشتر ہم عصروں سے کہیں بالاتر ہیں۔'' اس مضمون میں اہم ہمعصر شعراء کا نام بھی شامل ہوتا تو مضمون زیادہ افادی ہو جاتا۔

ڈاکٹر خالد حسین خاں نے ''لندن یاترا'' کو عمومی نوعیت کے سفرناموں کی صف میں رکھا ضرور مگر ''نمایاں'' اور ''نمائندہ'' لکھ کر اپنی بات کی تلخی پر شکر یں تہہ چڑھا دی۔ ''مکمل ومجسم ہرفن مولا'' والی بات دل کو چھوتی ہے۔ اقبال انصاری کا مختصر مضمون ''وہ دن دور نہیں'' کوزے میں سمندر کے مصداق ہے۔

جناب طرزیؔ نے بھرپور داد اپنی زندگی ہی میں وصول کر لی ہے۔ انہیں میرا ایک شعر سنا دیجئے:

تا عمر جواں رہتا ہے ہر شاعر خوش گو   افکار کی دنیا میں ضعیفی نہیں آتی

اقبال انصاری نے دل لگتی بات لکھی کہ اُردو دنیا میں صرف مردہ نہیں بلکہ زندہ اربابِ فن کی بھی پذیرائی ہوتی ہے۔ مجھے ان کی باتوں سے اتفاق ہے کہ بڑے عہدوں پر فائز سیاستدانوں کے حاشیہ بردار

اورخوشامدیوں کے قافلہ سالار کچھ ادیب، نقاد اور شاعر ایسے بھی ہیں جن پر کوئی تبصرہ نہیں ہوسکتا جوان کے خلاف لکھنے کی جرأت کرے، خود معتوب ہوگا۔

مدت دراز کے بعد پروفیسر سید منظر امام کا مختصر سا مضمون ''اقبال انصاری کا فن......'' نظر سے گذرا۔ پڑھ کر اندازہ ہوا کہ فکشن پر ان کی گہری نظر ہے۔ انہوں نے اقبال انصاری کے فن میں کردار نگاری اور ماحول سازی جیسی خوبیوں کی نشاندہی کی ہے اور یہ بھی کہ ان کی کہانی کا نقطۂ عروج موپاساں کی یاد دلاتا ہے۔ اقبال انصاری اگر قلم کے تیز ہیں تو یہ بری بات نہیں۔ بس اتنی احتیاط برتنی چاہئے کہ یکسوئی اور ذہنی سکون حاصل ہو۔ تبھی تخلیقی کام کیا کریں۔ مہرالنساء کے جاسوسی ادب سے متعلق مضمون میں بہت ساری اہم باتیں یکجا ہوگئی ہیں جن سے مستقبل میں استفادہ کیا جاسکے گا۔ نفیس بانو شمع نے تاریخی اور تحقیقی نوعیت کا مضمون لکھا مگر خود ہی تشکیک بھی پیدا کردی۔ ''سستی پور ماضی کے آئینے میں'' دلچسپ اور معلوماتی ہے۔ مرشد حسن کامل کے اس شعر نے بہت متاثر کیا:

مسند سے اٹھ کر بیٹھ گئے فرشِ خاک پر
جب ہوگئے فقیر تو بستر بدل گیا

جوگندر پال کا ''نہیں رحمٰن بابو'' اور عظیم صدیقی کا ''بیوی کی ریٹائرمنٹ'' نے دل بستگی کے سامان فراہم کئے اور دیرپا تاثر چھوڑا۔

اس شمارہ کے مخصوص شاعر ناشاد اورنگ آبادی کا یہ شعر دل پر نقش ہوگیا:

پھینک کر کنکر ہمیشہ دائرے گنتے رہے
اچھی خاصی جھیل کو یاروں نے بنجر کردیا

نظموں اور غزلوں کی کہکشاں نے ذہن کو تابناکی اور دل کو سرور بخشا۔ تبصروں اور مراسلوں کا حصہ بصیرت افروز ہے۔ ''تمثیلِ نو'' نے عہد رواں کے بیشتر اہم اور معتبر تخلیق کاروں کو زیر نظر شمارے میں یکجا کر کے یہ ثبوت فراہم کردیا ہے کہ نئے پرانے بیشتر اربابِ فن کا تعاون اسے حاصل ہے۔ ''تمثیلِ نو'' میں ایک طرح کی انفرادیت ہے اور اس کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ شعر بار بار ذہن میں آتا ہے:

ہم اپنا آسمانِ فن خود اپنے ساتھ رکھتے ہیں
کسی کی شمع سے گھر میں ضیاباری نہیں کرتے

(مطبوعہ ہفت روزہ ''ہماری زبان، نئی دہلی)

● نام رسالہ: سہ ماہی "تمثیل نو" (جون تا اگست ۲۰۰۱ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۸۰
سالانہ زر تعاون: ۶۰ روپے پتہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۴ مبصر: محمود عالم (ریاض، سعودی عربیہ)

دربھنگہ صوبہ بہار کا وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں ہر دور میں اہل علم پیدا ہوتے رہے ہیں۔ بالخصوص علم دین میں اس خطہ کو ایک امتیاز حاصل رہا ہے۔ یہاں کے اسلامی مدارس علم دین کا اعلیٰ معیار پیش کرتے رہے ہیں۔ حفاظ قرآن کریم کی تعداد جس قدر یہاں ہے شاید کسی خطہ میں ہو۔ ڈاکٹر امام اعظم نے تمثیل نو کے نام سے ایک معیاری ادبی مجلّہ شائع کر کے اس علاقہ اور ادبی حیثیت کو ایک بار پھر اہل علم کے سامنے واضح کر دیا ہے۔

تمثیل نو کا یہ دوسرا شمارہ ہمارے سامنے ہے اس کے سرورق پر یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ یہ جدید تر شعری و ادبی رجحانات کا ترجمان ہے۔ لیکن اداریے میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ:

> "اردو زبان و ادب کے فروغ اور اس کی بقا کے لئے اب یہ ضروری ہو گیا ہے کہ ادیب اور قارئین ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اردو کی آبیاری کے لئے جان کی بازی لگا دیں۔ کیونکہ گذشتہ نصف صدی سے مسموم ہوائیں اس زبان کی شاداب شاخ کو مرجھانے کے درپے ہیں۔"

ہمارے یہاں جس طرح مذہبی علماء میں گروہ بندیاں ہیں۔ دیوبندی، بریلوی اور سلفی علماء جس طرح آپس میں دست و گریباں ہیں اگر ادب میں قدامت پسند، ترقی پسند، جدیدیت پسند اور اسلام پسند کے نام پر گروہی عصبیت کا یہی حال رہا تو بیچاری اردو زبان کا اللہ ہی حافظ ہے۔ ادب میں کم از کم اتنی گنجائش رہنی چاہئے کہ اگر کوئی شاعر یا نقاد اپنی تخلیقات اور نگارشات سے اردو زبان و ادب میں کوئی قیمتی اضافہ کر رہا ہے، انسانیت کو کچھ دے رہا ہے تو ہم اسے فراخ دلی کے ساتھ قبول کر لیں خواہ اس کا تعلق کسی نظریاتی گروہ سے ہو۔ بدتمیزی اور بے ہودگی کی اجازت کسی کو بھی نہیں دی جا سکتی خواہ اس کا تعلق اسلام پسندوں ہی سے کیوں نہ ہو۔ ادب اعلیٰ انسانی اخلاقی اقدار کا محافظ اور امین ہے۔ جس کے یہاں اس کا احترام نہیں اس کا ہمارے یہاں کوئی مقام نہیں۔

زیر تبصرہ شمارے میں اداریہ اور قارئین کے خطوط کے علاوہ پانچ مضامین، ایک منی کہانی، چار افسانچے، ۲۳ غزلیں، ۴ قطعات، دو رباعیات، ایک طویل نظم "دربھنگا کی منظوم ادبی تاریخ"، پانچ نظمیں، چار کتابوں پر تبصرے اور انشائیہ شامل ہیں۔ تمام مشتملات خواہ وہ منثور ہوں یا منظوم معیاری ہیں اور پڑھنے کے لائق ہیں۔ راقم الحروف نے تو اشتہارات بالخصوص مدرسہ امدادیہ کے اشتہار کو بھی بڑی توجہ سے پڑھا ہے اور کیوں نہ پڑھے

آج سے تقریباً سوا سو سال پہلے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ کی سرپرستی میں یہ مدرسہ قائم ہوا تھا۔

اس شمارے میں سب سے وقیع پروفیسر حافظ عبد المنان طرزی کی طویل نظم ''دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ'' ہے۔ پانچ صفحات کی اس نظم میں انہوں نے ۱۲۰ شخصیات کو سلک کلک میں پرویا ہے۔ غالباً اس کا کچھ حصہ بھی شائع ہونا باقی ہے۔ پروفیسر محمد مطیع الرحمٰن صاحب کا مضمون ''سانحہ بابری مسجد اور منصور عمر'' بھی خاصے کی چیز ہے۔ موصوف کو جغرافیہ اور آثار قدیمہ بالخصوص مزارات سے خاص دلچسپی رہی ہے اور اس مختصر مضمون میں انہوں بیش بہا علمی ادبی اور تاریخی معلومات کو پیش کر کے ہماری معلومات میں ایک قیمتی اضافہ فرمایا ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور جناب جمال اویسی کے مضامین بھی خوب ہیں لیکن دونوں مضامین پروفیسر گوپی چند نارنگ کے تنقیدی نظریات کے گرد گھومتے ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق کا مضمون تو خیر ٹھیک ہے لیکن جمال اویسی صاحب نارنگ اور فاروقی کے باہمی علمی معرکہ آرائی میں اول الذکر کے طرفدار نظر آرہے ہیں۔ اس قدر سطحی انداز میں فاروقی پر حملہ کرنا اچھا نہیں لگا۔ جناب شمس الرحمٰن فاروقی اردو کے قد آور نقاد ہیں نئی نسل کو ان سے استفادہ کرنا ہے۔ ہم کسی کے نظریات سے اختلاف کا حق رکھتے ہیں لیکن اس کے اظہار کے لئے سلیقہ چاہئے اس کی کمی کا احساس جمال اویسی کے مضمون میں شدت سے ہوتا ہے۔ تنقیدی مضامین میں سب سے اہم مضمون جناب محمد سالم کا مضمون ''نئی سمت نئے تقاضے'' ہے۔ سالم صاحب ایک سلجھے ذہن کے ادیب اور ناقد ہیں۔ قدرت کے کیا کیا کرشمے ہیں۔ پروفیسر ایم کمال الدین بھی انشائیہ لکھ رہے ہیں۔ ان کا انشائیہ جو اس شمارے میں وعدہ کے عنوان سے شائع ہوا ہے بہت خوب ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر کے قطعات بھی پسند آئے۔ ''نیا ہزارہ'' اور تہلکہ ڈاٹ کوم پر قطعات لکھ کر انہوں نے اپنی قادرالکلامی ثابت کی ہے۔ معلوم ہوا کہ واقف عظیم آبادی مرحوم کی جگہ لینے والا ظہور پذیر ہو گیا ہے۔ ظفر اسلام ہاشمی کا افسانچہ اور جناب اقبال انصاری کی منی کہانی بھی پڑھنے کے لائق ہے۔ غزلوں اور نظموں میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے نظر انداز کر دیں۔ سب خوب ہیں اور بہت خوب ہیں۔ البتہ مسٹر چندر راکیش کی نظم ''پھٹا پاجامہ'' بالکل پھٹا پاجامہ ہی ہے آج جو سماج میں زہر پھیل رہا ہے وہ باپو نہیں گرو گوالکر کے سپنو لے پھیلا رہے ہیں۔ حقائق کو مسخ کرنا اور اس کے لئے ادب کا سہارا لینا بڑی بے ادبی ہے۔ مجموعی حیثیت سے یہ مجلّہ خوب ہی نہیں بہت خوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نظر بد سے بچائے اور حیات جاوداں عطا فرمائے۔ آمین!

(مطبوعہ: 'اردو بک ریویو'، دہلی جولائی تا اگست ۲۰۰۱ء)

(کتاب ''تحصیل و ترسیل'' از: محمود عالم مرتب: محمد عارف اقبال اشاعت: اپریل ۲۰۱۴ء)

● رسالہ کا نام: ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ (اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء) مدیر اعزازی :ڈاکٹر امام اعظم
قیمت: سو (۱۰۰) روپے رابطہ: تمثیلِ نو، محلہ گنگوارہ، پوسٹ سارا موہن پور، دربھنگہ۔۷
مبصر: پروفیسر قمر جہاں، ۳۰ رھیکن پور۔ ہٹیا، بھاگل پور۔۸۱۲۰۰۱ (بہار)

اردو مر نہیں رہی ہے، اردو از سرِ نو زندہ ہو رہی ہے۔ زندہ زبان و ادب کی پہلی پہچان ہے کتابیں اور رسائل اور بولنے والوں کی بڑھتی تعداد۔ ان تین پہلوؤں کے تناظر میں غور کیا جائے تو ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ پہلے کے مقابلے میں ہم آج اردو کے سلسلہ میں زیادہ بیدار مغز ہو گئے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ بہت جلد ہم نے اپنی کھوئی ہوئی وراثت کی بازیافت کی کوشش شروع کر دی ہے۔

آج اردو میں رسالے بے شمار شائع ہو رہے ہیں لیکن کسی سنجیدہ مقصد کو لے کر کام کرنے کا رجحان ڈاکٹر امام اعظم کی ایک الگ پہچان ہے۔ مارچ ۲۰۰۱ء سے شائع ہونے والا رسالہ ''تمثیلِ نو'' کا تقریباً ہر شمارہ اپنے قاری کی خصوصی توجہ کا طالب ہے۔ خاص طور سے جو موضوعاتی گوشے سامنے آ رہے ہیں اُن کے مطالعے سے اردو ادب کی سمت و رفتار کے ساتھ ڈاکٹر امام اعظم کی متفرق موضوعات سے بھرپور دلچسپی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ حالیہ شمارے میں انھوں نے اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر کے ساتھ دو خصوصی گوشے بھی پیش کیے ہیں۔ مشہور شاعر وسیم بریلوی اور معروف افسانہ نگار یٰسین احمد کے خصوصی مطالعے نے موضوعاتی اعتبار سے رسالے کی وقعت بڑھائی ہے۔

اداریہ بعنوان ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے تحت ڈاکٹر امام اعظم نے ''تمثیلِ نو'' کے گذشتہ خصوصی شماروں کا بھی ذکر کیا ہے اور زیرِ بحث شمارے میں شامل مواد و موضوعات کی بھی ایک جھلک دکھائی ہے۔ ساتھ میں 'ادبی و ثقافتی خبریں' کے عنوان سے ۲۰۱۲ء میں ہونے والے سیمینار اور ورک شاپ وغیرہ کی تفصیلی رپورٹنگ کی ہے۔ بعد میں وفیات کا کالم ہے جس میں سالِ رفتہ میں جو دانشورانِ ادب و فن ہمیں داغِ مفارقت دے گئے ہیں ان سب کے سنہ حیات و موت کے ساتھ ان کے کارناموں کا بھی سرسری جائزہ ہے۔ اس طرح یہ حصہ کافی وقیع بن گیا ہے اور ڈاکٹر امام اعظم کے تحقیقی رجحان اور علم دوستی کا بھرپور ثبوت ہے۔

''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' کے عنوان سے کل چھ مضامین ہیں۔ ان میں نئے عہد کی ناولاتی تخلیقیت کی بوطیقا (نظام صدیقی)، اردو ناول کا پس منظر و پیش منظر (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، اردو ناول..... کل اور آج..... ایک جائزہ (ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی)، ناولٹ ''آنچ'' کی فلسفیانہ اساس (ڈاکٹر ایم اے ضیاء)، نئے عہد کی بوطیقا ''پلیتہ'' (حقانی القاسمی)، ذوقی کے ناول ''لے سانس بھی آہستہ''

(ناظم جلیلی)، سنگم پر غضنفر کا مانجھی (ڈاکٹر امام اعظم) اپنے عنوان سے لے کر موضوع اور مواد کی طرح داری تک قاری کی توجہ کو اپنی گرفت میں لیے رہتے ہیں اور جدید اردو ناول کے متعلق اچھی خاصی معلومات یکجا کرتے رہتے ہیں۔

خصوصی مطالعے میں مشہور و معروف شاعر ''وسیم بریلوی'' اور اردو افسانے کا ایک معتبر نام یٰسین احمد پر دیے گئے خاکے و مضامین جہاں ان دو نمائندہ ناموں کے روشن امکانات کی گواہی دے رہے ہیں وہیں زیر بحث شمارے کے وزن اور وقار میں بھی اضافے کا سبب بنے ہیں۔ ان خصوصی گوشوں کے بعد مضامین کا عنوان ہے جس میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے ''ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح'' کا بھرپور جائزہ لیا ہے۔ سیّد صابر حسن نے پروفیسر قمر اعظم ہاشمی کی خودنوشت ''سرسری اس جہاں سے گزرے'' کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ اختر جاوید نے ''آواز میری گیسوئے شب کھول رہی ہے'' کے خوب صورت عنوان سے عالمی ادب میں سوانح نگاری اور خودنوشت کی تاریخ دہرائی ہے۔ ساتھ ہی معروف افسانہ نگار اور صحافی سیّد منظر امام کی ''یہ خودنوشت ہی ہے'' سے متعلق اچھی معلومات بہم کی ہیں۔ ان کے علاوہ سرور کریم، رضوانہ پروین ارم، اسلم چشتی، مجیر احمد آزاد، شبانہ خاتون شمن، محمد سمیع، بی بی شہناز بانو، انجاز احمد، امام اعظم وغیرہ نے مختلف موضوعات پر اپنے مضامین پیش کیے ہیں۔ پرانے اور نئے لکھنے والوں کا ایک بڑا حلقہ سامنے آتا ہے۔ انشائیے میں جمال ہاشمی کا ''تھالی کا بیگن'' اور امان خاں دل ''ہم زلف'' لے کر حاضر ہوئے ہیں۔ افسانے میں اقبال انصاری (صاحب)، نقشبندی قمر نقوی (طوفانی)، اطہر مسعود خاں (کتاب میں کیا ہوتا ہے) کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ تہنیتی نظم ''آتش کدۂ نشاط'' عبدالعلیم آسی کی طویل نظم بہ زبان فارسی کا اردو ترجمہ مشہور و معروف شاعر علقمہ شبلی نے دل پذیر انداز میں کیا ہے۔ باب غزل و نظم میں بے شمار نام ہمیں متاثر کرتے ہیں۔ ان میں حامدی کاشمیری، سیّد امین اشرف، حباب ہاشمی، حیدر وارثی، فراغ روہوی، سیما عابدی کے ساتھ ایک لمبی فہرست ہے۔ تبصرے میں مناظر عاشق ہرگانوی، ایم صلاح الدین، سرور کریم، وصیہ عرفانہ، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، شاہد اقبال، احمد معراج، شبانہ خاتون شمن متاثر کرتے ہیں۔ ''چند یادیں'' میں انیقہ نرگس وہ انمول پل کا ذکر بڑے سہانے انداز میں کرتی ہیں۔ انٹرویو میں ڈاکٹر امام اعظم سے آفرین حسین کی بات چیت سننے کو ملتی ہے تو مصاحبہ میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کے ساتھ رخشندہ جلیل انٹرویو لیتی نظر آتی ہیں۔ اس طرح کل ۳۲۰ صفحات پر مشتمل زیر بحث جریدہ ایک ادبی دستاویز کی حیثیت اختیار کر چکا ہے مگر اتنے سارے اہم و غیر اہم مواد کو ایک جگہ جمع کر دینے

سے تھوڑی سی قباحت بھی ہوئی ہے۔ کیا پڑھوں اور کیا چھوڑوں کی کیفیت میں قاری الجھ جاتا ہے۔ بہر کیف! موجودہ صورت میں رسالے کی قیمت صرف سو روپے کم ہے۔ امید ہے کہ ادبی حلقے میں اسے بھرپور پذیرائی ملے گی انشاء اللہ!

(مطبوعہ: روزنامہ "قومی تنظیم"، پٹنہ ۴ر جون، ۲۰۱۳ء)

....

● نام رسالہ: سہ ماہی "تمثیل نو" در بھنگہ (جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء) ص: ۹۶ قیمت: ۱۵ر روپے
مدیر: ڈاکٹر امام اعظم رابطہ: اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، در بھنگہ-۴ مبصر: ڈاکٹر مجید بیدار (حیدر آباد)

ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت اور زہرہ شمائل کی معاونت میں بہار کے شہر در بھنگہ سے شائع ہونے والے سہ ماہی جریدے "تمثیل نو" نے اپنی ابتداء کے ساتھ ہی ترقی کی منزلیں تیز رفتاری کے ساتھ طے کرنا شروع کر دیا ہے۔ ابتدائی چار شماروں سے ادبی طور پر شہرت حاصل کرنے والے اس شمارہ نے ادب کی مختلف اصناف کی نمائندگی اور ہمہ جہت ترقی کو نمایاں کرنے کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں اس رسالے کی ترتیب میں ندرت دکھائی دیتی ہے وہیں اس شمارہ میں شامل مختلف النوع مضامین قابل مدیر کی صلاحیتوں کے معترف بھی ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اداریہ کے ذریعہ "تمثیل نو" کے گذشتہ شماروں کی انفرادیت اور اس رسالہ کی انٹرنیٹ پر پیشکش کے ساتھ ہی علم و ادب کی اہم ہستیوں کی رحلت پر افسوس کا اظہار بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر حافظ عبدالمنان طرزی نے مشاہیر ادب کی وفات پر قطعات تاریخ اور قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کی رحلت پر ۲۶ر اشعار میں منظوم خراج عقیدت پیش کرنے کے علاوہ پروفیسر گوپی چند نارنگ کی مدح صنعت توشیح میں پیش کر کے "رعنائی تمثیل نو" کے زیر عنوان رسالہ کی مدح سرائی کی ہے جس سے فن شاعری سے طرزی کی فطری رغبت کا پتہ چلتا ہے۔ خود مدیر نے اس رسالہ کو جدید تر شعری و ادبی رجحانات کا ترجمان قرار دیا ہے۔ سرورق پر خوبصورت شعر "تمثیل نو" سے متعلق درج ہے جبکہ پہلے صفحہ کی پیشانی پر "تمثیل نو ایک معتبر جریدہ" تحریر کر کے رسالہ کے آغاز کی تاریخ 2001ء برآمد کی گئی ہے۔ یہ عمل خود رسالہ کی انفرادیت کا ضامن ہے۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن سے انٹرویو بھی شامل اشاعت ہے جس کے بعد آٹھ مضامین کے ذریعہ مختلف قلم کاروں کی نگارشات پیش کی گئی ہیں جس کے بعد تحقیق، تاریخ، کہانی، افسانے، طنز و مزاح کے ساتھ اس شمارہ کے مخصوص شاعر کے ذریعہ ناشاد اورنگ آبادی کے تعارف اور کلام کو شامل کیا گیا جو تاثراتی نوعیت کا علمبردار ہے۔ نظمیں، غزلیں، تبصرے اور پھر "راہ و رسم" کے زیر

عنوان قارئین کے خطوط پیش کیے گئے ہیں۔ تنقیدی وتحقیقی مضامین، تجزیے اور تاثرات کے حسن امتزاج کا نام "تمثیل نو" رکھا جائے تو انتہائی مناسب ہے۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی نے اسلوبیاتی، اسطوری، انہدامی، وجودی، مظہری ساختیاتی، پس ساختیاتی، ساخت شکن اور مابعد جدید تنقید کو اکیسویں صدی کے افہام وتفہیم کا انقلابی رویہ قرار دیا ہے جب کہ احمد سہیل نے ستیہ پال آنند کی نظم کے تجزیے کے ذریعے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ نظموں میں چار قسم کی تمثال جیسے مفرد تمثال، تجریدی تمثال، منتشر تمثال اور مخلوط تمثال کا استعمال ہوتا ہے جس کا اظہار نظم "تیسرے زخم" میں موجود ہے۔ ابواللیث جاوید نے ڈاکٹر ظفر حمیدی کو انعکاس کا شاعر قرار دیا ہے۔ سفرنامہ "لندن یاترا" کے جائزے میں ڈاکٹر خالد حسین خاں نے اس سفرنامے کے عوامل کو نمایاں کیا ہے۔ اقبال انصاری نے طرزی کی منظوم تاریخ "رفتگاں وقائماں" اور پروفیسر سید منظر امام نے اقبال انصاری کے فن پر تاثرات پیش کیے ہیں۔ مہرالنساء کا مضمون "اردو میں جاسوسی ادب" ہلکا پھلکا ہے۔ نفیس بانو شمع نے "کوہ جودی" اور ڈاکٹر انیس صدری نے "سمتی پور" کے ماضی پر بہتر مضامین تحریر کیے ہیں۔ ڈاکٹر عظیم نگاری کی کہانی "بیل" اردو ادب کو کہانی کی روایت میں لے جاتی ہے۔ افسانہ نگاروں میں جوگیندر پال، نسیم محمد جان اور کاشف حسین کے افسانچے دلچسپ اور موزوں ہیں۔ عظیم صدیقی کا طنزیہ مزاحیہ مضمون "بیوی کی ریٹائرمنٹ" خاصے کی چیز ہے۔ تذکرے کے انداز پر ناشاد اورنگ آبادی کا تعارف کروایا گیا ہے۔ جس کے بعد نظموں اور غزلوں کا حصہ پیش کیا گیا ہے۔ شاعروں کی غزلیں اس شمارہ میں شامل ہیں جب کہ تین قلمکاروں نے جگن ناتھ آزاد بطور اقبال شناس "منظومہ" از انور شیخ، "تنقید کی زبان" از پروفیسر ایم کمال الدین کے علاوہ دو شعری مجموعے "نئے علاقے میں"، "دعا کا شجر" اور قاضی عبدالودود کی علمی وادبی خدمات پر تبصرہ پیش کیا ہے۔ جبکہ وہ قلمکاروں کی رائے کو خطوط کے طور پر "تمثیل نو" میں جگہ دی گئی ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ اس نئے رسالے نے نثری تخلیقات پر خصوصی توجہ دی ہے۔ مجلس مشاورت اور معاونین خاص میں کئی اہم اشخاص کے نام شامل ہیں۔ رسالے کے مطالعہ سے اہل علم حضرات کو بصیرت حاصل ہوتی ہے اور اردو قارئین کی تعداد میں کمی کے اس دور میں ایسا اہم سہ ماہی رسالہ شائع کرنا بڑی ہمت کا کام ہے اور چونکہ یہ کارنامہ ڈاکٹر امام اعظم نے انجام دیا ہے اس لئے نہ صرف وہ بلکہ ان کے ہم نوا مبارکباد کے مستحق ہیں۔ یہ شمارہ دور حاضر کے ادبی منظر نامے کے علاوہ ماضی قریب اور ماضی بعید کی ادبی تاریخ کا ایک بہترین موقع ہے۔ ادب کے قارئین کے لئے یہ ایک تحفہ سے کم نہیں۔ اردو کے قلمکاروں اور ادب دوستوں سے توقع

ہے کہ وہ اپنی تخلیقات اور تعاون کے ذریعہ اس رسالہ کی توسیع اشاعت میں ضرور حصہ لیں گے۔ اردو اساتذہ کے شخصی ملاحظہ اور کتب خانوں میں اس رسالہ کو محفوظ کیا جانا چاہئے۔

(مطبوعہ روزنامہ ''سیاست'' حیدرآباد ۲۲ر جولائی ۲۰۰۲ء)

....

● **نام رسالہ: سہ ماہی ''تمثیل نو'' (جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۲۰۸ قیمت: ۴۰ روپے رابطہ: اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ۔۴ مبصر: ڈاکٹر مجید بیدار (حیدرآباد)**

متحدہ ہندوستان میں جان کی بازی لگا کر ملک کی آزادی کے لئے انگریزوں کے خلاف عملی جدوجہد کا آغاز کرنے والے سپاہیوں نے جس زبان کے سہارے پہلی جنگ آزادی میں حصہ لیا وہ اردو زبان ہی تھی جس کے نعروں نے سارے ملک کو متحد کر دیا۔ آج ہندوستان کی آزادی کے ساٹھ سال بعد پہلی جنگ آزادی کی ایک سو پچاس سالہ تقاریب منائی جا رہی ہے تو اردو کے بہی خواہوں پر یہ بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے اسلاف کے ورثہ کو نہ صرف نئی نسل کے روبرو پیش کریں اور ان دستاویزات کو بھی منظر عام پر لائیں جن کے نتیجہ میں ماضی کی خونچکاں داستان سے واقف ہو کر دنیا کے سامنے حقائق کی رونمائی کر سکیں۔ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی کی تقاریب ملک کے ہر خطہ میں منائی جا رہی ہیں لیکن یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ پہلی جنگ آزادی کی تقریب منانے میں بہار کے ایک اہم علاقہ دربھنگہ نے پیش رفت کی اور مارچ کے مہینے میں دو روزہ سیمینار کا انعقاد عمل میں لایا گیا۔ اس سیمینار کے موقع پر تصویری نمائش کا اہتمام بھی کیا گیا۔ اس سیمینار کا افتتاح لالو پرساد وزیر ریلوے نے انجام دیا جبکہ ریاستی وزیر مملکت محمد علی اشرف فاطمی نے شمع جلا کر مشاعرہ کا افتتاح کیا۔ سیمینار میں پیش کردہ تمام مقالہ جات اور پہلی جنگ آزادی کی تصاویر کو یکجا کر کے رسالہ ''تمثیل نو'' کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم نے خصوصی شمارہ کی اشاعت عمل میں لائی جس میں سیمینار کی روداد، مقالوں کی تلخیص اور تحقیقی انداز میں ۱۸۵۷ء کے واقعات کو پیش کیا گیا ہے۔ ''تمثیل نو'' کا یہ شمارہ نہ صرف ۱۸۵۷ء کی پہلی جنگ آزادی کے بارے میں مستند مواد فراہم کرتا ہے بلکہ اس رسالہ میں تصویروں کی زبانی ۱۸۵۷ء کے دوران رونما ہونے والے حالات کی نمائندگی بھی کر دی گئی ہے۔ جس کی وجہ سے رسالہ کی حیثیت تاریخی اہمیت کی حامل ہو گئی ہے۔ سہ ماہی رسالہ ''تمثیل نو'' تقریباً سات سال سے اپنی آب و تاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور پہلی جنگ آزادی کے نام معنون کردہ اس شمارہ کی خوبی یہی ہے کہ اس رسالہ کے سرورق پر جدوجہد آزادی کے

دوران سرگرمی دکھانے والے رہنما، علماء اور مجاہدین کو توپ کے دہانے پر باندھ کر شہید کر دینے والی انگریزی فوج کے ظلم و ستم کو نمایاں کیا گیا ہے۔ یہ شہادتیں اہل ہند اور اہل اردو کی وطن دوستی کا ثبوت فراہم کرتی ہے۔ اس رسالہ کے مدیر اعزازی کی حیثیت سے ڈاکٹر امام اعظم اور ڈاکٹر زہرہ شمائل نے رسالہ کو دستاویزی حیثیت دینے میں نمایاں کارنامہ انجام دیا۔ خوبصورت سرورق، عمدہ مضامین اور ہمہ رنگی تصاویر سے مزین یہ رسالہ اس لیے اہمیت کا حامل ہے کہ رسالہ کے ذریعہ پہلی جنگ آزادی کے مختلف مجاہدوں کے کارناموں پر روشنی پڑتی ہے اور اندازہ ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں نے جس بے جگری کے ساتھ اس جنگ کا آغاز کیا تھا اسے اسی بے دردی کے ساتھ انگریزوں نے نیست و نابود کر دیا۔ رسالہ کا آغاز اداریہ، حمد و نعت اور خطوط سے ہوا ہے۔ جس کے بعد پہلی جنگ آزادی پر خصوصی صفحات میں خطبہ استقبالیہ ڈاکٹر امام اعظم نے تحریر کیا ہے جبکہ خطبہ صدارت محمد علی اشرف فاطمی کا لکھا ہوا ہے۔ جس کے بعد پہلی جنگ آزادی پر منعقد سیمینار کے دوران پیش ہونے والے مقالات کا تعارف رسالہ میں شامل ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر نے ۱۸۵۷ء کی کہانی تصویروں کی زبانی کے توسط سے ان تمام تصاویر کا احاطہ کیا جو روزنامہ ''سیاست'' کے توسط سے دربھنگہ میں آویزاں کی گئی تھیں۔ سارے سیمینار کا رپورتاژ ڈاکٹر امام اعظم نے پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کی کہ پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان نے قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔

پہلی جنگ آزادی کے نام معنون کردہ یہ رسالہ اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ ۱۸۵۷ء کے واقعات پر اردو میں تحقیقی مواد کے یکجا کرنے کی سب سے پہلی نمائندگی ''تمثیل نو'' نے کی اور سیمینار کی تفصیلات کے علاوہ تصویروں کی زبانی ۱۸۵۷ء کے واقعات کو پیش کر کے پہلی جنگ آزادی میں جان و مال کی قربانی دینے والے سورماؤں کو بہترین خراج عقیدت پیش کیا گیا ہے۔ ملک کے مختلف علاقوں سے نمائندگی کرنے والے نثر نگاروں کے ۹ مضامین مختلف موضوعات کی نشاندہی کرتے ہیں اور اختر جاوید نے ''تمثیل نو'' کی خدمات کا منظوم احاطہ کیا۔ انشائیہ، منی افسانے اور افسانوں کے علاوہ نظمیں، دوہے، غزلیں اور تبصرے بھی اس رسالہ کی زینت بنے ہوئے ہیں اور آخر میں ''راہ و رسم'' کے عنوان سے ۱۳۱ ادیبوں کے تفصیلی خطوط ''تمثیل نو'' کے گذشتہ شماروں کی خدمات کا احاطہ کرتے ہیں۔ دوسو سے زیادہ صفحات سے آراستہ، عمدہ کتابت و طباعت سے مزین، ہمہ رنگی سرورق سے مالا مال سہ ماہی ''تمثیل نو'' کا پہلی جنگ آزادی نمبر اس لئے اہمیت کا حامل ہے کہ یہ رسالہ اپنی ادبی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان کے کردار کو نمایاں کرنے میں پوری طرح کامیاب ہے۔ اس لئے ڈاکٹر امام

اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والے اس خصوصی شمارہ کا ہر کتب خانے میں محفوظ ہونا ضروری ہے۔
اس خصوصی شمارہ کی قیمت صرف ۴۰ روپے انتہائی مناسب ہے۔
(مطبوعہ: روزنامہ ''سیاست''، حیدرآباد، یکم مارچ ۲۰۰۸ء)

....

● **جریدے کا نام: سہ ماہی ''تمثیل نو'' (جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء) ایڈیٹر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۹۶**
قیمت: ۱۵ روپے رابطہ: تمثیلِ نو' قلعہ گھاٹ، دربھنگہ: 846004 مبصر: اقبال انصاری، دہلی

دربھنگہ (بہار) سے ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والا سہ ماہی ''تمثیلِ نو'' ہر اعتبار سے ایک قابلِ قدر ادبی جریدہ ہے۔ اس جریدے میں شامل مضامین، افسانے، شعری نگارشات، تبصرے اور قارئین کے خطوط عام طریقے سے اعلیٰ قدروں اور جدید تر شعری و ادبی رجحانات کے مظہر ہوتے ہیں۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے...'' کے عنوان سے شمارے کا پیش لفظ ڈاکٹر امام اعظم کی بصیرت، انسان دوستی اور اردو سے ان کی محبت کا ضامن ہوتا ہے۔ پیش نظر شمارے کا پیش لفظ صرف متاثر کن ہی نہیں فکر انگیز بھی ہے اس میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں۔'' ....ترقی یافتہ ممالک ہوں یا ترقی پذیر.... ہر جگہ ایک بے چینی پائی جارہی ہے۔ ادبی سطح پر ہر جگہ کام ہورہا ہے، لیکن اس بے چینی کو موجودہ تغیر پذیر تناظر میں جس انداز میں سمجھنے کی کوشش ہونی چاہئے وہ کوشش دنیا کے دانشور، ادیب یا شاعر اپنی سطح سے نہیں کر پارہے ہیں۔ سمٹی ہوئی دنیا میں سب کچھ عالمی سطح پر سمجھنے کی رفتار تیز ہوگئی ہے۔ معلوماتی ذخیرے بڑھتے جارہے ہیں، رابطے کی صورتیں مزید مستحکم ہورہی ہیں لیکن سمجھ کی سطح پر ہم آہنگی کی کمی بڑھتی جارہی ہے۔ جس تیزی سے اقتصادی اور معاشی پیچیدگیاں سامنے آرہی ہیں وہ غیر ترقی یافتہ ملکوں میں جرائم کی صورت اختیار کرتی جارہی ہیں۔ ترقی پذیر ملکوں میں تشدد کی شکل اختیار کررہی ہیں اور ترقی یافتہ ملکوں میں اس بے چینی سے لوگوں کے دھیان کو موڑنے کے لئے عسکریت کو بڑھاوا دیا جارہا ہے۔ دانشوروں، ادیبوں اور شاعروں کی ذمے داری ہے کہ وہ سرحدوں کی فصیلوں سے باہر آکر آپسی ہم آہنگی کا ایسا ماحول بنائیں جس سے انسانی اخوت کے رشتے کو استوار کرنے کی صورت پیدا ہوسکے۔'' اس طرح مدیر نے آج عالمی سطح پر پھیلی ہوئی اور روز افزوں بڑھتی ہوئی پیچیدگی اور بے چینی اور ان سے پیدا ہونے والے تباہ کن حالات کی نشاندہی ہی نہیں کی ہے بلکہ انہیں کم کرنے کا ایک طریقہ بھی سمجھایا ہے۔
نثری اور شعری ادب کی خاصی اچھی بڑی نمائندگی نے رسالے کو وقار عطا کرنے میں بڑا اہم رول

ادا کیا ہے۔ پروفیسر شکیل الرحمٰن، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، عفت موہانی، جگن ناتھ آزاد، منظر شہاب، ڈاکٹر عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر ناز قادری، ڈاکٹر ایم نہال، نسیم مخموری، ڈاکٹر حنیف ترین، ڈاکٹر منصور عمر، ابراہیم اشک، رؤف خیر، سیدہ نسرین نقاش، سوہن راہی اور دوسرے بڑے نام ہی نہیں بڑی اور عمدہ تحریریں بھی رسالے کے حسن میں چار چاند لگا رہی ہیں۔ رسالے کا ظاہری حسن بھی فوراً ہی متوجہ کرتا ہے۔

(اشاعت: ''ہماری زبان''، نئی دہلی یکم تا ۷ر مارچ ۲۰۰۳ء)

....

● **جریدے کا نام: سہ ماہی ''تمثیل نو'' (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء) ایڈیٹر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۹۶**
قیمت: ۱۵ر روپے رابطہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ 846004 مبصر: اقبال انصاری (دہلی)

بہار سے اردو کے کئی بہت اچھے ادبی رسالے آج کل شائع ہو رہے ہیں جن میں ''تمثیل نو'' کو ایک بلند مقام حاصل ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں اشاعت پذیر ہونے والے اس سہ ماہی نے اپنے پہلے شمارے سے ہی ارباب علم وادب کی توجہ اپنی جانب مبذول کر لی ہے۔ ''تمثیل نو'' کا شائع ہونے والا ہر شمارہ پچھلے شمارے سے کچھ بہتر ہی نظر آتا ہے۔ خوبصورت گٹ اپ، املا کی غلطیوں سے پاک اور پچاس ادیبوں اور شاعروں کی بہترین تخلیقات سے مزین ''تمثیل نو'' کا ساتواں شمارہ پیش نظر ہے۔ اسے بجا طور پر جدید تر شعری وادبی رجحانات کا ترجمان کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالمنان طرزی، ظہیر غازیپوری، منظر شہاب، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، قیصر تمکین، جگن ناتھ آزاد، ستیہ پال آنند، علیم صبا نویدی، عطا عابدی، راشد انور راشد، پروفیسر نادم بلخی، کرشن کمار طور، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر نسیم اختر، پروفیسر ایم کمال الدین اور دوسرے کئی نامور اور صاحب توقیر ادیبوں، نقادوں اور شاعروں کی نگارشات نے رسالے کو وقار عطا کیا ہے۔ ظہیر غازی پوری کے ہر دوہے میں ایک پُرخلوص اور دردمند دل دھڑکتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جگن ناتھ آزاد کی بارہ مصرعوں کی پابند نظم ''کتاب اور کائنات'' پابند نظم سے بے توجہی کے صحرا میں بادِ صبا ایک روح پرور جھونکے کی طرح ہے۔ رسالے میں شائع قریب قریب ہر تخلیق ادبی تخلیق کے زمرے میں آتی ہے۔

قارئین اور ادیبوں کے خطوط کو ایڈیٹر نے بارہ صفحات دیئے ہیں۔ تقریباً سارے ہی خطوط ادبی حیثیت کے حامل ہیں، تبصراتی ہیں، وضاحتی ہیں۔ صرف ایک خط ایسا ضرور نظر آیا جس میں صحت ادبی اور شائستگی کا خیال نہیں رکھا گیا ہے اور تمام کوششوں کے باوجود اس سے اشتعال عیاں ہو گیا ہے۔ اس خط کو

ایڈیٹر نے شاید جگہ ہی اس لئے دے دی ہے کہ ایماندارانہ صحافت پر حرف نہ آئے ...... جیسا انہوں نے پچھلے شمارے میں بھی کیا تھا۔

(اشاعت: ماہنامہ 'ایوان اردو' مارچ ۲۰۰۳ء)

....

- **نام جریدہ:** ''تمثیل نو'' دربھنگہ (اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء) **مدیر اعزازی:** ڈاکٹر امام اعظم **قیمت:** ۵۰ روپے
رابطہ: تمثیلِ نو' اردو ادبی سرکل، گنگوارہ، سارا موہن پور، دربھنگہ: ۷ **مبصر:** اقبال انصاری (دہلی)

اداریہ لکھنے کا ڈاکٹر امام اعظم کا اپنا ایک منفرد انداز ہے۔ یہ اداریہ تین حصوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ پہلا حصہ جو نسبتاً مختصر ہوتا ہے۔ دور حاضر کی کسی ادبی جہت کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ احاطہ اس قرینے سے کیا جاتا ہے کہ موضوع پر ایک اجمالی بحث بھی ہو جائے اور غور وفکر کے لئے باشعور قارئین کو کچھ میٹر بھی حاصل ہو جائے۔ 'تمثیل نو' کے شمارہ ۱۳-۱۴ کے اداریہ کا پہلا حصہ تقریباً تین صفحات پر مشتمل ہے اور اس فکر انگیز تحریر میں سیاست کی طرح اردو ادب میں آنے والی تبدیلیوں کا سودمند ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں فوکس دور حاضر میں آنے والی تبدیلیوں پر ہے اور یہ دیکھنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے کہ تبدیلیاں کیوں رونما ہوئیں اور ان تبدیلیوں کے کیا اثرات زندگی اور ادب پر مرتب ہوئے۔ ان تبدیلیوں اور تبدیلیوں سے زندگی اور ادب پر مرتب ہونے والے اثرات کی تصویر کشی کے لئے ڈاکٹر امام اعظم نے مظہر امام (مرحوم)، منظر شہاب اور بشیر بدر کے تین اشعار کا سہارا لیا ہے۔ یہ انتخاب بہت ہی خوب ہے اور ڈاکٹر امام اعظم کی ادبی بصیرت پر بڑی تیز روشنی ڈالتا ہے۔

اداریہ کا دوسرا حصہ 'ادبی ثقافتی خبریں' سناتا ہے۔ خاص طور سے شمالی ہند میں مختلف مقامات پر منعقد ہونے والی تمام ادبی اور ثقافتی تقریبات کا جائزہ اس حصے میں لیا جاتا ہے۔ حسب دستور پیش نظر شمارے میں بھی یہ جائزہ صرف صفحات بھرنے کے لئے نہیں لیا گیا ہے، بلکہ اس کی اپنی ایک افادیت ہے۔ یہ جائزہ صرف شرکا کے افکار و اظہار کی رپورٹنگ ہی نہیں ہے بلکہ ان کی ادبی کارکردگی کا آئینہ بھی ہے۔ اس حصے میں مارچ ۲۰۱۱ء سے دسمبر ۲۰۱۱ء تک منعقد ہونے والی ۳۳ / ادبی و ثقافتی تقریبات کو ۲۳ صفحات میں سمیٹا گیا ہے۔ مختلف مقامات سے یہ خبریں حاصل کرنا یقیناً آسان تو نہ رہا ہوگا۔

تیسرا حصہ وفیات کی خبریں دیتا ہے۔ اس بار اکیس اردو قلم کاروں نے اس حصے میں شمولیت اختیار کی۔ 'تمثیل نو' کے ہر شمارے میں کسی ایک موضوع پر مختلف دانشوروں کی آراء کو مضامین کی شکل میں یکجا

کرنا بھی ڈاکٹر امام اعظم کا ایک مستقل فیچر ہے۔ اس بار انہوں نے ''اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و فراز'' کو موضوع گفتگو کیا ہے اور اس سلسلے میں جناب نظام صدیقی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر سید محمود دیوان، ڈاکٹر ایم اے ضیا، ڈاکٹر حسن رضا، منشی عبدالغفور اور خود ڈاکٹر امام اعظم نے مفید گفتگو کی ہے۔ اس ضمن میں رسالے کا سرورق دہلی کے لال قلعہ اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی (حیدرآباد) کی چمکتی ہوئی تصویروں کے ساتھ خاصا معنی خیز ہے۔ پورا شمارہ ۲۷۲ صفحات پر پھیلا ہوا ہے جس میں ایک سو سے زیادہ قلمکاروں کی شعری ونثری تخلیقات کو بڑے سلیقے سے جگہ دی گئی ہے۔ مختار ٹونکی کا منظوم مکتوب بہت خوبصورت ہے۔ شدت احساس اور ندرت اظہار کی ہم آہنگی نے اسد رضا کی پیروڈی کو دور حاضر کا آئینہ کر دیا ہے۔ رفیق شاہین کی پوری غزل گہرے مشاہدے اور فعال بصیرت کی ضامن ہے۔ 'گھنگھور بادلوں'، 'تجیلے پربتوں'، 'پیاسی دھرتی' اور 'بولتے جنگل' کے ساتھ ڈاکٹر شباب للت کی غزل ''میرے فن میں ہماچل بولتا ہے'' کہسار کی بلندیوں سے سرگوشیاں کرتی محسوس ہوتی ہے۔ مہندر پرتاپ چاند نے ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر حوصلوں، عزائم اور اقدار کو غزل کر دیا ہے۔ خودنوشت، انشائیے، کہانیاں اور تبصرے بھی خوب ہیں۔

'راہ ورسم' کے عنوان کے تحت قلمکاروں اور قارئین کے ۳۹ خطوط کو شامل کیا گیا ہے۔ یہاں یہ ضرور محسوس ہوتا ہے کہ کچھ خطوط کو غالباً ایڈٹ کر کے شائع کیا گیا ہے۔ ایسا اگر صفحات کی کمی کی وجہ سے یا زیادہ سے زیادہ قارئین کو جگہ دینے کی غرض سے کیا گیا ہے تو جائز ہے۔ بہرکیف شمارہ ہر اعتبار سے پُروقار ہے جس کے لئے ڈاکٹر امام اعظم ہم سب کی مبارکباد کے مستحق ہیں۔

....

● **نام رسالہ: ''تمثیل نو'' دربھنگہ (شمارہ اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم**
قیمت: ۴۰ روپے ص: ۲۲۴ رابطہ: اردو ادبی سرکل، گنگوارہ، دربھنگہ: ۷ مبصر: اسد رضا (نئی دہلی)

ریاست بہار میں اردو پُر بہار ہے۔ اس گلشن میں ادیب، شاعر، ناقد و محقق، افسانہ نگار اور طنز و مزاح نگاروں کے گلہائے رنگا رنگ کے ساتھ معیاری جرائد کی خوشبو بھی اردو دنیا کو معطر کر رہی ہے اور اس حقیقت کی ایک روشن مثال ''تمثیل نو'' کا مولانا ابوالکلام آزاد سے متعلق زیر بحث شمارہ ہے جس میں ڈاکٹر عقیل ہاشمی، ڈاکٹر عبدالواسع، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر وہاب قیصر، ڈاکٹر مجید بیدار، پروفیسر ایم اے ضیاء، ڈاکٹر محمد ارشد جمیل، ڈاکٹر محمد ظفر الدین، ڈاکٹر امام اعظم جیسے مشاہیر اردو کے مولانا آزاد

کی حیات وکارہائے نمایاں سے متعلق پُر مغز اور فکر انگیز مضامین ہیں لیکن ان مضامین میں مولانا آزاد اور بھگت سنگھ کے ساتھی و بنگلہ ادیب پروفیسر رضاء الکریم کا مضمون اور بنگلہ ادیب و آئی سی ایس افسر آنند شنکر رائے کا مضمون ''آزاد اور آزادی'' جس کا ترجمہ شانتی رنجن بھٹا چاریہ نے کیا تھا، تاریخی دستاویز کی حیثیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر عقیل ہاشمی کا مضمون ''ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال'' اس لحاظ سے اہم اور چونکانے والا ہے کہ یہ اردو زبان کی ان دو عظیم ہستیوں کے تعلقات اور تلخیوں پر روشنی ڈالتا ہے۔ عقیل صاحب کا یہ جملہ فکر انگیز ہے کہ ''عجیب بات ہے کہ اردو کے یہ دونوں مایہ ناز ادیب اور مفکر براہ راست کلام الٰہی سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس کے باوجود دونوں کی ایک دوسرے سے بے نیازی حد سے گزری رہی۔'' شاید اس کا ایک اہم سبب یہ بھی تھا کہ آزاد نظریۂ پاکستان کے مخالف اور اقبال اس کے حامی تھے۔ ڈاکٹر وہاب قیصر نے ''مکتوبات مولانا آزاد'' کے حوالے سے ''افکار آزاد'' پر مدلل بحث کی ہے۔ پروفیسر مجید بیدار نے اپنے مضمون میں مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی صحافت کا ناقدانہ اور محققانہ جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ تاہم پروفیسر ایم اے ضیاء نے اپنے مضمون میں مولانا آزاد اور مسلم سیاست کا مدبرانہ تجزیہ کیا ہے جب کہ ڈاکٹر محمد ارشد جمیل نے مختصراً مولانا آزاد کی حیات اور ان کے کارہائے نمایاں پر روشنی ڈالی ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی میں صدر شعبۂ ترجمہ ڈاکٹر محمد ظفر الدین نے ابوالکلام آزاد کے ماہنامہ ''لسان الصدق'' کے حوالے سے مولانا کے اصلاح معاشرہ سے متعلق افکار کا جائزہ اپنے مضمون میں لیا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے مولانا آزاد کی نگارشات کے ایک اہم پہلو پر روشنی ڈالی ہے اور اپنے مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ آزاد کی انشاء پردازی فرانسیسی سے بھی متاثر تھی۔ اعظم صاحب کا یہ خیال صد فیصد صحیح ہے کہ ''مولانا کی انشاء پردازی کو محض اردو ادب کے تناظر میں دیکھنا غلط ہوگا۔'' زیر نظر شمارے میں مولانا آزاد کے خصوصی مطالعے کے علاوہ دیگر ادبی و شخصی موضوعات پر دلچسپ اور فکر انگیز مضامین بھی موجود ہیں۔ ش م عارف ماہر آروی، محمد امتیاز علی تاج، رفیق شاہین، عبدالرحمٰن عبد، ڈاکٹر محمد رستم انصاری، شکیل احمد سلفی، تشنہ اعجاز کے مضامین مجلّہ کی اہمیت میں اضافہ کرتے ہیں۔ اقبال انصاری، ابراہیم اشک، آصفہ نشاط، ظفر حبیب، مظفر شعیب ہاشمی، امان خاں دل کے افسانے بھی اس ماہنامہ کی زینت بڑھاتے ہیں۔ مرزا رفیق کا طنزیہ ''ڈیڑھ ممبر کی انجمن'' بھی دلچسپ ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ڈاکٹر محسن جلگانوی کا دلکش انداز میں تعارف کرایا ہے۔ علقمہ شبلی، نقشبند قمر نقوی، رؤف خیر، تحسین منور وغیرہ کی نظمیں اور ڈاکٹر وِدیا ساگر آنند، شباب للت، منور رانا، ضیاء نقوی، ساحر شیوی، قوس صدیقی، دیپک قمر وغیرہ کی غزلیں

بھی "تمثیلِ نو" کے حسن میں اضافہ کرتی ہیں۔ اہم کتب پر تبصرے بھی اس مجلّہ میں موجود ہیں۔

مجلّہ کا سرورق مولانا آزاد کی پانچ تصاویر سے آراستہ ہے۔ طباعت وکمپوزنگ کے لحاظ سے بھی یہ ماہنامہ صاف ستھرا ہے تاہم کہیں کہیں پروف کی غلطیاں پریشان کن ہیں۔ اس جانب مدیرِ محترم توجہ دیں۔ بحیثیت مجموعی "تمثیلِ نو" نے مختصر مدت میں اردو دنیا میں اپنی ایک منفرد پہچان بنالی ہے۔ لہٰذا اردو قارئین اس رسالہ کا پُرتپاک خیر مقدم کررہے ہیں۔

(مطبوعہ روزنامہ "راشٹریہ سہارا" کا ہفتہ وار ضمیمہ "امنگ" مورخہ ۲۸/مارچ ۲۰۱۰ء)

....

● نام رسالہ: "تمثیلِ نو"، دربھنگہ (جنوری تا جون ۲۰۰۶ء) مدیر: امام اعظم
رابطہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ 846004 مبصر: سیّد عبدالرافع، پٹنہ

ہر ادب اپنے دور کا ترجمان ہوتا ہے لہٰذا اس پر ترقی پسندی، جدیدیت، مابعد جدیدیت کا لیبل چسپاں کردینا ایک ایسی حرکت ہے جسے سعی لاحاصل کہا جائے گا۔ بحث اس پر نہیں ہونی چاہئے کہ کون سی اور کس کی تخلیقات قدامت پسندی کے زمرے میں آتی ہیں، یا ترقی پسندی کے دائرے میں یا وہ جدیدیت کی ترجمانی کرتی ہیں یا مابعد جدیدیت کی۔ یہ اب ایک پٹا ہوا موضوع ہے۔ جس پر وہی بے کار باش قسم کے لوگ الجھتے ہیں جنھیں کسی کے خلاف اپنے دل کی بھڑاس نکالنی ہوتی ہے۔ ہر دور کا ادیب و شاعر حالات سے متاثر ہوتا رہا ہے اور اس نے دوسروں کو متاثر بھی کیا ہے۔ ادب کی تقسیم ناگزیر ہی ہے تو پھر اسے دو خانوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ یعنی ادب برائے ادب یا پھر ادب برائے زندگی۔ اس کے علاوہ کسی اور تقسیم کی بات کرنا، بال کی کھال نکالنے کے ہی مترادف سمجھا جائے گا۔ البتہ ایک ذیلی تقسیم گر ہوسکتی ہے تو اسے اسلامی ادب کی شناخت دی جاسکتی ہے۔ مگر جس پر نام نہاد ترقی پسند بھی ناک بھنوں چڑھاتے ہیں اور جدیدیت اور مابعد جدیدیت کے علمبردار بھی۔ حالاں کہ اسلامی ادب بھی ادب برائے زندگی کا حصہ ہے۔ وہ اس طرح سے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ ایک اصول زندگی ہے۔ اس موضوع سے قطع نظر خود "تمثیلِ نو" کی پیشانی پر لکھا ہوا یہ جملہ "جدید تر شعری و ادبی رجحانات کا ترجمان" بھی اس کی تصدیق کرتا ہے کہ ترقی پسند ادب اور جدید ادب اور مابعد جدید کی بحث اب محض بے معنی ہے۔ لیکن اس کے باوجود ڈاکٹر امام اعظم نے اس رسالہ کے شمارہ جنوری تا جون میں یہ بحث شروع کی ہے کہ کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہوچکی ہے؟ اس موضوع پر جن مشاہرین ادب اور تحریک کاروں نے

اظہار خیال کیا ہے ان میں پروفیسر قمر رئیس، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر منصور عمر، ڈاکٹر مجید بیدار، جناب ابوذر ہاشمی، جناب حقانی القاسمی، پروفیسر ایم اے ضیا، خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان میں سے صرف پروفیسر قمر رئیس نے دوٹوک الفاظ میں یہ کہا ہے کہ ترقی پسند نہ صرف زندہ ہے بلکہ پوری قوت کے ساتھ زندہ ہے۔ جب کہ تمام دوسرے حضرات نے ترقی پسند تحریک کو برا بھلا کہنے کے بعد آخر میں بہت جھجک کے ساتھ یہ اعتراف کرلیا کہ نہیں بھائی ترقی پسندی زندہ ہے اور جدیدیت اور مابعد جدیدیت سب بکواس ہے۔ پروفیسر قمر رئیس کے تعلق سے حقانی القاسمی کے یہ جملے کہ ''جس ترقی پسند قمر رئیس کے لئے میرے دل میں بے پناہ عزت اور بے حد احترام تھا اور جن کی تحریروں سے ذہن کو توانائی اور روشنی ملتی تھی آج اسی قمر رئیس کے لئے اس جذبہ احترام وعقیدت میں کچھ کمی آگئی ہے'' بہت ہی معنی خیز ہے۔ حقانی القاسمی کو اس کی وضاحت کرنی چاہئے تھی کہ آخر ایسا کیوں ہوا۔ بعض حضرات نے ترقی پسند تحریک کے عروج اور زوال کو سابق سوویت یونین کے عروج وزوال سے جوڑ دیا ہے جو ایک مہمل سی بات معلوم ہوتی ہے۔ انسان ساختہ نظریات مخصوص حالات کا ردعمل ہوتے ہیں جب وہ حالات بدلتے ہیں اور ان میں بہتری آتی ہے تو وہ مخصوص نظریات خود بخود اپنی معنویت کھو بیٹھتے ہیں۔ انسان ساختہ نظریات خواہ وہ اقتصادی ہوں یا تعلیمی اگر حالات کے تابع نہ ہوں اور عصری تقاضوں کے پیش نظر ان میں ترمیم وتنسیخ نہ کی جاتی رہی تو پھر ان کی جگہ تاریخ کی کتابوں میں ہوگی۔ لیکن معاشرے کے لئے ان کی کوئی معنویت نہیں ہوگی۔ ترقی پسند تحریک کو سوویت یونین کے زوال سے جوڑنے کی بات اس لئے بھی غلط ہے کہ سوویت یونین کے انہدام کے اسباب، سیاسی، سماجی، مذہبی، تہذیبی، علاقائی اور نسلی تھے۔ اس وقت کے سوویت حکمرانوں نے اگر رواداری اور حق وانصاف کا مظاہرہ کیا ہوتا اور اپنے حدود میں روسی کاری سے گریز کیا ہوتا اور یہ بھی کہ اگر اس وقت کے سوویت وزیراعظم گورباچوف گلاس نوسٹ نے اور پرسترائیکا یعنی عالم کشائی اور اقتصادی کشادگی کے جال میں پھنس گئے ہوتے تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ترقی پسندوں کو موت آئی ہے اور نہ ہی بائیں بازو کے رجحانات کمزور پڑے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ان کے اندر ایک نئی طرح کی رستہ خیزی آئی ہے تو شاید یہ مبالغہ نہیں ہوگا۔ لاطینی امریکہ کے مختلف ملکوں اور خود مغربی بنگال میں بائیں بازو کے رجحانات کا فروغ اس کی روشن مثال ہے۔ اس موضوع پر ڈاکٹر امام اعظم کے اداریے کے ان سطور سے اختلاف کی پوری گنجائش موجود ہے کہ ترقی پسندی کا زوال ہو چکا ہے اور وہ ایک تاریخی سنگ میل کی حیثیت سے ادب میں اپنا نقش بنا کر کھڑی

ہے۔ ترقی پسندی کی زندگی کا سب سے بڑا ثبوت اس سے زیادہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ اب بھی اس بحث کا موضوع بنی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے کہ مردہ گھوڑے پر کوئی چابک نہیں مارتا۔ بہر حال بحث دلچسپ ہے اور آنے والے دنوں میں بھی شاید جاری رہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'قومی تنظیم'، پٹنہ ۲۱ر ستمبر ۲۰۰۶ء)

....

● **نام رسالہ: تمثیل نو (جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم قیمت: ۱۵۰ روپے**
رابطہ: 'تمثیل نو'، محلہ: گنگوارہ، پوسٹ: سارا موہن پور، ضلع: دربھنگہ-۸۴۶۰۰۷ (بہار)
مبصر: ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز، مدیر ہفت روزہ 'گواہ' حیدرآباد

'تمثیل نو' دربھنگہ کا شمارہ جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء زیر نظر ہے۔ ۳۷۶ صفحات پر مشتمل یہ ضخیم شمارہ جس میں گوشہ منصور عمر اور گوشہ ڈاکٹر سید تقی عابدی بھی شامل ہیں۔ ایک دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ (یہی کولکاتا ہے) اس شمارہ کا حاصل ہے۔ مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم نے منظوم تاریخ کولکاتا کو اس خوبی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ یہ کولکاتا پر ایک مختصر انسائیکلو پیڈیا بن گئی ہے۔ کولکاتا کے ماضی، حال، مستقبل اس کے سیاسی، سماجی، مذہبی، ادبی اور ثقافتی پس منظر کو بہت ہی متاثر کن انداز میں پیش کیا گیا ہے، نہ تو صحافت اور نہ ہی اسپورٹس، فلم، تھیٹر کا کوئی گوشہ چھوٹنے سے رہا۔ ڈاکٹر امام اعظم مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ریجنل ڈائرکٹر ہیں۔ 'تمثیل نو' کا ہر صفحہ ان کی دلچسپی اور محنت کی گواہی دیتا ہے۔ کولکاتا پر شمس جلیلی کی نظم بھی خوب ہے۔ ہر مضمون دلچسپ، تحقیقاتی اور معلوماتی ہے۔ گوشہ سید تقی عابدی اور گوشہ منصور عمر میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر امام اعظم، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، ڈاکٹر رشید گل کے علاوہ خود ڈاکٹر سید تقی عابدی اور ڈاکٹر منصور عمر (مرحوم) کے اپنے مضامین اور منظومات خوب ہیں۔ شعبہ نظم ونثر کا انتخاب قابل تعریف ہے۔ دربھنگہ کے ادبی منظرنامے کے حوالہ سے وہاں کی شخصیات کے سوانحی خاکے دربھنگہ کی ادبی اہمیت وعظمت کو ثابت کرتے ہیں۔ 'تمثیل نو' میں کتابوں پر تبصرے، اردو دنیا کی رپورٹس اور قارئین اور مشاہیرین کے تاثرات بھی ادبی اہمیت کے حامل ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم اپنی اس کاوش کے لئے مبارکباد کے مستحق ہیں اور 'تمثیل نو' اردو قارئین کی حوصلہ افزائی و پذیرائی کا بجا طور پر مستحق ہیں۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ ''گواہ' حیدرآباد ۱۷ر تا ۲۳ جولائی ۲۰۱۵ء)

....

● ماہنامہ تمثیل نو (خصوصی شمارہ مولانا ابوالکلام آزاد نمبر) مدیرہ: ڈاکٹر زہرہ شمائل ص: ۲۲۴
قیمت: سالانہ ۱۰۰ روپے رابطہ: تمثیل نو، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ۔۴ مبصر: محمد عمیر الصدیق ندوی

دربھنگہ کی سرزمین سے شائع ہونے والا یہ رسالہ 'تمثیل نو' دراصل اردو اور خصوصاً بہار میں اردو ادب کی اطمینان بخش رفتار و ترقی کی مثال ہے۔ خود اس نے اپنی شناخت یہ کہہ کر ظاہر کی ہے کہ جدید تر شعری و ادبی رجحانات کا ترجمان و دیا ساگر آنند، پروفیسر مناظر عاشق، پروفیسر عبدالمنان طرزی، حقانی القاسمی اور ڈاکٹر امام اعظم جیسے اہل قلم کی شرکت سے اس دعوے کو تقویت بھی ملتی ہے۔ اس سے پہلے اس نے سات سمندر پار کے ہم عصر اردو ادب کی سیر کرائی تھی۔ یہ تازہ شمارہ اس انداز کا خاص نمبر تو نہیں لیکن ضخامت کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد کی عبقری شخصیت پر ایک مفصل گوشے نے اس کو خصوصیت بخش دی۔ مولانا آزاد کے اس گوشہ گیر مطالعہ کا موضوع ان کی مدبرانہ و مفکرانہ شان ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مولانا کی زندگی کے یہ اجالے آج بھی قومی زندگی میں کارآمد ثابت ہوں، کوشش شعوری طور پر یہ ہے کہ مولانا کے کارناموں کا ازسرنو جائزہ لیا جائے۔ عقیل ہاشمی، عبدالواسع، مناظر عاشق ہرگانوی، وہاب قیصر، مجید بیدار، ایم اے ضیاء، ارشد جمیل، ظفر الدین اور امام اعظم کی تحریروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ رسالہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے۔ ادب و تنقید، سیاست و صحافت، شخصیت جیسے گوشے روشن ہوئے ہیں۔ ان میں تازگی بھی ہے اور جدت بھی۔ علامہ اقبال کے حوالے سے بھی ایک مضمون ہے جس میں اقبال کی خودی اور آزاد کی خودشناسی کا سرچشمہ الکتاب کو قرار دیا گیا ہے کہ ان دونوں عہد ساز شخصیتوں نے اسلام کے نظریہ توحید اور عمل تقویٰ پر اپنی فکر کی بنیاد رکھی ہے۔ مسلم سیاست اور مولانا آزاد کے عنوان سے اظہار کیا گیا ہے لیکن دوسرے مضامین کے برخلاف اس میں تشنگی اور تجزیے کی کمی کا احساس ہوتا ہے۔ ''ہوسکتا ہے کہ مولانا آزاد بھی ڈپریشن کے شکار ہو گئے ہوں'' جیسے جملے مضمون کو ہلکا کرتے ہیں۔ اس خاص گوشۂ آزاد کے علاوہ رسالے کے مستقل ابواب میں مضامین، افسانے، نظمیں، غزلیں، تبصرے اور خطوط وغیرہ بھی ہیں۔ شروع میں پاکستان کے پروفیسر نظیر صدیقی کا ایک مکتوب ہے جس میں ہندوستان میں وقت کو خوش گوار طریقے سے گزارنے پر رشک کا اظہار جس طرح کیا گیا ہے آج کے ایک طبقے کی دانش وری کا معیار عبرت انگیز ہے۔ لکھتے ہیں کہ ''یہاں (پاکستان میں) اسلام جیسے خشک مذہب اور خود غرضانہ سیاست کے سوا کیا ہے''، اچھا ہوا کہ اس خط کے معاً بعد پروفیسر سید منظر امام کی سرگذشت کا ایک حصہ شائع کیا گیا ہے۔ خدا کرے یہ تحریر پروفیسر نظیر صدیقی کی نظر سے گزر جائے۔ اس رسالے کا اداریہ بھی انفرادیت کا

حامل ہے کہ اس میں ادارتی خیالات کے ساتھ ادبی وثقافتی اور وفیاتی خبروں کو پوری تفصیل کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے، طباعت اچھی ہے لیکن کتابت کی غلطیاں بھی ہیں۔ کہیں یہ زیادہ محسوس ہوتی ہیں جیسے الہلال کا اجراء ۱۹۵۰ء میں ہوا۔

(مطبوعہ: ماہنامہ 'معارف' اعظم گڑھ مئی ۲۰۱۰ء)

....

● نام جریدہ: **تمثیل نو، دربھنگہ (اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم قیمت: ۱۵ روپے**
رابطہ کا پتہ: تمثیل نو، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ مبصر: ڈاکٹر اسلم جمشید پوری

اردو میں ادھر سہ ماہی رسائل کی اشاعت میں حیرت انگیز اضافہ ہوا ہے اور کئی خاصے اچھے رسالے منظر عام پر آگئے ہیں۔ ایسے ہی رسائل کی فہرست میں ''تمثیل نو'' دربھنگہ ایک مختلف رسالہ ہے، جس کے مدیر نوجوان شاعر اور ناقد ڈاکٹر امام اعظم ہیں۔ ''تمثیل نو'' مسلسل شائع ہونے والا ایک عمدہ رسالہ ہے۔ دیدہ زیب طباعت اور معیار نے اسے عوام میں مقبول بنا دیا ہے۔ زیر تبصرہ شمارہ اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء کا ہے۔ اس شمارے میں حمد، نعت، انٹرویو، سفر نامہ، مضامین، تحقیق، کہانیاں، نظمیں، غزلیں، تبصرے اور خطوط بھی کچھ شامل ہیں۔ کہانیوں میں اقبال انصاری کی کہانی ''اصلاح'' اور مشتاق احمد نوری کی کہانی ''دسمبر کے بعد......'' اچھی کہانیاں ہیں۔ شعری حصے میں جگن ناتھ آزاد جیسے بزرگ اور کہنہ مشق شاعر سے لے کر راشد انور راشد جیسے تازہ کار شاعر کی تخلیقات شامل ہیں۔ منصور عمر، رئیس الدین رئیس، نادم بلخی، ناشاد اورنگ آبادی اور کمال جعفری کی غزلیں قاری کو متاثر کرتی ہیں۔ خطوط کا کالم ''راہ و رسم'' رسالے کی انفرادیت بنتا جا رہا ہے۔ ادھر کئی ماہ سے ڈاکٹر نگار عظیم کی کہانی ''بیل'' متنازع بنی ہوئی ہے۔ ہر شمارے میں کئی خطوط اس کہانی کے بارے میں ہوتے ہیں۔ رسالے کی خوبی اس کا اداریہ ہے۔ جو عصری مسائل پر مدیر کے تبصرے پر مشتمل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم اس خوبصورت رسالے کی مسلسل اشاعت پر مبارکباد کے مستحق ہیں۔ (مطبوعہ: ماہنامہ ''کتاب نما'' نئی دہلی۔ اپریل ۲۰۰۳ء)

....

● نام جریدہ: **''تمثیل نو'' دربھنگہ (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم**
رابطہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ 846004 مبصر: حماد انجم ایڈووکیٹ، سنت کبیر نگر (یوپی)

''تمثیل نو'' جلد ۶، شمارہ ۳-۴ دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ سابقہ شمارے جدیدیت، مابعد

جدیدیت اور ترقی پسند تحریک اور ترقی پسندی پر مشتمل مضامین کے مرقعے تھے تو یہ شمارہ سرزمین متھلا— زبان، تہذیب، ثقافت اور تمدن کے تعلق سے بہت بھرپور ہے۔ 'تمثیل نو' کا ہر شمارہ ایک گنجینۂ گراں مایہ ہوتا ہے جو اپنے ظرف تنگنائے دل میں ادب اور ادبی صحافت کا ایک بحرِ ذخار سمیٹ لاتا ہے جس کی دھول کے جلو میں بیش قیمت ہیرے موتی اور جواہرات خزینۂ شاہوار کی طرح نظر آتے ہیں۔ اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' فاتحہ الکتاب کی طرح بڑے اختصار کے ساتھ تفصیل کا در باز کرتا ہے۔ اداریے میں دنیا بھر کی ادبی سرگرمیوں اور ثقافتی چہل پہل کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ وفیاتِ مشاہیر پر تاریخی قطعات ندرت کے حامل ہوتے ہیں۔ حمد و نعت کی رسالے میں شمولیت ایک بابرکت سعادت ہے۔ پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط کی بھی اپنی افادیت ہوتی ہے۔ ''دربھنگہ- دل سے جاتی نہیں یاد تری'' پروفیسر سید منظر امام کا مستقل مضمون بڑا دلچسپ ہوتا ہے۔ بغیر پڑھے آگے بڑھنے کی نوبت ہی نہیں آتی ہے۔ کیا خوب اندازِ نگارش ہے۔ گویا زبان چاٹتے رہ جایئے۔ معلومات مستزاد گویا سونے پہ سہاگہ۔ ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری کا دربھنگہ پر مضمون اور تشنہ اعجاز کا ''کچھ ایسا بھی ہوا'' پڑھتے جایئے اور پھر ''اور مدح باقی ہے'' تک آ جایئے۔ رسالے نے تسلسل سے پڑھوایا۔ متھلا اور ادب، ودیاپتی پر مضمون، دربھنگہ اردو کا مرکز، متھلا میں اردو شاعری، متھلا میں اردو صحافت، متھلا میں اردو افسانہ، اردو اور میتھلی کا باہمی رشتہ، دربھنگہ کے مسلم اطبا اور وکلا، ایک سے ایک دستاویزی مضمون جو قابل مطالعہ اور علم آفریں ہیں۔ علاوہ ازیں سمستی پور، مدھوبنی، پیغمبر پور، علی نگر، بلملا اور ریابہتہ، ہرسنگھ پور، مہدولی، گنگوارہ اور چندن پٹی پر علمی اور فکری آرٹیکل گویا کہ آپ نے اور 'تمثیل نو' نے متھلا کے تعلق سے اپنا حق ادا کر دیا اور اپنا فرض پورا کر دیا ہے۔ سرزمین متھلا کی پوری تاریخ کو جیسے ہر جہت سے جھاڑ بہار کے بٹور دیا گیا ہے۔ اس طرح یہ رسالہ ایک میتھلی دستاویز کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ یہ دستاویز تحقیقی کام کرنے والوں کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔

پروفیسر سلیمان اطہر جاوید نے تو گذشتہ دونوں شماروں کا ایک بہترین اور جامع ریویو لکھ دیا ہے۔ آپ نے بہت اچھا کیا کہ اسے 'تمثیل نو' کے عنوان سے مستقل جگہ دی ہے۔ پروفیسر جاوید کا یہ مضمون 'تمثیل نو' کے گراف کی بلندی کو انڈیکیٹ کرتا ہے، یہ ایک بہترین خراج توصیف ہے۔ امام اعظم کے لئے۔ اتنے مقامات تک آتے آتے درمیان میں ''ایک لہر نئی نئی'' بھی آتی ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ یہ لہر میرے سر سے گذر جاتی ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی لکھتے خوب ہیں لیکن سمجھاتے کم ہیں۔ خود تو سمجھتے ہیں لیکن طالب علموں کی خبر نہیں لیتے کہ انہیں کچھ سمجھ میں آتی ہے کہ نہیں! پھر بھی جہاں تک لکھنے کی بات ہے تو

کوئی لکھنے والا بنا کرے، مناظر عاشق ہرگانوی تھوڑی ہو جائے گا۔

ڈاکٹر مشتاق صدف کا مضمون ''اردو زبان اور لسانیات: گوپی چند نارنگ کا موقف'' اگر چہ کئی دوسرے رسالوں میں بھی پڑھا ہوا تھا پھر بھی اچھا ہے۔ سلیقے سے لکھا گیا مضمون ہے۔ اس کی کئی رسالوں میں اشاعت اچھی بات ہے۔ میری نظر میں اس وقت اردو ادب کے دو مرکز یا دو قطب (Poles) ہیں، ایک فاروقی صاحب کا اور ایک نارنگ صاحب کا۔ میں دونوں کو اردو ادب کے لئے مفید اور کار آمد سمجھتا ہوں اور انہیں قطب شمسی (شمس کی نسبت سے) اور قطب قمری (چند کی نسبت سے) کہتا ہوں۔ دونوں کی موجودگی سے اردو ادب میں توازن برقرار ہے جیسے کسی زمانے میں امریکہ اور روس کی وجہ سے دنیا میں طاقت کا توازن قائم تھا۔ اسی فکر کا حامل میرا یہ شعر ہے:

دنیائے ادب ہوگئی زرخیز بہت کچھ
برسے ہیں جو فاروقی و نارنگ کے بادل

افسانے بھی اچھے ہیں لیکن سید مظفر شعیب ہاشمی کا افسانہ ''مجھے یہ رشتہ پسند ہے'' ان کے سابقہ افسانوں کی طرح بہت خوب اور بہت عمدہ ہے۔ کیا کہانی لکھتا ہے یہ ظالم پولیس آفیسر، خدا کی پناہ! قلم ہے کہ جادو نگار کا طلسم۔ تحریر ہے کہ پھولوں کا گلدستہ— حرف حرف مہکتے ہوئے، لفظ لفظ بولتے ہوئے فکر میں تجربے کی آمیزش— دودھ میں چندن اور سندور کا گھول۔ میں عموماً کہانیوں کو کم کم ہی پڑھتا ہوں۔ گاہے گاہے کچھ منتخب کہانیاں ہی میرے مطالعے میں آپاتی ہیں— آغاز اچھا تو خیر ورنہ اللہ اللہ خیر صلا۔ لیکن سید مظفر شعیب ہاشمی کی کہانی میں ضرور پڑھتا ہوں۔ یہ ایک استثناء ہے میرا۔ آپ ان کی کہانیاں ضرور چھاپتے رہیں۔ یہ میری خواہش ہے۔ شمارے کے مخصوص شاعر ڈاکٹر مسلم شہزاد کو پڑھا۔ آپ نے خوب بوند بوند ساون برسائی ہے۔ اردو میں تو اب تک ساون برستا رہا ہے۔ شمارے میں شامل ۳۶ غزلیں بھی پڑھ لی— اندھیرے اجالے آتے جاتے رہے۔ شاعروں کی محنت سوارتھ ہوئی— یہی کیا کم ہے۔ 'راہ و رسم' تو آخر میں ہوتی ہے، شمارے کی یہ بھی جان ہے، مگر چلتی آگے آگے ہے۔ اس کا مطالعہ بھی مزا دیتا ہے۔ اللہ 'تمثیل نو' کو قائم و دائم رکھے اور نظر بد سے بچائے۔ آمین!

....

- **نام رسالہ: ''تمثیل نو'' دربھنگہ (جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء) ایڈیٹر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۱۰۰**
قیمت: ۱۵ روپے رابطہ: اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۴ مبصر: احمد جاوید (نئی دہلی)

عہد قدیم میں فلسفہ، نجوم، ہیئت، ریاضی، قواعد ومنطق اور قانون (درشن، جیوتش، کھگول، ویاکرن، شاستر) جیسے علوم وفنون میں اپنی شہرت وعظمت کے باعث ہندوستان کا یونان کہلانے والا ''متھلا'' عہد وسطیٰ میں بھی علم وادب کا گہوارہ رہا، ملک کو ودیاپتی جیسا عظیم شاعر دیا اور آج بھی اپنی غربت وافلاس کے باوجود علم وادب کی نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے، یہ اس خطے کی علم دوستی ہے کہ سیلاب اور قحط کے مارے لوگ بھی سرسوتی کی زلفیں سنوار رہے ہیں۔

بہار میں اردو کے فروغ وارتقاء میں جن شہروں اور قصبوں کا گرانقدر حصہ رہا ہے ان میں دربھنگہ کی حیثیت ایک اہم علمی وادبی مرکز کی ہے۔ شمال مشرقی ہند میں اردو کے عروج وارتقا کی تاریخ متھلا کے دل دربھنگہ کی خانقاہیں، مدرسے، علمی وادبی خانوادے، مقتدر شخصیات، تعلیمی ادارے، انجمنیں اور اخبارات ورسائل کا ذکر کیے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ جنگ آزادی کے آخری دور میں قلعہ گھاٹ کا ''امیر منزل'' شمالی بہار کے انقلابی نوجوانوں، شاعروں اور ادیبوں کا لال قلعہ تھا اور اس ایک گھر نے اردو اور ہندوستان کی جو خدمات انجام دی ہیں وہ آج کے بہت سے ادارے بھی انجام نہیں دے سکتے۔

آج کے نامساعد حالات میں جبکہ ہندوستان میں اردو کی بستیاں اجڑ رہی ہیں، دہلی اور لکھنؤ جیسے اردو کے عظیم مراکز بتدریج ویران ہورہے ہیں، اردو کی بزمیں سونی ہوتی جارہی ہیں اور اردو اخبارات ورسائل دم توڑ رہے ہیں، شمالی بہار کے دربھنگہ سے ''تمثیلِ نو'' جیسا معیاری ادبی رسالہ نکالنا کسی جہاد سے کم نہیں۔ مگر یہ اس شہر کی مٹی میں بسی اردو کی خوشبو اور اردو سے اس کا عشق ہے کہ اس وقت وہاں سے دو سہ ماہی اور ایک ماہنامہ سمیت متعدد اردو اخبارات ورسائل نکل رہے ہیں۔

اس وقت ہمارے سامنے ''تمثیلِ نو'' کا شمارہ ۶ ہے جس کے موضوعات کا تنوع بتاتا ہے کہ مدیر نے کوزہ میں سمندر کو بند کرنے کی کوشش کی ہے۔ خطوط، مضامین، کہانی، افسانچے، طنز ومزاح، نظمیں، غزلیں اور تبصرے جہاں بھی نگاہ ڈالیں جدید تر شعری وادبی رجحانات کا ترجمان ہونے کا دعویٰ، تمثیل نو کا دعویٰ محض نہیں لگتا۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اپنے اداریہ میں ادیبوں، شاعروں اور فنکاروں کو جمہوریت اور آزادی کے خلاف ملکی اور عالمی پیمانے پر ہورہی سازشوں کے خلاف جھنجھوڑ کر جگانے کی کوشش کی ہے۔ وہ اس صورت حال کے تئیں فکرمند ہیں کہ آج قلم کاروں اور دانشوروں کو ایک خاص سمت کی طرف سوچنے اور لکھنے کیلئے مجبور کیا جارہا ہے، قلم کی آزادی خطرے میں ہے اور یہ صورت حال نہ صرف ملکی سطح پر بلکہ عالمی سطح پر پیدا ہوگئی ہے۔ 'روپ' کی رباعیوں پر سید احمد شمیم کے مضمون نے فراق گورکھپوری کی شاعری

کے کئی بند کھولے ہیں۔ کھگڑہ میلہ مشاعرہ کی ایک جھلک میں اکمل یزدانی جامعی نے شمالی بہار خصوصاً پورنیہ (بشمول کشن گنج وارریا) ضلع میں اردو کے شاندار ماضی کی زندہ تصویر پیش کی ہے۔ ڈاکٹر ایم نہال کی ''کچھ یادیں کچھ باتیں'' اپنی نوعیت کا بڑا دلچسپ سلسلہ ہے۔ نند کشور وکرم کی خود نوشت سوانح 'انیسواں ادھیائے' پر مشرف عالم ذوقی نے اچھی روشنی ڈالی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کے نام پروفیسر نظیر صدیقی کے خطوط یقیناً اردو کا اہم سرمایہ ہیں۔ 'تمثیل نو' میں ''ادبی وثقافتی سرگرمیاں'' کے تحت پیش کی گئی خبریں پڑھ کر دربھنگہ اور اس کے اطراف کا علمی وادبی ماحول قاری کی نگاہوں میں پھر جاتا ہے۔ دربھنگہ سے اتنے خوبصورت اور معیاری اردو جریدے کی اشاعت کے لئے ہم ڈاکٹر امام اعظم اور ان کے رفقاء کو تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے اور ارباب اردو سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ ان کی اس کاوش کی کما حقہ پذیرائی کریں گے۔

(مطبوعہ: ہفت روزہ نئی دنیا، دہلی، ۱۵ تا ۲۱ ستمبر ۲۰۰۲ء)

....

● **ماہنامہ 'تمثیل نو'، دربھنگہ، (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم**
قیمت: فی شمارہ ۲۵ روپے رابطہ: تمثیل نو، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۴ مبصر: احمد جاوید (نئی دہلی)

اردو چاہے اپنے گہوارے میں جاں بلب ہو لیکن ملک و بیرون ملک اس کی کھیتیاں جابہ جا لہلہا رہی ہیں، دور دراز علاقوں اور خطوں میں اس کے نت نئے مراکز قائم ہو رہے ہیں، ترقی کر رہے ہیں، اس کے نئے علاقوں اور نئی بستیوں کی توسیع ہو رہی ہے، اس کی زلفوں کو سنوارنے والوں کی تعدادیں تیزی سے بڑھ رہی ہیں۔ وہاں اس زبان کی یتیمی کا رونا سننے کو نہیں ملتا۔ اس کی کیسری پر ماتم کرنے والے نہیں ملتے، ہاں اس پر مر مٹنے کا جذبہ رکھنے والوں کی کمی نہیں۔ اردو کے ایسے ہی مراکز میں بہار کا شہر دربھنگہ اور اس کے مضافات وقصبات بھی شامل ہیں۔

دربھنگہ کو اردو زبان وادب کی تاریخ میں بڑا اہم اور نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس خطے نے اردو کو بہت کچھ دیا۔ شہرۂ آفاق شاعروں اور ادیبوں کی کئی نسلیں دیں۔ ہندو پاک میں پھیلے ہوئے فرزندانِ دربھنگہ میں اردو کے ایسے ادباء وشعراء کی کثیر تعداد شامل ہے جن کے ذکر کے بغیر اردو کی تاریخ مکمل نہیں ہو سکتی۔ دربھنگہ اور اس کے مضافات وقصبات جس کو تاریخی طور پر متھلا بھی کہتے ہیں اپنے حسن، سادگی، فنونِ لطیفہ، شعر ونغمہ، منطق وقواعد اور فلسفہ ونجوم کے لئے صدیوں سے مشہور رہے ہیں۔ کسی زمانے میں ہندوستان

کے اس خطے کو مشرق کے یونان کا درجہ حاصل تھا اور دور دراز کا سفر کر کے لوگ یہاں تحصیلِ علم کے لئے آتے تھے۔ شعر و ادب اور حسن کا چولی دامن کا رشتہ ہے اور اس تعلق سے متھلا کے تعارف کے لئے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ یہاں کی فضا میں اگر ودیاپتی کے نغمے رچے بسے ہیں تو یہ سیتا کی جائے پیدائش بھی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ متھلا میں ایک عرصہ تک رہنے والے ایک اعلیٰ سرکاری افسر سے ایک بار کسی نے دہلی میں پوچھا تھا کہ آپ کو اس خطے کی کس بات نے سب سے زیادہ متاثر کیا تو انہوں نے برجستہ کہا تھا کہ "That is birth place of goddess Sita" (وہ تو سیتا کی جائے پیدائش ہے۔) ان کے اس لطیف جملے سے کوئی شاعر ہی محظوظ ہو سکتا ہے جس کے دل میں محبت سے لبریز دل دھڑکتا ہو۔ کل کے متھلا کو صفحۂ قرطاس پر محفوظ کرنے کی کوششیں تو بہت کی گئی ہیں جن میں ''آئینۂ ترہت'' اور ''بزمِ شمال'' جیسی گراں قدر کتابیں قابلِ ذکر ہیں لیکن آج کے متھلا کو صفحۂ قرطاس پر اتارنے کی جو کوشش ''تمثیلِ نو'' کے ایڈیٹر ڈاکٹر امام اعظم کر رہے ہیں اس کی دوسری کوئی مثال نہیں ملتی۔ 'تمثیلِ نو' کے ہر شمارے کی طرح زیرِ نظر شمارہ بھی دستاویزی حیثیت کا حامل ہے۔ ۲۰۸ صفحات کے اس رسالے میں متھلا اور اس کے مضافات و قصبات کے علمی و ادبی ماحول کا مختلف جہات سے جائزہ لیا گیا ہے۔ ادارہ 'تمثیلِ نو' پہلے بھی ایسی گراں قدر کوششیں کر چکا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کی تحریک پر ہی پروفیسر عبدالمنان طرزی نے 'رفتگاں و قائماں' کے عنوان سے دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ مرتب کی تھی جو پہلے بالاقساط 'تمثیلِ نو' میں اور بعد میں کتابی صورت میں شائع ہوئی۔ تمثیلِ نو کے زیرِ نظر شمارہ میں بے حد معلوماتی مضامین شاملِ اشاعت ہیں اور ان کے مطالعہ سے دربھنگہ اور اس کے مضافات و قصبات کے ادبی ماحول کی ایک بہت ہی خوبصورت تصویر سامنے آتی ہے۔

حسن امام درد نے ۱۹۴۶ء تک کے متھلا کا ادبی جائزہ پیش کیا ہے۔ وہ متھلا کی علمی و ادبی تاریخ پر بڑی معلومات افزا روشنی ڈالتے ہیں۔ چونکہ قدیم ماخذ پر بھی انہیں دسترس حاصل ہے۔ منظر شہاب نے ودیاپتی کی عظمت پر روشنی ڈالی ہے۔ اس کے علاوہ پروفیسر رئیس انور (دربھنگہ اردو کا ایک اہم مرکز)، ڈاکٹر منصور عمر (متھلا میں اردو شاعری)، ڈاکٹر امام اعظم (متھلا میں اردو صحافت)، ڈاکٹر منظر سلیمان (اردو اور میتھلی کا باہمی رشتہ)، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد (متھلا کی تاریخی اور تہذیبی روایات کا امین مدھوبنی) بے حد اہم اور وقیع مضامین ہیں۔ نادر تحریر کے کالم میں مولانا مقبول احمد خاں کا خطبۂ صدارت ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ ہندوستان کی جدید تاریخ میں جمعیۃ العلماء کے اس جلسے کو ملی جد و جہد کے

ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل ہے جس میں یہ خطبۂ صدارت دیا گیا تھا لیکن اس کے معروضات آج بھی اسی طرح ملت اسلامیہ کو دعوتِ فکر دیتے ہیں جس طرح تاریخ کے اس نازک موڑ پر ملت کے قافلہ سالاروں کو دعوتِ فکر دی تھی۔ ڈاکٹر امام اعظم نے اس تاریخی خطبے کو شائع کر کے ہم جیسے تاریخ کے طالب علموں پر احسان کیا ہے جس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے میرے پاس مناسب الفاظ نہیں ہیں۔

(مطبوعہ: روزنامہ ''ہندوستان ایکسپریس'' نئی دہلی ۱۱؍مارچ ۲۰۰۷ء)

....

- **نام جریدہ: ''تمثیلِ نو'' (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء۔ سہرا۔ خصوصی مطالعہ) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۲۱۶ قیمت: ۴۰ روپے رابطہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ۔۴ مبصر: سعید اختر اعظمی**

غالبؔ و ذوقؔ کی معاصرانہ چشمک سے موضوعِ گفتگو بننے والی صنف ''سہرا'' کی قدامت اور معنویت سے بھلا کسے انکار ہو سکتا ہے۔ ناسخؔ، ریاضؔ، شفیقؔ جونپوری، تابشؔ دہلوی، محویؔ صدیقی، بیخودؔ دہلوی، انور صابری، جمیل مظہری، ارشد کاکوی، نواب دہلوی، آل احمد سرور، عبدالعلیم آسی اور ابراہیم ہوشؔ کے ساتھ نوح ناروی، نثار احمد فاروقی، منظر شہاب، پرویز شاہدی، مظہر امام، شعری بھوپال، علیم صبا نویدی، محبوب راہی، فراغ روہوی اور اسلم بدر، امام اعظم وغیرہ نے اسے فروغ دینے میں اہم رول ادا کیا۔ یہ ایسی نظم ہوتی ہے جس میں موقع پر نوشہ و عروسہ کو مرکز بنا کر متعلقین کی دعاؤں کے حوالے سے ازدواجی زندگی کی خوشحالی کی تمنا کی جاتی ہے۔ ماہنامہ 'تمثیلِ نو' کا یہ خصوصی گوشہ اسی سلسلہ میں امتیازی پیش رفت ہے۔

سہرا نویسی کی معنویت پر مناظر عاشق ہرگانوی، سید شاہ طلحہ رضوی برقؔ، سید مجید بیدار، شاکر خلیق، احسان ثاقب، سیف رحمانی اور مامون ایمن کے مقالوں سے ''جلوہ زریں ستاروں کا ہے سہرے سے عیاں'' کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ اس کے باضابطہ آغاز کی تاریخ کا تعین کرنا اگرچہ قدرے مشکل ہے پھر بھی عہدِ مغلیہ سے لے کر دورِ حاضر تک مقبولیت کے سبب اسے نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا۔ تمثیلِ نو میں عبدالمنان طرزی نے اعزہ و اقرباء کے اسماء کی شمولیت کی جس بدعت قبیحہ کی جانب اشارہ کیا ہے وہ اتنی عام ہے کہ اس کے بغیر سہرے کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ اسماء کا جم غفیر اگر سہرے سے نکال دیا جائے تو اشاعت کے لئے کچھ باقی نہ رہے گا اور سہرا خواں بھی چند منٹوں سے زیادہ خوش الحانی کا جادو نہیں جگا سکے گا۔ اداریہ میں ڈاکٹر امام اعظم نے سہرا نویسی کی سمت و رفتار کا جائزہ لیتے ہوئے ریاست بہار میں ۱۹۴۰ء

تا ۲۰۰۷ء چند شعری گلدستوں کی نشاندہی کی ہے جن میں گلدستہ تبریک، ریاض گل رعنا، حنا رنگ، گلہائے منور، آرزو کے گلاب، نگار حنا، تجدید حیات، نیا سفر نخل نرگس، برگ حنا، سبدِ گل گیندا، حیات نو، وادی شوق، حنا زار شوق، شادی نامہ، تہذیب نامہ، شاخسار حنا، مجموعہ تہنیات، گلہائے مسرت، خوشبو پھولوں کی، خوشبو کا سفر، گل خنداں، فصل حنا اور حنا لالہ زار، وغیرہ کی شمولیت ہے۔ دیگر ریاستوں میں بھی ایسے کتابچے موقع مسرت پر شائع کر کے تقسیم کرنے کا رواج ہے جن کی یکجائی سہرا کے فروغ کے حوالوں کو معتبر کرسکتی ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی نے اس جانب توجہ دی ہے جو یقیناً فال نیک ہے۔ تمثیل نو کا یہ گوشہ ۶۰ صفحات تک محدود ہونے کی وجہ سے اگر چہ خاصا مختصر ہے جسے مزید قلمکاروں کے تعاون سے وقیع کیا جاسکتا تھا۔ پھر بھی میری ناقص معلومات کی حد تک کسی جریدے کی یہ پہلی کوشش ہے جو لائق تحسین ہے۔

(مطبوعہ: ہفتہ وار ''مسرت'' نئی دہلی ۱۹ تا ۲۵ جولائی ۲۰۰۸ء)

....

● ماہنامہ تمثیل نو، دربھنگہ، ''پہلی جنگ آزادی نمبر'' (جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم
ص: ۲۰۸ قیمت: ۴۰ روپے مبصر: محمد عارف اقبال (نئی دہلی)

(۱)

میرٹھ سے ۲۶ رمئی ۱۸۵۷ء کو برپا ہونے والی جنگ آزادی کی تحریک کو غدر کا نام دیا گیا۔ انگریزوں نے اس شعلہ بداماں کو اپنی طاقت اور ظلم و بربریت سے بھلے ہی ختم کر دیا اور یہ تحریک ناکام رہی لیکن یہ چنگاری دھیرے دھیرے آگ بن گئی اور پھر ۱۵ راگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا سورج طلوع ہوا۔ ماہنامہ 'تمثیل نو' دربھنگہ کا یہ خصوصی شمارہ اردو یونیورسٹی ریجنل سینٹر دربھنگہ اور قومی کونسل کے تعاون سے منعقدہ قومی سیمینار کے سیشن کی رپورٹ پر مشتمل ہے۔ اس جریدے کا اختصاص ۱۸۵۷ء کی کہانی تصویروں کی زبانی ہے جس پر ڈاکٹر منصور عمر نے سیر حاصل گفتگو کی ہے جب کہ دیگر مشمولات میں دربھنگہ، پورنیہ اور شکری کی تاریخ پر طائرانہ نظر، متھلا کے دو محققین، اردو تعلیم و تعلم اور ابوریحان البیرونی و ڈاکٹر عبدالسلام پر تحریریں بھی شامل کی گئی ہیں۔

(مطبوعہ: اردو بک ریویو، اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۷ء)

....

(۲)

● ماہنامہ تمثیل نو، دربھنگہ، (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۲۱۶
قیمت: ۴۰ روپے مبصر: محمد عارف اقبال (نئی دہلی)

ذوقؔ و غالبؔ کی معرکہ آرائی سے سہرا نویسی کو فروغ ہوا۔ عہد حاضر تک ایسے شعرا کی تعداد کا شمار آسان نہیں جنہوں نے اس صنف پر طبع آزمائی نہ کی ہو۔ ناسخؔ، ذوقؔ، بےخودؔ، بہزاد لکھنوی، شعری بھوپالی، احمد فراز، حیرت بدایونی، اعزاز افضل، شمیم کرہانی، مظفر حنفی، قیصر شمیم، علیم صبا نویدی، مظہر امام وغیرہ کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ اس مدحیہ نظم میں دعاؤں کے ساتھ اسمائے گرامی کے انبار نے حسن کو قباحت میں بدل دیا ہے۔ سہرے کی ادبی معنویت پر ماہنامہ 'تمثیل نو' کا مختصر گوشہ ایک انفرادی کوشش ہے۔ مناظر عاشق ہرگانوی، سید شاہ طلحہ رضوی برق، سید مجید بیدار، شاکر خلیق، احسان ثاقب، سیف رحمانی اور مامون ایمن نے اپنی تحریروں میں سہرے کی ادبی، ثقافتی و عصری قدروں کے ساتھ شعری اسلوب پر گفتگو کی ہے۔ اسے وسعت دے کر خصوصی شمارہ کی شکل دے دی جاتی تو یقیناً یادگار دستاویزی شمارہ تیار ہو جاتا۔

(مطبوعہ: اردو بک ریویو، دہلی۔ اکتوبر، نومبر، دسمبر ۲۰۰۸ء)

....

(۳)

● ماہنامہ تمثیل نو، دربھنگہ، (جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۲۴۰
قیمت: ۵۰ روپے مبصر: محمد عارف اقبال (نئی دہلی)

ماہنامہ 'تمثیل نو' دربھنگہ کا تازہ شمارہ ہندوستانی فلمیں اور اردو کے حوالے سے خاص ہے۔ سرورق پر فلم ''ایڈیٹ'' اور ''مغل اعظم'' کی رنگارنگ تصویریں شائع کی گئی ہیں۔ یہ شمارہ فلمی ادبی شائقین اور فلمی صحافت سے منسلک لوگوں کو اپنی جانب یقینی طور سے متوجہ کر سکتا ہے۔

اردو کی ترقی میں فلمی صنعت کا کیا شعوری کنٹری بیوشن رہا ہے اس کا اندازہ کرنا فی الحال مشکل ہے تاہم اس میں اس موضوع کے مضامین شامل ہیں لیکن اردو کو تباہ کرنے میں اس صنعت نے جو رول ادا کیا ہے۔ اس پر ابھی تک شاید کوئی تحقیقی مقالہ نہیں لکھا گیا ہے۔ اہل نظر سے التماس ہے کہ وہ اس پہلو سے جائزہ لیں۔ اس شمارہ میں فلمی گوشہ کے بعد دوسرا گوشہ معروف ادیب پروفیسر وہاب قیصر کا ہے۔ ان کی ہردلعزیز تخلیقی شخصیت اور ناقدانہ ذہن پر چند مضامین شامل ہیں۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی نے وہاب

قیصر کی شخصیت کی منظوم ثناخوانی کی ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھٹ کو عہد حاضر میں فروغ اردو کی علامت قرار دیتے ہوئے ڈاکٹر امام اعظم نے بڑے دلنشیں پیرائے میں ان کی خدمات کو اجاگر کیا ہے۔ ادبی کتابوں پر تبصرے کا حصہ اس شمارے میں وقیع ہے۔

(مطبوعہ: اردو بک ریویو، جولائی، اگست، ستمبر ۲۰۱۰ء)

---

(۴)

● ماہنامہ تمثیل نو، دربھنگہ، (اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم

مدیرہ: ڈاکٹر زہرہ شمائل ص: ۲۴۰ قیمت: ۱۰۰ روپے ص: ۳۲۰

رابطہ: اردو ادبی سرکل، محلہ: گنگوارہ، پوسٹ: سارا موہن پور، دربھنگہ مبصر: محمد عارف اقبال (نئی دہلی)

ماہنامہ 'تمثیل نو' دربھنگہ کا یہ مشترکہ شمارہ اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء پر مشتمل ہے۔ رسالہ کے اعزازی مدیر فی الوقت مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے ریجنل سنٹر کولکاتا کے ریجنل ڈائرکٹر ہیں۔ یہ رسالہ گزشتہ گیارہ برسوں سے اشاعت پذیر ہے۔ زیر نظر شمارہ میں ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' کے علاوہ معروف شاعر وسیم بریلوی اور معروف افسانہ نگار یٰسین احمد (حیدر آباد) کے خصوصی گوشے بھی شامل ہیں۔ یہ جریدہ اب اپنے موضوعاتی گوشے کے حوالے سے اختصاص حاصل کر چکا ہے۔ ابتدائی تقریباً ۴۴ رصفحات میں مدیر محترم نے ادبی و ثقافتی خبروں کا احاطہ کرتے ہوئے چند رسائل و جرائد کی مدد سے مشاہیر ادیبوں کی وفیات جمع کردی ہیں۔ مجموعی طور پر اس جریدہ کے موضوعاتی گوشے بڑی محنت سے مرتب کئے گئے ہیں۔ ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' کے حوالے سے نظام صدیقی الہ آباد، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی اور ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی کے مضامین لائق مطالعہ ہیں۔ کاش ان مضامین میں روایتی تحقیقی رویے سے اوپر اٹھ کر ناول کے حقیقی تناظر کے پس منظر میں ان ناول نگاروں کو بھی شامل کیا جاتا جن کے ناول میں آج کے ایٹمی دور کی پیش بینی ہے اور ان ناولوں میں سماج کے بدلتے ہوئے مزاج کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ حیرت ہے کہ تقسیم ہند کے بعد ناول نگاری کی اردو تاریخ میں ہمارے اردو محققین ابن صفی کو کیوں فراموش کردیتے ہیں۔ ان کے ڈھائی سو سے زائد ناولوں میں اگر صرف وبائی ہیجان، پتھر کی چیخ، زہریلا آدمی، بے چارہ / بے چاری، دہشت گرد، پیاسا سمندر، پاگلوں کی انجمن، علامہ دہشت ناک، فرشتے کا دشمن، بے چارہ شہزور کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو ابن صفی کے وسیع تر ادبی کینوس کا

اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال ادبی رسائل و جرائد کے وجود کا منطقی جواز یہی ہے کہ ادب کے سماجی و تہذیبی مطالعہ کو وسعت نظری کے ساتھ برتا جائے اور ان میں ادب کی ہر صنف پر عصری تناظر میں بحث کے آغاز کو وسعت دی جائے۔ ناول نگاروں میں ایک نام ''یعقوب یاور'' کا بھی ہے۔ افسوس کہ ان کے نام سے ہماری روایتی فہرست خالی نظر آتی ہے۔ بہر حال ماہنامہ 'تمثیل نو' کا یہ اعجاز ہے کہ اس میں نئے اور ادبی دنیا میں کم نظری کے شکار تخلیق کاروں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

(مطبوعہ: سہ ماہی ''اردو بک ریویو''، نئی دہلی۔ اپریل تا ستمبر ۲۰۱۳ء)

....

(۵)

● **ماہنامہ ''تمثیل نو''، دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم مدیرہ: ڈاکٹر زہرہ شمائل ص: ۲۴۰ قیمت: ۱۵۰ روپے ص: ۴۰۰ مبصر: محمد عارف اقبال (نئی دہلی)**

ڈاکٹر زہرہ شمائل اور ڈاکٹر امام اعظم کی مشترکہ ادارت میں شائع ہونے والا یہ ماہنامہ اب عملی طور پر سال نامہ بن گیا ہے۔ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدر آباد کے کولکاتا ریجنل سنٹر کی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے ڈاکٹر امام اعظم کا یہ ماہنامہ ادبی حلقے میں معروف اور پسندیدہ خیال کیا جاتا ہے۔ اس کے سرنامہ پر 'جدید تر شعری و ادبی رجحانات کا ترجمان' لکھا ہوتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسالہ 'رجحان ساز' بھی ہے۔ اس کے مدیر اعزازی اہل علم کو خوش کرنے کی پالیسی پر بھی گامزن نظر آتے ہیں۔ اس کا اندازہ 'مجلس مشاورت' میں دو درجن سے زائد افراد اور 'معاونین خاص' کے ذیل میں دو درجن کے قریب افراد کی شمولیت سے ہوتا ہے لیکن ماہنامہ ہوتے ہوئے بطور 'سالنامہ' اس کی مسلسل اشاعت افسوس ناک ہے۔

مدیر محترم نے اپنے اداریہ 'مجھے کچھ کہنا ہے' میں حسب سابق موجودہ شمارے کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے آئندہ کی خبر دی ہے۔ اداریے کے مطابق آئندہ شمارہ 'اکیسویں صدی میں اردو تنقید کی پیش رفت' کے موضوع کا احاطہ کرے گا۔ مدیر نے اہل علم سے مضامین ارسال کرنے کی گزارش بھی کی ہے۔

اس کے بعد 'ادبی و ثقافتی خبریں' تقریباً ۳۸ رصفحات کو محیط ہیں۔ پھر 'وفیات' کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو تقریباً ۲۱ رصفحات پر مشتمل ہے۔ وفات پانے والی بیشتر شخصیات کے بارے میں معلومات ترتیب دیتے ہوئے جن رسائل سے استفادہ کیا گیا ہے اگر ان کے حوالے بھی درج کر دیے جاتے تو مدیرانہ دیانت داری کے عین مطابق ہوتا۔

'تمثیل نو' کے اس ضخیم شمارہ میں خصوصی مطالعہ کا گوشہ سات مضامین پر مشتمل ہے جن کے لکھنے والوں میں پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر رئیس انور، مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی، سید محمود احمد کریمی، سلیمہ بی کولور، حیدر وارثی اور ڈاکٹر امام اعظم ہیں۔ 'اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر' کے حوالے سے مذکورہ ہر مضمون نگار نے اچھی بحث کی ہے تاہم مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کا مضمون 'غالب کی شاعری میں وحدت الوجود' ایسا لگتا ہے کہ اس خصوصی مطالعے کا حاصل ہے۔ 'ادبی مضامین' کے تحت ۳۵ر مضامین کی شمولیت ہے۔ اس میں احمد سہیل کا مضمون 'ٹیگور کو ادب کا نوبل انعام ملنا اور علامہ اقبال کا اس سے محروم رہنا، نہ صرف معلوماتی ہے بلکہ اس میں چند اہم باتوں کا انکشاف بھی ہوتا ہے۔ مضمون نگار کی ہر بات سے اتفاق مشکل ہے تاہم یہ مضمون اپنے موضوع کے لحاظ سے بے حد اہم ہے۔

حسب معمول اس شمارے میں افسانے، نظمیں، غزلیں، کتابوں پر تبصرے اور قارئین کے خطوط بھی شامل ہیں۔ آخر سے پیشتر انوار الحسن وسطوی کا تجزیہ 'اکیسویں صدی میں اردو صحافت' بھی شاملِ اشاعت ہے۔ آخر میں 'اکیسویں صدی میں اردو صحافت' کے حوالے سے معروف موضوعاتی شاعر احمد علی برقی اعظمی اور حلیم صابر کی دو نظمیں بھی قارئین کے لیے بطور نذرانہ پیش کر دی گئی ہیں۔ 'تمثیل نو' کے گزشتہ شمارے کی پذیرائی میں حلیم صابر (کولکاتا) کی نظم کا آخری شعر ملاحظہ ہو:

یہ مصحفِ صحافت ہے نقش مایہ ناز   جس کے مطالعے سے کھلتے ہیں دل کے باب

(مطبوعہ 'اردو بک ریویو' شمارہ جولائی - اگست، ستمبر ۲۰۱۷ء)

....

● نام رسالہ: ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۳۷۶
قیمت: ۱۰۰ روپے رابطہ: 'ادبستان' محلہ: گنگوارہ، پوسٹ: سارا موہن پور، دربھنگہ - ۷ مبصر: اسلم چشتی (پونے)

اکیسویں صدی کی شروعات میں ادبی افق پر ''تمثیل نو'' کا طلوع ہونا فال نیک ہے۔ تب سے اب تک اس کی توانا شعاعیں ادبی ماحول کو زندگی بخش رہی ہیں۔ اشاعت کے چودھویں سال میں اس جریدے کی اہمیت اور بھی بڑھ گئی ہے کیوں کہ ادب کے ہر حلقے میں اسے اعتبار کا درجہ ملا ہے۔ اس کا معیار منزل بہ منزل سفر کرتا ہوا ۱۴ ویں منزل پر پہنچ کر اپنے آپ کو منوا چکا ہے۔ اس ادبی صحافتی سفر کے میر کارواں ڈاکٹر امام اعظم ہیں جو تعلیمی تہذیبی اور ادبی دُنیا میں اپنی پہچان رکھتے ہیں۔ ان کی فعالیت تمام ادبی حلقوں کو گرمائے رکھتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر امام اعظم کسی ادبی گروپ کے آدمی نہیں لیکن ہر گروپ والوں

کے وہ قریب ہیں۔ اپنے جریدے کو جو کردار جو معیار انہوں نے بخشا ہے وہ قابلِ توجہ اور قابلِ قدر ہے۔

''تمثیلِ نو'' کا ۲۸واں شمارہ بھی سابقہ شماروں کی طرح ادب کے قارئین کو اپنی طرف متوجہ کرنے میں کامیاب ہے۔ ضخامت، طباعت اور مواد کے لحاظ سے بھی اور ادبی صحافتی معیار کے اعتبار سے بھی یہ جریدہ دیدہ زیب ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ہمیشہ کی طرح اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' میں کام کی باتیں لکھی ہیں۔ مختصر اقتباس ملاحظہ فرمائیں :

> ''مارچ ۲۰۰۱ء سے اُردو جریدہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ سے پورے آب وتاب کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اسے قارئین کی اچھی تعداد میسر ہے۔ ادھر کئی برسوں سے اس کے موضوعاتی شمارے شائع ہو رہے ہیں۔ جہاں جہاں اُردو پڑھی، لکھی اور بولی جاتی ہے، وہاں وہاں یہ رسالہ پہنچتا ہے۔ نئی نسل میں اُردو کا چلن کم ہوگیا ہے۔ گھروں میں اُردو اور فارسی کم پڑھائی جارہی ہے جس سے تلفظ کا مسئلہ بھی کھڑا ہوگیا ہے نیز اُردو داں طبقہ سمٹتا جارہا ہے۔ ایسے پرآشوب دور میں مدارس سے اُردو کو استحکام اور فروغ مل رہا ہے، جو خوش آئند ہے۔ حکومت کے سیاسی فکر وعمل سے ہم آگاہ ہیں پھر بھی حکومت اُردو کے بعض اداروں کو تقریباً ہر ریاست میں خاصی رقم دے کر اُردو والوں کو آزماتی رہتی ہے۔ حالانکہ یہ بھی غور طلب ہے کہ کیا یہ خطیر رقم صد فیصد مناسب جگہ خرچ کی جارہی ہے؟ اُردو والوں کو دوسری زبانوں کے اربابِ حل وعقد سے سبق لینا چاہئے کہ بنگلہ، اڑیا، گجراتی، مراٹھی، تمل، تیلگو اور بہت ساری زبانوں کے لئے ایک مہم کے تحت لوگ کام کرتے ہیں اور زبان کو زندہ اور توانا رکھنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اُردو والے نہ جانے کیوں احساسِ کمتری کے شکار نظر آتے ہیں حالاں کہ سرکاری مراعات کی وجہ سے اُردو والوں کو بولڈ اور فعّال ہونا چاہئے.......'' (ص:۴)

اس اقتباس میں موجودہ صورتِ حال کا اظہار بیباکی سے کیا گیا ہے، آئینہ دکھایا گیا ہے، تحریک دلائی گئی ہے، اندھیرے میں روشنی کی کرنوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم جو علمی وادبی سرگرمیوں میں عملی طور پر مصروف رہتے ہیں یہ ان کی اُردو دوستی اور ادب نوازی ہے۔ ایک ایسے شخص کا ''تمثیلِ نو'' نام کا جریدہ نکالنا معنی رکھتا ہے۔

''تمثیلِ نو'' کا ہر شمارہ کچھ نہ کچھ خصوصیت رکھتا ہے اور اتنا سیر حاصل مواد اس جریدے میں رہتا ہے کہ قاری ایک نشست میں پڑھ نہیں سکتا، کئی نشستوں میں پڑھنے کے بعد محسوس ہوتا ہے کہ اس جریدے کو محفوظ کر لینا چاہئے تاکہ مشمولات میں شامل مواد حوالوں اور مثالوں کے لئے کام آئے۔ زیر نظر شمارہ

بھی ایسا ہی ہے۔ اس میں ''خصوصی مطالعہ: شہر کولکاتا'' کے علاوہ گوشۂ ڈاکٹر سیّد تقی عابدی اور گوشۂ پروفیسر منصور عمر (مرحوم) اہمیت کے حامل ہیں۔ خصوصی مطالعہ اور گوشوں پر گفتگو کی جاسکتی ہے لیکن تفصیل کے بغیر بات ادھوری رہ جائے گی۔ اس لئے مختصراً عرض ہے کہ ''خصوصی مطالعہ: شہر کولکاتا'' میں شمس جلیلی کی نظم ''روداد کولکاتا'' بھرپور اور پراثر نظم ہے۔ ڈاکٹر عرش منیر نے منور رانا سے خوب بات کی ہے۔ اس انٹرویو سے کئی انکشافات ہوئے ہیں۔ انجم عظیم آبادی اور کامنا پرشاد کے مضامین معلومات افزا ہیں اور اس خصوصی مطالعہ میں ڈاکٹر امام اعظم نے ''کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ'' لکھ کر یہ ثابت کردیا کہ وہ اختصار کے فن پر عبور رکھتے ہیں۔ برس ہا برس کی ادبی تاریخ کو انہوں نے چند صفحات پر مقید کردیا ہے۔ یہ ان کے تحریری فن کا کمال ہے، اسی باب میں ڈاکٹر امام اعظم کی شاہکار نظم ''یہی کولکاتا ہے'' منظوم مختصر تاریخ بھی شامل ہے، جو خود اپنی مثال آپ ہے۔

گوشۂ ڈاکٹر سیّد تقی عابدی میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، ڈاکٹر رشید گل، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر امام اعظم، احسان ثاقب نے ڈاکٹر سیّد تقی عابدی کے فکر و فن پر روشنی ڈالی ہے اور تین مضامین خود ڈاکٹر سید تقی عابدی کے ہیں جو معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

گوشۂ پروفیسر منصور عمر (مرحوم) مختصر ہونے کے باوجود پرمغز اور معیاری ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کے دو مضامین منصور عمر کے فنِ تحریر کا مکمل تعارف کرواتے ہیں اس کے علاوہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر عبدالمنان، پروفیسر رئیس انور، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کے مضامین قابلِ مطالعہ ہیں کیوں کہ وہ منصور عمر کی تحریروں کے پکّے رنگ پیش کرتے ہیں۔ اس گوشے میں کچھ اہم شعراء نے منصور عمر کو منظوم خراج عقیدت بھی پیش کیا ہے۔

۶۷۳ر صفحات کے اس جریدے میں نثر اور نظم کا ایک جہان آباد ہے انٹرویو، افسانے، نظمیں، غزلیں، قطعات، تبصرے، تجزیئے وغیرہ تمام مشمولات پر اظہار ضروری بھی نہیں اور فی الحال ممکن بھی نہیں۔

ڈاکٹر امام اعظم میری نظر میں عصرِ حاضر کے فعّال اُردو دوست، ہمدرد قلم کار اور ایڈمنسٹریٹر ہیں۔ بحیثیت ایڈیٹر بھی یہ کامیاب ہیں۔ آخر میں ان کے اداریہ کا ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں کہ ناچیز ان کے لفظ لفظ سے متفق ہے:

''موجودہ نسل میں اُردو فہمی کی کوشش ہونی چاہئے جس کی ابتداء گھر سے ہو تو سب سے بہتر ہے۔ اسکول سے ہو تو بہتر ہے۔ یونیورسٹی سے ہو تو اچھا ہے کیوں کہ اُردو کسی ایک علاقے کی کسی ایک صوبے کی کسی ایک

ملک کی زبان نہیں ہے بلکہ یہ عالمگیر زبان ہے اور ہندو پاک کے علاوہ تیسری بستیوں میں اُردو پڑھائی جاتی ہے، بولی اور لکھی جاتی ہے۔ اُردو کی کتابیں شائع ہو رہی ہیں، رسالے نکل رہے ہیں اور اُردو رابطے کی زبان بنی ہوئی ہے۔ ایسے میں سچے اور مخلص اُردوداں کی ضرورت ہے تا کہ یہ اپنے نام ونشان کے ساتھ توانا اور مستحکم ہوتی رہے۔'' (ص:۴-۵)

(مطبوعہ:'تمثیل نو'، دربھنگہ۔ جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء)

....

● **نام رسالہ: سہ ماہی ''تمثیل نو'' دربھنگہ (ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء) مدیر: ڈاکٹر امام اعظم ص:۹۶ قیمت: ۱۵؍روپے رابطہ: اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۸۴۶۰۰۷ مبصر: سردار سلیم (حیدرآباد)**

گلوبلائزیشن کے عنوان سے دنیا جیسے جیسے سکڑتی جارہی ہے اردو کی قدیم بستیاں ویسے ویسے زرخیز ہوتی چلی جارہی ہیں۔ (نئی بستیوں کے اپنے مراحل و مسائل ہیں) زبان وادب کی ترویج وترقی کے لئے پہلے سے زیادہ ہاتھ اور پہلے سے زیادہ دماغ چل رہے ہیں اور اردو کا قافلہ آبلہ پائی کی لذتوں سے سرشار ہوتا ہوا آگے بڑھتا چلا جارہا ہے۔ قابلِ مبارکباد ہیں وہ لوگ، جو صعوبتوں کی پرواہ کئے بغیر اس قافلے میں تن من دھن کے ساتھ شریک ہو کر ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم بھی اردو کے ایک ایسے ہی پرخلوص قاری اور قلم کار ہیں جو دربھنگہ (بہار) سے ایک خوبصورت سہ ماہی جریدہ ''تمثیل نو'' نکال رہے ہیں جس کے سرورق پر'' جدید تر شعری وادبی رجحانات کا ترجمان، تمثیل نو'' لکھا ہوا ہے۔ تفصیلی مطالعے کے بعد مجھے لگا کہ'' جدید تر'' کے بارے میں مدیر کو پھر ایک بار سوچنا چاہئے کیونکہ اسی پرچے کے بعض گوشوں میں اس لفظ کی نفی ہوتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ نگارشات زیادہ تر معیاری اور دلچسپ ہیں خصوصاً ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون 'ایک لہر نئی نئی' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اقبال انصاری کا افسانہ 'دو سال' اور ابواللیث جاوید کا '' تیسری سمت کا سفر'' دونوں ہی اچھے افسانے ہیں۔ پروفیسر عبدالمنان طرزی کی لکھی ہوئی دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ خاصے کی چیز ہے۔ علقمہ شبلی، ظہیر غازی پوری، حنیف ترین، عنبر بہرائچی، ودبھوتی آنند اور احمد سہیل وغیرہ کی نظمیں خوب ہیں۔ رؤف خیر کے چار ترائیلے نئی جہتوں کی کامیاب نمائندگی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ساحر شیوی اور ش.م. عارف کی رباعیات بھی اچھی ہیں۔ غزلوں میں رفعت سروش، نسرین نقاش، حبیب احسن، حیدر قریشی، جمال الدین ساحل، حباب ہاشمی، طارق حسین راز پشاوری، ڈاکٹر انور ریتنائی، پروفیسر محمد علی اثر، ظفر اقبال، جمال ہاشمی، ڈاکٹر

خاورخاں سرحدی، آشا شبلی، جاوید اکرم اور شارق عدیل کی غزلیں جاندار ہیں۔ اداریہ بھی فکرانگیز اور پر اثر ہے۔ خاص طور پر سرورق بھی دیدہ زیب ہے اور طباعت بھی عمدہ ہے۔ یعنی 'تمثیل نو' میں معیاری جریدے والی تمام صفات موجود ہیں۔ (مطبوعہ: منصف، حیدرآباد ۲۱/ اکتوبر ۲۰۰۱ء)

....

● **رسالہ کا نام: ''تمثیل نو'' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۴ تا جون ۲۰۱۵ء) قیمت: ۱۰۰ روپے**
مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم رابطہ: گنگوارہ، سارا موہن پور، دربھنگہ۔ ۸۴۶۰۰۷ (بہار)
مبصر: ایم نصر اللہ نصر (ہوڑہ) موبائل: 09339976034

''تمثیل نو'' کا تازہ شمارہ نمبر: ۲۸ زیر مطالعہ ہے۔ اردو کے قابل قدر رسائل میں اس جریدے کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اس کی انفرادیت اور امتیازی خصوصیات اس کے بال و پر کی قوتِ پرواز کو توانائی عطا کر رہی ہیں اور مقبولیت میں اضافہ بھی۔ اس کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم اس کی ترقی و ترویج میں ہمہ جہت کوشاں ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ آج کے اس انحطاطی دور میں اردو کے کسی رسالے کو زندہ رکھنا ایک کارِ محال ہی نہیں بلکہ بڑے دل گردے کا کام ہے۔ تازہ شمارہ اپنے مشمولات کے اعتبار سے کافی اہم ہے۔ اس کی اہمیت کا سبب یہ ہے کہ اس میں مدیر موصوف ڈاکٹر امام اعظم کی ایک طویل اور نہایت ہی اہم نظم ''یہی کولکاتا ہے'' شامل اشاعت ہے، جس کے مطالعے سے کلکتے کی ایک مختصر جغرافیائی' تہذیبی' معاشرتی' سیاسی اور ادبی تاریخ سے واقفیت ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے وہ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

دوسری خصوصیت یہ کہ اس میں ڈاکٹر سید تقی عابدی اور پروفیسر منصور عمر پر دو گوشے بڑے اہتمام کے ساتھ شامل ہیں جن کے مطالعے سے دونوں حضرات کی شخصیت اور ادبی قد و قامت کا اندازہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر عابدی صاحب نے ادب میں بڑا کام کیا ہے۔ اب تک ان کی تقریباً چالیس سے زائد کتابیں منظرِ عام پر آچکی ہیں، جن میں اقبال' انشاء اللہ خاں انشاء' مرزا دبیر' میر انیس' غالب اور فیض پر بڑا کام ہوا ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر کی شخصیت بھی قابلِ داد ہے۔ موصوف کی ۱۸ رکتابیں' ترتیب' تحقیق' تنقید' طویل نظم' غزل' آزاد غزلوں کا مجموعہ' قطعات تاریخ اور دیگر اصناف ادب پر منصۂ شہود پر آچکی ہیں اور اہل علم و دانش سے دادِ تحسین وصول رہی ہیں۔

دیگر مشمولات میں مضامین کا حصہ کافی اہم اور قابلِ مطالعہ ہے۔ کس کس اور کس کے کس مضمون کا نام لوں۔ سبھی مضمون نگاروں نے کافی محنت اور مطالعے سے اپنے اپنے مضامین قلمبند کیے ہیں جو قاری

کو ڈھیر ساری معلومات فراہم کرتے ہیں۔ مضامین کے موضوعات بھی ادبی مباحث کے اہم حصے ہیں جن کی اہمیت کسی زاویے سے کم نہیں۔ انٹرویو کا سلسلہ بھی معلوماتی ہے۔ خصوصی شاعر کے طور پر غفران امجد کا یہ شعر اچھا لگا:

محبتوں کے حوالے کہاں سے آتے ہیں ہمارے پاؤں میں چھالے کہاں سے آتے ہیں

گوشۂ نظم و غزل بھی خوب ہے۔ تقریباً تمیں پینتیس شعراء و شاعرات کی شمولیت سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا دل بڑا کشادہ ہے۔ آپ زیادہ سے زیادہ ادباء و شعراء کو اپنی انجمن کی زینت بنانا چاہتے ہیں جس میں نئے پرانے دونوں طرح کے چراغ روشن ہیں۔ تبصروں کی تعداد بھی اچھی خاصی ہے۔ ڈھیر ساری کتابوں سے قاری کا تعارف ہوا۔ راہ و رسم اور تجزیہ بھی لائقِ مطالعہ ہیں۔ اس قدر مصروفیت کے بعد بھی ایسے کام کے لیے مدیرِ اعزازی کو ایک بار مبارکباد۔ رسالہ صوری و معنوی دونوں اعتبار سے دیدہ زیب ہے۔

....

● **نام رسالہ: ''تمثیلِ نو'' (جولائی ۲۰۱۵ء- جون ۲۰۱۶ء) مدیرِ اعزازی : ڈاکٹر امام اعظم**
ص: ۴۱۶ قیمت: ۱۵۰؍روپے رابطہ: شوکت علی بک سینٹر (نزد مسلم انسٹی ٹیوٹ)
کولکاتا-۱۶ مبصر: ایم نصر اللہ نصر (ہوڑہ موبائل: 9339976034)

''تمثیلِ نو'' کا تازہ شمارہ-۲۹ (جولائی ۲۰۱۵ تا جون ۲۰۱۶) منظرِ عام پر آ کر رسائل کی دنیا میں ایک ہلچل کا احساس دلا رہا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں یہ جریدہ گذشتہ ۱۵؍برسوں سے طمطراق کے ساتھ نکلتا آ رہا ہے جس کی اہمیت و افادیت سے شاید ہی کوئی انکار کرے۔ سابقہ شمارہ بھی اپنے اعتبار سے کافی پر مغز اور معلوماتی تھا اور تازہ شمارہ تو اس سے کہیں زیادہ مواد و مضامین کے ساتھ نمودار ہوا ہے۔ اس رسالے کی کئی خصوصیات ہیں۔ سب سے پہلے تو اس کا اداریہ قابلِ توجہ اور فکر انگیز ہوتا ہے۔ دوسرے ان کا انتخاب بھی بہت عمدہ ہوتا ہے۔ زیرِ مطالعہ شمارے کی بھی یہی خوبیاں ہیں۔ صرف اداریہ تقریباً ۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ چونکئے نہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ ایک صفحہ کے اداریے کے ساتھ مدیر نے گذشتہ دس مہینے میں رونما اور منعقد ہونے والی اہم تقریبوں، جلسوں اور مجلسوں کی روداد کو اس طرح یکجا کر دیا ہے جو کسی دستاویزی ملفوظات سے کم نہیں نیز اسی دوران اہم اور معتبر ادبی و سماجی شخصیات کی وفیات کی رپورٹ کو بھی سلیقے سے محفوظ کر دیا ہے جس سے ان مرحومین کی سنہ پیدائش اور تاریخ وفات کی دستیابی نیز معلومات کی حصولیابی میں کافی آسانیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ اس کے لئے ڈاکٹر امام اعظم مبارکباد کے مستحق ہیں۔

خصوصی مطالعہ ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' کے زیرِ عنوان جو مضامین اور مقالے یکجا کئے گئے ہیں ان کی اہمیت بھی اپنی جگہ مسلم ہے۔ اردو کی صحافت پر کام کرنے والوں کے لئے یہ ایک حسین تحفہ اور مواد ہے جس میں مناظر عاشق ہرگانوی، شمس جلیلی، ڈاکٹر سید احمد قادری، حقانی القاسمی، ڈاکٹر سید فاضل حسین پرویز، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر فیاض احمد وجیہ، ڈاکٹر امام اعظم، سلمان عبدالصمد، شاہد الرحمٰن، ڈاکٹر نصرت جہاں اور ڈاکٹر احسان عالم کے مضامین شامل ہیں۔ ان مضامین کے مطالعے سے اکیسویں صدی میں اردو صحافت، صحافت کے مراکز، عصری منظرنامے، اندیشے اور امکانات نیز صحافت کا بدلتا رنگ گویا سب کچھ سے قاری کو واقفیت ہو سکتی ہے۔ دیگر مضامین میں ''صدیق عالم کی نظموں میں فعال کائنات کی شیشہ گری'' (پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی) ''ناول 'چار رنگ کی کشتی' میں عورتوں کے مسائل'' (ڈاکٹر امام اعظم)، ''اشرف واعلیٰ شخصیت کے تنقیدی زاویے'' (پروفیسر عبدالمنان)، ''حالی کی قلبی واردات: سرسیّد کا مرثیہ'' (ڈاکٹر سید تقی عابدی)، ''نالہ شب گیر: مختصر تجزیہ'' (منیزہ احتشام)، ''مکاں سے لامکاں تک کا شاعر: شمس جلیلی'' (ڈاکٹر فاراں شکوہ یزدانی)، ''سرور عثمانی: یادیں، باتیں اور تحریریں'' (ڈاکٹر عشرت بیتاب)، ''پروفیسر شاکر خلیق: کامیاب استاد، باشعور سماجی کارکن اور مشہور شاعر'' (پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ)، ''عالمانہ بصیرت کے نئے امیر: مولانا سیّد محمد ولی رحمانی'' (صفی اختر)، ''ثناء الہدیٰ قاسمی کی تنقیدی بصیرت'' (ڈاکٹر ایم صلاح الدین)، ''سلطان شمسی کی شاعری'' (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)، ''دربھنگہ کا ادبی منظرنامہ: بیسویں صدی کے حوالے سے'' (ڈاکٹر سرور کریم)، ''غالب کی شاعرانہ عظمت'' (ڈاکٹر شگفتہ یاسمین)، ''سرسید کی زبان اور اسلوب: 'تہذیب الاخلاق' کی روشنی میں'' (فرحت بانو)، ''ڈاکٹر وہاب اشرفی: تاریخ ادب اردو کی روشنی میں'' (علیم الدین)، ''اردو میں خاکہ نگاری'' (عروسہ یاسمین زیبا)، ''حضرت مولانا منت اللہ رحمانی کی ادبی خدمات'' (محمد افروز الہدیٰ)، ''ڈاکٹر شعیب راہی: حیات اور ادبی خدمات'' (نزہت جبیں) ''افسانے کا فن اور خواجہ احمد عباس کے افسانوں کا اشتراکی نظام'' (عبدالسلام عارف)، ''احتشام حسین کی ادبی تاریخ میں بہار'' (مترجم: سیّد ایاز احمد روہوی) وغیرہ مشاہداتی اور معلوماتی مضامین شامل رسالہ ہیں۔ پروفیسر سیّد منظر امام سے احمد معراج کا انٹرویو بھی اہم ہے۔ ان کے علاوہ افسانے اپنی روایت کے مطابق زینت افروز ہیں۔ افسانچے بھی شامل ہیں۔ نظمیں، غزلیں اور رباعیات بھی اپنے معیار کے مطابق قاری کو لطف فراہم کرتی ہیں۔ منظوم خراج عقیدت بھی ایک الگ ذائقہ عطا کرتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تقریباً ۷۲ کتابوں پر تبصرے شامل ہیں جو شاید ہی کوئی رسالہ اس کا مجاز

رکھتا ہو۔ ایک ایک مضمون، شعری تخلیق اور دیگر صنف ادب پر گفتگو بیشک قابلِ تحسین اور معلوماتی ہے۔ خصوصی طور پر تحقیق کرنے والوں کے لئے تو یہ شمارہ نہایت ہی اہم اور کارآمد ہے۔ امید ہے ادبی حلقے میں اس کی پذیرائی خوب ہوگی۔ ایک سو پچاس روپے میں اپنی ضخامت اور مواد کے اعتبار سے یہ رسالہ مہنگا نہیں ہے بلکہ کافی دیدہ زیب اور پُر مغز ہے۔ اس کے معیار میں لگاتار اضافہ اس کو مزید پروقار بنا رہا ہے۔

(مطبوعہ ماہنامہ ''انشاء'' کولکاتا ستمبر-اکتوبر ۲۰۱۶ء)

....

● **نام جریدہ: 'تمثیل نو' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۴۰۰ قیمت: ۱۵۰ روپے رابطہ: تمثیل نو، گنگوارہ، دربھنگہ-۷ (بہار) مبصر: ڈاکٹر عالمگیر شبنم**

'تمثیل نو' کا شمارہ جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء پیش نظر ہے۔ اس شمارہ کا اداریہ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے ساتھ ساتھ ''ادبی اور ثقافتی خبریں'' کے عنوان سے ۳۸ رصفحوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ''وفیات'' کے تحت دنیائے ادب کی مختلف شخصیات کے علاوہ ملک اور بیرون ملک کی اہم شخصیات کے انتقال کی خبر تفصیل سے درج کی گئی ہے۔ ''نواز دیوبندی سے ملاقات'' میں ڈاکٹر امام اعظم کے ذریعہ لیا گیا انٹرویو جو سات صفحہ پر مشتمل ہے۔ احمد معراج کے ذریعہ احمد سعید ملیح آبادی سے لیا گیا انٹرویو 'احمد سعید ملیح آبادی سے ایک گفتگو' ۶ رصفحات پر مشتمل ہے۔

مشمولات میں پروفیسر حافظ شائق احمد یحییٰ کا مضمون ''کولکاتا اسفار کی مختصر روداد'' (جناب صلو چودھری سے ایک خصوصی ملاقات) پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ شاہد حسین لعل پوری کا مضمون ''جام وسبو'' تین صفحوں پر محیط ہے۔ محسن دہلوی کا مضمون ''تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا'' کے تحت طب یونانی کے زوال پر ماتم ہے۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''اردو غزل میں وحدۃ الوجودی عقیدہ'' چھ صفحات پر محیط ہے۔ پروفیسر رئیس انور کا مضمون ''تصوف کے دو اہم تصورات اور اردو شاعری'' بہت اہم ہے۔ مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کا مضمون 'غالب کی شاعری میں وحدۃ الوجود' پانچ صفحات پر محیط ہے اور معلومات کے نئے دریچے وا کرتا ہے۔ سید محمود احمد کریمی کا مضمون ''شیخ مجدد کا تصور توحید' چار صفحات پر محیط ہے مگر ان چار صفحات میں معلومات کا ایک جہاں سمٹ آیا ہے۔ سلیمہ بی کولور کا مضمون ''اردو شاعری میں مذہب و تصوف کی اہمیت'' سات صفحات پر مشتمل ہے۔ علاء الدین حیدر وارثی کا مضمون ''اردو شاعری میں وحدت الوجودی اور شہودی عناصر'' چار صفحات پر محیط ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون ''صوفیاء اور تصور حیات انسانی''

پانچ صفحات پر مشتمل ہیں۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون سید محمد اشرف کے ناول ''آخری سواریاں'' میں معصوم جذبے کی لذت آفرینی'' پانچ صفحات پر مشتمل ہیں۔ مشمولات میں ڈاکٹر امام اعظم کا مضمون ''آخری سواریاں'' اردو ناول نگاری کا ٹرننگ پوائنٹ'' تین صفحہ پر محیط ہے۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''تنقید کے نئے میلان کے نقیب نظام صدیقی'' دو صفحہ پر مشتمل ہے۔ احمد سہیل کا مضمون ''ٹیگور کو ادب کا نوبل انعام اور علامہ اقبال کا اس سے محروم رہنا کچھ سوالات، کچھ حقائق'' تقریباً پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ پروفیسر عبدالمنان کا مضمون ''پروفیسر محمد محفوظ الحسن کا رشحاتِ فکر پر ایک نظر'' تقریباً تین صفحہ پر مشتمل ہے۔ ''ابراہیم ہوش: شخص و شاعر اور صحافی'' یہ مضمون انجم عظیم آبادی کا ہے جو تین صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ ڈاکٹر فصیح ظفر کا مضمون ''دروازہ ابھی بند ہے، انسان دوستی کا نمونہ'' دو صفحہ پر محیط ہے۔ ڈاکٹر مظفر مہدی کا مضمون ''ابوذر عثمانی پر ایک نظر'' دو صفحات پر مشتمل ہیں۔ اختر جاوید مرحوم کا مضمون ''مغربی بنگال میں اردو'' پانچ صفحات پر محیط ہیں۔ ڈاکٹر ایم صلاح الدین کا مضمون ''شورشِ موج تخیل اور رمِ فکر کا شاعر منظر شہاب'' تین صفحات پر محیط ہیں۔ انوار الحسن وسطوی کا مضمون ''سید عبدالرافع یادوں کے آئینے میں'' پانچ صفحات پر محیط ہے۔ ماہنامہ میں شامل ڈاکٹر سید شاہد اقبال کا مضمون ''جزائر انڈمان و نکوبار میں آسودہ خواب علماء بہار'' تین صفحہ پر محیط ہے۔ ''حضرت امیر خسرو کی ہندی شاعری اور بچوں کا ادب'' سات صفحات پر پھیلا ہوا یہ مضمون محمد رضا فراز کا ہے۔ ایم نصر اللہ نصر کا مضمون ''بھیگے مناظر کا شاعر حنیف ترین'' چار صفحات پر مشتمل ہے۔ مسرت جہاں کا مضمون ''اقبال انصاری کی ناول نگاری (اکیلی کے آئینے میں) چار صفحات پر مشتمل ہے۔ ایم نصر اللہ نصر کا مضمون ''ایم محمد مجتبیٰ اور اُن کی کتاب'' جزائر انڈمان و نکوبار، ماضی تا حال'' تین صفحات پر مشتمل ہے۔ نوشین بیگم کا مضمون ایک منفرد لب و لہجے کا شاعر جوش ملیح آبادی'' تقریباً تین صفحوں پر محیط ہے۔ ایم نصر اللہ نصر کا مضمون ''شموئل احمد گرداب کے آئینے میں'' چھ صفحات پر محیط ہے۔ ''مناظر عاشق ہرگانوی کے افسانے میں خوب تر کی جستجو'' یہ مضمون عذرا مناظ کا ہے جو چھ صفحات کا احاطہ کئے ہوا ہے۔ ایم نصر اللہ نصر کا مضمون ''مجیر احمد آزاد کی افسانہ نگاری ٹھہری ہوئی صبح کے حصار میں'' تین صفحات کو احاطہ کئے ہوا ہے۔ ''عابد ضمیر کا مقام بحیثیت افسانہ نگار'' یہ مضمون محمد حلیم کا ہے جو چار صفحات پر محیط ہے۔ عصمت جہاں کا مضمون ''ہندوستان پر مغلیہ حکومت اور بہادر شاہ ظفر'' تین صفحات پر محیط ہے۔ ثریا پروین کا مضمون ''اسلم بدر کی غزل گوئی ایک جائزہ'' تقریباً چار صفحہ پر مشتمل ہے۔ پانچ صفحہ پر مشتمل مضمون عدیلہ نسیم کا ''شاکر کریمی کا افسانہ انہونی بات: ایک تجزیاتی مطالعہ'' ہے۔ ظہیر حسن ظہیر کا مضمون

''اردو فکشن تنقید اور ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی'' اردو کے چند فکشن نگار، تنقید و تجزیہ کے تناظر میں'' سات صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر ایم صلاح الدین کا مضمون ''میری یادیں میری نظر میں'' دو صفحات پر محیط ہیں۔ ڈاکٹر امام اعظم کے مضامین ''پروفیسر احمد سجاد کی تنقید میں متاع دین و دانش'' اور ''وہ جو بچھڑ گئے: مظہر امام'' بالترتیب تین صفحات اور چار صفحات پر مشتمل ہیں جب کہ غلام نبی کمار کا مضمون ''لفظوں کا لہو میں لت پت معاشرہ'' تین صفحوں اور ''اردو میڈیا زندہ باد'' پانچ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ پروفیسر مجید بیدار کا مضمون ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت ایک جائزہ'' چار صفحات پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر ابرار اجراوی کا مضمون ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت کا تجزیاتی مطالعہ'' پانچ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ تبصرہ اور تنقیدی مضمون کی خصوصیات کا آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر احسان عالم کا مضمون ''ڈاکٹر امام اعظم کی ایک اہم کاوش اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' چار صفحہ پر مشتمل ہے۔ حلیم صابر کا مضمون ''دربھنگہ کی ادبی سرگرمیوں میں ڈاکٹر امام اعظم کے گہرے نقوش'' تین صفحات پر محیط ہیں۔ ڈاکٹر ابرار اجراوی کا مضمون ڈاکٹر سرور کریم کی وقیع کتاب ''دربھنگہ کا ادبی منظرنامہ'' تین صفحات پر محیط ہے۔ یہ سارے مضامین خصوصی طور پر معیاری ہیں۔ اسی طرح افسانوں میں فاروق راہب کا ''سوار''، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد کا ''ایک اور مسجد''، ترنم جمال کا ''دل کی آنکھ'' اور ڈاکٹر فاطمہ کا فارسی سے ترجمہ ''اس درسے یا اس درسے''۔ نظم کے حصے میں نقشبند نقوی بخاری کی نظم ''دریائے نور''، سیما عابدی کی ''خزاں''، احسان ثاقب کی نظم ''شہزادہ کے تناظر میں ایک کھلا پیغام''، امتیاز احمد صبا کی نظم ''فنکار وقت''، مناظر عاشق ہرگانوی پر ارشد مینا نگری کی نظم، کرشن پرویز ''آج کے صحافی اور صحافت''، افضل خاں کی نظم ''ایک نظم منور رانا کے نام''، ڈاکٹر منصور عمر مرحوم کی نظم ''کرب آگہی''، مراق مرزا، مشتاق ہاشمی، آچاریہ جمال احمد جمال کی نظم ''کولکاتا'' اس کے علاوہ غزلوں کے حصہ میں ڈاکٹر مسعود جعفری، مظہر امام، احمد معراج، پروفیسر شاکر خلیق، انجم عظیم آبادی، امان خاں دل، حلیم صابر، شمیم قاسمی، احسان ثاقب، ظفر محمود ظفر، مراق مرزا، عشرت معین سیما، معراج احمد معراج، عقیل گیاوی، ہارون شامی، نوشاد نورنگ، صابر فخر الدین، شاذیہ فخر، مشتاق دربھنگوی، طاہر یونس بیگ دہلوی، مجاز علیگ مشمولات میں اہم ہیں۔ ''نظر اپنی اپنی'' کے تحت تبصرے شامل اشاعت ہیں۔ اس کے علاوہ ''راہ و رسم'' کے تحت قارئین و ادباء کے خطوط شامل اشاعت ہیں۔ ۲۴ رکتابوں اور ایک رسالہ پر تبصرہ جو ۱۸ رصفحات پر محیط ہے۔ حیرت ہے کہ ایک میگزین میں بیک وقت اتنے تبصروں کا بوجھ کیوں کر اٹھایا ہوگا جب کہ تمام تبصرے سیر حاصل بحث پر مبنی ہیں۔ الغرض ''تمثیل نو'' اردو دنیا میں منفرد اور قاری کے لئے ایک بڑا تحفہ ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ رسالہ اسی انداز سے نکلتا رہے۔

● نام جریدہ: ''تمثیل نو'' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم
رابطہ: اردو ادبی سرکل، محلہ: گنگوارہ، دربھنگہ۔۷ مبصر: ڈاکٹر جمیل اختر (نئی دہلی)

ماہنامہ 'تمثیل نو' دربھنگہ سے مارچ ۲۰۰۱ء سے پابندی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ تقریباً سات برسوں سے اس کے موضوعاتی شمارے شائع ہو رہے ہیں۔ گزشتہ شمارہ ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' (اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء) پر تھا۔ موجودہ شمارہ ''مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں'' کے لیے مخصوص کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ مکمل شمارہ کوئی خاص نمبر ہے۔ اس میں عام نمبروں کے تمام عنوانات کے علاوہ خاص گوشہ مغربی بنگال پر ہے۔ مندرجہ بالا عنوان کے باب میں دس مضامین دیئے ہیں جو درج ذیل ہیں: مغربی بنگال میں اردو تنقید و تحقیق، تبصرہ اور تذکرہ (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، اردو کی صورت حال مغربی بنگال میں (ڈاکٹر شاہد اختر)، مغربی بنگال میں اردو افسانہ (ڈاکٹر عشرت بیتاب)، اکیسویں صدی میں مغربی بنگال میں اردو ڈرامہ: ایک جائزہ (مصطفیٰ اکبر)، ادب اطفال: اکیسویں صدی کے تناظر میں (محسن باعشن حسرت)، مغربی بنگال میں اردو غزل کا منظر نامہ (ڈاکٹر نصرت جہاں)، مغربی بنگال میں اردو نظم (ڈاکٹر عمر غزالی)، مغربی بنگال میں اردو صحافت (امتیاز احمد راشد)، مغربی بنگال میں اردو ناول کا سفر (شبانہ خاتون ثمن)، کلکتہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی/ڈی لٹ (محمد آفتاب عالم)۔ دوسرا گوشہ مغربی بنگال کی باغ و بہار شخصیت صلّو چودھری پر ہے جس میں ان کے کارناموں کا تفصیلی تذکرہ نظم و نثر کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

(مطبوعہ: ماہنامہ 'آجکل' نئی دہلی مارچ ۲۰۱۵ء)

....

● نام رسالہ: ''تمثیل نو'' (اپریل ۲۰۱۲ء۔ جون ۲۰۱۳ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۳۷۶
قیمت: ۱۰۰ روپے رابطہ: تمثیل نو، اردو ادبی سرکل، محلہ گنگوارہ، دربھنگہ۔۷ مبصر: مشتاق احمد حاتی (کولکاتا)

ماہنامہ 'تمثیل نو' دربھنگہ کا خصوصی شمارہ ''اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر'' پیش نظر ہے۔ جس کے مدیر اعزازی مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کولکاتا کے ریجنل سنٹر کے ڈائریکٹر ڈاکٹر امام اعظم ہیں۔

'تمثیل نو' کا یہ خوبصورت شمارہ اپنے مشمولات کے اعتبار سے کافی اہم اور نمایاں ہے۔ یہ تو فطری بات ہے کہ جب ہم غلامی کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تھے تو ہمارے محسوسات، ہماری تحریریں، ہماری فکر اس غلامی کے زیر اثر تھیں لیکن جونہی ہم نے اس زنجیر کو توڑ پھینکا تو ہماری تخلیقات اور ہماری سوچ نے انگڑائی

لی تو کھلی فضا میں ہماری تخلیقات پرواز کرنے لگیں۔

'اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر' کے تحت سات مضامین شامل ہیں۔ نظام صدیقی کا مضمون 'نئے عہد کی ناولاتی تخلیقیت کی بوطیقا' ایک معلوماتی مضمون ہے۔ لیکن ظاہر ہے، بہت سی مجبوریاں بھی حائل ہوتی ہیں۔ ہمیں ان کی باتوں سے کوئی اختلاف نہیں لیکن بہر حال ہم پریم چند کی حقیقت نگاری اور گئودان نے سماج پر جو اپنا اثر مرتب کیا ہے ہم اس سے انکار نہیں کر سکتے۔

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون 'اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر' ناول سے متعلق ایک اہم معلوماتی مضمون ہے۔ ڈاکٹر عبدالحنان سبحانی، ڈاکٹر ایم اے ضیاء، حقانی القاسمی، ناظم خلیلی کی تخلیقات اچھی ہیں۔ اس شمارہ کے مطالعہ سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ناول کے بدلتے مزاج پر بخوبی روشنی ڈالی گئی ہے۔

''خصوصی مطالعہ'' کے تحت وسیم بریلوی اور یٰسین احمد جیسے اہم قلمکاروں پر مضامین شامل ہیں جس سے ان کی شخصیت مزید نمایاں ہوتی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم کا ایک مضمون 'آپ کو میرے تعارف کی ضرورت کیا ہے؟' معروف شاعر جناب مظہر امام سے متعلق ہے جو کافی معلوماتی ہے۔ مظہر امام کا ہم سے جدا ہونے کا غم ابھی تازہ ہے۔ اس شمارے میں غزلوں اور نظموں کا حصہ بھی اطمینان بخش ہے اور کئی مضامین بھی اہم ہیں۔ افسانے، انشائیے اور غزلیں اور تہنیتی نظمیں اس رسالے کو رونق بخشتی ہیں۔ آخر میں آفرین حسین کا انٹرویو 'ڈاکٹر امام اعظم سے بات چیت' بھی شامل ہے جو نہایت دلچسپ ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ اخبار مشرق، کولکاتا ۲۶ رمئی ۲۰۱۳ء)

....

● نام رسالہ: ''تمثیل نو'' (جولائی ۲۰۱۴ء - جون ۲۰۱۵ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۳۷۶ قیمت: ۱۰۰ روپے رابطہ: تمثیل نو، اردو ادبی سرکل، محلہ گنگوارہ، دربھنگہ - ۷ مبصر: مشتاق احمد حاقی (کولکاتا)

دربھنگہ سے نکلنے والا جدید ادبی رجحان کا نقیب رسالہ 'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ پیش نظر ہے جو اپنے دامن میں بے شمار بوٹے لئے ہوئے ہے۔ یہ خاص شمارہ گوشہ پروفیسر منصور عمر (مرحوم) اور گوشہ ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) پر مشتمل ہے، جو غیر معمولی اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے علاوہ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس شمارے میں امام اعظم کی نظم ''یہی کولکاتا ہے'' بھی شامل ہے جو ایک طویل تاریخی نظم کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس طرح سید حرمت اکرام کی نظم 'کلکتہ اک رباب' تھی۔ واقعی اس نظم کی تخلیق کے وقت ڈاکٹر صاحب نے کس قدر جدوجہد سے کام لیا ہوگا یہ ان ہی کا دل جانتا ہوگا۔ اس نظم کی خوبی یہ ہے

کہ اس میں مغربی بنگال کے تمام شعراء وادباء کا ذکر شامل ہے جو ماضی کی یادگار اور حال کے جیالے ہیں۔ گویا اسے ایک تاریخی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ اس شمارے میں شامل اس نظم کی وجہ سے یقیناً ریسرچ اسکالرز بھی استفادہ کرسکیں گے۔

''اردو والے نہ جانے کیوں احساس کمتری کے شکار نظر آتے ہیں حالانکہ سرکاری مراعات کی وجہ سے اردو والوں کو بولڈ اور فعال ہونا چاہئے۔'' مدیر تمثیل نو سے میں یہ واضح کردینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ اردو والوں کو مراعات نہیں بلکہ اس کا حق ملنا چاہئے۔ یہ اور بات ہے کہ اردو کو اردو والوں سے ہی کافی نقصان پہنچا ہے، جب کہ ان کے بچوں کے شریانوں میں اردو کا خون ہی دوڑ رہا ہوتا ہے۔ اب تو ایسا لگ رہا ہے کہ ہمارے کسی سیاسی لیڈر یا انجمن کے بس کی یہ بات نہیں کہ وہ حکومت کو للکار سکے کہ کیا یہی دوسری سرکاری زبان کا درجہ ہے؟ ہم حکومت کے دورخی نظریئے سے خوب واقف ہیں

ع صاف چھپتے بھی نہیں، سامنے آتے بھی نہیں

رسالے کے مدیر نے کلکتہ کی مختصر ادبی تاریخ کو ایسے مرتب کیا ہے جیسے کلکتہ سے ان کا تعلق صرف تین سال کا نہیں بلکہ ایک قدیم رشتہ ہے، جس طرح مغلوں کا ہندوستان سے تھا۔ رسالے میں ڈاکٹر سید تقی عابدی (کینیڈا) سے متعلق ۱۰رمضامین اور پروفیسر منصور عمر (مرحوم) سے متعلق ۶رمضامین کا یہ گوشہ پسند آیا لیکن مزید جاننے کی تشنگی باقی رہ گئی۔

ڈاکٹر عرش منیر کا انٹرویو بین الاقوامی شاعر ''منور رانا سے گفتگو'' اچھا لگا۔ شاید عرش منیر نے منور رانا پر ہی تھیسس لکھ کر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ انجم عظیم آبادی کا مضمون دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ ''مادری زبان کی اہمیت'' پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ احمد معراج کے دونوں مضامین قابل توجہ ہیں۔ شمس جلیلی کی نظم ''روداد کولکاتا'' بھی معلومات افزا ہے۔ علاوہ ازیں اس شمارے کے دیگر مضامین اور منظومات بھی قابل قدر ہیں۔

میرا خیال ہے کہ ادبی وثقافتی خبروں کو رسالے کے آخری حصہ میں دیا جائے یا پھر وفیات کی خبریں آخری صفحہ پر ہوں۔ ایسی خبریں پڑھ کر آنکھیں ڈبڈبا جاتیں اور دل بوجھل ہو جاتا ہے پھر رسالہ پڑھا نہیں جاتا۔ اس رسالے کی ترتیب پر میں امام اعظم کو مبارکباد دیتا ہوں۔ اس رسالے میں پروگراموں کی کچھ تصاویر بھی شامل ہیں۔ سرورق دیدہ زیب ہے۔ کمپوزنگ اور کاغذ عمدہ ہے۔ توقع ہے کہ مدیر کی اس کاوش کی پذیرائی ضرور کی جائے گی۔

(مطبوعہ: روزنامہ اخبار مشرق، کولکاتا، ۳۰رمئی ۲۰۱۵ء)

● نام رسالہ: ''تمثیل نو'' (جولائی ۲۰۱۶ء- جون ۲۰۱۷ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۴۰۰
قیمت: ۱۵۰ روپے رابطہ: تمثیل نو، اردو ادبی سرکل، محلہ گنگوارہ، دربھنگہ-۷ مبصر: مشتاق احمد حاتمی (کولکاتا)

لیجئے! ''تمثیل نو'' کا تازہ شمارہ حاضر ہے جو اپنی تمثیل آپ ہے۔ اس کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم (ریجنل ڈائریکٹر، مانو، کولکاتا) اور مدیرہ ڈاکٹر زہرہ شمائل ہیں۔ ان کی مشترکہ قابلیت اور حکمت سے یہ رسالہ آج 17 برسوں سے جاری و ساری ہے۔ ان کے ساتھ ایک اچھی خاصی ٹیم معاونین کی بھی ہے۔ دراصل ''تمثیل نو'' کی حیثیت اب کتاب جیسی ہوگئی ہے جسے سالانہ یا سلسلہ وار کتاب بھی کہہ سکتے ہیں لیکن آج بھی اس کے مفید و دلچسپ انداز اور مضامین اسے ماہنامہ کی صورت عطا کرتے ہیں۔ آنے والے وقتوں میں زمانہ ''تمثیل نو'' اور ڈاکٹر امام اعظم کے کارنامے کو یاد کرے گا۔ واقعی ان کی محنت، جذبہ اور لگن نے ''تمثیل نو'' کو اتنی بلندی عطا کی۔ آج ملک کی اٹھارہ ریاستوں سے رسائل و جرائد نکل رہے ہیں لیکن کون ایسا ہے جو ''تمثیل نو'' کی صحافت اور عروج سے انکار کر سکتا ہے اور اس کی مشمولات کا منکر ہو سکتا ہے۔ یہ رسالہ سب پر بھاری ہے۔ میں یہی کہوں گا کہ ''تمثیل نو'' کا مشن کامیابی سے ہم کنار ہو رہا ہے اور اس کا مستقبل روشن و تابناک ہے۔ دیگر مضامین کے علاوہ مجھے اس کی ادبی و ثقافتی خبریں کافی پسند ہیں جس سے بیک وقت ڈھیر ساری ادبی و ثقافتی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں اور وفیات سے بہت سے ادباء اور شعراء و اکابرین کے ہم سے جدا ہو جانے کی خبر بھی ہم تک پہنچ جاتی ہے۔

اس بار ''تمثیل نو'' کا سرورق کافی پسند آیا لیکن وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی کے بجائے مکمل وحدت الوجود اور وحدت الشہود مکمل تھا۔ نواز دیوبندی سے امام اعظم کا انٹرویو بے حد معلوماتی ہے۔ اس تفصیلی انٹرویو سے نواز صاحب سے متعلق کئی معلومات عام ہوتے ہیں۔ ماہر ادبیات پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون ''اردو غزل میں وحدت الوجودی عقیدہ'' اور اس کے بعد جید عالم دین مفتی ثناء الہدیٰ قاسمی کا ''غالب کی شاعری میں وحدت الوجود''، سید محمود احمد کریمی کا (ایڈوکیٹ) کا ''شیخ مجدد کا تصورِ جدید'' کافی معلوماتی، دلچسپ اور فہم دین کے معاملے میں مدلل ہیں، جنھیں پڑھ کر عقائد کو تقویت پہنچتی ہے۔ اسی سلسلے کا ایک مضمون ''صوفیا اور تصورِ حیاتِ انسانی'' (ڈاکٹر امام اعظم) کیا کم ہے۔ یہ مضمون جامع اور معتقدین تصوف کے لیے حیات بخش ہے۔ اس سے خدا سے اظہارِ محبت میں قوت ملتی ہے۔ یہ تینوں مضامین صوفیاء کے کشف الصدور سے متعلق ہیں جس کے گرد اردو ادب خصوصاً تصوفانہ شاعری گھومتی ہے۔ انڈمان سے متعلق دونوں مضامین کافی معلوماتی ہیں۔ کوہِ نور ہیرے کے بعد دریائے نور کافی پسند

آیا۔ غرض کہ تمام مشمولات بشمول منظومات اور تبصرے عمدہ اور معلومات سے پر ہیں۔ میری جانب سے ''تمثیل نو'' کو اس اچھے شمارہ پر مبارک باد۔ (مطبوعہ روزنامہ 'اخبار مشرق' کولکاتا ۱۰ر ستمبر ۲۰۱۷ء)

....

● **نام رسالہ: ماہنامہ ''تمثیل نو'' دربھنگہ (جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم ص: ۲۰۸ قیمت: ۲۵ روپے رابطہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ 846004 (بہار) مبصر: ڈاکٹر فیروز عالم ماتو (حیدر آباد)**

متھلا کی سرزمین زمانۂ قدیم سے علم و ادب کا مرکز رہی ہے۔ عظیم شاعر ودیاپتی کی جائے پیدائش اور متھلا پینٹنگس کے لیے مشہور اس علاقے میں اردو کی شمع بھی نہایت آب و تاب سے روشن ہے۔ ''تمثیل نو'' کے زیر نظر شمارے میں متھلا کی علمی، ادبی، لسانی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ اور موجودہ صورت حال کا احاطہ کیا گیا ہے۔ ابتدا میں تاثرات کے زیر عنوان دربھنگہ (جو متھلا کا مرکز ہے) سے متعلق مختلف قلم کاروں کی یادوں کو جگہ دی گئی ہے جس سے نہ صرف وہاں کی علمی و ادبی سرگرمیوں سے واقفیت ہوتی ہے بلکہ یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ اردو کے روایتی اور بڑے مراکز سے دور چھوٹی چھوٹی جگہوں پر بھی اس کے چاہنے والے کتنی تندہی اور محبت سے اس کی خدمت میں مصروف ہیں اور اس کی ترویج و اشاعت کے لئے کوشاں ہیں۔ اس حصے میں پروفیسر سید منظر امام، ڈاکٹر حفیظ اللہ نیولپوری اور تشنہ اعجاز کے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔

حسن امام درد نے اپنے تحقیقی مضمون ''متھلا اور ادب (۱۹۴۷ء تک)'' میں متھلا کی ادبی تاریخ کا مختصر مگر جامع احاطہ کیا ہے جس میں اردو کے علاوہ سنسکرت، فارسی، ہندی اور میتھلی کے علماء و مشاہیر کی خدمات کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ منظر شہاب نے اپنے مضمون ''ودیاپتی: میتھلی ادب کا عظیم فنکار'' میں میتھلی اور سنسکرت کے اس عظیم شاعر کے حالات زندگی اور شاعری کا تعارف پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر رئیس انور نے ''دربھنگہ: اردو کا ایک اہم مرکز'' میں گذشتہ پچاس برسوں کی ادبی و شعری تاریخ بیان کرنے کے ساتھ ساتھ متھلا یونیورسٹی کے شعبۂ اردو میں پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لیے لکھے جانے والے مقالوں کے عنوانات، مقالہ نگار اور نگراں حضرات کے نام اور سال بھی درج کیے ہیں۔ ڈاکٹر منصور عمر نے ''متھلا میں اردو شاعری'' ڈاکٹر امام اعظم نے ''متھلا میں اردو صحافت'' اور ڈاکٹر مجیر احمد آزاد نے ''متھلا میں اردو افسانہ'' کا تفصیلی جائزہ لیا ہے۔ منظر سلیمان کا مضمون اردو اور میتھلی کے باہمی رشتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ اس شمارے کے دیگر مضامین مندرجہ ذیل ہیں: ''متھلا کی تاریخی اور تہذیبی روایت کا امین: مدھوبنی'' (مجیر احمد آزاد) ''پیغمبر پور اسٹیٹ کی ادبی و ثقافتی خدمات'' (سید محمود احمد کریمی)، ''علی نگر کی علمی و ادبی سرگرمیاں'' (غلام فرید)، ''ململ اور ریاہتہ کی ادبی، تہذیبی

اور سیاسی خدمات'' (نیاز احمد)، ''متھلا کی ایک بستی ہر سنگھ پور کی مذہبی اور علمی شخصیتیں'' (ڈاکٹر ایم صلاح الدین)، ''ادب و تہذیب اور علم و عرفان کا مرکز: گنگوارہ'' (ڈاکٹر ایم صلاح الدین)، ''دربھنگہ کا محرم'' (حسن امام درد) ''چندن پٹی۔ایک تعارف'' (مجیر احمد آزاد)، ''دربھنگہ کے مسلم وکلاء اور اطباء'' (ڈاکٹر آفتاب اشرف)، ''نواب بریول: ایک استعارہ'' (ڈاکٹر انیس صدری)۔ اس خصوصی شمارے میں مستقل کالموں کے تحت غزلیں، نظمیں، افسانے، کتابوں پر تبصرے اور قارئین کے خطوط بھی شامل ہیں۔ امید ہے کہ متھلا کی علمی، ادبی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ سے متعلق دستاویزی اہمیت کے حامل اس خصوصی شمارے کی قارئین پذیرائی کریں گے۔

(مطبوعہ: ماہنامہ 'اردو دنیا' نئی دہلی فروری ۲۰۰۷ء)

....

● **نام رسالہ: ''تمثیل نو'' (اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء) مدیر: امام اعظم ص: ۱۲۸ قیمت: ۲۰ روپے سالانہ: ۱۰۰ روپے رابطہ: تمثیل نو، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ (بہار) مبصر: عبدالقادر شمس قاسمی (دہلی)**

معروف نقاد و ماہر لسانیات گوپی چند نارنگ نے ایک رسالے کی تقریب رسم اجراء میں خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ ''اردو کا کوئی بھی رسالہ اگر دو برس تک جاری رہنے میں کامیابی حاصل کر لے تو سمجھیں کہ رسالے نے اردو زبان کے ایک عہد کی خدمت کی اور اس کے مدیر نے قلمی جہاد میں غازی کے مقام کو چھولیا''۔ اس قول میں کتنی صداقت ہے اس کو سمجھنے کے لیے اردو رسالوں کے مدیروں و مالکوں کی ایک طویل فہرست ہے جن کے چہروں کی لکیروں میں اس کے اسباب و علل کی یافت ہو سکتی ہے۔ رسالہ ''تمثیل نو'' بھی دو برس سے زائد سے اردو ادب کی مسلسل خدمت انجام دے رہا ہے اور اس نے اہل علم و دانش کے درمیان اپنی ایک خاص شناخت بنالی ہے۔ یہ سچ ہے کہ اردو رسائل و جرائد مختلف مسائل و مشکلات کے بھنور میں مثل حباب ڈوبتے اور ابھرتے رہتے ہیں۔ ایسے حالات میں سہ ماہی 'تمثیل نو' کے حوالے سے ڈاکٹر امام اعظم کے قلمی جہاد کو ہم سلام کرتے ہیں۔

''تمثیل نو'' کا زیر نظر شمارہ اردو ادب کے ان رجحان سازوں کے فکر و فن پر مشتمل ہے جنھوں نے حالیہ چند دہائیوں میں ادبی افق پر کئی رنگ بکھیرے ہیں۔ معروف نقاد شمس الرحمٰن فاروقی، ماہر لسانیات گوپی چند نارنگ اور مظہر امام کی شخصیت کی مختلف جہتوں کا اس میں اعتراف کیا گیا ہے اور مذکورہ شخصیات کی انفرادی خصوصیات پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے۔ بلاشبہ شمس الرحمٰن فاروقی جدیدیت کے علمبردار اور گوپی چند نارنگ مابعد جدیدیت کے محافظ و امین ہیں جب کہ مظہر و آزاد غزلوں کو نئی زمین فراہم کرنے

والے اردو زبان کے بلند مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان تینوں شخصیات نے اردو ادب کو جو تنوع اور ہمہ رنگی عطا کی ہے اور گذشتہ چند دہائیوں سے جو خدمات انجام دی ہیں اسے کسی طور فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ ڈاکٹر امام اعظم نے ''تمثیل نو'' کے صفحات پر اعتراف کی ایک مختصر مگر خوبصورت جھلک پیش کی ہے، امید کی جانی چاہیے کہ اس رنگا رنگ دنیا میں امتیازی چھاپ چھوڑنے والے دیگر مردان کار کا بھی وہ اپنے رسالے میں اعتراف کرتے رہیں گے۔ میں اس کارکردگی اور خوبصورت رسالہ نکالنے پر دل کی گہرائیوں سے ڈاکٹر امام اعظم کا اعتراف کرتا ہوں اور لوح وقلم کی پرورش کرنے والوں سے گذارش ہے کہ رسالہ کی پذیرائی بھی کریں اور معنوی استحکام بھی عطا کریں۔ (ہفت روزہ 'عالمی سہارا'، دہلی ۱۰ر ستمبر ۲۰۰۵ء)

....

● رسالہ کا نام: 'تمثیل نو'، دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۴ تا جون ۲۰۱۵) مدیر اعزازی: ڈاکٹر امام اعظم
ص: ۳۷۶ قیمت: ۱۰۰ روپے رابطہ: مدیر 'تمثیل نو'، محلہ: گنگوارہ، پوسٹ: سارا موہن پور، دربھنگہ-846007 مبصر: احمد معراج (کولکاتا، مغربی بنگال)

'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ-۲۸ میرے پیش نظر ہے۔ اس شمارے میں دو اہم ادبی شخصیات ڈاکٹر سید تقی عابدی اور پروفیسر منصور عمر پر خصوصی گوشے شامل کیے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ شہر نشاط (کولکاتا) کے حوالے سے ایک طویل اور پُرتاثیر نظم ''یہی کولکاتا ہے!'' بھی شمارے کی اہمیت میں اضافہ کررہی ہے جو ڈاکٹر امام اعظم کی قابل ستائش کوشش ہے۔ اس نظم میں کولکاتا کی ادبی، علمی اور تہذیبی تاریخ کو انحصار سے پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم نے کولکاتا کی منظوم مختصر تاریخ یہ سوچ کر قلم بند کی ہے کہ اب تک اس تاریخ ساز شہر کی علمی، ادبی، ملّی اور سیاسی خدمات کا بھرپور اعتراف نہیں کیا گیا جیسا کہ انہوں نے اپنے اداریہ میں لکھا ہے:

''میں سمجھتا ہوں کہ شہر کولکاتا کے حوالے سے جیسی گفتگو ہونی چاہیے تھی ویسی نہیں ہوئی۔'' (ص: ۵)

گوشہ ڈاکٹر سید تقی عابدی کے تحت ان کے سوانحی کوائف کے علاوہ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر ایم صلاح الدین، ڈاکٹر رشید گل، ڈاکٹر مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر امام اعظم اور احسان ثاقب کی نگارشات موجود ہیں جو مختلف زاویئے سے اردو کے معروف محقق، دانشور اور شاعر ڈاکٹر سید تقی عابدی کی شخصیت اور کارنامے پر روشنی ڈالتی ہیں۔ اس گوشے میں سید تقی عابدی کے لکھے ہوئے تین مضامین ('اردو کے عصری تقاضے اور اردو کی صورت حال'، 'حالی کی صد سالہ سالگرہ کا آنکھوں دیکھا حال' اور 'جاوید نامہ: انسان سازی کا

زندہ جاوید شاہ کار) بھی شامل کیے گئے ہیں۔ یہ تینوں مضامین معلوماتی ہونے کے ساتھ فکر انگیز بھی ہیں۔

گوشۂ منصور عمر صفحہ نمبر ۱۲۳ سے ۱۴۵ پر محیط ہے۔ ڈاکٹر منصور عمر شاعر، ناقد اور محقق ہونے کے ساتھ ساتھ ایک مخلص، ہمدرد اور نیک طینت انسان تھے۔ اب تک ان کی ۱۸ رکتابیں شائع ہو چکی ہیں اور دو کتابیں 'سلگتی برف' (نظموں کا مجموعہ) اور سفرنامۂ حج (سفرنامہ) منتظرِ اشاعت ہیں۔ ڈاکٹر منصور عمر کے انتقال کے فوراً بعد ان پر گوشہ نکال کر ڈاکٹر امام اعظم نے ایک قابلِ تقلید قدم اٹھایا ہے۔

اس گوشے میں شامل مشاہیر ادب کے مضامین و نظموں کی ترتیب یہ ہے:

سوانحی کوائف: ڈاکٹر منصور عمر (ادارہ)، منصور عمر کا جمال آشنا شعری افق (ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)، ''گرم سورج کا لہو: ایک تجزیہ (پروفیسر عبدالمنان)، منصور عمر: یادوں کی بستی میں (پروفیسر رئیس انور)، نقد ادب کا ایک توانا قلم کار: منصور عمر (ڈاکٹر مجیر احمد آزاد)، ڈاکٹر منصور عمر کی تنقید نگاری (ڈاکٹر امام اعظم)، پھول مرجھا گئے، خوشبو کا سفر جاری ہے (ڈاکٹر امام اعظم)، نظم: فلسطین (ڈاکٹر منصور عمر)، منظوم خراج عقیدت: عبدالمنان طرزی، شاکر خلیق، منور عالم راہی، عبدالحق امام، ظہیر صدیقی، خالدہ پروین رعنا، خصوصی مطالعہ: شہر کولکاتا کے تحت شمس جلیلی کی ایک نظم (روداد کولکاتا)، ڈاکٹر عرش منیر کا معروف شاعر منور رانا سے لیا ہوا ایک دلچسپ انٹرویو، مغربی بنگال کے کہنہ مشق شاعر و صحافی انجم عظیم آبادی کا انشائیہ (نقیب، نقابت اور ہوٹنگ)، معروف شخصیت کامنا پرساد سود کا مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی اعزازیہ تقریب میں دیا ہوا خطبہ اور ڈاکٹر امام اعظم کی نظم ''یہی کولکاتا ہے!'' شامل شمارہ ہیں۔ ۲۰ صفحات (صفحہ نمبر ۵ سے صفحہ نمبر ۲۴) کو ادبی و ثقافتی خبروں کے لیے مختص کیا گیا ہے جبکہ ۱۳ صفحات (صفحہ نمبر ۲۵ سے ۳۷) پر ان معروف علمی و ادبی شخصیات کا مختصر تعارف پیش کیا گیا ہے جو ۲۰۱۴ اور ۲۰۱۵ کے درمیان داعیٔ اجل کو لبیک کہہ گئیں۔ علاوہ ازیں ملک کے مختلف علاقے سے تعلق رکھنے والے قلم کاروں کے مضامین، انٹرویو، نعت، حمد، افسانے، نظمیں، ماہیے، غزلیں اور قطعات اس شمارے کی زینت میں اضافہ کر رہے ہیں۔ 'راہ و رسم' کے کالم کے تحت بائیس مشاہیر علم و فن کے نام ہیں جبکہ ۴۱ کتابوں پر کیے گئے تبصرے کی شمولیت نے اسے دوسرے رسالوں سے منفرد بنا دیا ہے۔ میرے علم کے مطابق کسی رسالے کے ایک شمارے میں اتنی کتابوں پر تبصرے شامل نہیں ہوتے۔ 'تمثیل نو' کا یہ شمارہ مواد کے اعتبار سے دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔

□□□

اعترافیہ

• **احمد ابراہیم علوی** (مدیر: روزنامہ ''آگ''، لکھنؤ)

اردو زبان وادب سے مایوس لوگ دیکھیں 'تمثیل نو'

(فن کاری، کاوش، خلوص، ریاضت سب یک جا ملے گا)

جو لوگ اردو زبان کے مستقبل سے مایوس ہیں اور جن کو کہیں بھی، کوئی بھی زبان وادب کی بقا کے لئے کوشاں نہیں نظر آتا ان کے لئے دربھنگہ بہار کا ماہنامہ 'تمثیل نو' یقیناً امید افزا ہوگا۔ ماہنامہ 'تمثیل نو' ایک ایسا ماہنامہ ہے جس میں وہ سب کچھ ہے جو کہ اردو زبان وادب کی سمت و رفتار سمجھنے والے کو درکار ہو۔ یہ ماہنامہ اس لحاظ سے اپنی نوعیت کا بالکل منفرد رسالہ ہے کہ اس کا اداریہ کم و بیش تیس صفحات پر مشتمل ہے جو کہ ایڈیٹر ڈاکٹر امام اعظم نے لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اردو زبان وادب کی رفتار اور تحریک سے جتنے واقف ہیں شاید بہت ہی کم ادیب اور صحافی ہوں گے انہوں نے اپنے تیس صفحات کے اداریے میں پورے اردو ادب کو کھنگال کر رکھ دیا۔ ہندوستان کا کوئی بھی گوشہ اور کوئی بھی اہم ادبی واردات ایسی نہیں جس کا انہوں نے ذکر نہ کر دیا ہو۔ اس باخبری اور ریاضت کے لئے وہ ہمیشہ مبارک باد کے مستحق رہیں گے۔ اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء کا شمارہ مولانا ابوالکلام آزاد پر خصوصی مضامین کے لئے اہمیت رکھتا ہے۔ مضامین بالکل نئے انداز اور نئی فکر کو پیش کرتے ہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے باوقار ادیب اور رہنما تھے اسی وقار سے ان کی خدمات کا جائزہ لے کر ہر طرح انہیں سمجھنے کا موقع فراہم کیا گیا ہے۔ 'تمثیل نو' کے تمام مضامین، نظمیں، افسانے وغزلیں وغیرہ رسالہ تیار کرنے والوں کی ایمان داری اور محنت کا احساس دلاتی ہیں اور اگر اسی محنت اور لگن سے ہمارے ادیب صحافی منہمک رہیں تو پھر کسی کو اردو کے مستقبل سے مایوس ہونے کی چنداں ضرورت نہ ہوگی۔ (مطبوعہ روزنامہ آگ لکھنؤ ۱۲ر فروری ۲۰۱۰ء)

(۲)

ایک رسالہ جو ادبی سمت اور رفتار بتا سکتا ہے

اردو زبان میں کیا کچھ نہیں، اس کا احساس اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ کھلی مایوسی اور تعصب سے گریز کرتے ہوئے چاروں طرف ہونے والی کارروائیوں پر نظر کی جائے۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اپنی قابلیت کا اظہار کرنے کے لئے یہ سب بہتر ہے کہ کہہ دیا جائے اردو میں کچھ نہیں ہے۔ آج کی ضروریات

کے مطابق اس میں تخلیقی عمل کی گنجائش نہیں۔ کوئی ایسا آدمی جس نے کسی ایک زبان پر عبور حاصل کرلیا یا اس کا ادب کھنگال ڈالا ہوا گر وہ کچھ کہے تو برداشت کیا جا سکتا مگر وہ جو نہ کسی زبان پر عبور رکھتا ہے اور نہ اس نے اردو کو زندہ تابندہ اور کار آمد زبان کی طرح دیکھا ہی ہے وہ کہے تو اسے کسی بھی طرح برداشت نہیں کیا جا سکتا مگر آج کل ہو ہی رہا ہے کہ جو کچھ بھی نہیں پڑھتے صرف رفتار ادب دیکھتے ہیں وہی اردو کی تنگ دامنی کا شکوہ کرتے اور اس سے منہ موڑ لینے کی راہ اختیار کرتے ہیں۔

آج بہار کے اردو داں عوام قابل تحسین ہیں کہ وہ ہمہ وقت اردو کی ترقی و ترویج کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ اسی لئے وہاں نئے نئے ادیب پیدا ہو رہے ہیں، بہترین افسانہ نگار ابھر رہے ہیں، معیاری اور مفید رسالے شائع ہو رہے ہیں۔ ''تمثیل نو'' ایک ایسا جریدہ ہے جو ان کو آئینہ دکھاتا ہے جو اردو کی رفتار ترقی سے مایوس نظر آتے ہیں۔ اس رسالے میں تمام اردو دنیا کو کھنگال کر رکھ دیا جاتا ہے۔ ہر جگہ کی ادبی خبریں ہوتی ہیں تو تمام موضوعات پر منعقد ہونے والے سیمینار اور کانفرنس وغیرہ کا بھی احوال ہوتا ہے۔

ڈاکٹر امام اعظم کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے کہ وہ تمام تعصبات سے پاک ہو کر دنیا بھر کی اردو کی خبریں دیتے ہیں تو ایمانداری سے حالات کا جائزہ بھی پیش کرتے ہیں۔ 'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ ہندوستانی فلموں کا اردو کے حوالے سے جائزہ لیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی فلمیں اردو کی وجہ سے ہی مقبولیت حاصل کرتی ہیں۔ بڑی محنت سے تمام فلموں کا جائزہ لیا گیا ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کس شاعر نے کون سا شعر کس ضرورت کے تحت کہا ہے اور اس میں ضرورت کے مطابق کس طرح تبدیلیاں کی گئیں۔ ساحر لدھیانوی، مجروح سلطانپوری اور شہریار وغیرہ کی فلمی دنیا میں کی گئی ادبی خدمات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں فلم پر سیر حاصل گفتگو ہے وہیں مذہب سے متعلق بھی مفید اور ضروری باتیں شامل کی گئی ہیں پھر ہندوستان میں جہاں کہیں بھی جو کچھ بھی ہو رہا ہے اسے ایمانداری سے پیش کر دیا گیا ہے۔ جس سے خوشی ہوتی ہے اور یقین کرنا پڑتا ہے کہ اردو کے ادیب ہر محاذ پر سینہ سپر ہیں۔ کوئی موضوع ایسا نہیں جس پر وہ غور نہ کر رہے ہوں، ہر موضوع ہر مسئلہ ادیبوں کے لئے باعث کشش رہتا ہے۔ وہ سنجیدگی سے غور و فکر کرتے ہیں تو ایمانداری اور ذمہ داری سے قلم اٹھاتے ہیں، 'تمثیل نو' کی ادبی تحریروں کو پڑھ کر فخر اور مسرت سے کہا جا سکتا ہے کہ آج اردو ادیبوں کے لئے کوئی بھی موضوع، کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر ان کی نظر نہ ہو اور کسی بھی میدان میں وہ کسی سے پیچھے نہیں۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل رسالہ میں پڑھنے کو اتنا کچھ مل جاتا ہے کہ سیری ہو جاتی ہے۔ اس میں مضامین، انشائیے، نظمیں، غزلیں، کتابوں پر تبصرے وغیرہ سب کچھ شامل ہیں اور جو کچھ رہ جاتا ہے وہ خطوط کے کالم سے مل جاتا ہے۔ کتنے ہی نئے ادیبوں کے نام معلوم ہوتے ہیں۔ کتنی ہی قابل

قدر تخلیقات کا مطالعہ کرنے کا موقع ملتا ہے اور اس سے بڑھ کر اس بات سے خوشی ہوتی ہے کہ روایتی طور پر اردو کو محض غزل اور افسانے تک محدود رکھنے کی فرسودہ روش سے اس طرح گریز ہے کہ وہ موضوعات جن پر اردو میں لوگ قلم اٹھاتے ڈرتے ہیں یا گریزاں رہتے ہیں وہ بھی اب ادبی رسائل کے موضوع ہیں۔

ڈاکٹر امام اعظم اپنے طویل مفید اور دلچسپ اداریہ کے لئے قابل مبارکباد ہیں تو ان کے ساتھ جو ہونہار ادیبوں کی ٹیم ہے وہ بھی کچھ کم قابل تعریف نہیں۔ انتہائی دیدہ زیب سرورق، بہترین طباعت، اغلاط سے بڑی حد تک پاک، معیاری، رسالہ صرف پچاس روپئے میں بالکل مفت ہی ہے۔ ایسے میں اگر اس کا تاحیات خریدار بننے کے لئے چھ ہزار روپئے دیئے جائیں تو یہ بھی ادب کی خدمت ہوگی۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'آگ' لکھنؤ ۲۱ راگست ۲۰۱۰ء)

(۳)

جدید رجحانات اور ادبی سمت و رفتار سے واقف کرانے والا رسالہ

'تمثیل نو' دربھنگہ کا ہر شمارہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اس کے لائق مدیر ڈاکٹر امام اعظم بڑی ایمانداری اور جانفشانی سے ادارتی خدمات انجام دیتے ہیں۔ وہ پورے ملک میں ہونے والے ادبی اجتماعات کی خبر بھی رکھتے ہیں اسلئے ہر شمارہ عام قارئین کیلئے معلومات کا دفتر کھول دیتا ہے۔ تازہ ترین شمارہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں سید منظر امام اور خورشید اکبر پر خصوصی مضامین پیش کر کے ان دونوں کی خدمات اور ادبی حیثیت کو نمایاں کیا گیا ہے۔ کوشش یہ کی گئی ہے کہ دونوں کی پوری شخصیت نکھر کر سب کے سامنے ہو۔ اداریہ کی طرح خطوط کے صفحات بھی دلچسپ اور معلومات افزا ہیں۔ ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی کا ایک مضمون 'اردو افسانہ ۱۹۸۵ء کے بعد' اچھی کوشش ہے لیکن ان کو ذرا وسعت نظر پیدا کرنا چاہئے۔ بہت سے اہم افسانہ نگاروں کا ذکر جسے وہ قصداً نہیں کرتے۔ بعض اہم لوگوں کے آس پاس کے لوگوں کا تو ذکر کرتے ہیں مگر جن کا تفصیل سے بیان ہونا چاہئے وہ ان کے اس مضمون میں ہی نہیں بلکہ دوسرے مضامین میں بھی نظر نہیں آتے۔ 'تمثیل نو' بہر حال ایک ایسا رسالہ ہے جس کا مطالعہ ہر طرح مفید ہے بلکہ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ادبی رفتار اور اس کی سمت جاننے کے لئے پڑھنا لازمی ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'آگ' لکھنؤ ۲۲ رفروری ۲۰۱۱ء)

(۴)

اردو زبان و ادب کی سمت اور رفتار کا مظہر رسالہ 'تمثیل نو' دیتا ہے دعوت فکر

دربھنگہ کا ماہنامہ ''تمثیل نو'' ایک مفید اور قابل مطالعہ رسالہ ہے وجہ یہ ہے کہ اس کو بڑی محنت سے

نکالا جاتا ہے۔ حالات حاضرہ کا جائزہ لیا جاتا ہے ادب کی سمت اور رفتار پر نظر رکھتے ہوئے مفید مضامین اور مباحث کو شائع کیا جاتا ہے۔ مارچ ۲۰۱۲ء کے شمارے میں اس پر زیادہ توجہ دی گئی ہے کہ عام قارئین کو بتایا جائے ۲۱ویں صدی میں اردو زبان و ادب کی کیا کیفیت ہوگی۔ اس شمارے میں مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کے سلسلے میں ایک گوشہ ہے۔ مختلف مضامین کے ذریعہ ان کی شخصیت اور خدمات کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ہندوستانی فلمی صنعت کے سلسلے میں اظہار خیال کے لئے مضامین ہیں۔ اس کے علاوہ نظمیں، غزلیں، افسانے اور مضامین شامل اشاعت ہیں۔

'تمثیل نو' کا خاص گوشہ کتابوں پر تبصرہ اور قارئین کے خطوط کا ہوتا ہے جو دلچسپ ہوتا ہے اور مفید بھی۔ ادبی سرگرمیوں کا تفصیل سے جائزہ لیا جاتا ہے جس سے ان لوگوں کو بھی رفتار ادب کا تھوڑا بہت اندازہ ہو جاتا ہے جو کہ کہیں نہیں جاتے بس رسائل اور اخبارات سے ہی ادبی سمت اور رفتار کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اردو کے مستقبل پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے لیکن یہ بحث اب بالکل ہی بے فیض ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اردو والے کرنا کچھ نہیں چاہتے ہیں بس شکوہ شکایت اور مطالبہ کرنا ہی انہوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے جن لوگوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ اردو کے لئے کچھ کریں گے وہی اس کو نقصان پہنچاتے ہیں جن کو پڑھانے کے لئے رکھا جاتا ہے معقول تنخواہ دی جاتی ہے وہ پڑھاتے نہیں جو اردو کی روٹی کھاتے ہیں اس کے لئے ایک بھی پیسہ نہیں خرچ کرتے۔ مطالبہ کرنے والے یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جب ان کو کسی نے نہیں منع کیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو اردو نہ پڑھائیں تب وہ کیوں نہیں اردو پڑھاتے کیوں ان کے گھروں پر اردو کا استعمال ہوتا ہے۔ دکانوں کے سائن بورڈ گھروں پر ناموں کی تختیاں، دعوت نامے وغیرہ کیوں اردو میں نہیں چھپواتے۔ کچھ بھی کئے بغیر بہت کچھ کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے؟

(مطبوعہ: روزانہ 'آگ' لکھنؤ ۳۰ر مارچ ۲۰۱۲ء)

(۵)

ایک رسالہ جو پورے ملک کی ادبی سرگرمیوں کا احاطہ کرتا ہے

'تمثیل نو' دربھنگہ سے شائع ہونے والا ایک معیاری ماہنامہ ہے۔ خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف شعر و شاعری کو فروغ دینا ہی ادب اور زبان کی بقا اور ترقی کے لئے ضروری نہیں سمجھتا بلکہ زندگی سے متعلق تمام موضوعات اور امور کو احاطہ میں لینا پسند کرتا ہے۔ بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کرنے والے صلاح الدین عرف صلّو چودھری پر خصوصی گوشہ شامل ہے۔ 'تمثیل نو' کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا یہ شمارہ قاری کو پورے ملک

میں ہونے والی ادبی واردات سے بخوبی واقف کرا دیتا ہے۔ ڈاکٹر امام اعظم جو کہ رسالہ کے اعزازی مدیر ہیں ان کی تعریف کرنا پڑے گی کہ بڑے خلوص، ایمانداری اور محنت سے تمام ادبی خبروں کا انتخاب پیش کر دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ جو مضامین ہوتے ہیں وہ معلومات میں اضافہ کرتے ہیں۔

(مطبوعہ روزنامہ 'آگ' لکھنؤ ۲راگست ۲۰۱۴)

(۶)

روایتی خوبیوں سے بھرپور 'تمثیل نو' کا نیا شمارہ
پروفیسر منصور عمر اور ڈاکٹر سید تقی عابدی پر خصوصی گوشہ

ڈاکٹر امام اعظم کی سربراہی میں پابندی سے شائع ہونے والا ماہنامہ 'تمثیل نو' کی روایت ہے کہ وہ علمی، ادبی، تحقیقی کاوشوں کو نہ صرف نمایاں کرتا ہے بلکہ فروغ بھی دیتا ہے۔ مدیران کی کوشش رہتی ہے کہ رسالہ کسی بھی طرح مقامی نہ رہے اسی لئے وہ پورے ہندوستان پر نظر رکھتے ہیں۔ جہاں سے بھی ادبی سرگرمیوں کی خبریں ملتی ہیں ان سے قارئین کو واقف کراتے ہیں جس سے اس خوش آئند احساس کو تقویت ملتی ہے کہ ہندوستان کی اردو دنیا میں چہل پہل رہتی ہے جو زندگی کی علامت ہے۔

'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں دو ادبی گوشے ہیں۔ ایک تو پروفیسر منصور عمر (مرحوم) کے لئے ہے تو دوسرا ڈاکٹر سید تقی عابدی کے لئے۔ جبکہ اس میں ڈاکٹر امام اعظم کی طویل نظم ''یہی کولکاتا ہے'' اور پھر ان کا مضمون ''کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ'' شامل اشاعت ہے جو وقیع، مفید اور قابل مطالعہ ہے۔ اس میں معیاری غزلیں ہیں تو کامیاب نظمیں بھی۔ اس کے علاوہ بعض مضامین بہت ہی مفید ہیں۔ فیاض رفعت سے انٹرویو قابل ذکر ہے۔ (مطبوعہ روزنامہ 'آگ' لکھنؤ ۱۵راپریل ۲۰۱۵ء)

(۷)

ایک ادبی رسالہ جس میں فلسفہ ومنطق، سیاست، صحافت سب کچھ ہے
وحدت الوجود اور شہود پر سیر حاصل مضامین بھی

'تمثیل نو' کے ذریعہ ڈاکٹر امام اعظم اور ان کے رفقائے کار حقیقتاً اردو زبان کی ترویج، اشاعت اور مقبولیت کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں ان کا اعتراف نہ کرنا بڑی ناانصافی ہوگی۔ ان کی کاوشیں اور عزائم ظاہر کرتے ہیں کہ وہ اردو والوں کو سب کچھ بتا دینا چاہتے ہیں جو کہ وہ جانتے ہیں۔ اسی لئے افسانہ،

نظم و غزل کے علاوہ قلم، صحافت کو موضوع بنا کر بہت کچھ پیش کر کے عام لوگوں کی معلومات میں اضافے کی ہر ممکن کوشش کی گئی ہے۔ اب وحدت الوجود اور وحدت الشہود پر بحث کے دروازے کھولے ہیں۔

پروفیسر رئیس انور کا مضمون، 'دو اہم تصورات'، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کا مضمون 'اردو غزل میں وحدت الوجودی عقیدہ'، شیخ مجدد کا 'تصور توحید' کے عنوان سے مضمون، سلیمہ بی کولور کا 'اردو شاعری میں مذہب و تصوف کی اہمیت' اور امام اعظم کا مضمون 'صوفیا اور تصور حیات انسانی' پُر اثر، معلوماتی اور دلچسپ و مفید ہیں۔ اتنے اہم موضوع پر مختصر طور سے لکھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ مصنّفین کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ 'تمثیل نو' کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ایک شمارے میں پوری ادبی دنیا کو کھنگال کر رکھ دیا جاتا ہے۔ پورا ہندوستان پیش نظر رکھ کر ہر جگہ کی اہم خبر دی جاتی ہے۔ اس سے اردو زبان و ادب کی سمت و رفتار کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اہم ادیبوں، شاعروں کی وفات، ان کے کارنامے اور ان کی ادبی اہمیت و افادیت سے ہر طرح واقف کرانے کی قابل ستائش کوشش ہوتی ہے۔ جس میں خلوص اور ایمانداری کو مقدم سمجھا جاتا ہے۔ 'تمثیل نو' کا تازہ شمارہ 'اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر' کے عنوان سے پیش کیا گیا ہے۔ اس میں پورے ملک کی تمام اہم ادبی خبریں بھی یکجا کردی گئی ہیں۔ اس طرح اس کی ایک دستاویزی حیثیت ہوگئی ہے۔ اس میں پڑھنے کے لئے جتنا کچھ ملتا ہے اس سے کہیں زیادہ معلومات میں اضافہ ہوتا ہے۔ قابل تعریف ہیں ڈاکٹر امام اعظم اور ان کے رفقاء۔ ڈاکٹر امام اعظم کا حق ہے کہ انہیں مبارکباد پیش کی جائے۔

(مطبوعہ: روزنامہ آگ، لکھنؤ، ۷رجون ۲۰۱۷ء)

....

"تمثیل نو" دربھنگہ

• **حقانی القاسمی** (نئی دہلی)

"تمثیل نو" ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں نکلنے والا ایک ایسا رسالہ ہے جس میں متنوع قسم کے مضامین شامل ہوتے ہیں اور علاقائی ادب کی کچھ جھلکیاں بھی ہوتی ہیں مضامین کا انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے۔ محدود وسائل کے باوجود رسالہ نکالنا بڑا دل گردے کا کام ہے۔ اگر اس رسالے میں کچھ فکری مباحث بھی شامل ہوں تو زیادہ بہتر رہے گا۔ اس میں نئے تخلیقی ستاروں کا بھی خصوصی گوشہ ہونا چاہئے۔ تاکہ وہ ادب سے اچھی طرح جڑ سکیں اور ان کے اندر آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا ہو سکے۔ چونکہ بزرگ نسل تخلیقی طور پر مفلوج ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے ادبی فوج میں نوجوانوں کی بھرتی وقت کا تقاضہ ہے۔ ادب کو تازہ، نئے خون کی شدید ضرورت ہے۔ مجموعی طور پر ڈاکٹر امام اعظم کی کوششیں کامیاب ہیں۔ امید ہے

کہ ان کا یہ رسالہ ادب کی صحت مند قدروں کی بحالی میں مثبت کردار ادا کرے گا۔ نیک دعاؤں کے ساتھ۔
(سہ ماہی ''استعارہ'' نئی دہلی اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۲ء)

''تمثیل نو'' دربھنگہ

● **انوار فیروز** (راولپنڈی، پاکستان)

ماہنامہ ''تمثیل نو'' دربھنگہ جدید تر شعری اور ادبی رجحانات کا ترجمان ہے اور اردو کے فروغ کیلئے نمایاں خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کا تازہ شمارہ ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہو گیا ہے۔ اس میں اہم چیزیں، 'ہندوستانی فلمیں اور اردو' اور گوشۂ وہاب قیصر ہیں۔ ان دونوں گوشوں کے لکھنے والوں میں مظہر امام، پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی، ابراہیم اشک، مراق مرزا، نینا جوگن، پروفیسر امام اعظم، گلشن کھنہ، افتخار اجمل شاہین اور دیگر ممتاز اہل قلم شامل ہیں۔ اس شمارے کے مخصوص شاعر خورشید اکبر ہیں۔ جن شعراء کی نظمیں غزلیں شامل ہیں ان میں علقمہ شبلی، ساحر شیوی، اسحاق ملک، کرشن پرویز، پروفیسر قمر رئیس، ڈاکٹر ودیا ساگر آنند، دیپک قمر، ظفر اقبال ظفر، رؤف خیر، سہیل اختر اور دیگر شامل ہیں۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل یہ خوبصورت ادبی مجلہ رنگین تصاویر سے مزین ہے۔ پتہ: تمثیل نو، محلہ: گنگوارہ، پوسٹ: سارا موہن پور، ضلع دربھنگہ۔ ۷
(مطبوعہ: روزنامہ ''نوائے وقت''، راولپنڈی/ اسلام آباد (پاکستان) ۱۶ ستمبر ۲۰۱۰ء)

''تمثیل نو'' دربھنگہ

● **فرحان حنیف وارثی** (ممبئی)

ماہنامہ ''تمثیل نو'' کا شمارہ ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت اور دیگر تخلیقات'' ڈاک سے موصول ہوا۔ ۴۱۶ صفحات پر مشتمل اس اہم شمارے میں مدیر ڈاکٹر امام اعظم نے دریا سمو دیا ہے۔ ایک پورا گوشہ اردو صحافت پر روشنی ڈال رہا ہے جبکہ مضامین بھی عمدہ ہیں۔ پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی کے دو مضامین سیر حاصل ہیں۔ صدیق عالم کی نظموں اور ابواللیث جاوید کے افسانوں کا انہوں نے احاطہ کیا ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر امام اعظم نے ''مغربی بنگال میں اردو صحافت'' اور ناول ''چار رنگ کی کشتی میں عورتوں کے مسائل'' پر اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ ماہنامہ ''تمثیل نو'' کی دیگر مشمولات بھی متوجہ کرتی ہیں۔ فی شمارہ قیمت ۱۵۰/ روپے، سالانہ ۳۰۰/ روپے اور خصوصی تعاون ۱۰۰۰/ روپے تاحیات ممبر شپ ۱۰،۰۰۰/ روپے مقرر ہے۔
(مطبوعہ ہفت روزہ ''سیرت'' ممبئی ۱۲/ تا ۱۸/ مئی ۲۰۱۲ء)

• محمد نور عالم (پٹنہ)

تجربے کی آگ اور جذبے کی آنچ سے روشن ہے "تمثیلِ نو" کا تازہ شمارہ

بہار کے مردم خیز اور ادب نواز شہر دربھنگہ سے شائع ہونے والا جریدہ "تمثیلِ نو" سے آپ بخوبی واقف ہیں۔ اس کا پہلا شمارہ مارچ ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آیا تھا۔ تب سے اب تک اس کی اشاعت مسلسل جاری ہے۔ اب تک اس کے کئی خصوصی شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء کا شمارہ بھی دیس دنیا میں پھیلے اپنے قارئین تک پہنچ چکا ہے۔ ۴۰۰ رصفحات پر مشتمل اس شمارے کا موضوع "اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر" ہے۔ موضوع اور مواد کی انفرادیت جریدہ کے صفحہ اول سے آخر تک آب و تاب کے ساتھ منعکس ہوتی ہے۔ "تمثیلِ نو" کے مدیر اعزازی اور ریجنل ڈائریکٹر مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، کولکاتا ریجنل سینٹر نے اپنے اداریہ "مجھے کچھ کہنا ہے" میں اس شمارے کی خصوصیت کا اظہار انتہائی جامعیت کے ساتھ کیا ہے۔ اداریہ کا خاص حصہ اس طرح ہے:

> "اکیسویں صدی میں اردو کا منظر نامہ شعر و ادب، اپنی زمین کی تہذیب اور روایات کے ساتھ جڑ کر احساس کی شدت، نئی پہچان اور نئے دفاع سے آشنا کراتا ہے۔ اردو کے مراکز آج کے تناظر میں تجزیہ کاری، ہنر کاری اور مطالعہ کی غیر جانب داری کو سامنے لانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ "تمثیلِ نو" اردو زبان و ادب اور سماج میں رونما ہونے والی بڑی تبدیلیوں کے موقف کو عام کرنے اور فن جمال و تصوف کی نزاکتوں کو ترجیح دینے پر مشتمل ہے۔ فن کے تحت بہت ساری اصناف کے گیسو سنورتے نظر آتے ہیں۔ جمالیات کی نزاکتیں بھی متوجہ کرتی ہیں اور روایت سے لے کر مابعد جدیدیت تک کی فضا کے ردِعمل کے اظہار کا ذریعہ ہے۔ تصوف کی طرف توجہ نئی پہل ہے کہ ادبی رسائل میں اس طرح کی آشنائی نہیں کے برابر ملتی ہے۔ مذہبی رسائل میں اس پر بحثیں ہوتی رہی ہیں اور مواد بھی شائع کیا جاتا رہا ہے۔ "تمثیلِ نو" کے ذریعہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے معیار کا تعین اجتماع کے ساتھ پیش کرنے کی پہل کی گئی ہے جو لائقِ توجہ ہے۔ احتساب کی بھی دعوت دیتا ہے اور اجتماعی طاقت کی نازک صورت حال کو لائقِ اعتنا بناتا ہے۔ فی زمانہ خلوص و محبت کی قدر افزائی کم ہوئی ہے۔ اس کی نشان دہی کے لئے، معنوی جہت کو ہمہ گیر کرنے کیلئے جذبات الفت کے تشخص کی آرزومندی کے لئے اور خلاقی پیغام کو ازسر نو دور تک پہنچانے کے لئے ہم نے تلاش و تعبیر کی منزل سے گزر کر ایسی تخلیقات پیش کی ہیں جن میں تجربہ کی آگ ہے، جذبے کی آنچ ہے اور بے مہابہ روشن رکھنے کی تسکین ہے۔"

(مطبوعہ روزنامہ "تاثیر" پٹنہ ۳۱ر جولائی ۲۰۱۷ء)

● نوشاد منظر (نئی دہلی)

''تمثیلِ نو'' دربھنگہ مدیر: ڈاکٹر امام اعظم

رسالہ ''تمثیلِ نو'' بہار کے دربھنگہ سے شائع ہونے والا ایک اہم رسالہ ہے۔ اس رسالہ کی اشاعت مارچ ۲۰۰۱ء سے جاری ہے۔ پہلے پہل یہ رسالہ سہ ماہی تھا مگر بعد میں ماہنامہ بن گیا۔ اس رسالے کو ادبی دنیا میں خوب پذیرائی ملی۔ اردو کے معروف اسکالرز کے علاوہ صحافیوں نے بھی اس رسالے اور اس کی مشمولات پر تبصرے اور مضامین لکھے ہیں۔ مشہور صحافی خشونت سنگھ نے بھی رسالہ ''تمثیلِ نو'' کے متعلق ایک کالم لکھا جو روزنامہ ''ٹیلی گراف'' کولکاتا میں شائع ہوا تھا۔ اس کے کئی گوشے شائع ہوئے۔ ان خصوصی شماروں میں ''متھلا کے دوروشن چراغ: فاطمی اور شکیل'' (اکتوبر ۲۰۰۴ء)، ''اردو ادب کے رجحان ساز: فاروقی، نارنگ اور مظہر امام'' (اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء)، ''تاریخ ادبیات عالم اور عہد ساز شخصیت وہاب اشرفی'' (اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۵ء)، ''متھلا اردو زبان وادب اور تہذیب وثقافت کا ایک قدیم مرکز (جولائی۔دسمبر ۲۰۰۶ء)، ''سہرے کی ادبی معنویت'' (اکتوبر ۲۰۰۷ء۔جون ۲۰۰۸ء)، ''سات سمندر پار کا اہم عصر ادب: ۸۵ء کے بعد'' (جولائی ۲۰۰۸ء۔مارچ ۲۰۰۹ء)، ''بیسویں صدی کے مدبر و مفکر: مولانا آزاد'' (اپریل۔دسمبر ۲۰۰۹ء)، ''ہندوستانی فلمیں اور اردو'' (جنوری۔ستمبر ۲۰۱۰ء) قابل ذکر ہیں۔ ان خصوصی شماروں سے امام اعظم کی تنقیدی بصیرت کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

(ماخوذ مضمون ''بہار کی ادبی صحافت: ۲۰۰۰ء کے بعد شائع ہوئے رسالوں کے حوالے سے'' مطبوعہ روزنامہ ''قومی تنظیم'' پٹنہ ۲۴ر جولائی ۲۰۱۷ء)

....

''تمثیلِ نو'' دربھنگہ

گزشتہ تین برسوں سے ہر تیسرے ماہ دربھنگہ سے 'تمثیلِ نو' ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والا ایک عام ادبی جریدہ ہے جس کے مشمولات دلچسپ ہیں۔ تازہ شمارے میں ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، سلطانہ مہر، ڈاکٹر ایم آئی ساجد وغیرہ کی تخلیقات کے ساتھ ساتھ ''مدیر تمثیل'' نو کا سفرنامہ ممبئی بھی شامل ہے۔ زرِ سالانہ ۱۰۰ روپے ہے اور قلعہ گھاٹ، دربھنگہ سے دستیاب ہے۔

(مطبوعہ روزنامہ 'انقلاب' ممبئی ۶ر جولائی ۲۰۰۳ء)

....

"تمثیل نو" دربھنگہ

دربھنگہ (بہار) سے "تمثیل نو" ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں ہر تیسرے ماہ شائع ہوتا ہے۔ جس کے تازہ شمارے میں عطا عابدی، نعمان شوق، ڈاکٹر مجید بیدار، حنیف ترین، قمر رئیس، شبنم گورکھپوری اور عفت موہانی (وغیرہ) کی تحریریں شامل ہیں۔ منور رانا کا مضمون اس شمارے کی دلچسپ تحریر ہے بقیہ مشمولات عام ادبی جریدوں کی طرح ہیں۔ زر سالانہ ۱۰۰ روپے ہے اور قلعہ گھاٹ، دربھنگہ سے دستیاب ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'انقلاب' ممبئی ۱۵ رفروری ۲۰۰۴ء)

"تمثیل نو" دربھنگہ

"تمثیل نو" دربھنگہ سے ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والا سہ ماہی رسالہ ہے اس کے نئے شمارے میں مجتبیٰ حسین، نظیر صدیقی، مناظر عاشق ہرگانوی، پرکاش فکری، رضا الجبار، مشتاق انجم، پروفیسر شائق احمد یحییٰ وغیرہ کی رشحات قلم توجہ طلب ہیں۔ زر سالانہ ۱۰۰ روپے ہے اور اردو ادبی سرکل، قلعہ گھاٹ، دربھنگہ سے دستیاب ہے۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'انقلاب' ممبئی ۱۳ رجون ۲۰۰۴ء)

"تمثیل نو" دربھنگہ

"تمثیل نو" دربھنگہ سے ڈاکٹر امام اعظم کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ جس کی تازہ اشاعت "سات سمندر پار کا ہمعصر ادب" کے زیر عنوان منظر عام پر آئی ہے۔ جس میں مجید بیدار، رؤف خیر، تشنہ اعجاز، یونس حسن، افتخار اجمل شاہین، ایم اے ضیا، ڈاکٹر محمد ظفیر الدین انصاری وغیرہ کی تحریریں متوجہ کرتی ہیں۔ "تمثیل نو" کا یہ شمارہ اپنے مشمولات کے سبب دلچسپ ہے۔ سالانہ شرح ۱۰۰ روپے۔ پتہ: قلعہ گھاٹ، دربھنگہ-۴

(مطبوعہ: روزنامہ "انقلاب" ممبئی ۲۲ رفروری ۲۰۰۹ء)

"تمثیل نو" دربھنگہ

"تمثیل نو" دربھنگہ سے شائع ہونے والا ایک ممتاز ماہنامہ ہے جس کی نئی اشاعت خصوصی گوشوں کی حامل ہے۔ یہ خصوصی گوشے علمی نقطۂ نظر سے خوب ہیں۔ پہلا گوشہ "اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و

فراز'' ہے۔ دوسرا گوشہ ہر چند کہ شخصی ہے مگر تجارتی نہیں کہ یہ گوشہ مشہور عالم دین قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ سے موسوم ہے۔ نظام صدیقی، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر سیّد محمود دیوان، ڈاکٹر حسن رضا، منشی عبدالغفور، پروفیسر منصور عمر، اے یو آصف، ابوذر ہاشمی، صفی اختر کے مضامین ان گوشوں کو منور کر رہے ہیں۔ جب کہ ''تمثیل نو'' میں پروفیسر گوپی چند نارنگ، علقمہ شبلی، پروفیسر قمر اعظم ہاشمی، ڈاکٹر اجیر الحق، انجینئر خورشید غنی، وصیہ عرفانہ، ڈاکٹر محمد رستم انصاری، فیض الحسن، مختار ٹونکی، اقبال انصاری، یٰسین احمد، مظفر حنفی، رفیق شاہین، نفیس بانو شمع، نجم عثمانی، قطب سرشار، ظفر اقبال ظفر، رئیس الدین رئیس اور انجم کریم نگری جیسے لکھنے والے بھی شامل ہیں۔ مدیر ''تمثیل نو'' ڈاکٹر امام اعظم نے اداریے میں سیاسیات سے ادب تک گفتگو کی ہے جس کا یہ اقتباس توجہ کا طالب ہے:

> ''..... گہرائی سے جب تک ۲۱ویں صدی کی آہٹ سمجھنے کی کوشش نہیں کریں گے، انھیں آج کا ادب بھی کوئی نیا تجربہ نہیں لگے گا.......''۔

(مطبوعہ: روزنامہ 'اردو ٹائمز' ممبئی ۱۱ر مارچ ۲۰۱۲ء)

....

''تمثیل نو'' دربھنگہ

دربھنگہ (بہار) سے امام اعظم کی ادارت میں شائع ہونے والا ماہنامہ ہے۔ اس کا موصولہ خاص شمارہ ۲۱۶ر صفحات کا حامل ''اکیسویں صدی میں اردو صحافت'' کے زیر عنوان ہے جبکہ اس عنوان کے علاوہ بھی دیگر موضوعات پر تخلیقات اس کا حصہ ہے۔ جس کے لکھنے والوں کے چند ممتاز نام اس طرح ہیں: انجم عظیم آبادی، مناظر عاشق ہرگانوی، سید احمد قادری، حقانی القاسمی، مجیر احمد آزاد، نصرت جہاں، عبدالمنان، سید تقی عابدی، ایم نصر اللہ نصر، سرور کریم، شگفتہ یاسمین، رفیق جعفر، حسن رہبر، معراج احمد معراج، ابواللیث جاوید، عشرت بیتاب، ارشد مینا نگری، قیصر صدیقی، شمس فریدی، فراغ روہوی، ڈاکٹر نریش، اقبال انصاری، اختر کاظمی وغیرہ۔ ''مجھے کچھ کہنا ہے'' کے ضمن میں مدیر تمثیل نو نے کافی گفتگو کی ہے جو کم وبیش ۵۰ صفحات پر محیط ہے جس میں وفیات اور دیگر ادبی سرگرمیوں وغیرہ کا قدرے تفصیلی ذکر ہے۔ (رابطہ: ۹۴۳۱۰۸۵۱۶)

(مطبوعہ: روزنامہ 'اردو ٹائمز' ممبئی ۷ر جولائی ۲۰۱۶ء)

□□□

خشونت سنگھ اپنے کالم میں
''تمثیل نو'' دربھنگہ (اردو جریدہ)
اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء

Junglee City

There is an Urdu quarterly "Tamseel-e-Nau" edited by Dr. Imam Azam of Qilaghat, Darbhanga, which I make a point to read: It has good articles, short-stories and poems. In its last issue I came across a short poem by Shahid Kaleem (Arrah) entitled "Yeh tasveer nahin jungle kee" (This is not the picture of a jungle). It tells its own tale in a few memorable lines. I render a very free translation:

Lofty mountains and running streams,
Cluster of trees with green leaves,
A tiger springs with all its might,
On a thirsty deer in full flight,
A snake has a frog in its mouth,
The frog in its mouth a butterfly,
It is not the picture of a jungle, it is a lie,
It is the picture of a city doomed to die
It has humans but no humanity.

THIS ABOVE ALL
Khushwant Singh

Junglee city
There is an Urdu quarterly *Tamseel-e-Nau* edited by Dr Imam Azam of Qilaghat, which I make a point to read: it has good articles, short stories and poems. In its last issue I came across a short poem by Shahid Kaleem (Ara) entitled *Yeh Tasveer Nahin Jungle Kee* (this is not the picture of a jungle). It tells its own tale in a few memorable lines. I render a very free translation.
Lofty mountains and running streams,
Cluster of trees with green leaves
A tiger springs with all its might
On a thirsty deer in full flight
A snake has a frog in its mouth,
The frog in its mouth a butterfly
It is not the picture of a jungle, it is a lie
It is the picture of a city doomed to die
It has humans but no humanity.

('ٹیلی گراف' کولکاتا / 'ٹریبون' جالندھر ۷رفروری ۲۰۰۴ء 'دکن ہیرالڈ' بنگلور ۱۷رجولائی ۲۰۰۴ء)

• شاہد اقبال

”تمثیلِ نو“ کا اشاریہ

کسی بھی زبان یا ادب کے فروغ میں رسائل و جرائد کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔ عام طور پر بیشتر ادبی رسائل، جرائد، ڈائجسٹ یا مجلات کثیر موضوعاتی ہوتے ہیں یعنی مختلف اصناف کا احاطہ کرتے ہیں۔ ایک ہی شمارہ میں قاری کو بیک وقت شعری و نثری نگارشات کے علاوہ ادبی سرگرمیوں کی روداد، خطوط کی صورت میں قارئین کی آراء اور کتابوں و رسائل پر تبصرے بھی مل جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں کچھ رسائل و جرائد اہم ادبی موضوعات، تحریکات، رجحانات، شخصیات یا مسائل پر گوشہ یا نمبر بھی نکالا کرتے ہیں جن کا قارئین کو بے صبری سے انتظار رہتا ہے کہ ایک ہی جگہ مخصوص موضوع پر اہم نگارشات سے مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔ عصرِ حاضر میں یک موضوعی مجلے بھی شائع ہونے لگے ہیں تاہم ان میں بھی ایک بنیادی موضوع کے تحت مختلف قلم کاروں کی تحریریں شامل رہتی ہیں یعنی یہاں بھی ہمیں کثرت میں وحدت کا نمونہ ملتا ہے۔

اگر اردو رسائل و جرائد کی بات کی جائے تو ”تہذیب الاخلاق“ (علی گڑھ)، ”مخزن“ (لاہور)، ”اردوئے معلیٰ“ (دہلی)، ”نگار“ (لکھنؤ)، ”شاعر“ (بمبئی)، ”عصمت“ (کراچی)، ”معارف“ (اعظم گڑھ)، ”معاصر“ (پٹنہ)، ”ہمایوں“ (لاہور)، ”نیرنگ خیال“ (راولپنڈی)، ”ادبِ لطیف“ (لاہور)، ”سب رس“ (حیدرآباد/کراچی)، ”آج کل“ (دہلی)، ”بیسویں صدی“ (دہلی)، ”نئی کرن“ (دربھنگہ)، ”شب خون“ (الہ آباد)، ”سہیل“ (گیا)، ”نیا دور“ (لکھنؤ/کراچی)، ”شمع“ (دہلی)، ”صبح نو“ (پٹنہ)، ”زبان و ادب“ (پٹنہ)، ”کتاب نما“ (دہلی) وغیرہ کے بعد ”ایوانِ اردو“ (دہلی)، ”سیپ“ (کراچی)، ”قومی زبان“ (کراچی)، ”سائنس“ (نئی دہلی)، ”قرطاس“ (ناگپور)، ”انشاء“، (کلکتہ) ”امکان“ (لکھنؤ)، ”عالمی سہارا“ (نوئیڈا)، ”فکر و تحقیق“ (نئی دہلی)، ”گلبن“ (لکھنؤ)، ”اردو دنیا“ (نئی دہلی)، ”جامعہ“ (نئی دہلی)، ”رفتارِ نو“ (دربھنگہ)، ”اسباق“ (پونہ)، ”ترکش“ (کلکتہ)، ”جمناتٹ“ (پنچ کولہ)، ”روحِ ادب“ (کلکتہ)، ”صریر“ (کراچی)، ”کوہسار جرنل“ (بھاگلپور)، ”استعارہ“ (نئی دہلی)، ”اردو بک ریویو“ (دہلی)، ”عہد نامہ“ (رانچی)، ”ادراک“ (گوپال پور)، ”روشنائی“ (کراچی)، ”توازن“ (مالی گاؤں)، ”اثبات و نفی“ (کولکاتا)، ”ادبی گزٹ“ (مئوناتھ بھنجن)، ”لمحے لمحے“ (بدایوں)، ”شیرازہ“ (سری نگر)، ”لفظ لفظ“ (سری نگر)، ”کاروانِ ادب“ (بھوپال)، ”اصنام شکن“ (وشاکھاپٹنم)، ”رنگ و بو“ (حیدرآباد)، ”نگینہ“ (سری نگر)، ”خوشبو کا سفر“ (حیدرآباد)، ”مباحثہ“ (پٹنہ)، ”مژگاں“ (کلکتہ)،

''وقت'' (دھنباد)، ''انتساب'' (سرونج)، ''رنگ'' (دھنباد)، ''جہانِ اردو'' (دربھنگہ)، ''آمد'' (پٹنہ)، ''اردو'' (امراوتی)، ''تحریرِ نو'' (نوی ممبئی)، ''امروز'' (علی گڑھ)، ''تمثیلِ نو'' (دربھنگہ) اور دیگر رسائل و جرائد نے اردو ادب کی آبیاری میں بے حد اہم کردار ادا کیا۔ یہ ہمارے ادب کا وہ بیش قیمت اثاثہ ہیں جن سے ہم استفادہ کر رہے ہیں اور آنے والی نسلیں بھی ان سے رہنمائی حاصل کریں گی۔ ان میں علم و دانش کے وہ خزینے پوشیدہ ہیں جو ہمارے اردو ادب کو بین اقوامی زبانوں کے ادب کے مدمقابل لا کھڑا کرتے ہیں لیکن تحقیق کی غرض سے ان رسائل و جرائد سے کماحقہٗ استفادہ کرنے کے لیے اشاریہ سازی لازمی ہے۔

کچھ رسائل و جرائد برسوں بلکہ دہائیوں سے شائع ہو رہے ہیں اور اپنی عمر کے سو سال بھی پورے کر چکے ہیں۔ اردو میں قدامت اور لمبی مدت تک لگاتار اشاعت کے اعتبار سے ''تہذیب الاخلاق''، ''معارف''، ''برہان''، ''آج کل''، ''شاعر''، ''ادبِ لطیف''، ''نیرنگِ خیال''، ''نیا دور''، ''جامعہ'' وغیرہ وہ اہم رسالے ہیں جو ۵۰ سال سے بھی زیادہ عرصے سے لگاتار شائع ہو رہے ہیں یا ان کی اشاعت موقوف ہو چکی ہے۔ ان کے برعکس کچھ رسالے ایک یا دو شماروں میں ہی دم توڑ دیتے ہیں جب کہ کچھ کی مدتِ اشاعت دو چار برس پر ہی محیط ہوتی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بیشتر رسائل کا وقفہ اشاعت الگ الگ ہوتا ہے۔ ان میں پوشیدہ مواد کی نوعیت اور ان کی ضخامت بھی مختلف ہوتی ہیں۔ کچھ بے حد اہم رسالوں کی اشاعت طویل عرصہ قبل بند ہو چکی ہے۔ کچھ رسالوں کے قدیم شمارے اب نادر و نایاب ہو چکے ہیں اور لائبریریوں کے Rare Section میں محفوظ ہیں۔ ایسے میں ان رسائل و جرائد کی اشاریہ سازی ہی وہ واحد حل ہے جس کی مدد سے ریسرچ اسکالرز اور محقق حضرات آسانی سے مطلوبہ مواد تک پہنچ سکتے ہیں۔

مذکورہ بالا امور کے پیشِ نظر اردو میں بھی طویل عرصے سے رسائل، جرائد اور مجلات کی اشاریہ سازی کا کام جاری ہے۔ انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالہ ''اردو'' کا پہلا اشاریہ (۱۹۲۱ء تا ۱۹۶۲ء) سیّد سرفراز علی رضوی نے ۱۹۷۶ء میں ترتیب دیا تھا جب کہ دوسرے دور کا اشاریہ (۱۹۶۶ء تا ۱۹۹۸ء) مصباح العثمان نے ۲۰۰۲ء میں ترتیب دیا۔ یہ دونوں ہی اشاریے انجمن ترقی اردو، پاکستان نے شائع کیے۔ ''آج کل'' (نئی دہلی) کا اشاریہ جمیل اختر نے ۱۹۸۸ء میں ترتیب دیا جسے دہلی اردو اکادمی نے شائع کیا۔ ماہنامہ ''معارف'' کا اشاریہ (۱۹۱۶ء تا ۱۹۷۰ء) اور ماہنامہ ''برہان'' کا اشاریہ (۱۹۳۸ء تا ۱۹۶۵ء) ڈاکٹر شائستہ خاں (علی گڑھ) نے ۱۹۹۵ء میں ترتیب دیا۔ ''نیا دور'' (کراچی) کا اشاریہ رام پور رضا لائبریری کے ریسرچ فیلو نثار احمد فیضی نے ۲۰۰۱ء میں کیا۔ مغربی بنگال اردو اکاڈمی کے سہ ماہی رسالہ ''روحِ ادب'' کا اشاریہ ۲۰۰۲ء میں ڈاکٹر بلقیس بیگم (کولکاتا) نے ترتیب دیا۔ رسالہ ''دلگداز'' کا اشاریہ

محمد قمر سلیم (ممبئی) نے ۲۰۰۳ء میں ترتیب دیا۔ ماہنامہ ''مخزن'' کا اشاریہ ڈاکٹر امتیاز ندیم نے ۲۰۰۷ء میں ترتیب دیا۔ ماہنامہ ''اخبارِ اردو'' (اسلام آباد) کا اشاریہ ڈاکٹر محمد اشرف کمال نے ترتیب دیا جسے مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد نے شائع کیا۔ ڈاکٹر محمد اطہر مسعود خاں نے ماہنامہ ''نیا دور'' (لکھنؤ) کا اشاریہ (۱۹۵۵ء تا ۲۰۰۱ء) دو جلدوں میں ترتیب دیا جنھیں رام پور رضا لائبریری نے ۲۰۰۹ء میں شائع کیا۔ ماہنامہ ''تحریک'' دہلی کا اشاریہ مطیع اللہ خاں نے ۲۰۱۱ء میں ترتیب دیا۔ رسالہ ''جامعہ'' کا اشاریہ پانچ جلدوں میں جامعہ ملیہ اسلامیہ کی جانب سے شائع ہوا۔ رسالہ ''شاہراہ'' کا اشاریہ نوشاد منظر (نئی دہلی) ۲۰۱۴ء میں ترتیب دیا۔ ڈاکٹر محمد کاظم (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی) نے ماہنامہ ''سائنس'' نئی دہلی کے کا اشاریہ (۱۹۹۴ء تا ۲۰۱۶ء) ۲۰۱۷ء میں ترتیب دیا۔ علاوہ ازیں شہر کولکاتا سے اشرف احمد جعفری نے سالانہ مجلّہ ''پرواز'' کے اولین دس شماروں کا اشاریہ ترتیب دیا تھا جس کی اشاعت ''پرواز'' کے گیارہویں شمارے (مطبوعہ ۲۰۱۱ء) میں ہو چکی ہے۔ اشرف احمد جعفری شہر کولکاتا سے ہی شائع ہونے والے ایک اہم اردو جریدہ ''مژگاں'' کا اشاریہ ترتیب دے چکے ہیں جو ہنوز غیر مطبوعہ ہے۔

رسالہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ گذشتہ ۱۷ر برسوں سے لگاتار شائع ہو رہا ہے۔ اس کا پہلا شمارہ جنوری تا مارچ ۲۰۰۱ء میں شائع ہوا تھا جب کہ آخری مطبوعہ شمارہ جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء کا ہے۔ ''تمثیلِ نو'' بنیادی طور پر ماہنامہ ہے تاہم ابتدا اس کا وقفۂ اشاعت سہ ماہی ہوا کرتا تھا۔ بعد میں اس کے مدیر اعزازی ڈاکٹر امام اعظم اپنی بے انتہا انتظامی و ادبی مصروفیات کے سبب سال میں ایک ضخیم موضوعاتی شمارہ نکالنے لگے۔ بلحاظِ ترتیب دیکھا جائے تو پہلے شمارہ سے لے کر اب تک اس کے ۳۰ر شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

اردو میں رسائل و جرائد کے اشاریے عام طور پر اصناف وار یا مصنف وار ترتیب دیے جاتے ہیں۔ اس اشاریہ میں مختلف نثری و شعری اصناف مثلاً مضامین، افسانہ، نظم یا غزل کے علاوہ موضوعاتی مضامین اور شخصی گوشوں میں شامل منثورات یا منظومات کی اشاریہ سازی علیحدہ زمروں کے تحت کی گئی ہے اور اسے قلم کاروں کے نام کی ابجدی ترتیب یعنی مصنف وار تیار کیا گیا ہے تاکہ کسی بھی صنف یا زمرہ کے تحت مختلف قلم کاروں کی نگارشات کی فہرست آسانی سے مل جائے۔ ''تمثیلِ نو'' کی ایک اہم خصوصیت اس کے طویل اداریے بھی ہیں۔ دراصل دنیا بھر کی ادبی، ثقافتی، تعلیمی تقریبات کی روداد اور اہم ادبی، علمی، سیاسی، سماجی ہستیوں کے سانحۂ ارتحال کی خبریں بھی اداریے کا ہی حصہ ہوتی ہیں۔ اس لیے صرف اداریہ کی اشاریہ سازی کرتے ہوئے ان تقریبات کی روداد اور وفیات کی خبروں کو اشاریہ میں شامل نہیں کیا گیا۔
''تمثیلِ نو'' کا مکمل اشاریہ ذیل میں ترتیب دیا جا رہا ہے:

اشاریہ

اداریہ

اس شمارے کے مخصوص شاعر / شاعرہ

قلم کار	شاعر/شاعرہ	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	علاء الدین حیدر وارثی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۲۴
امام اعظم، ڈاکٹر	ناشاد اورنگ آبادی	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۲۳
امام اعظم، ڈاکٹر	نیاز احمد	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۲۶
امام اعظم، ڈاکٹر	حلیمہ سعدیہ شگفتہ (شگفتہ جینی)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۵۸
امام اعظم، ڈاکٹر	مجاز جے پوری	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۶۰
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر حنیف ترین	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۶
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر انوری بیگم	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۰
امام اعظم، ڈاکٹر	سعید روشن	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۶۷
امام اعظم، ڈاکٹر	انجینئر ہارون شامی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۱
امام اعظم، ڈاکٹر	کمال جعفری	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۲
امام اعظم، ڈاکٹر	پادری ڈاکٹر افضال فردوس	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۰
امام اعظم، ڈاکٹر	انور آفاقی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۶۹
امام اعظم، ڈاکٹر	نسیم اختر، ڈاکٹر	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۰
امام اعظم، ڈاکٹر	راز سیوانی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۳
امام اعظم، ڈاکٹر	شاہد جمیل	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۷۶
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر عبید الرحمن	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۷
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر مسلم شہزاد	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۱
امام اعظم، ڈاکٹر	عظیم ہاشمی	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۵
امام اعظم، ڈاکٹر	افتخار احمد شاہین	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۹
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر ودیا ساگر آنند	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴۸
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر محسن جلگانوی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۶
امام اعظم، ڈاکٹر	خورشید اکبر	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۶۹
امام اعظم، ڈاکٹر	خالد رحیم	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۷
امام اعظم، ڈاکٹر	امان خاں دل	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۰
امام اعظم، ڈاکٹر	احسان ثاقب	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۰۸
امام اعظم، ڈاکٹر	قیصر شمیم	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۳۶
امام اعظم، ڈاکٹر	غفران امجد	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۸۵

افسانچے / مختصر افسانے / منی کہانی / منی افسانہ

قلم کار	افسانچہ/مختصر افسانہ/منی کہانی/منی افسانہ	شمارہ	صفحہ
اسرار اکبر آبادی	مایا	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۴۲
اقبال انصاری	اس بستی کا دکھ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۴۲

اقبال انصاری	اس بستی کے لوگ	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۴
اقبال انصاری	مقامی آدمی	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۵۶
انوار الحسن وسطوی	شاعر کا دل	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۲
ایم نہال، ڈاکٹر	بڑھاپا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۱
ایم اے حق	دور اندیشی/ ہشیار/ رشتہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۴۳
جلیل اشرف، ڈاکٹر	ذوق	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۱
جلیل اشرف، ڈاکٹر	رتبہ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۰
جوگندر پال	نہیں رحمٰن بابو	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۵۵
جوگندر پال	نہیں رحمٰن بابو	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۰
حسن رہبر	حکمت عملی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۸۹
حسن رہبر	گنجائش	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۶۳
حسن مثنیٰ	مرض	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۵۹
حسن مثنیٰ	پہچان	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۵۸
راحت حسین مرحوم، پروفیسر	ہم لکھتے کیوں ہیں؟	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۶۹
رفیق جعفر	فلمی کہانی کا نیا فارمولا	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۸۸
سہیل جامعی	آنچل	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۵
سہیل جامعی	سچائی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۵۹
سہیل جامعی	سونے کی چڑیا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۵۹
صابر حسین	بھونچال	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۶۳
صابر فخر الدین	آموختہ/ دیواروں کے بیچ/ رشتوں کے درخت	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۵۹
صابر فخر الدین	جو کچھ چل رہا تھا/ ڈھلتی دھوپ کا سایا/ پوری دنیا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۵۹
صادق علی انصاری	حکمت عملی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۶۴
ظفر اسلام ہاشمی	دیر سے شادی	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۵۸
عاقلہ سلفی، ڈاکٹر	نرگس	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۶
کاشف حسین	یوم آزادی	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۵۷
محمد خالد عابدی	انتخاب، آخری خواہش	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۵۸
محمد رفیع الدین مجاہد	سرپھرا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۶۷
محمد رفیع الدین مجاہد	قدریں بدل رہی ہیں، تیسری دنیا	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۵۹
محمد صابر حسین، ڈاکٹر	توازن	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۶۶
محمد کاشف حسین، پروفیسر	کاک ٹیل کی آہ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۰
مظفر مہدی، ڈاکٹر	ٹوپی، پردے کی عورت، کرشمہ	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۵
مظفر مہدی، ڈاکٹر	ریشمی کفن، سعادت مندی، مسکراہٹ	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۵۸
نسیم محمد جان	استحصال	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۵۷

نسیم محمد جان	ریلیف فنڈ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۶۲
نسیم محمد جان	زبان	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۴

افسانہ / کہانی

قلم کار	افسانہ/کہانی	شمارہ	صفحہ
ابراہیم اشک	زندہ تصویر	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۱۵
ابواللیث جاوید	تماشا	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۶۳
ابواللیث جاوید	تیسری سمت کا سفر	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۶۹
ابواللیث جاوید	قدرت	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۳۶۰
اقبال انصاری	نازلی آپا	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۵۵
اقبال انصاری	اصلاح	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۴۶
اقبال انصاری	ایک کمزور عورت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۵۶
اقبال انصاری	ایک کھردری عورت	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۶۷
اقبال انصاری	بھاری بھرکم	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۶۸
اقبال انصاری	پتھرلڑکی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۷۳
اقبال انصاری	چراغ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۱۴
اقبال انصاری	دشمنی کا سفر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۰
اقبال انصاری	دو سال	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۴۳
اقبال انصاری	رحیم یار خان	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۲۷
اقبال انصاری	صاحب	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۹۵
اقبال انصاری	فراز	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۵۵
اقبال انصاری	کھرا	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۳۸
اقبال انصاری	گنہگار	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۵۵
اقبال انصاری	واپسی کا سفر	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۳۶
اقبال حسن آزاد	بھڑاس	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۵۶
اقبال حسن آزاد	روشنی روشنی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۳۹
امان خاں دل	بخشش	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۳
امان خاں دل	بزنس مین	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۷۳
ایس شمس الحسن گیاوی	آشیانہ	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۷۹
ایم آئی ساجد	سکے کے دو رخ	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۳۹
آصف الرحمٰن طارق	غافلہ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۲۸
آصف نشاط	سو ہاوہ تو ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۲۰
آصف نشاط	وزیٹنگ کارڈ	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۳۴
ترنم جمال	احساس کی صلیب	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۸۲

ترنم جمال	دل کی آنکھ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۶۶
جاوید اختر چودھری	زلزلے کے بعد......	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۴۲
جاوید اختر چودھری	حرام کا مال	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۵۱
جاوید اختر چودھری	رزق کی دھوپ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۵۶
جاوید اختر چودھری	زلزلے کے بعد	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۶۰
جاوید اختر چودھری	یانصیب	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴۱
حسن اُجھریلوی	ناممکن	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۴۶
حنیف سیّد	چورابا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۷۸
حیدر وارثی	کچی عمر کی دیوانگی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۸۴
خالد عابدی	انمول	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۴
خان حفیظ، ڈاکٹر (مترجم)	بجلی جیسے کہ پانی (گیبرئیل گارشیا مارکیز)	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۳۵
خان حفیظ، ڈاکٹر (مترجم)	وہ چیز (اطالوی کہانی ''امبرتی ایکو'')	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۳۱
دیپک کنول	رستے زخم	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۵۰
ڈاکٹر نکہت فاطمہ (مترجم)	اس درسے یا اُس درسے (فارسی کہانی)	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۶۸
رضاء الجبار	چارہ گروں کی کھوج	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۴۵
سلطانہ مہر	کتیا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۴۹
سلطانہ مہر	کوڑے دان	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۳۲
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	احسان کا بوجھ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۲
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	خوش فہمی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۵۷
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	دھندہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۴۸
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	رات گئی بات گئی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۲۶
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	رات گئی بات گئی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۳۷
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	مجھے یہ رشتہ پسند ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۵۵
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	میم صاحب	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۱
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	ہائی جیکرز	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۷۴
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	ہزاروں سال کا انتظار	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۶۷
سیّد مظفر شعیب ہاشمی	......اچھا بابا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵	۵۹
شہناز پروین	اکیسویں صدی کا پہلا دھماکہ	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۰
طاہر نقوی	کوؤں کی بستی میں ایک آدمی	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۳۹
ظفر حبیب، پروفیسر	وہ لکھتا رہے گا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۲۲
عالمگیر شبنم، ڈاکٹر	وطن کی مٹی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۸۲
عشرت ظفر (مترجم)	مسجد کے کبوتر (تیلگو کہانی ''داداحیات'')	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۶۵
عفت موہانی	بے درد	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۴۴

عفت موہانی	تعبیر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۵۱
عفت موہانی	لاحاصل	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۶۵
عفت موہانی	نیلا ہیرا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۵۴
علقمہ شبلی، ڈاکٹر	خالی ہاتھ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۰
فاروق راہب	کرفیو	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۷۰
فاروق راہب	انتہا سے پہلے کا المیہ	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۲۸
فاروق راہب	ایک اور سرحد	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۷۶
فاروق راہب	سوار	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۵۸
فاروق راہب	ضمیر کی عدالت	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۲۰
فاروق راہب	وہی آدمی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۴۹
فاروقی راہب	ویزا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۵۷
فیاض احمد، ڈاکٹر	الزام	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۸۱
فیض الحسن فیض	تلاش	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۴
کلیم ضیا	فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰن	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۶۷
کہکشاں پروین، ڈاکٹر	قاعدہ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	ایک اور مسجد	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۶۱
مجیر احمد آزاد	سفید گلاب	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۳۸
محمد اطہر مسعود خاں، ڈاکٹر	کتاب میں کیا ہوتا ہے؟	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۰۳
مشتاق احمد نوری	دسمبر کے بعد.....!	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۴۸
مشتاق انجم	دس فیصد پر رکا ہوا وجود	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۴۷
مظفر مہدی، ڈاکٹر	چیختا لہو	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۳۵
مقصود الٰہی شیخ	شرعی مسئلہ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۳۹
مہمینہ خاتون	انسان	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۱
نرگس جہاں باروی، ڈاکٹر	تہی داماں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۰
نعیمہ ضیاء الدین	پیک دان	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۲
نفیس بانو شمع	راز ہست بود	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۵۳
نقشبند قمر نقوی بخاری	طوفانی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۹۹
نگار عظیم	بیل	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۵۲
وصیہ عرفانہ	منی پلانٹ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۳
وصیہ عرفانہ	ناگ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۷۵
یٰسین احمد	آتش فشاں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۷۰
یٰسین احمد	تصویر کے پردے میں.....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۴۲
یٰسین احمد	درماں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۵۸

یٰسین احمد	ریکھائیں پڑھنے والا آدمی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۶۱
یٰسین احمد	میت دان	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۶۳

افکار

خطیب	عنوان	شمارہ	صفحہ
سید حامد	خطبۂ صدارت	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۹

انٹرویو / مصاحبہ

ملاقاتی	انٹرویو	شمارہ	صفحہ
احمد معراج	احمد سعید ملیح آبادی سے ایک گفتگو	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۷۱
احمد معراج	پروفیسر سید منظر امام سے ایک مختصر انٹرویو	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۶۸
امام اعظم، ڈاکٹر	نواز دیوبندی سے ایک ملاقات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۶۵
ایم نہال، ڈاکٹر	کچھ یادیں کچھ باتیں	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۱۳
ایم نہال، ڈاکٹر	کچھ یادیں کچھ باتیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۱۱
ایم نہال، ڈاکٹر	کچھ یادیں کچھ باتیں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۱۱
ایم نہال، ڈاکٹر	کچھ یادیں کچھ باتیں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۲
ایم نہال، ڈاکٹر	کچھ یادیں کچھ باتیں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۲۰
آفرین حسین	ڈاکٹر امام اعظم سے بات چیت	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۳۱۶
رخشندہ جلیل	پروفیسر گوپی چند نارنگ سے انٹرویو (انگریزی)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۳۱۸
سیفی سرونجی، ڈاکٹر	عالمی شہرت یافتہ جون ایلیا: ایک یادگار ملاقات	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۷
شعیب شمس	ایک گفتگو شکیل الرحمن سے (آخری قسط)	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۱۵
شعیب شمس	ایک گفتگو شکیل الرحمن سے (پہلی قسط)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۸
طلعت صلاح الدین	ڈاکٹر امام اعظم، ریجنل ڈائریکٹر (مانو) سے گفتگو	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۵۰
محمد وجیہ الدین	گوپی چند نارنگ سے انٹرویو (انگریزی میں)	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	پشت
منظر امام	دلیپ کمار سے مکالمہ	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸
نثار احمد صدیقی	اردو فکشن پر فیاض رفعت سے مکالمہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۴۵

انشائیہ

انشائیہ نگار	انشائیہ	شمارہ	صفحہ
امان خان دل	ہم زلف	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۹۳
ایم کمال الدین، پروفیسر	وعدہ	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۷۰
جمال ہاشمی	تھالی کا بینگن	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۹۱
شاہد حسین لعل پوری	جام وسبو	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۸۲
شاہد حسین لعل پوری	زبان ور زباں	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۴۳
شاہد حسین لعل پوری	زبان ور زبان	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۷۰
شاہد حسین لعل پوری	گردش ایام: ۱۹۶۷ء	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۳۱

شاہد حسین لعل پوری	لال بنام لعل	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۳۴
شاہد حسین لعل پوری	میری قربانی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۳۲
شمیم باروی، ڈاکٹر	تلفظ کا کرب	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۵۴
غیاث الدین، ڈاکٹر	علامت نگاری اور تجریدیت پر بغیر مطالعہ کی بحث	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۴۸
فیض الحسن	اپنی تنہائی کا اسیر: مولوی عبداللہ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۵۹
مختار ٹونکی	حافظے میں اضافہ کیسے کریں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۶۴
نظیر صدیقی، پروفیسر	آگ وہ گھر میں لگی ہے کہ بجھائے نہ بنے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۵۰

پہلی جنگ آزادی پر خصوصی صفحات

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
ابوذر ہاشمی	اس عہد کی اردو زبان اور ادب ..... (تیسرا سیشن)	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۴۱
امام اعظم، ڈاکٹر	خطبہ استقبالیہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۵
رئیس انور، پروفیسر	اردو میں مجاہدین قلم کار ..... (دوسرا سیشن)	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۳۷
مجید بیدار، پروفیسر	۱۸۵۷ء سے متعلق لسانی و ادبی نقوش (پہلا سیشن)	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۳۳
محمد علی اشرف فاطمی	خطبہ صدارت	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۳۰
منصور عمر، ڈاکٹر	۱۸۵۷ء کی کہانی تصویروں کی زبانی	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۴۵

تاثرات

قلم کار	تاثرات	شمارہ	صفحہ
احمد فراز، جناب	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۴۹
اختر پیامی	دے دے رام دلا دے رام	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۲۶
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر محمد اسلم پرویز: اردو میں سائنسی موضوعات	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۷۷
امام اعظم، ڈاکٹر	استقبالیہ کلمات	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۶۲
امام اعظم، ڈاکٹر	پیغام عید سعید	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۵۳
امام اعظم، ڈاکٹر	جناب کپل سبل	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	پشت
امام اعظم، ڈاکٹر	مانو کی نئی وسعتوں کی تلاش	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۲۴
امام اعظم، ڈاکٹر	'مبارک ہو مانو کے وی سی بنے' پروفیسر محمد میاں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	پشت
انیقہ نرگس	وہ انمول پل	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۰۶
ایم آئی ساجد	ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی: ایک تاثر	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۳۸
اے. یو آصف	عاشق اقبال: محمد حسنین سید جامعی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۲۸
پنہاں، ڈاکٹر	گویم مشکل وگرنہ گویم مشکل	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۲۵
تشنہ اعجاز	کچھ ایسا بھی ہوا	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۴۳
حفیظ اللہ نیول پوری، ڈاکٹر	دربھنگہ یادوں کے جلتے بجھتے چراغ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۲۰
حفیظ اللہ نیول پوری، ڈاکٹر	.....اور مدح باقی ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۳۴
خالد سعید، پروفیسر	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۳

رئیس انور، پروفیسر	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۳
ستیہ پال آنند، ڈاکٹر	ہیرانند سوز: کچھ ذاتی تاثرات	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۲۲
سید منظر امام، پروفیسر	دربھنگہ۔ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۳۸
سید منظر امام، پروفیسر	دربھنگہ۔ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۳۹
سید منظر امام، پروفیسر	دربھنگہ۔ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۲۶
سید منظر امام، پروفیسر	دربھنگہ۔ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۴۷
سید منظر امام، پروفیسر	دربھنگہ۔ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۷۷
سید منظر امام، پروفیسر	دربھنگہ۔ دل سے جاتی ہی نہیں یاد تری	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶
شکیل احمد، ڈاکٹر	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۰
ضیاء الرحمٰن غوثی	کملیشور اپنے خط کے آئینے میں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۸
ظہیر زیدی	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۳
لالو پرساد، جناب	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۴۹
مجید بیدار، پروفیسر	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۲
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۱
وسیم بریلوی، پروفیسر	....	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۱

تاریخ

تاریخ نگار	تحریر	شمارہ	صفحہ
انیس صدری، ڈاکٹر	سمستی پور۔ ماضی کے آئینے میں-۱	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۵۲
انیس صدری، ڈاکٹر	سمستی پور۔ ماضی کے آئینے میں-۲	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۴۹

تجزیہ / جائزہ

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
احمد ابراہیم علوی	ایک رسالہ جو ادبی سمت اور رفتار بنا سکتا ہے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۵۳
امام اعظم، ڈاکٹر	مخصوص کتاب کا مخصوص تجزیہ (..... جمیل منظر)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۹۳
امام اعظم، ڈاکٹر	کتاب "سائنس پڑھو اور آگے بڑھو"	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۶
امام اعظم، ڈاکٹر	''نقوشِ علی نگر'' پر ایک نظر	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۹
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر عبدالمنان طرزی: چھپنے سے چھپنے تک	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۱۰
امام اعظم، ڈاکٹر	زندگی کا شاعر: امان خاں دل	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۱۱
انوار الحسن وسطوی	''تمثیلِ نو'' کا خصوصی شمارہ 'اکیسویں صدی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۶
ایم صدر الدین، پروفیسر	''نقوشِ علی نگر'' میری نظر میں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۱
ثوبان فاروقی، پروفیسر	اردو جریدہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ: ایک جائزہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۳۹
حقانی القاسمی	بہاری، باہری اور ''تمثیلِ نو''	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۹
حقانی القاسمی	تاریخ ادبیاتِ عالم اور ''تمثیلِ نو''	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۸
حقانی القاسمی	گلوب پر پھیلتی 'ادب گلاب' کی خوشبو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹۶

راشد جمال فاروقی	ایک خط بلا تبصرہ	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۵
سلیمان اطہر جاوید، پروفیسر	''تمثیل نو''	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲۹
عظیم ہاشمی	وادیٔ جذبات کا منفرد گلاب: ڈاکٹر امام اعظم	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۵۷
مجید بیدار، پروفیسر	اردو جریدہ ''تمثیل نو'' کا اکیسویں صدی	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۷۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	'سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب' اور ''تمثیل نو''	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۱۱
محسن جلگانوی، ڈاکٹر	''تمثیل نو'': ایک مطالعہ (اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء)	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۱۸
نسیم محمد جان	دو بدنام اشعار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۸
یٰسین احمد	''تمثیل نو'' (جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء) ایک مطالعہ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۱۷

تحقیق

قلم کار	تحقیق	شمارہ	صفحہ
اسرار اکبر آبادی	گیتا میں صحائف کے مضامین (آخری قسط)	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۳۷
اسرار اکبر آبادی	گیتا میں صحائف کے مضامین (قسط-۱)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۴۱
شمس فریدی	قصہ قبر حضرت ایوب علیہ السلام کا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۳۳
مجید بیدار، ڈاکٹر	نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع (آخری قسط)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۵۰
مجید بیدار، ڈاکٹر	نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع (قسط-۱)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۴۴
مجید بیدار، ڈاکٹر	نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع (قسط-۲)	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۴۰
مجید بیدار، ڈاکٹر	نواب میر عثمان علی خاں آصف جاہ سابع (قسط-۳)	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۳۵
محمد مطیع الرحمن، پروفیسر	قبر حضرت ایوب علیہ السلام	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۳۸
نفیس بانو شمع	جودی بابا اجودھیا	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۴۷

ترانہ

شاعر	ترانہ	شمارہ	صفحہ
جگن ناتھ آزاد، پروفیسر	ترانۂ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی، حیدرآباد	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۴

ترائیلے

شاعر	ترائیلہ	شمارہ	صفحہ
رؤف خیر	دلت	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۷
رؤف خیر	روشنی	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۷
رؤف خیر	شخصیت	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۷
رؤف خیر	گلوبلائزیشن	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۷
رؤف خیر	ہائی جیک	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۷

تعارف

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
سلطانہ مہر	والث ڈزنی اور گوہر تاج	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۴۰
کلیم قیصر، ڈاکٹر	سید صلاح الدین	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۶

ٹنکا

شاعر	ٹنکا	شمارہ	صفحہ
فراز حامدی	آنے والا کل	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳
فراز حامدی	جھرنے کی آواز	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳
فراز حامدی	ماضی کی قدریں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳

حمد / مناجات

شاعر	حمد/مناجات	شمارہ	صفحہ
احسان ثاقب	حمد باری تعالی	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۳۷
ارشد میناگری	حمد باری تعالی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۵۸
امان خاں دل	حمد باری تعالی	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۴
امان خاں دل	حمد باری تعالی	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۳
ایم۔اے۔ضیاء، پروفیسر	حمد باری تعالی	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸
حسن امام درد	حمد باری تعالی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
حماد انجم، ایڈوکیٹ	حمد	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۲۰
حماد انجم	حمد باری تعالی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۲
رؤف خیر	حمد باری تعالی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۱
رؤف خیر	حمد	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۵
ساحر شیوی	لاالہ الااللہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸
سعید رحمانی	مناجات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۶۴
سلطانہ مہر	حمد باری تعالی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۱۰
شاکر خلیق، پروفیسر	مناجات	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۵
شاکر خلیق، پروفیسر	حمد باری تعالی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۵
شاکر خلیق، پروفیسر	حمد یہ دوہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۸
صابر فخر الدین	حمد	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۲۰
ظفر حمیدی، ڈاکٹر	حمد باری تعالی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۱
ظہیر غازی پوری	حمد یہ دوہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۸
فراغ روہوی	حمد باری تعالی	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۹
فرحت حسین خوشدل	حمد باری تعالی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵
مسعود جعفری، ڈاکٹر	حمد باری تعالی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۴۱
مسلم شہزاد، ڈاکٹر	حمد باری تعالی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۳۲
نسیم اختر، ڈاکٹر	حمد	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۶
یعقوب تصور	حمد باری تعالی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۴۹
یعقوب تصور	حمد باری تعالی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۳
یعقوب تصور	حمد باری تعالی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۳

خاکہ

خراج عقیدت

خصوصی مطالعہ "۲۱ ویں صدی میں اردو صحافت"

خصوصی مطالعہ: اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر

خصوصی مطالعہ "اردو کا ہم عصر ادب: ۱۹۸۵ء کے بعد"

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	جدید اردو غزل میں رپیٹیشن کا مسئلہ (مذاکرہ)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۴۸
امام اعظم، ڈاکٹر	اردو نظموں کا پس منظر اور پیش منظر: ۱۹۸۵ء کے بعد	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۴۵
ایم اے ضیاء، پروفیسر	۱۹۸۵ء کے بعد کی غزلیں: اپنی ذات کا مسیحا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۴۱
مجید بیدار، پروفیسر	جنوبی ہند میں ۱۹۸۵ء کے بعد ہم عصر ادبی تنقید	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۳۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اردو افسانہ ۱۹۸۵ء کے بعد: نظریہ و تجزیہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۳۰
نظام صدیقی	مابعد جدید تنقید کے نئے فکریاتی زاویے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۸

خصوصی مطالعہ "اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر"

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	سنگم پر غضنفر کا 'مانجھی'	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۹۰
ایم اے ضیاء، ڈاکٹر	ناولٹ "آنچ" کی فلسفیانہ اساس	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۷۴
حقانی القاسمی	نئے عہد کی ریطوریقا: 'پلیتہ'	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۷۹
عبدالحنان سبحانی، ڈاکٹر	اردو ناول: کل اور آج - ایک جائزہ	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۷۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۵۹
ناظم خلیلی	مشرف عالم ذوقی اپنے نئے ناول "لے سانس"......	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۸۴
نظام صدیقی	نئے عہد کی ناولاتی تخلیقیت کی بوطیقا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۵۴

خصوصی مطالعہ "اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و فراز"

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	اردو کے روشن نقوش: اکیسویں صدی میں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۷۵
ایم اے ضیاء، ڈاکٹر	تخلیقات کے بدلتے رنگ اکیسویں صدی میں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۶۰
حسن رضا، ڈاکٹر	فروغ اردو: مسائل اور امکانات	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۶۷
رونق شہری، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں اردو ادب کا عروج و زوال	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۶۳
سید محمود دیوان، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں اردو کا مستقبل	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۵۷
شکیل احمد سلفی	اردو زبان اور ہمارا رویہ: اکیسویں صدی......	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۵۹
عبدالغفور، منشی	حامیان اردو کی خدمت میں دعوت فکر و عمل	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۷۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں اردو: نشیب و فراز	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۵۰
نظام صدیقی	اکیسویں صدی میں اردو: سمت و رفتار	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۴۳

خصوصی مطالعہ "بیسویں صدی کے مدبر و مفکر: مولانا آزاد"

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	فرانسیسی طرز کی انشاء پردازی اور مولانا آزاد	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۸۲
ایم اے ضیاء، پروفیسر	مولانا آزاد اور مسلم سیاست	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۶۸
شانتی رنجن بھٹاچاریہ، آنجہانی (مترجم)	مولانا آزاد اور تقسیم ہند	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۳۸

عبدالواسع، ڈاکٹر	مولانا ابوالکلام آزاد: ایک عظیم نثار	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۴۸
عقیل ہاشمی، ڈاکٹر	ابوالکلام آزاد اور علامہ اقبال	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۴۲
مجید بیدار، پروفیسر	مولانا ابوالکلام آزاد کی ادبی صحافت	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۶۵
محمد ارشد جمیل، ڈاکٹر	ذکر آزاد	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۷۱
محمد ظفر الدین، ڈاکٹر	لسان الصدق اور سوشل ریفارم	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۷۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ابوالکلام آزاد اور زلیخا بیگم	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۵۴
وہاب قیصر، ڈاکٹر	''افکار آزاد'' (مکتوبات کے حوالے سے)	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۶۰

خصوصی مطالعہ ''سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب''

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
افتخار اجمل شاہین، پروفیسر	''یادوں کی دستک'' پر ایک نظر	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۵۴
امام اعظم، ڈاکٹر	اقبال اور غالب مخفی گوشے اور ڈاکٹر سید تقی عابدی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۷۵
ایم اے ضیاء، پروفیسر	سہ رنگ امیجز کی شاعرہ: پروین شیر	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۹۱
حسن رضا، ڈاکٹر	غزل کا خمار: سات سمندر پار	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۹۴
رفیق شاہین	عصری لوازمات کے جمالیاتی شاعر: نقشبند قمر نقوی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۶۸
رؤف خیر	عطیہ: تاثرات	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۵۸
فیاض احمد وجیہ	اردو عالمی گاؤں کی فن کارہ: نعیمہ ضیاء الدین	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۷۹
مجید بیدار، پروفیسر	سرحد پار کے نثری ادب کا حقیقت پسند تجزیہ	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۵۱
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۴۴

خصوصی مطالعہ ''سہرے کی ادبی معنویت''

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
احسان ثاقب	سہرا بندھاتے یا بوسوئے رہا جی!	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۶۲
سیف رحمانی	سہرے کی معنویت اور فن کاری	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۷۲
سید شاہ طلحہ رضوی برق، پروفیسر	سہرا نویسی	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۴۳
سید شاہ طلحہ رضوی برق، پروفیسر	غالب و ذوق کے سہرے	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۵۷
سید مجید بیدار، پروفیسر	شاعری میں سہرا اور اس کی عصری معنویت	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۴۶
شاکر خلیق، پروفیسر	سہرے کی عظمت و ادبی معنویت	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۵۵
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	سہرے کی ادبی معنویت	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۵۱
مامون ایمن	''سہرے کے پھول'' میں امان خاں دل	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۷۸
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	اردو میں سہرے کی معنویت	اکتوبر تا جون ۲۰۰۸ء	۲۹

خصوصی مطالعہ ''شہر کولکاتا''

قلم کار	نظم/ انشائیہ/ انٹرویو/ خطبہ/ ادبی تاریخ	شمارہ	صفحہ
شمس جلیلی، ایڈوکیٹ	روداد کولکاتا (نظم)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۴۱
عرش منیر، ڈاکٹر	نامور شاعر و ادیب جناب منور رانا سے گفتگو	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۴۳

انجم عظیم آبادی	نقیب: دلچسپ نقابت اور ہوٹنگ (انشائیہ)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۴۵
کامنا پرشاد سور	مغربی بنگال اردو اکاڈمی کی اعزازیہ تقریب کا خطبہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۴۸
امام اعظم، ڈاکٹر	کولکاتا کی مختصر ادبی تاریخ/ "یہی کولکاتا ہے!"	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۵۲

خصوصی مطالعہ "مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں"

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امتیاز احمد راشد	مغربی بنگال میں اُردو صحافت......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۱۶
شاہد اختر، ڈاکٹر	اردو کی صورت حال مغربی بنگال میں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۷۳
شبانہ خاتون شمن	مغربی بنگال میں اردو ناول کا سفر......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۲۰
عشرت بیتاب، ڈاکٹر	مغربی بنگال میں اردو افسانہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۸۲
عمر غزالی، ڈاکٹر	مغربی بنگال میں اردو نظم......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۰۸
محسن باعشن حسرت	ادبِ اطفال: اکیسویں صدی کے تناظر میں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۹۵
محمد آفتاب عالم	کلکتہ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی/ ڈی لٹ......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۲۸
مصطفےٰ اکبر	اکیسویں صدی میں مغربی بنگال میں اردو ڈراما......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۸۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	مغربی بنگال میں اردو تنقید، تحقیق، تبصرہ اور تذکرہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۵۸
نصرت جہاں، ڈاکٹر	مغربی بنگال میں اردو غزل کا منظر نامہ......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۹۹

خصوصی مطالعہ "ہندستانی فلمیں اور اردو"

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
ابراہیم اشک	ہندوستانی فلموں میں موسیقی اور گیت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۵۸
امام اعظم، ڈاکٹر	ادبی اوصاف سے مزین فلمی جریدہ: شمع	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۸۲
ایم۔اے۔ضیاء، پروفیسر	فلمی ادبی عناصر: اردو زبان کی طاقت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۷۸
حسن امام درد	ابتدائی دور کی ہندوستانی فلمیں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۳۸
خالد سعید، پروفیسر	فکشن، الیکٹرونک میڈیا کے تناظر میں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۷۰
رشید انجم	ہندوستانی فلموں میں طرز معاشرت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۴۷
شاکر خلیق، پروفیسر	اردو کی کہانی، فلموں کی زبانی	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۵۲
فیاض احمد وجیہ	ہندوستانی فلموں میں ادبی عناصر	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۸۵
قمر علی، ڈاکٹر	ہندوستانی فیچر فلم کی حقیقت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۹۷
محمد خالد عابدی	مولانا ابوالکلام آزاد اور فلم	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۴۳
مراق مرزا	ہندوستانی فلمیں اور اسکرین پلے	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۶۴
مظہر امام	یش چوپڑہ کی اردو فلمیں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۳۶
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	امیتابھ بچن اور راج کمار سے میری ملاقات	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۴۰
نینا جوگن	بہار کی ایک مثالی فلم	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۸۱

خطبۂ استقبالیہ

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	خطبۂ استقبالیہ	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۲۶

خماسیاں

شاعر	عنوان	شمارہ	صفحہ
علقمہ شبلی	پھول کھلائے رکھنا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۷
علقمہ شبلی	جادۂ شوق	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۷
علقمہ شبلی	عمر زوال آمادہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۷
علقمہ شبلی	کم کم ملاقات	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۷
علقمہ شبلی	میرا قلم	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۷
علقمہ شبلی	خبر لی؟	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۶
علقمہ شبلی	رحمت کی برسات	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۶
علقمہ شبلی	زمیں تنگ ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۶
علقمہ شبلی	کیسی محفل؟	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۶

خودنوشت

خودنوشت نگار	عنوان	شمارہ	صفحہ
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۸۱
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۸۲
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۳۴
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۷
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۳۹
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۵۲
سیّد منظر امام، پروفیسر	یہ سرگذشت ہی ہے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۵۴

دوہے

شاعر	دوہا	شمارہ	صفحہ
ابواللیث جاوید	دوہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۵۶
سوہن راہی	دوہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۵
فراز حامدی، ڈاکٹر	اردو دوہے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۳

ڈائری

روزنامچہ نگار	عنوان	شمارہ	صفحہ
احمد یوسف	ایک ڈائری کے صفحات (۴۵-۱۹۴۶ء کے ایام)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۱۴

راہ و رسم (خطوط)

مکتوب نگار		شمارہ	صفحہ
ابراہیم اشک	....	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۰۹
ابوالکلام قاسمی، پروفیسر	....	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۹۰
ابواللیث جاوید	....	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱۸

رباعیات

ساحر شیوی	مدت سے میرے دل میں الم ہے باقی	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۵
ش م عارف ماہر آروی	اتنے بھی تو نادان نہیں ہیں ہم لوگ	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۶
ش م عارف ماہر آروی	بات جب دل کی دمِ تقریر نکل جاتی ہے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۶
ش م عارف ماہر آروی	پہچان وفا توڑ دیا ہے تم نے اسکو کہتے ہیں دغا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
ش م عارف ماہر آروی	راگ کیا کیا نہ ہر اک نے الاپا اپنا دیکھا کہ نہیں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
ش م عارف ماہر آروی	صبح کو جینا ہے تو شام کو مرنا ہوگا، ہے کہ نہیں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
ش م عارف ماہر آروی	لوگوں کے تکلم سے سبق لیتے ہیں	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۶
ش م عارف ماہر آروی	موجوں کا ہے زور و شور دریا چپ ہے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۶
ظفر کمالی، ڈاکٹر	تم اس کے ہو تو اس کے پرستار رہو	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۶
ظفر کمالی، ڈاکٹر	ساقی کے وسیلے سے ہی وہ جانے گئے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۶
ظفر کمالی، ڈاکٹر	ساقی نے جسے نام دیا جام احد	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۵
ظفر کمالی، ڈاکٹر	موجود ہے ہر رند کی خواہش کا جام	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۵
ظہیر غازی پوری	وحشت کا عجب رنگ دکھا دیتی ہے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۳
ظہیر غازی پوری	ولیوں کی، رسولوں کی، پیمبر کی زمیں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۳
عادل حیات	آنکھوں میں کوئی خواب سجاؤں کیسے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۲
عادل حیات	بس وقت ہی ہر آن گنوایا میں نے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۲
عادل حیات	بے چین امنگوں کی نمائش کیسی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۲
عبدالمتین جامی	کس دور میں ہم لوگ ہوئے ہیں داخل	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۳
عبدالحق امام	اب سوز کہاں آو شرر ریز میں ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۹
عبدالحق امام	اس راہ کی تختی کو نہ جانا جس نے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۹
عبدالحق امام	راحت ہو مصیبت ہو کوئی بات نہیں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۹
عبدالحق امام	کیا ہے خس و خاشاک یہ معلوم نہیں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۹
عبدالمتین جامی	جانے دے اسے چھوڑ کے تنہا مجھ کو	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۳
عبدالمتین جامی	کچھ ایسے حوادث سے ہوا ہوں دوچار	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۶
عبرت بہرائچی، ڈاکٹر	اقدار بزرگوں کے بھلا بیٹھے ہو	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۰
عبرت بہرائچی، ڈاکٹر	لوگوں کے خیالات نہیں بدلیں گے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۰
علقمہ شبلی	دروازہ ترے دل کا ہے سب کے لیے باز (کلکتہ)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
علقمہ شبلی	دیکھو تو سر راہ گزر رہوں میں پڑا (مظفر پور)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
علقمہ شبلی	گل بوئے لٹاتا ہے سدا دستِ صبا (دربھنگہ)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
علقمہ شبلی	وہ پایتی میرا نشانِ عظمت (دربھنگہ)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
علقمہ شبلی	ہوں گیت زمانے کا پتالی پترا (پٹنہ)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۱
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	اپنی ہمت کو بخشے جو پرواز	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۱
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	اپنے ماں باپ کو جو تڑپاتا ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۲

وارث ریاضی	تو جوہر اخلاق نہ کھوتا بیٹا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۳
وارث ریاضی	دل پیکر آلام نہ ہوتا بیٹا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۳
وارث ریاضی	فرقت میں تری اشک بہایا میں نے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۳
وارث ریاضی	کم ظرف سے دل اپنا لگایا تو نے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۳
وارث ریاضی	ہو درد محبت کہ شب غم یا رب	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۳

رپورتاژ

رپورتاژ نگار	رپورتاژ	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	پہلی جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) میں اردو......	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۵۴
وصیہ عرفانہ	''برف کی جھیل میں جس طرح روانی ہو جائے''	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۶۵

روداد

روداد نگار	روداد	شمارہ	صفحہ
اکمل یزدانی جامعی	کھگوا میلہ مشاعرہ ۱۹۵۵ء کی ایک جھلک	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۶
اکمل یزدانی جامعی	کھگوا میلہ مشاعرہ ۱۹۵۵ء...... (آخری قسط)	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۱
انجم عظیم آبادی	ٹیگور جینتی کا مشاعرہ اور ساحر لدھیانوی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۶۷
شمع اختر کاظمی	آج گالب کھل سرانہ ہوا	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۴۳
قمر اعظم ہاشمی، پروفیسر	انجمن کی ان کہی باتیں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۴۴

زاویۂ نظر

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
ابوذر ہاشمی	ترقی پسندی کے ماورائی پہلو	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۳۴
ابوذر ہاشمی	''تاریخ ادبیات عالم'' اور وہاب اشرفی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۲۲
ایم اے ضیاء، پروفیسر	''تاریخ ادبیات عالم'' ایک نادر تحفہ (نظم)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۳۱
ایم اے ضیاء، پروفیسر	ایک موڑ (کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے)	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۴۳
جمال اویسی	''تاریخ ادبیات عالم'' وقیع کارنامہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۲۴
حقانی القاسمی	تاریخ ترابط اور تفاہم	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۲۹
حقانی القاسمی	ماینفع الناس فیمکث فی الارض	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۳۷
رئیس انور رحمان، پروفیسر	کیا ترقی پسند تحریک زوال پذیر ہو چکی ہے؟	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۲۶
قاسم فریدی، ڈاکٹر	''تاریخ ادبیات عالم'' ایک وقیع عالمی کارنامہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۳۲
مجید بیدار، ڈاکٹر	کیا ترقی پسند تحریک زوال پذیر ہو گئی؟	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۳۱
مجید بیدار، ڈاکٹر	تالیف و ترتیب کے رمز شناس: پروفیسر وہاب اشرفی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۸
مسرت جہاں، ڈاکٹر	کیا ترقی پسندی کا زوال ہو گیا؟	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۴۰
مشتاق صدف، ڈاکٹر	''اردو زبان اور لسانیات'': گوپی چند نارنگ کا موقف	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۳۴
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	ترقی پسندی کیا زوال پذیر ہو چکی ہے؟	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۴۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	''تاریخ ادبیات عالم'' ایک بڑا قاموسی کارنامہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۷

سفرنامہ

شعری تجربہ

طنز و مزاح / تلخیہ / فکاھیہ

غزلیں

اسحاق ملک	نیکیاں بانٹنا ہی بہتر ہے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۵
اسحاق ملک	بندے کی طرح جب کوئی بندہ نہ رہے گا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۹
اسحاق ملک	شفا کا مرحلہ آزار نکلا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۴
اسد عباس خان	ازل آثار لمحوں کا نظارا بھی، دیا بھی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۶
اسلم بدر	تمام موسموں کا ایک نام ہونا چاہئے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۵
اسلم بدر	داستان زخم سناتے ہیں، لہو بولتا ہے	اپریل تا جون ۲۰۰۴ء	۷۰
اسلم بدر	ہم ایسے پیڑ ہیں برسات کے جلائے ہوئے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۴
اسما مقبول	غم زدہ آپ کی صورت نہیں دیکھی جاتی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۹
اشرف گل	جوانی نے لیں جب بھی انگڑائیاں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۷
اشرف گل	جدائی کے صدمے اٹھا کر جئیں گے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۲
اشرف گل	جور و جفا سے دوست بھی، راہ وفا سے ہٹ گئے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۵
اشرف گل	خلوص میرا ہے چاہے ہمالے جیسا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۱
اشرف گل	قبول ہو تمہیں تو تم پہ جاں نثار بھی کروں	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۶
اشرف گل	کروگے جتنی بھی دل میں محبتیں پیدا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۱
اشرف گل	محبتوں کے سوا میرے پاس کچھ بھی نہیں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۵
اشرف یعقوبی	ختم بیداری کا جس وقت سفر ہوتا ہے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۰
اشرف یعقوبی	رات بھر رات نے جو لکھی کہانی تیری	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۱
اشرف یعقوبی	ملیں گے خاک میں عیش و طرب معلوم تھا کس کو	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۵
اشرف یعقوبی	ہوا کو ناؤ کاغذ کی اگر پتوار کرلے گی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۵
اشوک مزاج	میر و غالب سا سخنور نہیں آنے والا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۳
اصغر شمیم	یہ میرا دل کوئی پتھر نہیں ہے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۷
اظہر نیر	گھر کے اندر نظر آتے ہیں نہ باہر چہرے	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۲
افتخار اجمل شاہین، پروفیسر	شاد ہم کو جو خوبرو کرتے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۰
افتخار اجمل شاہین، پروفیسر	سجا کے لایا ہوں میں نقد جاں ہتھیلی پر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۴
افتخار اجمل شاہین، پروفیسر	یوں ہے فانی فنا کا شکار آدمی	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۰
افروز عالم	ہر سو بپا یہ قہر ہے اور دل اداس ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۲۶
افروز عالم	آپ سے انس ہوا چاہتا ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۶
افسر حمزہ پوری	کوئی نیا سا مصرعہ لاؤ، ایک غزل اور لکھنی ہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۲
افضال فردوس، پادری	نہیں جو بھولتا وہ ہی مسلسل بھول جاتا ہوں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۸
افضال فردوس، پادری	سمے کی دھول میں ہوں وقت کے غبار میں ہوں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۳
افضال فردوس، ڈاکٹر پادری	جیسے اک سیارا چلتا جاتا ہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۰
افضال فردوس، ڈاکٹر پادری	اس طرح ستایا ہے پریشان کیا ہے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۷
افضال فردوس، ڈاکٹر پادری	شوق سفر میں یوں بھی نہ مرجانا چاہیے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۳

افضال فردوس، ریورنڈ ڈاکٹر	پت جھڑ کی بارش میں بھیگی شام پسند آئی ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۲۷
افضال فردوس، پادری	شوقِ سفر میں یوں بھی نہ مر جانا چاہیے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۲
افضال فردوس، ڈاکٹر پادری	اپنا سینہ فگار مت کرتا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۱
اقبال آرش، ڈاکٹر	مجھ کو تنہا وہ کر گیا آخر	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۷
اقبال گرامی	سوچنا میرا حق بہ جانب ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۸
اقبال گرامی	آنگن میں پری اتری کہ برسات آ گئی	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۸
اقبال گرامی	وہی جنگل وہی کہسار ہے جی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۲
اکبر حسین اکبر	غموں کی دھوپ میں سایہ کوئی خوشی کا نہیں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۴
اکبر حسین اکبر	یہ جگنوؤں کے تبسم سے استفادہ کیا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۴
التفات امجدی	نہ آئینہ نہ پتھر بانٹتا ہے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۷۰
امام اعظم، ڈاکٹر	پھر جلاؤ اک حسیں قندیل تو	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۰
امام اعظم، ڈاکٹر	تمہارے جاتے ہی ہر دیدۂ تر کو دیکھتے ہیں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۸
امام اعظم، ڈاکٹر	جو مزے آج ترے غم کے عذابوں میں ملے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۲۷
امام اعظم، ڈاکٹر	عارض و رخسار کی باتیں کریں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲۹
امان خان دل	ہے مری دانست میں کیا خوب فرزانے کی بات	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۱
امان خاں دل	رسمِ الفت جو عام ہو جائے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۸
امان خاں دل	ہے دل میں چھپا اور تو چہرے پہ عیاں اور	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۳
امان خاں دل	سخن کی خوشبو ہے بھینی بھینی، غزل کا لہجہ کمال کا ہے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۳
امان خاں دل	کیا رنگ دکھاتی ہے انا دیکھتے جاؤ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۰
امان خاں دل	مرا رفیق مرا اندمال کیا کرتا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۲۵
امان خاں دل	ہزار ہو مجھ سے دور لیکن، دل و نظر میں بسا ہوا ہے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۸۸
امتیاز احمد دانش	ملا نہ ایک بھی قطرہ شراب دھرتی پر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۷
امجد علی سرور	خونِ دل سے کوئی کتاب لکھوں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۲
امجد علی سرور	مضمون ہے، نہ افکار، نہ معیار غزل میں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۶
امین انعامدار بیودوی، ڈاکٹر	اب دلوں میں پہلی سی وسعتیں نہیں ملتیں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۶
انجم سیوانی	جبینِ ناز پہ رنگِ ستم بھلانے لگے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۷
انجم سیوانی	دل غلط راہ پر ہو تو میں کیا کروں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۲
انجم سیوانی	سراغِ قتل نہ مجرم نے کوئی چھوڑا تھا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۶
انجم سیوانی	لفظ نفرت کے باب میں مت رکھ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۷
انجم سیوانی	نیک دل کی کمی نہیں جاتی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۲
انجم سیوانی	بھلا ہو گا زندگی کا کوئی اور کیا فسانہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۲
انجم سیوانی	حالات ناگوار سے ڈر کر رہا نہ جائے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۷۰
انجم سیوانی	حدودِ جور سے آگے گزر گئے ہم بھی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۷

شاعر	غزل	شمارہ	صفحہ
انجم سیوانی	خط سے دل کی بات سمجھاتے ہیں آپ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۴
انجم سیوانی	کچھ لوگ رہ روانِ سفر دیکھتے رہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۶
انجم عظیم آبادی	صدائے دردو جگر کیجیے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۴۸۷
انجم کریم نگری	وہاں ہم پر نوازش ہو رہی ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۶
انصار نگروردی	تمہارے ہجر میں دل ہے پریشاں اس قدر دیکھو	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۶
انوار فیروز	بن گئی جبر کا نشان ہوا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۷
انوار فیروز	ہر اک جانب لہو پھیلا ہوا تھا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۷
انوار فیروز	اگرچہ لاکھ بے نام و نشاں ہوں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۴
انوار فیروز	جو شخص ہمیں اب بھی رہائی نہیں دیتا	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۵
انوار فیروز	دوست چپ چاپ، ہم زباں خاموش	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۶
انوار فیروز	کہہ گئیں دل کی داستاں آنکھیں	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۰
انوار فیروز	میں پھول ہوں خوشبو ہوں پیامی ہوں صبا کا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۴
انوار فیروز	ہر ایک سایہ دار شجر کو اکھاڑ کر	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۱
انور تلہری	طبیعتوں میں اگر سادگی نہیں ہوگی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۰
انور مینائی، ڈاکٹر	میں اپنے ساتھ سب یادیں پرانی لے کے جاؤں گا	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۳
انوری بیگم، ڈاکٹر	تمہیں مجھ سے عداوت ہے، کہوں تو کیا کہوں تم سے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۷
انوری بیگم، ڈاکٹر	دروغ گو پہ مجھے اعتبار کرنا پڑا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۳
انوری بیگم، ڈاکٹر	ہے دل کی کیفیت آنکھوں میں اب سیل رواں ہو کر	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۱
انوری بیگم، ڈاکٹر	خالی دامن ہی چلیں کیوں ترے گلزار سے ہم	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۴
اوم کرشن راحت	بھلا سا اپنی جبلت کو نام ہم دیں گے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۱
اوم کرشن راحت	نہ درد بغض کا دل میں نہ داغ کینے کا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۴
اویس احمد دوراں، پروفیسر	ادب سے اپنی آنکھیں موند کر سب کی سنی تو نے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۷
اویس جمال حبشی	عجیب کھیل تھا یارو عجب تماشہ تھا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۸
ایچ اے حبشی (مرحوم)، ڈاکٹر	دل پہ داغ کو تیروں کی نذر ہونے دو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۸
ایم ایف حسین خوشدل	صحرا کی دھوپ ریت کا گھر چاہیے ہمیں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۳
ایم آئی ساجد، ڈاکٹر	اپنوں کے دلوں سے بھی گزرنے نہیں دیتا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۴
ایم آئی ساجد، ڈاکٹر	جو وقت آئے تو جاں بھی نثار کرتا ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۹
ایم اے ضیاء، پروفیسر	پاگلوں کے شہر میں تنہا ہوں میں	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۱
ایم اے ضیاء، پروفیسر	سچ اگر کہہ دوں تو پھر اپنا بھرم کھل جائے گا	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۵
ایم اے ضیاء، پروفیسر	لکھوں گا غزل ٹھہرو، کچھ اور بھی کرنا ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۴
ایم اے ضیاء، پروفیسر	ماچس کی ہے یہ تیلی، چمک جائے گی کبھی	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۵
ایم اے ضیاء، پروفیسر	میں کہاں پر آ گیا ہوں کچھ بھی اندازہ نہ تھا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۰
ایم اے ضیاء، پروفیسر	ہم وہ قطرہ تھے کہ پھیلے بھی تو دریا نہ ہوئے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۱

جنید عالم آروی	خدا دکھائے نہ تم کو کبھی وہ منظر بھی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۸
جہانگیر کاظمی	دل کو پھر گدگدا رہی ہے ہوا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۶
حامدی کاشمیری، پروفیسر	خون سے ہر ذرہ تر ہونے کو ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۴
حامدی کاشمیری، پروفیسر	شعور راہ و منزل بھی نہیں ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۹
حامدی کاشمیری، پروفیسر	یوں تو وہ نامہربانی بھی نہ تھی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۳
حامدی کاشمیری، پروفیسر	آنکھ اوجھل سبزہ زاروں کو صدا دیتا ہے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۵
حامدی کاشمیری، پروفیسر	یقینوں میں گمانوں میں نہیں ہے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۱
حامدی کاشمیری، ڈاکٹر	ستاروں میں گلابوں میں نہیں ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۱
حامدی کاشمیری	خطا کاری میں کم میں بھی نہیں تھا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۴
حباب ہاشمی	عشق میں چاک گریباں نہیں ہوتا کہ نہ ہو	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۳
حباب ہاشمی	غم دوراں سے جو فرصت ہو تو دل شاد کریں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۵
حباب ہاشمی	مرا قیام دیکھنا، مرا قرار دیکھنا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۰
حباب ہاشمی	ایک لمحے میں شکست آئینہ دل ہوگا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۶
حباب ہاشمی	ایک لمحے میں شکست آئینۂ دل ہوگا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۶۹
حباب ہاشمی	پھولوں میں جو نہاں ہے وہی سنگ و خشت میں	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۱
حباب ہاشمی	جب کبھی اس کی نظر مجھ پہ ٹھہر جاتی ہے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۱
حباب ہاشمی	جوشِ جنوں میں کیا کیا کر کے بیٹھ گئے	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۳
حباب ہاشمی	جوشِ جنوں میں کیا کیا کر کے بیٹھ گئے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۱
حباب ہاشمی	شاکی رنج و محن، درد و الم آتے ہیں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۸
حباب ہاشمی	صحرائے زندگی بھی عجب ریگزار تھا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۷
حباب ہاشمی	غم دوراں سے جو فرصت ہو تو دل شاد کریں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۳
حباب ہاشمی	کشاکش غم دوراں سے جو پریشاں ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۳
حباب ہاشمی	کل تلک جس کو رہا ربط فراواں ہم سے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۱
حباب ہاشمی	مہ و انجم بچھائے راستے میں کہکشاں رکھ دی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۹
حباب ہاشمی	نکل پڑا ہوں سر دشت و در خدا حافظ	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۱
حبیب احسن	داستان زندگی لکھتے رہے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۹
حبیب سیفی آغانوری	اخوت پیار اور شفقت کے قصے کون لکھتا ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۶
حسرت مونگیری	بھر کے آنکھوں میں بہاروں کا نظارہ رکھنا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۹
حسرت مونگیری	تمہارے دل میں کوئی زخم پک رہا تو نہیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۱
حسرت مونگیری	تمام عمر گذاری ہے بے کسی کی طرح	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۶
حسرت مونگیری	جو بے شعور تھا، اسے چلنا سکھا دیا	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۹۴
حسرت مونگیری	جو دل و جاں سے فدا ہوا سے عورت سمجھو	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۴
حسرت مونگیری	درد تقسیم کا کیوں سہتا ہے آنگن اپنا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۹

راج پریمی	بول او نچے نہ بول دیوانے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۷
راج پریمی	کس کس جگہ پہ کتنے جتن، میں کیا کروں؟	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۹
راز سیوانی	پتھر اور نوکیلا پتھر	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۲
راز سیوانی	پیڑ چھتنار تو گری میں بنایا اس کو	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۳
راز سیوانی	چلو مانا وفاداری نہیں کی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۰
راز سیوانی	راز جب بھی غزل سناتے ہیں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲۹
راز سیوانی	زمین دل کو چمن میں بنا کے رکھتا ہوں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۹۰
راز سیوانی	عجب شعلہ صفت بے قرار کی خوشبو	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۵
راز سیوانی	کچھ اس طرح بھی محبت میں آزماؤں تجھے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۸
راز سیوانی	یہاں ذکر قلندر بولتا ہے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۶
راشد جمال فاروقی	کوئی مجھے بتائے عجب وسوسے میں ہوں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۷
راشد جمال فاروقی	ہم کہ بکھرا ہوا سامان سفر باندھتے ہیں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۶
راشد کمال راشد	دشمن بھی وہ عجیب تھا، غم خوار بھی عجیب	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۱
رحمت علی	نہ آئے نیند گر، دیکھوں خواب کیا معنی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۹
رخشاں ہاشمی	آج بھی احترام ہے اس کا	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۰
رشید منظر	جذبۂ شوق میں کیا کیا نہیں لکھا میں نے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۳
رشید نظر	شائستہ زباں رکھنا لہجہ بھی نیا رکھنا	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۳
رشیدہ عیاں	بے کلی ہے یہ جسم و جاں میں کیا	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۳
رشیدہ عیاں	تکبر ہو گیا دریا کا یکسر پانی پانی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۳
رشیدہ عیاں	جب بھی کوئی قدم میں نے بڑھا کر رکھا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۱
رشیدہ عیاں	یہ واہموں سے بنا سائبان بدلے گا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۵
رضا اشک	دنیا کی تاریخ بدلتی رہتی ہے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۱
رضا رام پوری	کتنا دشوار یہ سانسوں کا سفر لگتا ہے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۷
رضوان الرحمٰن رضوان، ڈاکٹر	سو گئی ہیں ساری خوشیاں، جاگتا ہے غم تمام	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۹
رضوان الرضا رضوان	گردش شام و سحر میں تو خلل بہتر ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۷
رضوان الرضا رضوان، ڈاکٹر	وہ آسماں سے ہو یا زمیں سے گنجائش	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۰
رضوان الرضا رضوان، ڈاکٹر	یا نظر آتا ہوں محو خواب اکثر بیشتر	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۲
رضوان پروین ارم، ڈاکٹر	عالم، عالم دلداری کا چرچا ہو تو ہو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۱
رضوانہ پروین ارم، ڈاکٹر	اب اعتبار دل کوئی تمہارا نہیں رہا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۸
رضوانہ پروین ارم، ڈاکٹر	وصال ذہن و دل بے شک مری ضرورت تھی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۱
رضوانہ پروین ارم، ڈاکٹر	ہر ایک موج خوشی کے نہ ساتھ بہنا تھا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۶
رفعت سروش	پھر اسی موڑ سے لوٹ آئے، جہاں تک پہنچے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۹
رفعت سروش	ہر بزم ہے بزم اہل خرد، ہر شہر ہے شہر تنہائی	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۶۷

رئیس الدین رئیس	یاس جو جھلکا لفظوں سے فریادی کا	اپریل۲۰۱۲ء تا جون۲۰۱۳ء	۲۲۰
رئیس الدین رئیس	یوں تو معلوم نہیں خود ہمیں کیا مانگتے ہیں	جنوری تا مارچ۲۰۰۲ء	۷۵
رئیس صدیقی	خار سے دامن بچانا چاہیے	اپریل تا جون۲۰۰۲ء	۷۲
رئیس صدیقی	دل کے زخموں کو ہرا کرتے ہیں	جولائی تا ستمبر۲۰۰۲ء	۷۵
ساجد پریمی	فرق ہے ان خوشبوؤں میں آگ پانی اور ہے	اپریل۲۰۱۱ء تا مارچ۲۰۱۲ء	۱۹۴
ساحر شیوی	رگوں میں پھرتا نہیں ہے لہو ابلتا ہے	جولائی تا ستمبر۲۰۰۲ء	۷۳
ساحر شیوی	مری دنیا کو تم آباد رکھنا	اپریل تا دسمبر۲۰۰۹ء	۱۳۶
ساحر شیوی	ہر گام سر اٹھانے لگی ہے بدی کی ذات	اپریل تا جون۲۰۰۲ء	۷۲
سالک بستوی	سجا رہے بتوں کو گلوں کے ہاروں سے	جولائی۲۰۱۳ء تا جون۲۰۱۴ء	۲۶۰
سخاوت شمیم، ڈاکٹر	خامی ظرف کا آزار ہے جس کو دیکھو	جنوری تا ستمبر۲۰۰۷ء	۱۲۶
سخاوت شمیم، ڈاکٹر	وہ ایک شخص جو اپنا دکھائی دیتا ہے	اکتوبر تا دسمبر۲۰۰۳ء	۸۷
سراج انور مصطفیٰ آبادی	عمل اپنا ہو جو مرضی رب ہو	اکتوبر تا دسمبر۲۰۰۳ء	۸۹
سراج انور مصطفیٰ آبادی	فقیر ملتے تھے خوشبوئے حیدری لے کر	جنوری تا مارچ۲۰۰۳ء	۶۸
سردار پنچھی	سامنے جب شراب ہوتی ہے	اپریل تا دسمبر۲۰۰۹ء	۱۵۳
سردار سلیم	یہ دنیا اک تنگ گلی ہے	جنوری تا مارچ۲۰۰۲ء	۷۷
سرفراز اشہر	زادِ سفر میں یادوں کا منظر ہی لے چلیں	اپریل تا جون۲۰۰۳ء	۶۹
سرفراز اشہر	مری گرفت میں میرا شکار آنے دو	اکتوبر تا دسمبر۲۰۰۳ء	۸۶
سرور حسین	سروں پہ جلتا ہو وحشت آفتاب سہی	جنوری تا ستمبر۲۰۱۰ء	۱۸۲
سرور حسین	غم کا بادل جا کر برسا جانے کس کے آنگن میں	اپریل تا دسمبر۲۰۰۹ء	۱۴۸
سعید رحمانی	ابھر کے آگیا ہے دل کا ہر اک درد چہرے پر	جنوری تا مارچ۲۰۰۳ء	۷۴
سعید رحمانی	تباہ اس طرح خود اپنی زندگی کرلی	جولائی۲۰۱۵ء تا جون۲۰۱۶ء	۳۰۴
سعید رحمانی	خانقاہِ وقت میں برسوں رہا میں معتکف	اپریل تا ستمبر۲۰۰۵ء	۸۸
سعید رحمانی	رکھتا ہے لمحہ لمحہ نبرد آزما مجھے	اکتوبر تا دسمبر۲۰۰۳ء	۸۲
سعید رحمانی	وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ اونچائیاں ملیں	اپریل تا دسمبر۲۰۰۹ء	۱۵۱
سعید رحمانی	ہتھیلی کی لکیروں میں مقدر ڈھونڈتا ہے	جولائی۲۰۱۳ء تا جون۲۰۱۴ء	۲۵۷
سعید رحمانی	زخم کے پھول مرے دل میں کھلانے والا	اپریل۲۰۱۱ء تا مارچ۲۰۱۲ء	۱۹۷
سعید رحمانی	لوحِ الفاظ پہ ہر نقش بناؤں تیرا	اپریل۲۰۱۲ء تا جون۲۰۱۳ء	۲۲۴
سعید رحمانی	ہر آدمی ہے اپنے قبیلے کا سرورق	اپریل تا جون۲۰۰۲ء	۷۳
سعید روشن	چار سو نگینیاں بکھری ہوئیں	اپریل تا جون۲۰۰۳ء	۶۴
سعید روشن	رات بھر آنکھوں میں اس کے بعد گیارہ جائے گا	جولائی تا ستمبر۲۰۰۲ء	۷۷
سعید روشن	طوفان کا ساحل پہ اثر بول رہا ہے	جولائی تا ستمبر۲۰۰۳ء	۹۳
سعید روشن	ہر کوئی اک دوسرے سے دور ہے	اپریل تا جون۲۰۰۲ء	۶۹
سعیدہ امان، ڈاکٹر	قطرہ قطرہ میں اکثر بکھرتی رہی	جولائی۲۰۱۳ء تا جون۲۰۱۴ء	۲۶۳

شاعر	غزل	شمارہ	صفحہ
سیدہ نسرین نقاش	مرے چہرے پہ یہ لکھا ہوا ہے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۱
سیدہ نسرین نقاش	وہ بھول جائے گا دشمن کا نام ناممکن	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۹۳
شاداب رضی، پروفیسر	آپ نے سب کو ایک طرف سے اپنے غضب میں رکھا	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۳
شاداں فاروقی (مرحوم)	قائل نہیں ہے جو کسی ردّ و قبول کا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۰
شاداں فاروقی	ہے میرا موم کا گھر آفتاب سر پہ ہے	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۵۹
شاذ رحمانی	مزاج بدلا فضائیں بدلیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۳
شاذ رحمانی	مانا کہ حسین یہ جہاں ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۶
شاذ رحمانی	ہر روز دکھوں کا زلزلہ ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۹
شارق بلیاوی	ہنر کا دست دیا چاہے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۴
شارق عدیل	پیدا نہ اب دلوں میں کوئی امتیاز ہو	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۱
شارق عدیل	تدبیر سے الجھوں کبھی تقدیر سے الجھوں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۸
شارق عدیل	ہے فضا تاریک تر سونے گھروں کے درمیاں	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۷
شازیہ فخر	ہے دل پتھر کوئی شیشہ نہیں ہے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۳
شاکر خلیق، ڈاکٹر	جب سے اپنے تن کو پیارے اپنی جان......	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۹۰
شاکر خلیق، پروفیسر	حصار ذات سے باہر نکل کے بھی دیکھو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۳
شاکر خلیق، پروفیسر	عجب طریقے سے اس نے ہم سے......	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۸۷
شان بھارتی	دل میرا فقط تیرے نشانے کے لئے ہے	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۲
شابانہ الیا	میں ہوں بیدار یا کہ خوابیدہ	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۵
شاہد کلیم	برف کا منظر ہے ریگستان تک	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۲
شاہد نعیم	خزاں میں پھول کھلتے ہوں، وہ گلشن ہم نہیں لیں گے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۰
شاہد نور	سفر کی دھوپ میں امید لالہ زار لیے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۹۲
شاہدہ نسیم سالک	وہ اجنبی تھا، اس سے کوئی رابطہ نہ تھا	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۰
شاہین	بے تعلقی چاہوں پھر بھی بات آ جائے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۱
شاہین	شام ہجراں وہی صورت ہو تو	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۲
شاہین	کیا کیا رہی نہ گرمی بازار شب بخیر	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۴
شباب للت، ڈاکٹر	اک لفظ ناتمام سے آگے نہیں بڑھے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۵
شباب للت، ڈاکٹر	جو کافر جھوٹ پل پل بولتا ہے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۵
شباب للت، ڈاکٹر	سودائی دیوانی رات	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۱
شباب للت، ڈاکٹر	منزل تک امتحان ہمارے کڑے ہوئے	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۴۹
شباب للت، ڈاکٹر	جو کافر جھوٹ پل پل بولتا ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۸
شباب للت	شرمائے گا زمانہ میں کھل کر جب آؤں گا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۱
شبنم گورکھپوری	چل کے اک اک قدم	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۵
شبینہ نوشاد	یہ ترے گلے وہ مرے گلے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۰

شبینہ نوشاد	انجان سی الجھن ہے، بے ربط کہانی ہے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۱
شبینہ نوشاد	تاریک سے لمحوں میں اک شمع جلی پھر سے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۵
شبینہ نوشاد	تری برہمی گوارا، تری بے رخی گوارا	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۴
شعیب راہی مرحوم، ڈاکٹر	بات سے باتیں کہ افسانے سے افسانہ بنے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۰
شفیع اللہ خاں راز اناوی	سمجھ میں وقت کی رفتار آئے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۱
شگفتہ جبینی (حلیمہ سعدیہ شگفتہ)	اٹھے گی جو بھی نظر ہوس کی ہوائے بالائے بام ہوگی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۴
شگفتہ جبینی (حلیمہ سعدیہ شگفتہ)	کبھی چھونے کی خواہش ہو تو کرنوں میں چلے آنا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۴
شمس الحق شمس	مشرق کے شوالے میں مغرب کا پجاری ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲۹
شمس جلیلی، ایڈووکیٹ	دوسروں کی خوبیوں پر ڈالتے ہیں وہ لحاف	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۷
شمس جلیلی، ایڈووکیٹ	ہے چٹخنی ہڈیوں کا درد، ور دلا دوا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۳
شمس جلیلی	دوسروں کی خوبیوں پہ ڈال دیتے ہیں لحاف	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۰
شمس جلیلی	فکر تھی لاحق کہ اپنا گھر سلامت ہے کہاں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۷
شمس جلیلی، ایڈووکیٹ	کہیں آنسو کہیں پر جام چھلکے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۳
شمس جلیلی	دل شاعر ہے، جام جم نہیں ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۷
شمس جلیلی	یہ دل برباد بھی آباد ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۹
شمس فریدی	پھر وہی رقص جنوں جاری ہے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۴
شمس فریدی	جسم سے ختم ہوا روح کا رشتہ جیسے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۴
شمس فریدی	گم ہو نہ جائے بے رونق بازار دیکھنا	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۶
شمس کمال انجم، ڈاکٹر	دل، شہر تمنا کے عذابوں سے نکل کر	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۰
شمس کمال انجم، ڈاکٹر	ماہ و انجم بھی اور کہکشاں بھی نہیں	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۵
شمس مدنی، ڈاکٹر	جب چٹانوں کی طرح ہوگا ارادہ آپ کا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۷
شمس مدنی، ڈاکٹر	زندگی شور مچاتی ہے ٹھہر جاتی ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۴
شمس مدنی	اپنے کردار کی عظمت کو سنبھالو بھائی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۴
شمس مدنی، ڈاکٹر	اس کی سنہری یاد اگر میرے ساتھ ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۴
شمس مدنی، ڈاکٹر	تاریک شب میں روشنی کے ساتھ ساتھ چل	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۸
شمسی قریشی	مسلسل حشر وہ برپا کئے ہے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۴
شمیم قاسمی	اوس کی بوند پہ مانند شرارہ ہے کوئی	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۱
شمیم قاسمی	جو ہو رہا ہے تبصرہ تو صاف صاف ہو	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۸۹
شہپر رسول	خائف ہے مجھ سے میری ہی خلوت، مگر یہ کیوں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۴
شہلا نگار شہلا	میری دعا ہے رب سے کہ اتنا سدا رہے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۵
ش م عارف ماہر آروی	ابرو بنا ہے تیرا جو تلوار، وار، وار	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲۶
ش م عارف ماہر آروی	جو فیصلہ ہوگا وہ سردار میاں جی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۴
ش م عارف ماہر آروی	رہے جہاں بھی وہ میری نظر میں رہتا ہے	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۴

شاعر	غزل	شمارہ	صفحہ
ش م عارف ماہر آروی	میری طرح یہ زلف تمہاری کیوں اے ۔۔۔۔	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۱
ش م عارف ماہر آروی	جب سیلاب کا قصہ لکھ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۰
صابر عظیم آبادی	حسن کے باب سے باہر نکلو	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۰
صابر عظیم آبادی	گلاب رت میں فضا اور خوش گوار بنا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۷
صابر فخر الدین	چاند کو دیکھ کر گماں گذرا	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۴
صابر فخر الدین	مری سنو تو نہ تم ان سے رابطہ رکھنا	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۵
صابر فخر الدین	وہی میں تھا، وہی بازی گری تھی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۵
صابر فخر الدین	حرف اگر گنج معانی ہوگا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۸
صابر فخر الدین	ساری دنیا کو جو کھونا تھا مجھے	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۶
صابر فخر الدین	فاصلہ دیوار و در کا ہے وہی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۱
صابر فخر الدین	جب اندھیروں کا کال بھی تھا	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۳
صابر فخر الدین	وہ اپنے آپ میں جب تک رہا تھا	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۱
صبا اکرام	ہیں کھلی کھڑکیاں کھلا در ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۳
صبا اکرام	لب پر مچلتے لفظوں کو چکھ کر نہ دیکھ لے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۰
صفوان سلفی	ویسے تو مجھے ہجر کا یارا بھی نہیں ہے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۷
صلاح الدین نیر	ساتھ مت دے ترا نقصان بھی ہو سکتا ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۱
صلاح الدین نیر	ضرورت جب بھی ہو پر کھولتا ہوں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۰
ضیاء الدین شمسی	ان کا غصہ بھی گوارا کیجئے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۴
ضیاء الدین شمسی	دل کا رشتہ آنسوؤں سے جوڑئے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۵
طارق حسین راز پشاوری	زمین والوں کی خواہش تو آسمان تک ہے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۱
طارق متین	کئی کام آگ سے ہوتے ہیں کچھ پانی سے ہوتا ہے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۷
طالب صدیقی	آنکھوں میں دیدار کا منظر اب بھی ہے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۷
طاہر یونس بیگ دہلوی	اک عمر سے یہ کام کئے جا رہا ہوں میں	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۲
طاہر یونس بیگ دہلوی	کہیں ملیں گے تو ہم احترام کرلیں گے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۴
طاہر یونس بیگ	حق ہنر کا ادا کرے کوئی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۸
طلحہ رضوی برق، پروفیسر	زور سے جو نہ زرے اڑتے ہیں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۴
طیب واسطی	اپنی خود آگاہی کے ہی کھوٹے سکے رولیں یارو	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۹۳
ظفر اقبال ظفر	اک لمحہ تا دید کہ سفاک بہت ہے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۹
ظفر اقبال ظفر	آج کیسا یہ انقلاب ہوا	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۶
ظفر اقبال ظفر	آنکھیں کھلیں تو خاک بسر ہو چکے تھے ہم	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۰
ظفر اقبال ظفر	بدن کی ریت دریا مانگتی ہے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۹
ظفر اقبال ظفر	تیری خوشبو جو ہم سفر ہوگی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۷
ظفر اقبال ظفر	ذہن تیرہ میں روشنی کرنا	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۰

عزیز بگھروی	تیور الگ الگ ہیں تو لہجے الگ الگ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۷
عشرت ظفر	خزاؤں کی شعلگی میں تپ کر ہوا ہے سبز......	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۲
عشرت معین سیما	قضا کے ہاتھ میں مہندی لگا کے دیکھیں گے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۱
عشرت معین سیما	گرچہ خزینۂ غم میں ذرا بھی کمی نہ تھی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۶
عطاء الرحمٰن عطا	ادھر ہم گئے ہیں، اُدھر ہم گئے ہیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۹
عطاء الرحمٰن عطا	دیکھ کے چہرہ رات کا	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۴
عطاء الرحمٰن عطا	ستارا جو ہے فلک پر ضرور ٹوٹے گا	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۴
عظیم ہاشمی	رسوائیوں کا تاج مرے سر پہ دھر گئے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۴
عظیم ہاشمی	صفر میں اگر تم نے جوڑا صفر	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۰
عظیم ہاشمی	وہیں پہ ہم بھی صدیوں سے کھڑے ہیں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۶۱
عظیم ہاشمی	دل سے اٹھا ہے دھواں، آنکھوں سے بادل برسا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۰
عظیم ہاشمی	کیوں جنوں پہ اپنے ہم الزام لیتے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۹
عقیل احمد عقیل، ڈاکٹر	اس کی یادوں کا دیا جلتا رہا	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۶
عقیل گیاوی	ذہین شخص ہے لیکن زبان دے نہ سکا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۹
عقیل گیاوی	صبح کی تازہ ہوا کا اب نہیں اظہار تک	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۵
عقیل گیاوی	صیقل لہو کی ضرب سے خنجر کیا گیا	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۴
علقمہ شبلی	کل وہ گر خود نگر نہیں ہوتا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۴
علقمہ شبلی	میرے قدموں پر فلک ہے سر بہ خم	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۵
علیم اللہ حالی، پروفیسر	پھر وہی قصہ وہی باتیں پرانی سامنے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۳
علیم اللہ حالی	سیڑھیوں پر جب کھڑا ہو جائے گا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۲
علیم صبا نویدی	ٹھکرا کے کائنات جو گھر سے نکل گئے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۵
علیم صبا نویدی	درختوں کے ابھی پھل پک گئے تھے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۴
علیم صبا نویدی	سفر ہی ہو گیا تھا لا سفر سا	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۱
علیم صبا نویدی	کاغذوں پر زندگی لکھی نہ تھی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۳
عمران راقم	بدن میں دھوپ کی گرمی ذرا سی دیر رہتی ہے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۵
عمران راقم	کپڑے بدن پہ تھوڑے سے رہنے لگے تو کیا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۸
عمران راقم	وہ بے وفا ہوا تو حیرت کی بات کیا ہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۵
عنبر بہرائچی	بنا کے اک نیا طلسم، ہر نفس پہ چھا گیا	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۱
غلام فرید علی نگری	تڑپ رہا تھا اک بھوکا جو سائباں کے تلے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۸
غلام مرتضیٰ راہی	جنوں سے نمٹنے کی تدبیر کر لے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۳
غلام مرتضیٰ راہی	دیکھیں گر کبھی کبھار چلے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۶
غلام مرتضیٰ راہی	زمیں کے بعد ہم اب آسماں نہ رکھیں گے	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۲
غلام مرتضیٰ راہی	کہیں ٹھیک ہے سب، کہیں گڑبڑی ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۹

غلام مصطفیٰ روحی	انھیں ہم تو مچل کر دیکھتے ہیں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۸
غلام مصطفیٰ روحی	رات کیوں بے نور ہے یہ چاندنی کے باوجود	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۹۳
غلام مصطفیٰ روحی	فکر کے شعلوں میں پہلے آ کے جلتی ہے غزل	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۰
غلام مصطفیٰ روحی	کہیں یہ پھول کہیں برگ و بار کی خوشبو	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۷
غلام مصطفیٰ روحی	گذارش ہے مری نسل جواں سے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۰
غلام مصطفیٰ روحی	میں ہوں پیاسا مجھے پلا سائیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۱
غیاث انجم	رئیس جو بھی ملے تجھ کو راہبر کی طرح	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۴
فاطمہ حسن	آنکھوں میں نہ زلفوں میں نہ رخسار میں دیکھیں	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۱
فراز عارف	زندگی کی راہوں میں موڑ ایسے آتے ہیں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۰
فراغ روہوی	رہ رہ کے بارشوں میں نہانے لگی ہے دھوپ	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۹
فراق جلال پوری	چھوڑ کر لوگ شرافت کا پرانا دھندا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۸
فراق جلال پوری	دن نے لوٹا ہے رات کا آرام	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۰
فراق جلال پوری	مت کہہ شیشا ٹوٹ گیا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۵
فراق جلال پوری	ہوشیار اے حوصلو! ہوگا ہوا کا سامنا	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۷
فرحت حسین خوشدل	تیری ساعتوں سے مرا دل بھرا نہ تھا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۰
فرحت حسین خوشدل	غزل کی صنف کا ماہر ہے فنکاری دکھاتا ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۹۵
فردوس گیاوی	مجھے یہ ڈر ہے حقیقت تری وہ جان نہ لے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۹۴
فرزانہ نیناں	شام کی سنسناہٹوں میں گم	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۹
فرزانہ نیناں	نہیں ہیں وہ مٹی کے چکنے چپارے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۹۳
فریدہ فرح لاکھانی	دیارِ عشق کا ہر راستہ کھلا رکھنا	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۹۵
فریدہ فرح لاکھانی	موسم خزاں کا بہاروں سے بدلنے سا لگا ہے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۹
فصیح احمد ساحر	ماں سی ممتا اور مروت اس کے اندر ہوتا ہے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۱
فصیح احمد ساحر	میں نے مانا کہ کبھی ہوگی مثالی دنیا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۷
فوزیہ اختر ردا	تغافل آزمانا چاہتی ہوں	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۷
فیض الحسن	بے سبب دل کو مارتے کیوں ہو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۸
قطب سرشار، ڈاکٹر	نفرت تمام ذہن کا تیزاب اور کیا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۳
قطب سرشار، ڈاکٹر	بے حجابانہ جہاں حسن کا پیکر دیکھو	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۴
قطب سرشار، ڈاکٹر	حرف بے مایہ سے تحریر کا دم گھٹتا ہے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۱
قطب سرشار، ڈاکٹر	صفات دل ہے نمائندہ شقاوت سنگ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۸
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	اداس کیوں ہے مرا دل تمھیں نہیں معلوم	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۵
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	خرد کے پاس نہ جاؤ تو کوئی بات بنے	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۷
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	خلوص، پیار، نجابت کہاں تلاش کریں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۹۴
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	دریا ترے خلوص کی پہچان ہوگئی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۳

قمر سرور فاروقی، ڈاکٹر	اجڑا لگتا ہے غریبوں کا نگر شام کے بعد	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۳
قمر سرور، ڈاکٹر	تم جس طرح چلو گے ادھر کام آئے گا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۷
قمر سیوانی	ظرف دریا ہے دل سمندر ہے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۵
قمر الزماں قمر	لالی بندیا کاجل کی افزائش کیوں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۸
قوس صدیقی	وہ پرندہ جو شفق شاخ پہ پر تولتا ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۰
قوس صدیقی	فلک غبار نہ کب اپنے سر گئے ہوئے ہیں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۶
قیصر سمستی پوری	مری فکر و نظر عالم کی صورت	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۱
قیصر صدیقی	لب پہ دھوپ کا صحرا عکس آب آنکھوں میں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۳
کامران علوی	دیوانہ اگر دین پہ قرباں نہیں ہوتا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۵
کرشن پرویز	اب بہاروں سے بھی دل کی کچھ خوشی ہوتی نہیں	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۹
کرشن پرویز	اپنی خوشی کے ساتھ نہ اس کی خوشی کے ساتھ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۵
کرشن پرویز	افسانہ شب ہجر کے عنواں کی طرح ہے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۲۶
کرشن پرویز	انھیں یہ ڈر کہ پریشاں کریں گے دیوانے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۲۳
کرشن پرویز	بھٹک جائیں کہیں امکاں بہت ہیں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۷
کرشن پرویز	ترا ذکر سب داستانوں میں ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۳
کرشن پرویز	کیسے کہوں کہ صرف محبت ہے زندگی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۳
کرشن پرویز	لاکھ پتھر کرخت ہوتے ہیں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۵
کرشن پرویز	میکدے میں یوں تو لاکھوں جام چھلکائے گئے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۰
کرشن کمار طور	پرانے اسم میں نقش نظر باندھا	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۳
کرشن کمار طور	چراغ پانی میں ہیں صاحب زمانی کے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۰
کرشن کمار طور	در پیش ہے مرگ ناگہانی	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۳
کرشن کمار طور	طفیلی صاحب ادراک رکھنے پر خوش ہیں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۵
کرشن کمار طور	کچھ اور اس کے علاوہ مانگنا کیا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۱
کرشن کمار طور	ہیں خاک پا تو رہیں دور کج کلاہوں سے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۶
کمال جعفری	بھول جاتے ہیں محبت کے ترانے کچھ لوگ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۱
کمال جعفری	جہاد حق کا ہم کو راستہ ہموار کرنا ہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۷
کمال جعفری	ریت بن جاتی ہے خود ہی میری شہناز غزل	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۳
کمال جعفری	صاف و شفاف آئینہ سی لگے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۰
کمال جعفری	وہ چلے جھٹک کے دامن مرے دست ناتواں سے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۹
کمال جعفری	ہستی کا سمجھ میں یہ تماشہ نہیں آتا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۱
کوثر پروین کوثر	فسانہ ختم ہوا سعی جستجو کیا ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۶
کیفی بلگرامی	ہر پھول کو میں شعلہ بدن دیکھ رہا ہوں	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۶
گلشن کھنہ	اب جہاں تک تری دیوار کا سایہ جائے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۵

نادم بلخی	کناروں کو اسی کا غم بہت ہے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۳
ناز قادری، پروفیسر	اک اندھیرا اچھل کر رنگِ شفق سب لے گیا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۵
ناز قادری، پروفیسر	خلا سے تیر جو برسے تو سرخیاں جاگیں	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۹
ناشاد اورنگ آبادی	پہاڑ والے تو آتش فشاں کی قید میں ہیں	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۳
ناشاد اورنگ آبادی	جس شخص کے ماتھے پہ پسینے نہیں آتے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۳
ناشاد اورنگ آبادی	دیکھا ہے میں نے آپ کو ایسے نقاب میں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۷
ناشاد اورنگ آبادی	دے دے جو حق پہ جاں وہ دوانہ پسند ہے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۳۰
نجم عثمانی	جلد اس ماحول سے باہر نکلنا چاہیے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۷
نجم عثمانی	ساتھ چلتے اپنے سائے سے کوئی ڈر ہی نہ تھا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۸
نجم عثمانی	کوئی تصویر نگیں دل کے تہہ خانے میں رکھتے ہیں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۱
نجم عثمانی	معرکہ سر یہ آج کر جاؤں	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۶
نجم عثمانی	وہ ہو سکا نہ مکمل جو کام ہونا تھا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۷
نجمہ عثمان	منزلوں کی چاہت کو رہ گزر میں رکھ لینا	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۳
نذیر فتح پوری	چل ہوا کے رخ پہ اپنے زاویوں کو چھوڑ دے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۳
نذیر فتح پوری	سازشیں یہ دھوپ کی ہیں اب ہوں تنہا اور میں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۷
نذیر فتح پوری	کرم سمجھے تھے جن کو وہ سرابوں کے ستم نکلے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۸۳
نریش، ڈاکٹر	ہمارا خدشہ بہرحال خوامخواہ نہ تھا	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۷
نزہت پروین	ایک رشتہ ہے، چاہے سزا ہی سہی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۹
نزہت پروین	بہار کے تو مسافر ادھر ادھر ٹھہرے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۴
نسرین بانو نکہت	زندگی اب تو مجھے اتنا ستانا نہ کبھی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۷
نسرین نکہت	دل کو تو میرے پیار کا گلشن بنا دیا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۱
نسیم اختر، ڈاکٹر	لہو منظر شرارے دیکھتے ہیں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۶۳
نسیم اختر، ڈاکٹر	لٹ گیا سر منزل، ایک قافلہ چپ چاپ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۱
نسیم اختر، ڈاکٹر	محل کہاں، کوئی مٹی کا گھر بناتے ہیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۷
نسیم اختر، ڈاکٹر	ماں فلسطین کا بدن ہوں میں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۵
نسیم سحر	جو مجھ میں رہتا ہے سادھو، مجھے تلاش کرے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۵
نسیم سحر	جمالِ یار کے پیکر سے ہم کلام ہوا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۱
نسیم سحر	وجود اپنا ہے ایسے یہاں کے موسم میں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۸۴
نصر غزالی	زخم کے ہر سلسلے کو حسن گل کاری کہو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۵
نعمان شوق	حسن کا اک عجیب عالم ہے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۸
نفیس بانو شمع	ان کی دنیا میں نظر آتے ہیں منظر کتنے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۱
نقشبند قمر نقوی بھوپالی	خون کے رنگ سے تعریف حرارت لکھوں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۳
نقشبند قمر نقوی بھوپالی	وہ نہیں ہیں تو محبت کا اجالا بھی نہیں	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۳

نقوش نقوی	شب کی چادر اوڑھ کر معصوم حیدر سو گیا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۳
نقوش نقوی	ہم نہیں اپنی طرح لوگو تو ہم سا کون ہے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۶
نگار سلطانہ، ڈاکٹر	بہت اونچی اڑان رکھتی ہوں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۰
نگار عظیم، ڈاکٹر	اب کہاں عشق کا زمانہ ہے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۷
نگار عظیم، ڈاکٹر	اتنے دیکھے جلتے منظر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۸۸
نگار عظیم، ڈاکٹر	معجزہ یہ بھی دکھایا میں نے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۷
نور محمد عاجز، ڈاکٹر	کہنے کو تو یوں روز ملاقات کرو ہو	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۸
نور محمد عاجز، ڈاکٹر	نہ دل، نہ اب دماغ رہا اختیار میں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۶۲
نور محمد عاجز، ڈاکٹر	غم نے گرچہ ہے پریشاں کر دیا اے زندگی!	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۴
نور الاسلام اشتر، انجینئر	لہو پھر جگر کا رواں کیجئے	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۰
نوشاد مومن	ظلمت سے مرا گھر یہاں آزاد نہیں تھا	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۹
نوشاد نورنگ	سیلاب میں اس بار کوئی گھر نہیں بچا	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۳
نیاز احمد	مطلب ہماری باتوں کا سمجھا نہیں گیا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۶
نیاز احمد	کچھ کچھ یاد آتی ہے بات	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۲
نیر اعظمی	اس کے دل میں بھی وفا ہے مجھے معلوم نہ تھا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۵
ودیا ساگر آنند، ڈاکٹر	کلی جب پھول بنتی ہے غزل کہتا ہوں میں ہمدم	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۴
ودیا ساگر آنند، ڈاکٹر	لگتا ہے یہ دنیا کوئی آسیب نگر ہے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۹
ودیا ساگر آنند، ڈاکٹر	ہم اپنی بدنصیبی کا گلہ بھی کر نہیں سکتے	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۶
ودیا ساگر آنند، ڈاکٹر	گلستاں سے محبت ہے، بہاروں کی تمنا ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۵
وصی احمد مکرانی	کیا جرم کیا میں نے بتا کیوں نہیں دیتے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۵۳
وصی مکرانی واجدی، ڈاکٹر	خلاف ظلم، ہر وہ حق جو آمادہ بھی ہوتا ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۹
ہاجرہ رحمٰن	ہم ان کے ستم کو کرم جانتے ہیں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۲
ہارون شامی، انجینئر	اسی کا جرم، وہی مجھ کو خوں بہا دے گا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۸
ہارون شامی، انجینئر	نہ کوئی ربط، نہ رشتہ، نہ سلسلہ ہے کوئی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۸۵
ہارون شامی، انجینئر	وفا پرست ہوں، شرط وفا گوارا نہیں	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۸
ہارون شامی، انجینئر	ہر قدم پر اک نئی منزل سے وابستہ ہوا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۴
ہارون شامی، انجینئر	میں بار بار وہی ایک خواب دیکھتا ہوں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۲
ہارون شامی، انجینئر	چراغ سحر تھا یا ماہتاب تھا کیا تھا	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۰
ہارون شامی	سفر طویل سہی، مختصر تو ہوگا ہی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۰
ہری ونش رائے ترون، ڈاکٹر	آئینہ مجھ سے آنکھیں ملاتا رہا	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۱
ہریندر گری شاد	پھر آنسوؤں سے اپنی تھکن دھو رہی ہے رات	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۶۳
ہریندر گیری شاد	دھوپ جون کی سر سہلائے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۵۸
ہما مظفر	جاری دن رات تم سفر رکھو	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۶

ہیرانند سوز	آوارگی میں کوچہ بسر بھی کچھ نہیں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷۰
یوسف تقی، پروفیسر	مرے بھی سرخ رو ہونے کا اک موقع نکل آتا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۰۲
یوسف جمال	تھا جو منظر جدا، رات کا رات کا	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۴
یونس شرر	روح پیاسی ہے، وہی جسم کی تنہائی ہے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۸
*ظفر اقبال ظفر	نہیں ہے وہ تو ہر جانب خلا محسوس ہوتا ہے	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۳

فیچر

فیچر نویس	فیچر	شمارہ	صفحہ
تحسین دہلوی	تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۸۵

قطعات

شاعر	قطعہ	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعات	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	سہ روزہ اردو اجلاس کے نام	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۹۴
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعات	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعات	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعات	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعات	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۳۸
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعہ	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	سرورق
امام اعظم، ڈاکٹر	استقبالیہ قطعات	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۰۲
امام اعظم، ڈاکٹر	جناب ای احمد (وزیر مملکت) کی نذر	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۹۳
امام اعظم، ڈاکٹر	قطعہ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	سرورق
بدر یمنی	سالک لکھنوی کی رحلت پر	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۴۱۱
تحسین منور	بے ساختہ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۲
حسن امام درد	قطعہ	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۹۰
حلیم صابر	قطعہ برائے "تمثیل نو"	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۷۹
خورشید عالم ندوی	قطعہ	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۴۱۰
ڈاکٹر محمد امین عامر	تعزیتی قطعات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۸۵
راج پریمی	قطعات	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۵
سیما عابدی	قطعات	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۹۲
سید جعفر امیر	قطعہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۰

شاعر	عنوان	شمارہ	صفحہ
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	قطعہ تاریخ بسال اجراء "تمثیل نو"	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۲
عرفان نجمی	قطعات	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۷
علقمہ شبلی	قطعہ برائے "تمثیل نو"	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۷۶
فریدہ فرح الاکھانی	قطعہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۰
مرزا رفیق شاکر	نیر اقبال صحافت "تمثیل نو"	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۲
منصور عمر، ڈاکٹر	قطعہ تاریخ (بنام ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۲
منصور عمر، ڈاکٹر	عنوان ندارد	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۷
منصور عمر، ڈاکٹر	تہلکہ ڈاٹ کوم	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۰
منصور عمر، ڈاکٹر	نیا ہزارہ	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۰

قطعات بر تاریخ وفات

شاعر	متوفی	شمارہ	صفحہ
سفیر الدین کمال	انتظار حسین	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۰۲
سید شاہ طلحہ رضوی برق، پروفیسر	پروفیسر کلیم عاجز	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۸
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	ادریس دہلوی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	انور خان	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	رضا نقوی واہی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	شعیب شمس	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	شہود عالم آفاقی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	محمد نورالاسلام نشتر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	ہرچرن سنگھ چاؤلہ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	پروفیسر نظیر صدیقی	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۵
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	غلام حسنین مانی فاروقی	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۵
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	قتیل شفائی	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۵
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	محمد مصطفیٰ معصوم ہاشمی (نوشاد نوری)	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ابوالفیض سحر	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	اسعد بدایونی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	افسر الدولہ فیاض الدین حیدر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	امیر قزلباش	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ایوب جوہر	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	بھیشم ساہنی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	پروفیسر آل احمد سرور	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	پروفیسر ظہیر احمد صدیقی	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	پروفیسر علی محمد خسرو	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹

عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	پروفیسر قاضی انصار الحق نجمی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	حمید الماس	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	حمیدہ بیگم سلطان	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ڈاکٹر ابن فرید	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ڈاکٹر سعید عارفی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ڈاکٹر ضیاء الدین ڈیسائی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ڈاکٹر محب احمد	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	زہرا داؤدی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	سید شاہ ضیاء الرحمٰن	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۴
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	سید شاہ مشتاق احمد	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	سید ضیاء الحسن ندوی	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	شارق جمال ناگپوری	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	شام بارکپوری	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	شبیر حسن خاں غوری	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	صہبا لکھنوی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	عبدالقوی ضیاء	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	عبداللطیف اعظمی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	غلام الثقلین	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	قاضی مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	کرشن بہاری نور	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	کیفی اعظمی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	مجاز جے پوری	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	محمد معین انصاری	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	مصور سبزواری	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	مولانا ارشد القادری	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	مولانا محمد تسلیم سدھولوی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	والی آسی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	وفا ملک پوری	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۰
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ہری ونش رائے بچن	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۵
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	ہیرانند سوز	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	پروفیسر داؤد اختر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	جون ایلیا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	ڈاکٹر عبدالغفار انصاری	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹

عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	سریندر پرکاش	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	سید اختر الاسلام	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	سید محمد جعفر فرید سلفی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	عبدالجلیل بسمل	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	ابراہیم سلیمان سیٹھ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	ابوالخیر کشفی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	احمد حسن چونچوں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	احمد ندیم قاسمی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	احمد یوسف	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	استاد بسم اللہ خاں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	امرتا پریتم	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	انور شیخ	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	انور صدیقی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	آمنہ ابوالحسن	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	بہزاد فاطمی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	بے حس الہ آبادی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	پروانہ ردولوی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر اظہر قادری	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر اعزاز افضل	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر امیر عارفی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر ایم صدر الدین	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر آغا عماد الدین	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر جگن ناتھ آزاد	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر خورشید الاسلام	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر سید شاہ طیب ابدالی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر عبدالمغنی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر عتیق احمد صدیقی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر عنوان چشتی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر فصیح احمد صدیقی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر گیان چند جین	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر محمد مطیع الرحمن	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر نادم بلخی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر نثار احمد فاروقی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۴

منصور عمر، ڈاکٹر	حسنین سید جامعی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	حفیظ بنارسی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	خورشید جہاں	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	ڈاکٹر ظفر حمیدی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	ڈاکٹر ظہیر ناشاد ور جھنگوی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	ڈاکٹر فہیم اعظمی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	ڈاکٹر معین احسن جذبی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	ڈاکٹر ملک راج آنند	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	رشید حسن خاں	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	رفیق زکریا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	ساغر خیامی	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	سنیل دت	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	سید عثمان اللہ ندیم	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	شاداں فاروقی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	شان الحق حقی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	شاہ فہد	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	شاہد کلیم	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	شبیر احمد	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	شوکت صدیقی	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	صدام حسین	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	عامر صدیقی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	عرفان صدیقی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	عزیز بانو داراب وفا	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	عزیز بگھروی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	عفت موہانی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	علی جواد زیدی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	غلام سرور	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	فیروزہ جعفر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۳
منصور عمر، ڈاکٹر	قاضی سلیم	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹
منصور عمر، ڈاکٹر	قرۃ العین حیدر	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	قمر توحید	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	قیصر الجعفری	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	کملیشور	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲

منصور عمر، ڈاکٹر	مائل ملیح آبادی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	مبارک شمیم	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	محافظ حیدر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	مشفق خواجہ (خامہ بگوش)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	منیر فاروقی	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	مولانا اسعد مدنی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	مولانا شبنم کمالی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	مولانا عبدالکریم پاریکھ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	مولانا عبداللہ عباس ندوی	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	مولانا مختار احمد ندوی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۲
منصور عمر، ڈاکٹر	نسیم آذر	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	نظر برنی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	نقی احمد ارشاد	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۴
منصور عمر، ڈاکٹر	نوشاد (موسیقار)	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۲
منصور عمر، ڈاکٹر	وہاب دانش	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱
منصور عمر، ڈاکٹر	یاسر عرفات	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۳

کالم

کالم نویس	کالم	شمارہ	صفحہ
پرکاش فکری	گفتنی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۴
پرکاش فکری	گفتنی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۲۱
پرکاش فکری	گفتنی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۲۰
حیدر قریشی	منظر اور پس منظر (انڈو پاک مسائل اور مستقبل)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۳۸
خشونت سنگھ	خشونت سنگھ اپنے کالم میں: دی جنگل رولس	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۹۶

گوشۂ پروفیسر منصور عمر (مرحوم)

مضمون نگار/شاعر	مضمون/نظم/قطعہ/سوانحی کوائف	شمارہ	صفحہ
ادارہ	سوانحی کوائف: ڈاکٹر منصور عمر	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۲۳
امام اعظم، ڈاکٹر	پھول مرجھا گئے، خوشبو کا سفر جاری ہے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۲۲
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر منصور عمر کی تنقید نگاری	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۳۹
خالدہ پروین رعنا	پروفیسر منصور عمر کی یاد میں	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۳۸
رئیس انور، پروفیسر	منصور عمر: یادوں کی بستی میں	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۳۲
شاکر خلیق، پروفیسر	آہ منصور عمر (بقید صنعت توشیح)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۴۶
ظہیر صدیقی	قطعہ تاریخ وصال پروفیسر منصور عمر	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۴۷
عبدالمنان، پروفیسر	"گرم سوچ کا لہو" ایک تجزیہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون 2015ء	۱۲۸

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
عبدالحق امام، ڈاکٹر	قطعات	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۴۷
عبدالحق امام، ڈاکٹر	برسانحۂ ارتحال جناب منصور عمر (بقید صنعت توشیح)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۴۷
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	قطعۂ تاریخ وفات	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۴۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	نقد ادب کا ایک توانا قلم کار: منصور عمر	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۳۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	منصور عمر کا جمال آشنا شعری افق	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۲۳
منصور عمر، ڈاکٹر	فلسطین (نظم)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۴۵
منور عالم راہی	ڈاکٹر منصور عمر کے انتقال پر (قطعہ)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۴۶

گوشۂ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
ابوذر ہاشمی	قاضی صاحبؒ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۹۰
امام اعظم، ڈاکٹر	پیکر علم وادب حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۰۳
امام اعظم، ڈاکٹر	سوانحی خاکہ: ایک نظر میں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۷۸
اے۔ یو۔ آصف	قاضی صاحبؒ: اردو ادب اور میڈیا	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۸۷
صفی اختر	قاضی صاحبؒ اپنے گھر میں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۹۷
منصور عمر، پروفیسر	اک فقیہ مفتخر (قاضی مجاہد الاسلام قاسمیؒ کی نذر)	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۸۳

گوشۂ خورشید اکبر

قلم کار	سوانحی خاکہ/مضمون/تاثرات/تضمین بر غزل	شمارہ	صفحہ
ابوذر ہاشمی	''فلک پہلو میں'' خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۲۱
احسان ثاقب	تضمین بر غزل خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۳
امام اعظم، ڈاکٹر	تضمین بر غزل خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۳
امام اعظم، ڈاکٹر	نئے ڈکشن کا شاعر: خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۰
انیس صدری، ڈاکٹر	تضمین بر غزل خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۳
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	تاثرات	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۶
ایم اے ضیاء، پروفیسر	تضمین بر غزل خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۳
حسن امام درد	تضمین بر غزل خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۳
زہرہ شمائل، ڈاکٹر	سوانحی خاکہ: خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۲۳
سید منظر امام، پروفیسر	خورشید اکبر اپنے ہم عصروں میں سب سے ممتاز	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۲۵
شکیل احمد سلفی	خورشید اکبر کی شاعری عصری حسیات کی ترجمان	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۲۷
فیاض احمد وجیہ	کیا کیا خطوط کاتب نایاب نے چنے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۳۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	خورشید اکبر کی شاعری (''فلک پہلو'' کے ....)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۳۵
محمد سالم (مترجم)	خورشید اکبر کی غزلوں کے چند منتخب اشعار	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۲۹
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تضمین بر غزل خورشید اکبر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۶۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	خورشید اکبر کی غزلوں میں عصری رجحان کی عکاسی	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۲۶

مضمون نگار/شاعر	مضمون/نظم	شمارہ	صفحہ
منظر اعجاز، ڈاکٹر	"بدن کشتی بھنور خواہش": ایک تجزیاتی مطالعہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۳۱
وصیہ عرفانہ	حسرت شعر کو تھی ان چھوٹے لہجے کی تلاش......	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۵۴

گوشۂ ڈاکٹر سید تقی عابدی

مضمون نگار/شاعر	مضمون/نظم/سوانحی کوائف	شمارہ	صفحہ
احسان ثاقب	ڈاکٹر سید تقی عابدی کے لئے (منظوم)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۱۱
ادارہ	سوانحی کوائف: سید تقی عابدی	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۸۸
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر سید تقی عابدی کی شاہکار تحقیق وتدوین......	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۰۴
امام اعظم، ڈاکٹر	ڈاکٹر سید تقی عابدی: اقبال اور غالب کے مخفی گوشے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۰۸
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	'رہ گئے تھے رخ جو تاریکی میں اب روشن ہوا'	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۹۴
رشید گل، ڈاکٹر	ڈاکٹر سید تقی عابدی کا جویان علم اور......	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۹۷
سید تقی عابدی، ڈاکٹر	اردو کے عصری تقاضے اور اردو کی صورت حال	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۱۴
سید تقی عابدی، ڈاکٹر	حالی کی صد سالہ سالگرہ کا آنکھوں دیکھا حال	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۱۵
سید تقی عابدی، ڈاکٹر	"جاوید نامہ" انسان سازی کا زندہ جاوید شاہ کار	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۱۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	دیوان رباعیات انیس اور ڈاکٹر سید تقی عابدی	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۰۱
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	علامہ اقبال کے سلسلے میں سید تقی عابدی......	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۸۹

گوشۂ سیّد منظر امام: ایک مطالعہ

قلم کار	مضمون/کہانی/غزل/نظم	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	سیّد منظر امام: تری تحریر سے خوشبو چھوٹے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۱
سیّد منظر امام	جب تک ترا خیال شریک سفر نہ تھا (غزل)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۸
سیّد منظر امام	گیت بے کیف ہے جب تک نہ...... (کہانی)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۴
سیّد منظر امام	"ورد خوشبوؤں کا" (نظم)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۸
سیّد منظر امام	"گمشدگی" (نظم)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۸
سیّد منظر امام	کچھ اپنے بارے میں	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۷۸
عبدالمنان طرزی، ڈاکٹر	سیّد منظر امام (منظوم)	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۰
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	سیّد منظر امام کی تخلیقی انفرادیت	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۷۹

گوشۂ صلو چودھری (خصوصی تعارف)

قلم کار	مضمون/تاثرات/نظم	شمارہ	صفحہ
احسان ثاقب	منظوم "بھگوت گیتا" کیلئے منظوم احساسات	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۲۲
امام اعظم، ڈاکٹر	تاثرات	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۰۸
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	صلو چودھری کے ترجمہ گیتا کی افادیت	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۱۴
رئیس انور، پروفیسر	'بھگوت گیتا' کا منظوم ترجمہ از صلو چودھری	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۱۱
شاکر خلیق، پروفیسر	بھگوت گیتا کا منظوم اردو ترجمہ اور صلو چودھری	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۰۷
عبدالصمد، ڈاکٹر	بھگوت گیتا کا اردو قالب: ایک تخلیقی کارنامہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۰۹

مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	گیانوں کا گیان اور بھیدوں کے بھید	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۱۸
محمد آفتاب عالم	عالمی شہرت یافتہ شخصیت صلو چودھری.....	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۲۳
منصور عمر، ڈاکٹر	صلو چودھری (بقید صنعت توشیح مکرر)	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۳۱
منصور عمر، ڈاکٹر	صلو چودھری (بقید صنعت توشیح)	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۳۱

گوشۂ وسیم بریلوی

مضمون نگار	مضمون/سوانحی خاکہ	شمارہ	صفحہ
احمد معراج	وسیم بریلوی: زمین شاعری میں آسمان ہونے والا شاعر	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۰۶
ادارہ	سوانحی خاکہ	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۹۲
اسلم چشتی	نئی کلاسیکل غزل کا نمائندہ شاعر: وسیم بریلوی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۰۴
امام اعظم، ڈاکٹر	وسیم بریلوی کی غزلوں میں رومانیت کی عکاسی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۱۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	وسیم بریلوی کی نظمیہ شاعری میں تخلیقی آگہی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۹۳
نذیر فتح پوری	وسیم بریلوی غزل کے حوالے سے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۹۹

گوشۂ وہاب قیصر

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	ادب میں سائنس کا رمز شناس: وہاب قیصر	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۱۱
شکیل احمد سلفی	وہاب قیصر کی غالب شناسی (ادب میں،.....)	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۱۶
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	پروفیسر وہاب قیصر ("غالب اور سائنس".....)	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۹۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	ڈاکٹر وہاب قیصر: مطالعہ آزاد کا ایک معتبر نام	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۱۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	غالب کا سائنسی شعور اور وہاب قیصر کی سائنٹفک تنقید	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۰۰
منصور عمر، ڈاکٹر	سائنس اور غالب: ایک جائزہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۰۷

گوشۂ یسین احمد

مضمون نگار	مضمون/سوانحی خاکہ	شمارہ	صفحہ
ادارہ	سوانحی خاکہ	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۱۲
امام اعظم، ڈاکٹر	یسین احمد کے افسانوں میں کرب آمیز زندگی کی جھلک	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۳۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سماجی ڈسکورس اور یسین احمد کے افسانے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۲۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	یسین احمد کے افسانوں میں فن اور فکر کے روشن پہلو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۱۳
وصیہ عرفانہ	یسین احمد کے افسانوں کی فکری جہتیں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۱۸

گیت

شاعر	گیت	شمارہ	صفحہ
شبینہ نوشاد	اک آس لئے، اک پیاس لئے	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۸
شبینہ نوشاد	سانجھ ہوئی اور ہوا اندھیرا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۹۸
فراز حامدی، ڈاکٹر	میں ہوں بھارت، بڑی رنگین ہے تصویر مری	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۵
فراز حامدی، ڈاکٹر	اردو گیت (ڈاکٹر امام اعظم کے لئے)	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۸

ماہیے

شاعر	عنوان	شمارہ	صفحہ
اسحاق ملک	ماہیے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۶
اسحاق ملک	ماہیے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۸
غلام مصطفیٰ روحی	ماہیے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۳
فراز حامدی	ماہیے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۵
فراق جلال پوری	ماہیے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۹
گلشن کھنہ	ماہیے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۰

مباحثہ

قلم کار	تحریر	شمارہ	صفحہ
سید محمود احمد کریمی، ایڈوکیٹ	دور بابا ید......	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۵۲
عبدالوہاب، ڈاکٹر	فکر اقبال اور مشرف امام	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۵۹
عظیم صدیقی	حاجی مشرف امام اور فکر اقبال......	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۵۶

مرحوم مخصوص شخصیات

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
احسان ثاقب	حسن امام درد کی رحلت کے تناظر میں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۴۳
احسان ثاقب	نذرانۂ عقیدت (مظہر امام کی وفات کی خبر سن کر)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۷
امام اعظم، ڈاکٹر	تعارف: پروفیسر وہاب اشرفی (مرحوم)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۴۰
امام اعظم، ڈاکٹر	تعارف: حسن امام درد (مرحوم)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۴۲
امام اعظم، ڈاکٹر	تعارف: ڈاکٹر ایم اے ضیاء (مرحوم)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۹
امام اعظم، ڈاکٹر	آپ کو میرے تعارف کی ضرورت کیا ہے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۲
ایم اے ضیاء، ڈاکٹر	غزلیں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۹
ثوبان فاروقی، پروفیسر	نوحۂ تاریخی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۸
جمال احمد جمال مروتی والا	گہری نیند میں وہ سو گیا مظہر امام (منظوم)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۷
حسن امام درد	غزلیں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۴۲
حلیم صابر	''آہ! حسن امام درد'' (قطعہ)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۴۳
سفیر الدین کمال	قطعات تاریخ بر وفات حسن امام درد	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۴۳
عبدالمنان طرزی، پروفیسر	قطعۂ تاریخ وفات: جناب مظہر امام	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۶
عاقمہ شبلی	برج شرف مظہر امام (منظوم)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۵
محمد یوسف خورشیدی، پروفیسر	اہل قلم ...... مظہر امام	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	آزاد غزل نذر مظہر امام	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۸
منصور عمر، پروفیسر	قطعۂ تاریخ بر وفات مظہر امام (بقید صنعت توشیح)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۶
نجم عثمانی	قطعات (نامور شاعر مظہر امام کے انتقال پر)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۵

مضامین

اقبال انصاری	منظر شہاب کے ''مجروح پرندے کی صدا''	اکتوبر ۲۰۰۷ تا جون ۲۰۰۸ء	۹۳
اقبال انصاری	وہ دن بہت دور نہیں	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۴۱
اکمل یزدانی جامعی	سو سال پہلے کا کلکتہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۳۵
الطاف انجم	اقبال تنقید: مسائل اور مضمرات	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۲۱
امام اعظم، ڈاکٹر	ارشد مینا نگری کی تخلیقی بصیرت ''ماں'' کے آئینے میں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۸۸
امام اعظم، ڈاکٹر	ناول ''چار رنگ کی کشتی'' میں عورتوں کے مسائل	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۲۹
امام اعظم، ڈاکٹر	اقلیتی طبقہ کا واحد روشن خیال رہنما: محمد علی اشرف فاطمی	اکتوبر ۲۰۰۷ تا جون ۲۰۰۸ء	۱۱۳
امام اعظم، ڈاکٹر	آخری سواریاں: اردو ناول نگاری کا ٹرننگ پوائنٹ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۲۸
امام اعظم، ڈاکٹر	پروین شاکر کی نسائیہ شاعری	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۵۹
امام اعظم، ڈاکٹر	زندگی کے تلخ حقائق کا شاعر: احمد فراز	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۹۳
امام اعظم، ڈاکٹر	ساحر لدھیانوی: حیات اور شاعری کا اجمالی جائزہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۳۲
امام اعظم، ڈاکٹر	سید منظر امام: تری تحریر سے خوشبو پھوٹے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۱۵
امام اعظم، ڈاکٹر	عکس ہستی کا شاعر: ڈاکٹر وقار صدیقی	اکتوبر ۲۰۰۷ تا جون ۲۰۰۸ء	۹۹
امام اعظم، ڈاکٹر	متھلا میں اردو صحافت	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۵۹
امام اعظم، ڈاکٹر	ملی جذبہ سے سرشار مرد مجاہد: محمد ظفر المنان ظفر فاروقی	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۰۰
امام اعظم، ڈاکٹر	منظومہ کے موجد: انور مجیخ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۳۶
امام اعظم، ڈاکٹر	فروغ اردو کی علامت: حمید اللہ بھٹ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۳۹
امام اعظم، ڈاکٹر	لسانی جامعات اور فاصلاتی تعلیم: اردو زبان کے حوالے سے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۲۸
امام اعظم، ڈاکٹر	پروفیسر احمد سجاد کی تنقید میں متاع دین و دانش	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۲۴
امام اعظم، ڈاکٹر	وہ جو بچھڑ گئے: مظہر امام	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۳۰
انجم عظیم آبادی	ابراہیم ہوش: شخص و شاعر اور صحافی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۳۱
انوار الحسن وسطوی	سید عبد الرافع: یادوں کے آئینے میں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۵۶
انیس صدری، ڈاکٹر	سمستی پور: ماضی کے آئینے میں (قسط-۳)	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۸۱
انیس صدری، ڈاکٹر	نواب بریول: متھلا کا استعارہ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۹۹
ایس ایم ایوذر	'ایڈس' ایک تجزیاتی مطالعہ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۲۹
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	بنگال کے اردو ادب کی ارتقاء کا سنگ میل......	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۵۹
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	شکری جو ایک گاؤں تھا متھلا میں انتخاب	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۹۱
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	متھلا کی ایک بستی ہر سنگھ پور کی مذہبی و علمی شخصیتیں	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۱۰
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	ادب و تہذیب اور علم و عرفان کا مرکز: گنگوارہ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۱۷
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	شورش موج تخیل اور رم فکر کا شاعر: منظر شہاب	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۵۳
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	ثناء الہدیٰ قاسمی کی تنقیدی بصیرت	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۰۲
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	''میری یادیں'' میری نظر میں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۲۲
ایم نصر اللہ نصر	ایم احمد مجتبیٰ اور ان کی کتاب 'جزائر انڈمان......	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۷۸

مضمون نگار	عنوان	شمارہ	صفحہ
شاداں پروین	اردو کے ایک اہم تخلیقی نثر نگار شمیم مظفر پوری	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۱۸
شاکر خلیق، پروفیسر	فلم انڈسٹری کے فروغ میں اردو کا حصہ	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۵۴
شاکر خلیق، پروفیسر	متھلانچل میں قومی یکجہتی	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۴۳
شاکر خلیق، پروفیسر	لطیف بود حکایت دراز تر گفتم	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۴۰
شائستہ انجم نوری، ڈاکٹر	کچھ منور رانا کی 'ماں' کے بارے میں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۶۰
شائق احمد یحییٰ، پروفیسر حافظ	پروفیسر شاکر خلیق: کامیاب استاد......	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۹۵
شاہد اقبال	اکیسویں صدی میں مغربی بنگال میں اردو ناول	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۹۹
شبانہ خاتون شمن، ڈاکٹر	مناظر عاشق ہرگانوی کی تحریری جہت	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۹۴
شبانہ خاتون شمن	منٹو: ایک منفرد افسانہ نگار	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۷۲
شکیل احمد سلفی	عہد اسلامیہ میں دربھنگہ: ایک نئے جہان کی بازیافت	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۰۷
شکیل الرحمٰن، پروفیسر	فرصت کہاں کہ تیری تمنا کرے کوئی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۲۷
شگفتہ یاسمین، ڈاکٹر	غالب کی شاعرانہ عظمت	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۳۸
شمس جلیلی، ایڈوکیٹ	پورنیہ کی مختصر ادبی، تہذیبی اور ثقافتی تاریخ	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۸۴
شمس فریدی	اور پھر بیاں اپنا: ایک جائزہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۳۹
شیخ عقیل احمد، ڈاکٹر	مغیث الدین فریدی کی منقبتی شاعری	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۹۱
ش م عارف ماہر آروی	کلیم عاجز کی کہانی، ان کی اور میری زبانی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۸۴
صفی اختر	عالمانہ بصیرت کے نئے امیر: مولانا سید......	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۰۰
صفی اختر	علم و عمل کا گہوارہ: مہدولی، دربھنگہ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۱۴
ضیاء اللہ	شاعری کی وجودیاتی تشکیل میں تخیل کا تفاعل	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۰۵
ظفر آغا	فاطمی کمیٹی سفارشات: تجزیاتی مطالعہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۴۶
ظہیر حسن ظہیر	اردو فکشن تنقید اور ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۱۵
عبد الرحمٰن عبد	پرویز شاہدی: ایک فراموش شدہ شاعر	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۰۴
عبد الرشید خاں، ڈاکٹر	فاصلاتی تعلیم اور حوا کی بیٹی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۱۱
عبد السلام عارف	افسانے کا فن اور خواجہ احمد عباس کے......	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۵۸
عبد الغفور، حافظ منشی	حامیان اردو کی خدمت میں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۹۹
عبد الغفور منشی	بچوں کو مارے نہیں پیار سے پڑھائیں	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۸۹
عبد المنان، پروفیسر	اشرف واعلیٰ شخصیت کے تنقیدی زاویے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۷۷
عبد المنان، پروفیسر	پروفیسر محمد محفوظ الحسن کی رشحات فکر پر ایک نظر	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۳۸
عبید الرحمٰن، ڈاکٹر	''انداز بیاں اور'' ایک نظر میں	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۳۴
عدیلہ نسیم	شاکر کریمی کا افسانہ 'انہونی بات' ایک تجزیاتی مطالعہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۱۰
عذرا مناظر	مناظر عاشق ہرگانوی کے افسانے میں......	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۸۹
عروسہ یاسمین زیبا	اردو میں خاکہ نگاری	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۳۸
عشرت بیتاب، ڈاکٹر	سرور عثمانی: یادیں، باتیں اور تحریریں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۹۲

محمد سالم	نئی سمت: نئے تقاضے	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۱۲
محمد سمیع	ذکی احمد کی شاعری	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۷۵
محمد ظفیر الدین انصاری، ڈاکٹر	فورٹ ولیم کالج کی ادبی خدمات	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۱۲
محمد عاصم رضوی	سید امین اشرف کی غزل ایک مطالعہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۵۰
محمد غیاث الدین، ڈاکٹر	عصمت چغتائی: ایک باغی افسانہ نگار	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۴۱
محمد محفوظ الحسن، پروفیسر	اکیسویں صدی میں اردو تحقیق کو درپیش چیلنجز	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۳۶
محمد مشرف امام	ہر کہ او دعوئ ہستی می کند: آشکارا بت پرستی می کند	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۳۲
محمد مطیع الرحمن، پروفیسر	سانحۂ بابری مسجد اور منصور عمر	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۴
محمد منصور عالم، پروفیسر	خواجہ خلیق	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۳۸
محمد نسیم، ڈاکٹر	فراق کا احساس عظمت آدم	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۰۰
محمد ولی رحمانی، مولانا	کیا ۱۸۵۷ء کی جدوجہد 'پہلی جنگ آزادی' تھی؟	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۸۹
مرزا اصبا عالم بیگ، ڈاکٹر	علامہ اقبال اور عشق رسولؐ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۰۳
مرزا اصبا عالم بیگ، ڈاکٹر	اردو میں خاکہ نگاری	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۸۹
مسرت جہاں	اقبال انصاری کی ناول نگاری ('اکیلی' کے ......)	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۷۴
مشتاق احمد حاجی پوری	پروفیسر آل احمد سرور یادوں کے آئینے میں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۳۸
مشرف امام، حاجی	میری نظر میں "فکر اقبال پر ایک تنقیدی نظر"	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۳۵
مشرف عالم ذوقی	انیسواں ادھیائے: مذہب کا جبر یا تسلی خدا کی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۳۷
مظفر مہدی، ڈاکٹر	پروفیسر ابوذر عثمانی پر ایک نظر	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۳۶
مظہر امام	دربھنگے میں اردو ادبی صحافت	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۸
ملک زادہ جاوید	بشیر بدر: انسان کا انسان، تماشے کا تماشہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۴۴
ملک مقبول احمد	پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی: شناسا ادبی چہرہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۶۱
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	تنقید کے نئے میلان کے نقیب: انظام صدیقی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۳۱
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	سید محمد اشرف کے ناول "آخری سواریاں"	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۲۳
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	صدیق عالم کی نظموں میں فعال کائنات کی شیشہ گری	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۹۶
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	ابواللیث جاوید کے افسانوں میں ضمیر کا پنچھی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۷۳
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	ایک لہر نئی نئی-۱۷	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۵۱
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	ایک لہر نئی نئی-۱۹	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۴۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۱۳۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	بند آنکھوں کا تماشہ دیکھنے والے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۲۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۲	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۳۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۱۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۰	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۲۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۱	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۴۰

مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۲	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۳۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۳	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۲۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۳	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۱۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۴	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۳۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۴	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۱۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۵	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۳۱
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۵	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۲۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۱۶	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۴۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۶	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۳۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۷	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۳۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۸	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۳۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ایک لہر نئی نئی-۹	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۳۰
منصور عمر، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت-۲	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۳۳
منصور عمر، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت (آخری قسط)	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۴۳
منصور عمر، ڈاکٹر	اکیسویں صدی میں دربھنگہ کی ادبی پیش رفت (قسط-۱)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۳۳
منصور عمر، ڈاکٹر	انیس رفیع کا افسانوی سفر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۱۷
منصور عمر، ڈاکٹر	متھلا میں اردو شاعری	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۵۵
منظر سلیمان، ڈاکٹر	اردو اور میتھلی کا باہمی رشتہ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۷۰
منظر شہاب	ودیاپتی: میتھلی ادب کا عظیم فن کار	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۴۵
منظر شہاب	''رفتگاں و قائماں'' کا میزانی مطالعہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۲۱
منیر سیفی	میخانۂ اردو کا پیر مغاں: نارنگ ساقی	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۵۵
منیزہ احتشام	نالۂ شب گیر: مختصر تجزیہ	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۱۸۶
مہر النساء	اردو میں جاسوسی ادب	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۴۵
میمونہ بیگم	پریم چند کی تخلیقات میں گاندھیائی نظریات کی نمائندگی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۴۷
ندیم احمد، ڈاکٹر	جگر اور ان کی عشقیہ شاعری	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۷۸
نزہت جبیں	ڈاکٹر شعیب راہی: حیات اور ادبی خدمات	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۵۵
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	اردو افسانے پر علاقائی لسانی اثرات (قسط-۱)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۴۸
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	اردو افسانے پر علاقائی لسانی اثرات (آخری قسط)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۳۷
نعمان شوق	لیبارٹری: جلتے ہوئے گجرات کی کہانی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۴۵
نقشبند قمر نقوی بخاری	ضابطۂ سخن	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۱۵۱
نوشابہ پروین، ڈاکٹر	اقبال شخصیت اور شاعری	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۷۱
نوشین بیگم	ایک منفرد لب و لہجے کا شاعر: جوش ملیح آبادی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۱۸۱
نیاز احمد	طلمل اور یکبہ کی ادبی، تہذیبی اور سیاسی خدمات	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۰۶

نیر جہاں	پانچویں درویش کا ادھورا قصہ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۰۵
وصیہ عرفانہ	مناظر عاشق ہرگانوی اور بچوں کا جاسوسی ادب	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۳۹
وصیہ عرفانہ	اردو افسانے کی باغیانہ آواز: عصمت چغتائی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۹۳
ہاجرہ بانو، ڈاکٹر	غالب کا عقیدہ اور گوپی چند نارنگ کی......	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۱۷۸
یاسمین خاتون	نظم ''تثلیث حیات'': ایک جائزہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۲۲
یونس حسن	شاعر علی شاعر کے ناولٹ......	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۹۶

مکالمہ

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
اندر سنگھ ورما	ایک مکالمہ مدیر کے ساتھ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹۱
تشنہ اعجاز	مکالمہ مدیر کے ساتھ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۹۵

مکتوب / خط

مکتوب نگار	مکتوب الیہ	شمارہ	صفحہ
ارشد جمیل، ڈاکٹر	بنام پروفیسر لطف الرحمٰن	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۳۵
علامہ شبلی	ڈاکٹر امام اعظم کے نام	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۳
محمد ولی رحمانی، مولانا	ڈاکٹر امام اعظم کے نام	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۴۲
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۳۸
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۳۳
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۳
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۱
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۳۸
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۵۰
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۱۳
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۲
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۶
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۴۳
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۹
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جنوری تا جون ۲۰۰۷ء	۲۴
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۵
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۱۶
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۲۸
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۴
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۲۳

نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۵
نظیر صدیقی، پروفیسر	ڈاکٹر امام اعظم کے نام مکتوب	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۶

مکرولی

شاعر	مکرولی	شمارہ	صفحہ
انور شیخ	نسوانی جال	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۰

ملاقات

ملاقاتی	عنوان	شمارہ	صفحہ
عظیم صدیقی	رالف رسل-ایک یادگار شام	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۷

نادر تحریر

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
مولانا مقبول احمد خاںؒ	خطبہ صدارت سے چند سطور	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۳۶

نظر اپنی اپنی (تبصرے)

مبصر	کتاب	شمارہ	صفحہ
ابواللیث جاوید	ارتکاز	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۲
ابواللیث جاوید	جہاں تک روشنی ہوگی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۳
ابواللیث جاوید	چینی کوٹھی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۴
ابواللیث جاوید	ساغر نظامی کی نثر نگاری	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۶
ابواللیث جاوید	سفر آخری	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۵
ابواللیث جاوید	طبیب، طب اور صحت	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۴
ابواللیث جاوید	گیسوئے تنقید	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۳
ابواللیث جاوید	مولانا ابوالکلام آزاد-افکار و نظریات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۵
ابواللیث جاوید	نسخہ ہائے درد دل	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۸
ابواللیث جاوید	نئی بستی کا رزمیہ اور دیگر افسانے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۱
ابواللیث جاوید	اردو میڈیا-کل آج کل	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۲۹
ابواللیث جاوید	ارشد مینا نگری کی شاعری کے نئے اُفق	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۱
ابواللیث جاوید	بے نام شجر	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۷۶
ابواللیث جاوید	پشاور کی کہانیاں اور نذیر فتح پوری	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۰
ابواللیث جاوید	تحریر	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۵
ابواللیث جاوید	تذکیر	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۵
ابواللیث جاوید	جنوں خواب	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۲
ابواللیث جاوید	چینی ادب پر ہندوستانی ادب کے اثرات	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۲۱
ابواللیث جاوید	حصار درد	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۵۹
ابواللیث جاوید	ذرّے کا تکوّن	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۶

ابواللیث جاوید	شعور و سرور	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۴۴
ابواللیث جاوید	عورت	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۹۳
ابواللیث جاوید	فکر و نظر	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۹
ابواللیث جاوید	قربتوں کی دھوپ	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۹
ابواللیث جاوید	کوئی چاند نہیں تھا سر آسماں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۴۳
ابواللیث جاوید	مہاسے دھجا کے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۸
ابواللیث جاوید	نامۂ نظیر	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۴۰
ابواللیث جاوید	نصف ملاقات	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۹۱
احسان عالم، ڈاکٹر	حاصل مطالعہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۸
احمد معراج	ادراک	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۶
احمد معراج	اردو غزل پر ترقی پسند ادبی تحریک کے اثرات	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۹۰
احمد معراج	آدمی لہولہو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۹۱
احمد معراج	بازگشت	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۵۴
احمد معراج	بھیگی بھیگی رات	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۴
احمد معراج	تاریخ کوروڈیہہ (بھاگلپور) جلد دوم	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۳
احمد معراج	تفہیم و تعبیر	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۱
احمد معراج	حیات عبدالرحمٰن	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۷
احمد معراج	خندۂ برگ نیم	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۷
احمد معراج	رباعیات پرویز شاہدی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۹۲
احمد معراج	سرد موسم کی ہوا	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۵
احمد معراج	سفر کے اڑتالیس دن	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۵
احمد معراج	مکتوبات مشاہیر	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۴
احمد معراج	ندی کا جب کنارہ ڈوبتا ہے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۶
احمد معراج	وقار علم و حکمت: کوثر چاندپوری	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۵
ارشد محمود	لہو شب	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۱۹
اسرار اکبرآبادی	عکس جمال	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۷
اسلم چشتی	''تمثیل نو'' دربھنگہ (جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۶۷
اشرف احمد جعفری	جدیدیت اور اردو افسانہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۳۸
اشرف احمد جعفری	شاکر کلکتوی: حیات و خدمات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۴۳
اشرف احمد جعفری	کلام فضلی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۸۰
اشرف احمد جعفری	متاع لوح و قلم	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۱۷
اشرف احمد جعفری	مطالعہ ابوالکلام آزاد اور وہاب قیصر	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۱۸
اشرف احمد جعفری	میں اور میری صحافتی زندگی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۷۴

اشرف احمد جعفری	وہ آئے شہر میں میرے: ایک تجزیاتی مطالعہ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۱۶
اظہار خضر	سہ ماہی "اور اک" "گوپال پور" حنیف نقوی نمبر	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۳
اقبال انصاری	جدید افسانہ: چند صورتیں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۸
اقبال انصاری	واڈریمی ٹریولر (انگریزی)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۶
اقبال انصاری	لائف آف دی پرافٹ محمد ﷺ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۷۸
اقبال انصاری	مولانا عبدالعلیم آسی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۹۸
امام اعظم، ڈاکٹر	اردو شاعری اور نسائی حسیت	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۳
امام اعظم، ڈاکٹر	اردو صحافت بہار میں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۵
امام اعظم، ڈاکٹر	اردوئے معلّٰی کی ادبی خدمات	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۹
امام اعظم، ڈاکٹر	اندھیرے کا کرب	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۶
امام اعظم، ڈاکٹر	جوہر اقبال	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۳۳
امام اعظم، ڈاکٹر	چہرے یاد رہتے ہیں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۰
امام اعظم، ڈاکٹر	روشنی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۶
امام اعظم، ڈاکٹر	سرسیّد اور چند نامور شخصیتیں	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۳۳
امام اعظم، ڈاکٹر	فلک پہلو میں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۷
امام اعظم، ڈاکٹر	قلم جاگ رہا ہے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۹
امام اعظم، ڈاکٹر	گمنام جزیروں کی تمکنت	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۱
امام اعظم، ڈاکٹر	لالچی ہیرا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۶
امام اعظم، ڈاکٹر	مناظر عاشق ہرگانوی: کثیر الجہت فن کار	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۴
امام اعظم، ڈاکٹر	مولانا آزاد کے سائنسی مضامین	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۸
امام اعظم، ڈاکٹر	اصطلاحات نقد و ادب	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۰۹
امام اعظم، ڈاکٹر	اظہر عنایتی: ایک سخنور	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۳
امام اعظم، ڈاکٹر	اعزاز افضل: فن اور فن کار	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۹
امام اعظم، ڈاکٹر	الفاظ کے سائے	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۶
امام اعظم، ڈاکٹر	آنند ورحسن اور ان کی شعریات	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۷
امام اعظم، ڈاکٹر	بوسۂ غم	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۹۳
امام اعظم، ڈاکٹر	بہار ایجاد	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۹۴
امام اعظم، ڈاکٹر	بہار نو بہار	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۱۱
امام اعظم، ڈاکٹر	پریم چند اور لوشن	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۸۰
امام اعظم، ڈاکٹر	ترانۂ بیداری	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۰۶
امام اعظم، ڈاکٹر	ٹھہری ہوئی دھوپ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۹۰
امام اعظم، ڈاکٹر	جدید عربی ادب	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۸۳
امام اعظم، ڈاکٹر	جمال دوست	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۸

ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	دوہا غزل - دوہا گیت	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۷
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	دوہا غزل - دوہا گیت	جولائی ۲۰۰۸ء مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	ساحر شیوی: کوکن کا شش جہاتی فن کار	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	ساز و راز	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۵
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	ساز و مضراب	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	سبز آتش	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۷۶
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	سقراط سے شیخ چلی تک	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۵
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	سمندر کی لہریں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۹
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	سید سعادت علی خاں: شخصیت اور شاعری	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	شکست کی آواز	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۳۳
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	شبر نامہ	جولائی ۲۰۰۸ء مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸۵
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	فن اور فنکار: علیم اللہ حالی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	قاضی عبدالودود کی علمی اور ادبی خدمات	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۸۶
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	قطرے قطرے سے بنا سمندر	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۹
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	قوام العقائد (سیر الاولیاء)	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۵
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	کلام رازی اور صنائع و بدائع	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۵
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	کھلے الفاظ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۰۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	کیفی اعظمی: شخصیت، شاعر اور عہد	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۹
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	لفظ، آواز، صورت گری	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۶
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	ماحصل	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۷۲
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	متاع خیر	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۷
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	محبوب امن	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	مرزا یاس یگانہ چنگیزی: حیات اور شاعری	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۷۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	مرکز نگاہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۰۳
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	مطالعے سے آگے	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۷۵
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	مقالات طرزی	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۴
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	منظومات آسی	جولائی ۲۰۰۸ء مارچ ۲۰۰۹ء	۱۷۹
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	مولانا آزاد لائبریری ڈاکومینٹیشن سروس (اردو)	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۸
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	میرے حصے کی روشنی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۷۱
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	میرے خیال میں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۳
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	میر کارواں	جولائی ۲۰۰۸ء مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸۳
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	ندی: تجزیاتی مطالعہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۷۳
ایم.صلاح الدین، ڈاکٹر	نئے اجالے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۹

ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	نیا افسانہ اور عصری حسیت	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۰
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	وشواس گھات	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۸۰
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	وقت کی چاک پر	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۳
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	ویلور تاریخ کے آئینہ میں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۱
ایم صلاح الدین، ڈاکٹر	یادوں کے چراغ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۶
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	ابابیلیں نہیں آئیں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۴
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	اردو شاعری کا احتجاجی شعور	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۵
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	ارمغان سخن	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۱۱
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	پیراہن فکر	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۰
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	چکنے پات	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۱۴
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	خطوط بنام محبوب علی خاں اخگر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۶
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	رباعیات اصغر	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۳
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	شاخ لرزاں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۷
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	شاعری کا سفر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۶
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	شہر جاں کی سرحدیں	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۵
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	عبدالصمد فرد بنام ناول	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۱
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	فن کار کرشن چندر	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۸
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	لفظوں میں احساس	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۷
ایم صلاح الدین، (رام نگری) ڈاکٹر	نگارشات اثر	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۶
ایم کمال الدین، پروفیسر	درد کا سفر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۹۳
ایم کمال الدین، پروفیسر	ردائے ہنر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۴ء	۷۷
ایم نصر اللہ نصر	تنقیدی جہات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۹
ایم نصر اللہ نصر	جوگندر پال کی افسانہ نگاری	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۴۱
ایم نصر اللہ نصر	رموز تحقیق	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۷۱
ایم نصر اللہ نصر	سلسلے اجالوں کے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۷۲
ایم نصر اللہ نصر	شہر افسوس	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۵
ایم نصر اللہ نصر	غالب اور وزرگت	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۴
ایم نصر اللہ نصر	گل کدۂ صبح و شام	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۷
ایم نصر اللہ نصر	گلستان وارث	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۹
ایم نصر اللہ نصر	مناظر عاشق ہرگانوی سے انٹرویوز	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۶۹
ایم نصر اللہ نصر	وہ جو کہہ گئے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۳
حسن الدین احمد	بھگوت گیتا	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۰
حسن امام درد	اپنا مرثیہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۵

حسن امام درد	ہندستان میں گمراہ کن تاریخ نویسی	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۳
حقانی القاسمی	’’تمثیل نو‘‘: مانند شمع، ضوفشاں اور ضیا مبار	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۱۸
حقانی القاسمی	انا کو آنے دو	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۸۰
حلیم صابر	مناظر عاشق ہرگانوی کی ’’آنکھوں دیکھی‘‘: تجزیہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۱
رضوان واسطی	آدھی دنیا (خواتین کے مسائل)	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۹
رفیق شاہین	سمندر سوچتا ہے	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۷۷
رئیس انور، پروفیسر	ہندوستان میں صوبوں کا قیام کا تاریخی ----	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۹۳
رئیس انور، ڈاکٹر	آئینے کا آدمی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۷
رئیس انور، ڈاکٹر	فرد و فن	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۷
زہرہ شمائل، ڈاکٹر	افکار عقیدت	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۹۷
سردار سلیم	انوار خط روشن	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۹
سردار سلیم	حناز ارشوق	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۸۶
سرور کریم، ڈاکٹر	حسن امام درد: احوال و افکار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۳
سرور کریم، ڈاکٹر	غبار سفر	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۱
سرور کریم، ڈاکٹر	مسدس اسلام	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۴
سرور کریم	امعان	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۸
سرور کریم	ایک	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۳
سرور کریم	آرکاٹ، ویلور اور وشارم میں اردو شاعری	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۳
سرور کریم	پانی کا چاند	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۶
سرور کریم	عبدالغفور شہباز	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۷
سرور کریم	کالے پانی کا اجلا سفر	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۵
سرور کریم	کیا رشتہ ہے میرا؟	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۷
سرور کریم	کیف	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۷
سرور کریم	گیسوئے تحریر	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۶
سرور کریم	ہندوستانی فلمیں اور اردو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۸
سعیدہ امان، ڈاکٹر	کرچیوں میں بٹا انسان	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۵۵
سید ایاز احمد روہوی	ایک روٹی سات پہاڑ	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۸۸
سید ایاز احمد روہوی	دعوت فکر و عمل	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۰
سید ایاز احمد روہوی	دیوان اوج	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۸۹
سید ایاز احمد روہوی	سیرت امہات المومنینؓ (حصہ دوم)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۹۱
سید ایاز احمد روہوی	نگارشات محفوظ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۵۴
سید ایاز احمد روہوی	ہم داستان ظلم رقم کرتے رہیں گے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۳۳
سید طاہر محمود، پروفیسر	نذر رفعت سروش	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۴

عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	رباعی ایک عروضی مطالعہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۹۹
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	ستارہ سنگ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۸۹
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	سرگوشی بہاروں کی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۲
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	شگفتلا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۰۲
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	غنچہ پھر لگا کھلنے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۸۳
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	فیض احمد فیض اور ''صلیبیں میرے دریچے میں''	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۹
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	کابوس	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۹۳
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	محمد سالم: شخص اور عکس	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۸۵
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	نارنگ زار	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۸۷
عبیدالرحمٰن، ڈاکٹر	نغمات سوداگر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۹۰
عرش منیر، ڈاکٹر	احساس آئینہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۴
عرش منیر، ڈاکٹر	دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھا؟	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۵
عرش منیر، ڈاکٹر	ل احمد اکبرآبادی: حیات وخدمات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۷۳
عرش منیر، ڈاکٹر	تنقید اور تفہیم	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۸۵
عرش منیر، ڈاکٹر	سیرت امہات المومنینؓ (حصہ-اول)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۸۷
عرش منیر، ڈاکٹر	گورا	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۸۶
عرش منیر	تعارف، تجزیہ، تنقید	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۳۱
عشرت بیتاب، ڈاکٹر	اردو فکشن ہندوستان میں (جلد اول)	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۹
عشرت بیتاب، ڈاکٹر	نثر تحقیق	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۲۷
عظیم شیرازی	مہک ڈائجسٹ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۰۶
علقمہ شبلی	عہد اسلامیہ میں دربھنگہ اور دوسرے مضامین	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۶
فہیم انور	اعتراف (سالانہ مجلہ)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۳۷
فیاض احمد وجیہ	اینٹوں کا جنگل	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۴
فیاض احمد وجیہ	آنگلیو نصاب	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۱۶
فیاض احمد وجیہ	تنقید نما	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۱۴
فیاض احمد وجیہ	چکر	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۳
فیاض احمد وجیہ	حنیف ترین: فن اور شخصیت	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۷
فیاض احمد وجیہ	خیال موسم	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۵
فیاض احمد وجیہ	درد کے درمیان	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۶
فیاض احمد وجیہ	ریزہ ریزہ آئینہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۷
فیاض احمد وجیہ	ستارے ڈوب جاتے ہیں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۸۶
فیاض احمد وجیہ	سلاٹر ہاؤس	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۱۳
فیاض احمد وجیہ	سنسکرت شاعری	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۰۳

مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	انتخاب کلام بیدی حروف تہجی اشعار،......	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۶۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	انجمن ترقی اردو ویشالی کی خدمات (......)	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	انداز بیاں اور	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۰۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	اور کیا ہے نیا کہانی میں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۵۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	ایک ذرا اور	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۱۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	ایک نظم اپنے لئے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	ایک نیا گھونسلا	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۵۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آخری لمس	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۶۴
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آسمان پہچانتا ہے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۲۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آسمان کا لمس	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۲۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آغا حشر کاشمیری حیات اور ڈرامہ نگاری	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۰۰
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آگہی کا سفر	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آہنگ رباعی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۱۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	آہنگ غزل	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۷۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	باران رحمت	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۹۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	بکر کی بیٹی (ترجمہ)	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۶۰
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	بہار کے چند ادبی ستارے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۵۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	بہار میں تخلیقی نثر (آزادی کے بعد)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۵۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	بہار کے چند نامور شعرا (جلد سوم)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۵۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	بہر کیف	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	بی ایس جین جوہر: فن اور شخصیت	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۷۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پت جھڑ کے لوگ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۹۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پرواز	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۰
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پروین شاکر: حیات اور کارنامے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۶۰
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پشتارہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۱۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پل دو پل	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۰۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پونے سے رانچی کا سفر	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۲۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	پھول خوشبو دعا	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۵۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	تتلیوں بھرا آسمان	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۵۰
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	تحفۂ اطفال	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۵۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	تعیین و تدریس	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۱۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	تلگو ادب میں نئے رجحانات	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۰۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	تنقید کا نیا منظر نامہ اور گوپی چند نارنگ	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۱۲

مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	ساحر کی محبتیں، ناکام محبت: تجزیاتی مطالعہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سانجھ بھئی چودیس	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۰۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سائے ببول کے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۲۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سپنوں کا سمندر	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۹۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سخن زار کراچی (کتابی سلسلہ اپریل-جون ۲۰۰۹ء)	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۰۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سفر روشنی کا	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۱۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سمعنا و اطعنا	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سمندر کی آنکھ	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سہ ماہی "اثبات"	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۹۰
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	سہرے کے پھول	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۷۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	شب آفتاب	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۰۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	شعرائے متوسطین	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۶۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	شمس الزماں انصاری: سماجی خدمات اور کارنامے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۲۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	شہر خاموش ہے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۲۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	شیرازی کہانیاں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۶۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	طفلی ترانے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۲۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	عندلیبان غزل (حصہ اول)	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۰۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	عہد رفتہ	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	غیر منقسم بہار میں اردو کے غیر مسلم شعراء......	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۲۳
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	فروغ اقبال	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	فکر تونسوی: حیات و خدمات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۵۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	فلک آہو	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۴۸
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	قربت کی خوشبو	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۷۹
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کاروان گل	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کاروان فکر	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۰۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کتاب الشعر	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کرب حیات	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۴۷
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کرناٹک میں جدید اردو نظم	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۳۶
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کشت دیگراں	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۹۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	کہانی ابھی ختم نہیں ہوئی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۵۲
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	گنگا جمنا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۲۰۱
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	گوالیار اور اردو زبان و ادب	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۳۵
مجیر احمد آزاد، ڈاکٹر	لاوا	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۸۹

محبوب راہی، ڈاکٹر	اردو ادب کے ہمہ جہت قلم کار: ڈاکٹر فراز حامدی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۸
محبوب راہی، ڈاکٹر	سرگوشیاں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹۸
محفوظ الحسن، ڈاکٹر	باغ خوش اسلوب	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۱
محمد جابر زماں	جمال ہم نشیں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۲۱
محمد جابر زماں	محمد خالد عابدی: ایک مطالعہ	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۲۲
محمد علی حسین شائق، ڈاکٹر	تذکرہ مشاہیر ادب، مشرقی گڈھ ۱۷۴۰ء تا ۱۹۶۰ء	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۷
محمد علی حسین شائق، ڈاکٹر	لیکن	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۵
محمد قیس، ڈاکٹر	تلاش منزل	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۸۴
محمد مثنیٰ رضوی، ڈاکٹر	تذکرہ مہدانواں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۸۲
مسرت	اردو کی اہم خواتین افسانہ نگار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۳۸
معراج احمد معراج	شرف اعظم کا نقطۂ عروج	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۳
معراج احمد معراج	شفق رنگ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۳۲
ممتاز احمد خاں، ڈاکٹر	نظیر کی شاعری میں قومی یکجہتی کے عناصر	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۷۶
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	ادب و ثقافت	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۰
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	اردو کی تحریکی شاعری جنگ آزادی سے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۱
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	انداز بیان	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۴
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	اوراق حیات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۷
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	آزاد غزل: ایک تجربہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۲
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	آئینۂ تحریر	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۵
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	تنقیدی عمل	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۶
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	تیشۂ فکر	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۸
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	دو ماہی ''سہیل'' راجندر سنگھ بیدی نمبر	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۱۲
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	رباعیات امجد حیدرآبادی کا موضوعی تناظر	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۸
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	رشتۂ جاں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۷
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	سچ تو مگر کہنے دو	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۰
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	عبدالصمد کے افسانے: سماجیاتی مطالعہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۳
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	قشقہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۳۰۹
مناظر عاشق ہرگانوی، پروفیسر	مابعد جدیدیت سے نئے عہد کی تخلیقیت تک	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۹۹
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	افکار سے اظہار تک	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۹
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ترقی پسند تحریک کا سفر (پس منظر و پیش منظر)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۵۱
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اپنے ہاتھوں میں تھاما ہوا میزان	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	احتشام حسین کا تنقیدی شعور	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ارج	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۸

مصنف	عنوان	شمارہ	صفحہ
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اردو افسانہ اور چند افسانہ نگار	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اردو شاعری میں نئے تجربے: علیم صبا نویدی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۷۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اردو صحافی بہار کے	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اردو میں مرصع نگاری کی روایت	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۲۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اشک گل	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۱۱
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اعتراف و انحراف	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۹
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اعتراف: نذیر فتح پوری	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۵۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	اعتراف	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۷۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	الحمد	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	آخری رات	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۵۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	باغ و بہار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۷۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	بساط آرزو	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	بہار میں ناول نگاری ۱۹۸۰ء کے بعد	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	بہار نو بہار: رفعت سروش تجزیاتی مطالعہ	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۶۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	بیرونی ممالک کے شاہکار افسانے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۱۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	پابرہنہ	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۱۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	پروفیسر قمر رئیس: آثار و احوال	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۳۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	پریم ناتھ پردیسی: عہد، شخص اور فن کار	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	پگڈنڈی سے شاہراہ تک	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	پلوتو کی موت	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۵۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	پونے میں اردو افسانہ: ایک تحقیق	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تاریخ کوروؤیہہ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تاریخ اردو ادب، کویت	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۷۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تحقیق و تدوین: سمت و رفتار	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تکمیل آرزو	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۵۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تفہیم و تنقید	جولائی ۲۰۰۸ء، مارچ ۲۰۰۹ء	۱۷۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	تم کو خبر ہونے تک	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۳
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	توازن	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۲۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	جدید تنقید ایک جائزہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۰۹
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	چنیدہ	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۲۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	حرف تازہ یا نظیر صدیقی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	حریر و رنگ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۷۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	خبریات	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۸۸

مصنف	کتاب	شمارہ	صفحہ
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	ماہنامہ ''سہیل'' پرویز شاہدی نمبر	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۵۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	مسرت کے ترانے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۱۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	مشاہیر ادب کے خطوط: برج پریمی کے نام	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۲۱۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	مکتوبات مظفر حنفی بنام محبوب راہی	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۷۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	منظر شہاب: حیات اور فکر و فن	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	میری ایران یاترا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۱۵
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	نگینۂ سخن	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۹۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	نئی پرانی کتابیں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۷۱
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	نئی فکریاتی جہات	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۲۰
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	یادوں کے چراغ (جلد اول)	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۱۶
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	یادوں کے دریچے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	یہ کیا جگہ ہے؟	جولائی ۲۰۰۸ء مارچ ۲۰۰۹ء	۱۷۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	''انشاء'' (گفتی نمبر)	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۶۷
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	''انشاء'' (رومی نمبر)	جولائی ۲۰۰۸ء مارچ ۲۰۰۹ء	۱۶۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	''تکمیل'' (شوکت حیات نمبر)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۱۴
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	''سہیل'' (عصمت چغتائی نمبر)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۳۲۸
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	From the Window of the East	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۶۹
منصور عمر، ڈاکٹر	قطار	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۸۳
منصور عمر، ڈاکٹر	اردو اور بنگلہ افسانے پر تقسیم ہند کا اثر	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۸۰
منصور عمر، ڈاکٹر	ارژنگ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۷۸
منصور عمر، ڈاکٹر	اعتراف	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۸۴
منصور عمر، ڈاکٹر	اقموس کی گردن	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۵
منصور عمر، ڈاکٹر	بادل	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۳
منصور عمر، ڈاکٹر	پروفیسر احمد سجاد: احوال و آثار	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۷۲
منصور عمر، ڈاکٹر	پیاس کا صحرا	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۸۵
منصور عمر، ڈاکٹر	تنقید کی زبان	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۸۱
منصور عمر، ڈاکٹر	جدیدیت اور اردو افسانہ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۸۱
منصور عمر، ڈاکٹر	جذبی شناسی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۷۶
منصور عمر، ڈاکٹر	جگن ناتھ آزاد بحیثیت شاعر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۷۷
منصور عمر، ڈاکٹر	جگن ناتھ آزاد: بطور اقبال شناس	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۷۸
منصور عمر، ڈاکٹر	جہان دیگر	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۱۶۹
منصور عمر، ڈاکٹر	حرف تمنا	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۸۲
منصور عمر، ڈاکٹر	حسن نعیم اور نئی غزل	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۹

منصور عمر، ڈاکٹر	دعا کا شجر	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۸۳
منصور عمر، ڈاکٹر	دیدہ ور نقاد گوپی چند نارنگ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۹۵
منصور عمر، ڈاکٹر	زمین لاپتہ رہی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۸۰
منصور عمر، ڈاکٹر	سخن سراب	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۷۱
منصور عمر، ڈاکٹر	شام نوروز	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۰۳
منصور عمر، ڈاکٹر	طواف دشت جنوں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۸۰
منصور عمر، ڈاکٹر	لمسوں کی خوشبو	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۰
منصور عمر، ڈاکٹر	مسافت ہجراں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۷۷
منصور عمر، ڈاکٹر	مظہر امام: نئے منظرنامے میں	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۷
منصور عمر، ڈاکٹر	معلومات کا سمندر (منی انسائیکلوپیڈیا)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۷۹
منصور عمر، ڈاکٹر	مغیث الدین فریدی اور قطعات تاریخ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۷۴
منصور عمر، ڈاکٹر	منٹو کا سرمایۂ فکر و فن	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۷۹
منصور عمر، ڈاکٹر	منظومہ	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۸۰
منصور عمر، ڈاکٹر	نئی سمت نئے تقاضے	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۷۲
منصور عمر، ڈاکٹر	نئے علاقے میں	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۸۳
منصور عمر، ڈاکٹر	ہندوستانی اردو ادیبوں کی کابینہ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۰۹
منظر اعجاز، ڈاکٹر	غیاث احمد گدی: فرد اور فن کار	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۱۰۰
منظر اعجاز، ڈاکٹر	مظہر امام: نئی نسل کے پیش رو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۹۵
منور حسن کمال، ڈاکٹر	اردو شاعری میں ہندوستانی تہذیب	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۳۹
ناہم بخشی، پروفیسر	قصہ شناسی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۸۱
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	احساس کی ہجرت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۰۵
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	اک آگ سی سینے میں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۲
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	الہام ارمان	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۱۰
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	بوڑھی گنڈک تٹ کا بنجارہ	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۰۷
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	تکلف برطرف	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۴
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	شکیل الرحمن اور مولانا رومی کی جمالیات	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۹۱
نسیم احمد نسیم، ڈاکٹر	کلیات منٹو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰۳
وصیہ عرفانہ	ابن صفی کا جاسوسی سنسار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۸
وصیہ عرفانہ	باقیات ظم	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۹
وصیہ عرفانہ	ابن صفی کے جاسوسی ناولوں میں طنز و مزاح	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۷
وصیہ عرفانہ	اردو انشائیہ اور بیسویں صدی کے اہم انشائیہ نگار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۹۴
وصیہ عرفانہ	برف کا آدمی	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۰
وصیہ عرفانہ	پتھر میں کوئی ہے	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۹۰

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
وصیہ عرفانہ	پرواز	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۲
وصیہ عرفانہ	تنقیدی آگہی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۲
وصیہ عرفانہ	تنقیدی مرحلے	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۳
وصیہ عرفانہ	جنت سے نکالی ہوئی حوا	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۹
وصیہ عرفانہ	چاند کی کہانی	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۱۸
وصیہ عرفانہ	چوتھا فنکار	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۵
وصیہ عرفانہ	ڈاکٹر ایم اے حق اور افسانچہ نگاری کا فن	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۴
وصیہ عرفانہ	رباعیات اسمٰعیل میرٹھی	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۶۹
وصیہ عرفانہ	ظہیر انور: فن اور فن کار	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۹۱
وصیہ عرفانہ	عمارت	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۱
وصیہ عرفانہ	محاذ پر میں	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۹
وصیہ عرفانہ	منظر بچشم غالب	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۸۵
وصیہ عرفانہ	نکتے کی صدا	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۷۰
وصیہ عرفانہ	''مہک'' ڈائجسٹ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۲۲۲
ہنس راج الفت	سڑک	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۹۸
یونس رہبر	حرف زار	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۶۸

نظریاتی افکار

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
شمس الرحمٰن فاروقی	جدیدیت	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۳
گوپی چند نارنگ، پروفیسر	مابعد جدیدیت	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۶
مظہر امام	آزاد غزل	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۲۰

نظریاتی مباحث

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
ابوذر ہاشمی	تحریک، ایجاد اور ادب کی زندگی: منتشر خیالات	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۲۷
جمال اویسی	جدیدیت، مابعد جدیدیت اور آزاد غزل	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۲۹
حقانی القاسمی	اس رنج بے شمار کی اب انتہا بھی ہو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۳۲
مناظر عاشق ہرگانوی، ڈاکٹر	فکری اور عملی ڈسکورس	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۴۲
منصور عمر، ڈاکٹر	نئے رجحان، نئے تجربے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۴۳

نظمیں

شاعر	نظم	شمارہ	صفحہ
ابواللیث جاوید (مترجم)	پھٹا پاجامہ (شاعر: چندر راکیش، ہندی)	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۱۹
ابواللیث جاوید	بچپن	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۰
ابواللیث جاوید	بڑھاپا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۰
ابواللیث جاوید	جلد نکل لو	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۰

ابواللیث جاوید	جوانی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۰
ابواللیث جاوید	خواب گزیدہ	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۸
ابواللیث جاوید	دنیا	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۰
ابواللیث جاوید	زندگی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۰
ابواللیث جاوید	کیوں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۰
ابواللیث جاوید	موت	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۰
ابواللیث جاوید	نوجوانی	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۴۰
اٹل بہاری واجپئی	میں سوچنے لگتا ہوں	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۳
احسان ثاقب	انجام	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۳
احسان ثاقب	شہزادہ ''نوادہ'' کے تناظر میں ایک کھلا پیغام	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۷۷
احسان ثاقب	عنوان ندارد	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۳
احسان ثاقب	مغموم و سوگوار ہیں احباب فکر و فن	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۰
احسان ثاقب	اک ستارہ اور ٹوٹا	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۷
احسان ثاقب	آہ، شمیم فاروقی!	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۵
احسان ثاقب	رہبر ملت بھی چل بسے (ایس ایم اجمل فرید)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۹
احمد سہیل (مترجم)	خدا کا تحفہ	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۷۹
احمد سہیل (مترجم)	خدا کا سب کچھ ہے	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۷۹
احمد سہیل (مترجم)	وحدت	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۷۹
احمد سہیل	پانیوں میں سانس	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۵
احمد سہیل	دل کا معاملہ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۴
احمد سہیل	سفاک لڑکی سے آخری مکالمہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۰
احمد سہیل	میں تمہاری ہتھیلیوں میں زندہ رہوں گا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۵
احمد علی برقی اعظمی	اردو جریدہ ''تمثیل نو'' منظوم تاثرات	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۴۰۰
اختر جاوید	کچھ نہیں بس ——	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۸
اختر جاوید	پرندہ	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۱
اختر حسین شافی، ڈاکٹر	بڑا اچھا لگا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۷
اختر حسین شافی، ڈاکٹر	بہت ہو چکا شور غارت گری کا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۷
ارشد مینانگری	تاجدار صحافت (عبدالرشید قادری کی رحلت پر)	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۸
ارشد مینانگری	رخصت ہوا مہدی حسن	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۳
ارشد مینانگری	زبیر رضوی	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۸
ارشد مینانگری	ساجن کے بن روئی عید	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۸۶
ارشد مینانگری	مناظر عاشق ہرگانوی	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۸۰
اسحاق ملک	خواب کا دھندلکا	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۸
اسحاق ملک	دھواں دھواں نقشے	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۲

ذکی احمد	وجیہ کامرانی	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۴
ذکی احمد	برق آگ ہے، الجھتا دھواں ہے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۴
راحت حسین بزمی، پروفیسر	اپنی جنت	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۴
راحت حسین بزمی، پروفیسر	اسی لیے تو	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۱
راحت حسین بزمی، پروفیسر	تم نہیں جاتے تو	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۴
راحت حسین بزمی، پروفیسر	کون کہتا ہے کہ......	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۳
راحت حسین بزمی، پروفیسر	کیا اسی کو حیات کہتے ہیں؟	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۴
راز سیوانی	ایک نظم	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۱
راز سیوانی	دو دو چاند	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۶
راز سیوانی	ذرہ اور آسمان	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۳
راز سیوانی	رشتہ	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۳
راشد انور راشد	انجم کے لئے ایک نظم	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۴
راشد جمال فاروقی	اب ہجرت ہی بہتر ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۳
راشد جمال فاروقی	امی مرحومہ کی یاد میں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۴
راشد جمال فاروقی	والد مرحوم کی یاد میں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۴
راشد جمال فاروقی	ہمالیہ سے واپسی پر	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۶۵
رشیدہ عیاں	عشق	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۶
رضوان احمد	آتش خفتہ	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۴
رضوانہ ارم، ڈاکٹر	المیہ	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۵
رضوانہ ارم، ڈاکٹر	خواب شگوفے	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۳
رضوانہ ارم، ڈاکٹر	سازش	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۵
رضوان اللہ	سیل	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۰
رضوانہ ارم، ڈاکٹر	ندارد	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۳
رضوانہ پروین ارم، ڈاکٹر	ضد	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۳
رضوانہ پروین ارم، ڈاکٹر	ضرب	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۶
رؤف خیر	ہزار بات کی اک بات	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۰
رئیس الدین رئیس	فریب نگاہ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۳
ریحانہ محمد علی، ڈاکٹر	چاہت	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۴
ریحانہ محمد علی، ڈاکٹر	مثال	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۴
ریحانہ محمد علی، ڈاکٹر	افق	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۴
زبیر وارثی	اردو اور کمٹمنٹ	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۶۰
ساحر داؤدنگری	زندگی کے نام	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۴
ساحر شیوی	آن	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۴
ستیہ پال آنند، ڈاکٹر	کلید کل	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۴

ستیہ پال آنند	احمد آباد کے ..... (ایک ہندی نظم)	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۹
ستیہ پال آنند	آخر جیت ہوئی تو کس کی؟	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۶۴
ستیہ پال آنند	میں سالم ہی کب تھا!	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۱
سردار سلیم	سوریہ لوک کے اندھے واسی	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۶۵
سرور حسین	دہشت	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۴
سرور حسین	انکشاف	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۴
سریندر بھوٹانی زاہد، ڈاکٹر	ایک سوال پاسبانوں سے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۱
سعدیہ صدف	چاند ڈھلنے تلک	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۰
سلطانہ مہر	کبھی کبھی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۷۸
سلطانہ مہر	یہ ہاتھ پروردگار سا رہے	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۰
سلیم انصاری	کس سے پوچھوں	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۴
سنجیدہ عنبری	پیاری امی	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۵
سوہن راہی	افسردہ طرب خانہ	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۹
سوہن راہی	رات	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۹
سوہن راہی	سال نو ۲۰۰۵ء مبارک	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۰
سوہن راہی	میں جاگتا ہوں	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۱
سیما عابدی	احساس	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳
سیما عابدی	بچھڑے لمحے	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳
سیما عابدی	پھر کسی اور سے شکایت کیا!!	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۸۹
سیما عابدی	خزاں	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۷۶
سیما عابدی	دل کا معاملہ	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۰
سیما عابدی	دنیا	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳
سیما عابدی	من و تو	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۳
سیما عابدی	موت کا رقص	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۰۹
سیما عابدی	نیا سال پھر سے چلا آرہا ہے	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۶
سید احمد شمیم	سفر اندھی دشاؤں کا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۷۷
سید بشارت علی	تاب گویائی	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۲
سید بشارت علی	معجزہ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۵
سید بشارت علی	یہی اک کارنامہ	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۴
سید جعفر امیر	حاصل حیات	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۷۹
سید جعفر امیر	خواب سحر	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۰
سید جعفر امیر	شکایت بے ادبی	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۴
سید حسن اللہ ہما	اعتراف	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۱
سید مظفر شعیب ہاشمی	ایک التجا	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۱

مصنف	عنوان	شمارہ	صفحہ
ش م عارف ماہر آروی	بارہ ماسہ (قسط-۴)	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۴
ش م عارف ماہر آروی	بارہ ماسہ (قسط-۵)	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۴
ش م عارف ماہر آروی	مقدر	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۸۰
صابر فخر الدین	صفر نظمیں	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۸۹
صاحب شہریار	منظومات	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۲
صدف معصوم	عنوان ندارد	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۳
ضیاء الدین شمسی	کیا کیا جائے	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۹
طفیل چترویدی	شفا کے لئے	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۸
ظفر اقبال ظفر	تجسس	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵۱
ظفر حمیدی، ڈاکٹر	سوختہ قربانی	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۷
ظفر حمیدی، ڈاکٹر	بانجھ عورت	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۳
ظفر کمالی	میں اور میری میں	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۶
ظہیر غازی پوری	بند آنکھوں کی دنیا	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۳
ظہیر غازی پوری	تجربے کی صلیب	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۳
ظہیر غازی پوری	زندہ علامت	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۳
عبد الرحمن عبد، ڈاکٹر	ہم تمہیں یاد آتے رہیں گے	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۹
عبد اللہ خلیلی	پردیس آ گیا تھا کمانے کے واسطے	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۷
عبد اللہ خنجر	وصیت	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۱
عبد المنان طرزی، پروفیسر	ہر رنگ میں بہار کا اثبات شاندار	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۷
عبد المنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	اک قاضی شرع متیں	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۸
عبد المنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	پروفیسر گوپی چند نارنگ (بقید صنعت توشیح)	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۱۰
عبد المنان طرزی، ڈاکٹر حافظ	رعنائی تمثیل نو	اپریل تا جون ۲۰۰۲ء	۱۱
عبد المنان طرزی، ڈاکٹر	پیراہن افکار - رفیع الدین راز	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۹
عبد المنان طرزی، ڈاکٹر	عقیدت کا سفر	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۸
عبد المنان طرزی، ڈاکٹر	لوٹ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۷۵
عبرت بہرائچی، ڈاکٹر	لاوارث بچہ	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۶۷
عطا عابدی	سب خاموش ہیں	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۹۳
عظیم ہاشمی	آخر کندن	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۵
عظیم ہاشمی	وہی خواب پریشاں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۴۱
عاقب شبلی (مترجم)	"آتش کدۂ نشاط" (شاعر: عبد العلیم آسی، فارسی)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۰۴
عاقب شبلی	اجالوں کا بسیرا	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۱
عاقب شبلی	انفاس گریزاں	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۸
عاقب شبلی	بارش سنگ	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۵
عاقب شبلی	بار امانت	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۸

علقمہ شبلی	ننھا کبوتر	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۳
علقمہ شبلی	چلو اچھا ہوا	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۸
علقمہ شبلی	لہو کا موسم	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۴
علقمہ شبلی	منظوم خط بنام طرزی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۲۲
علیم اللہ حالی	موسم نہیں بدلا ہے	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۴
علیم صبا نویدی	ایک استعارہ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۱
علیم صبا نویدی	شرم تم کو مگر نہیں آتی	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۸۹
علیم صبا نویدی	عنوان ندارد	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۸
علیم صبا نویدی	کسک	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۴
علیم صبا نویدی	نثری نظمیں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۱
علیم صبا نویدی	نئی صدی کا سہاگ	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۹
علیم صبا نویدی	کسک	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۷
عنبر بہرائچی	سوکھی ٹہنی پر ہریل	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۷۸
عنبر بہرائچی	سیریز	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء	۶۷
عنبر بہرائچی	سیریز-۲	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۶۳
فراز حامدی، ڈاکٹر	انتظار	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۸
فراز حامدی، ڈاکٹر	تلاش	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۸
فراز حامدی، ڈاکٹر	دیوتا	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۵۸
فراغ روہوی	گلہائے تہنیت (سالک لکھنوی کے.....)	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۱
فراغ روہوی	ذرا ٹھہرو	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۲۵۰
فرزانہ خان نینا	کب تم مجھ کو یاد کرو گے؟	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۸۹
فرزانہ خانم	تصور	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۵۱
فرزانہ خانم	میں	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۸
فرزانہ نیناں	خوشبو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۴
فریدہ فرح لاکھانی	ہند و پاک دوستی	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۶۴
فہیم اعظمی، ڈاکٹر	گیان ہی گیان	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۴۳
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	زندگی	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۵
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	کاروان حیات	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۶۴
قمر رئیس بہرائچی، ڈاکٹر	مآلِ زیست	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۷۷
قیصر صدیقی	شہر خدا کی گود میں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۲۹۷
کامران غنی صبا	میرے مولا تو نئے سال پہ رحمت کر دے	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۲۹۰
کرشن پرویز	آج کے صحافی اور صحافت	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۸۱
کرشن پرویز	مولانا آزاد کی خدمت میں	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۷۳
مبین صدیقی	لا اکراہ	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۸۸

نسیم مخموری	ابر	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۶۱
نقشبند قمر نقوی بھوپالی	عدم عنوان	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۱۳۸
نقشبند نقوی بخاری	دریائے نور	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۷۵
نم اعظمی	بچے ضد کرتے ہیں	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۱۳۲
ہاجرہ رحمن	اور اک	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۸۲
ہاجرہ رحمن	تقدیر کی سیاہی	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۳
ہلال عالم غزالی	نیند	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۵۳
ہلال عالم غزالی	قادر و قائم	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۶
ہلال غزالی	آہ!	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۶۵
ہلال غزالی	فن کاری	جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء	۶۹

نعت

شاعر	نعت	شمارہ	صفحہ
احمد معراج	نعت پاک	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۳۹
افتخار اجمل شاہین	نعت پاک	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء	۲۰
افتخار اجمل شاہین	نعت پاک	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۱
امان خاں دل	نعت شریف	جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء	۱۳
رشید ضارب	نعت پاک	جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء	۳۹
سلطانہ مہر	نعت پاک	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۱۴
سہیل غازی پوری	نعت پاک	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۱۸
سیفی سرونجی	نعت پاک	جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء	۲۴
شاکر خلیق، پروفیسر	نعت شریف	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۱۶
عبدالعزیز خالد	نعت پاک	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۱۰
عبدالواجد نیر قادری، مفتی	نعت پاک	اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء	۱۵
کلیم قیصر، ڈاکٹر	نعت پاک	اپریل تا جون ۲۰۰۳ء	۱۶
مانی فاروقی	نعت پاک	مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء	۷
محمد فرحت حسین خوشدل	نعت پاک	اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء	۲۳
مختار ٹونکی	نعت پاک	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۳۷
مسعود جعفری، ڈاکٹر	نعت رسول پاک	اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء	۳۲
منیر فاروقی	نعت پاک	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء	۹
ناز قادری، پروفیسر	نعت پاک	جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء	۱۰
نجم عثمانی	نعت پاک	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۲۴
نجم عثمانی	نعت پاک	جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء	۱۱
نجم عثمانی	نعت پاک	جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء	۳۱
نجم عثمانی	نعت پاک	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۵۸

وارث ریاضی	نعت پاک	جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء	۲۳
وارث ریاضی	نعت پاک	جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء	۱۵

نقطۂ نظر

مضمون نگار	مضمون	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	پروفیسر قمر رئیس سے مکالمہ	جنوری تا جون ۲۰۰۶ء	۲۱
وہاب اشرفی، پروفیسر	''تاریخ ادبیات عالم'' پر ایک نوٹ	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۱۴

ہائیکو

شاعر	ہائیکو	شمارہ	صفحہ
سیما عابدی	ہائیکو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء	۷۵
عبرت بہرائچی، ڈاکٹر	میری سن کر گال	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۶۷
فراز حامدی، ڈاکٹر	ہائیکو	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۷۵

ہدایات

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
عبدالعلیم آسی	یادگار آسی	اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء	۴۳

ہزل

شاعر	ہزل	شمارہ	صفحہ
احمق سیوانی	سالی مری کریم سے چہرہ سنوار کے	جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء	۷۰
احمق سیوانی	بچی میرا اپسر ہو تو میں کیا کروں	اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء	۹۰
اسد رضا	کہہ رہی تھی ان سے اک دوشیزہ گھبرائی ہوئی	جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء	۱۹۶
اسد رضا	مجھ کو عہدہ عطا کرے کوئی	اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء	۱۹۲
صابر رومانی	رسم چل پڑی جب خاندان میں	اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء	۲۱۳

ہندوستانی فلم: ایک قومی سیمینار

مضمون نگار	مضمون / رپورتاژ	شمارہ	صفحہ
امام اعظم، ڈاکٹر	خطبہ استقبالیہ	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۵۲
امام اعظم، ڈاکٹر	رپورتاژ (ہندوستانی فلمیں اور اردو)	اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء	۱۵۴

یادداشت

قلم کار	عنوان	شمارہ	صفحہ
ایم نہال، پروفیسر	کچھ یادیں کچھ باتیں	جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء	۷۴

یاد رفتگاں / رفتگاں و قائماں

شاعر	تحریر	شمارہ	صفحہ
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ	جون تا اگست ۲۰۰۱ء	۱۸
عبدالمنان طرزی، پروفیسر حافظ	دربھنگہ کی منظوم ادبی تاریخ	ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء	۱۵

□□□

موبائل: 9674010530 ای میل: shahid.iqbal.kolkata@gamil

● ڈاکٹر وکیل احمد (ایڈوکیٹ)، دربھنگہ (موبائل: 9431627973)

اردو جریدہ ''تمثیلِ نو'' دربھنگہ کے شمارے

(مارچ ۲۰۰۱ء تا جون ۲۰۱۷ء)

- مارچ تا مئی ۲۰۰۱ء
- جون تا اگست ۲۰۰۱ء
- ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۱ء
- جنوری تا مارچ ۲۰۰۲ء
- اپریل تا جون ۲۰۰۲ء
- جولائی تا ستمبر ۲۰۰۲ء
- اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء
- جنوری تا مارچ ۲۰۰۳ء
- اپریل تا جون ۲۰۰۳ء
- جولائی تا ستمبر ۲۰۰۳ء
- اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۳ء
- جنوری تا مارچ ۲۰۰۴ء
- اپریل تا ستمبر ۲۰۰۴ء
- اکتوبر ۲۰۰۴ء تا مارچ ۲۰۰۵ء
- اپریل تا ستمبر ۲۰۰۵ء (موضوع: اردو ادب کے رجحان ساز: شمس الرحمٰن فاروقی، گوپی چند نارنگ، مظہر امام)
- اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۵ء (موضوع: تاریخ ادبیات عالم، عہد ساز پیشکش)
- جنوری تا جون ۲۰۰۶ء (موضوع: کیا ترقی پسندی زوال پذیر ہو چکی ہے؟)
- جولائی تا دسمبر ۲۰۰۶ء (موضوع: متھلا اردو زبان اور تہذیب و ثقافت کا ایک قدیم مرکز)
- جنوری تا ستمبر ۲۰۰۷ء (موضوع: پہلی جنگ آزادی میں اردو زبان کا کردار)
- اکتوبر ۲۰۰۷ء تا جون ۲۰۰۸ء (موضوع: ''سہرا'' خصوصی مطالعہ)
- جولائی ۲۰۰۸ء تا مارچ ۲۰۰۹ء (موضوع: سات سمندر پار کا ہم عصر اردو ادب)
- اپریل تا دسمبر ۲۰۰۹ء (موضوع: بیسویں صدی کے مدبر و مفکر: مولانا ابوالکلام آزاد)
- جنوری تا ستمبر ۲۰۱۰ء (موضوع: ہندوستانی فلمیں اور اردو)
- اکتوبر ۲۰۱۰ء تا مارچ ۲۰۱۱ء (موضوع: اردو کا ہم عصر ادب: ۱۹۸۵ء کے بعد اور گوشۂ سید منظر امام و خورشید اکبر)
- اپریل ۲۰۱۱ء تا مارچ ۲۰۱۲ء (موضوع: اکیسویں صدی میں اردو- نشیب و فراز اور گوشۂ مولانا مجاہد الاسلام قاسمیؒ)
- اپریل ۲۰۱۲ء تا جون ۲۰۱۳ء (موضوع: اردو ناول کا پس منظر اور پیش منظر اور گوشۂ پروفیسر وسیم بریلوی و لیسین احمد)
- جولائی ۲۰۱۳ء تا جون ۲۰۱۴ء (موضوع: مغربی بنگال میں ادبی پیش رفت: اکیسویں صدی کے تناظر میں اور گوشۂ صلو چودھری)
- جولائی ۲۰۱۴ء تا جون ۲۰۱۵ء (موضوع: شہر کولکاتا اور گوشۂ ڈاکٹر سید تقی عابدی اور پروفیسر منصور عمر مرحوم)
- جولائی ۲۰۱۵ء تا جون ۲۰۱۶ء (موضوع: اکیسویں صدی میں اردو صحافت)
- جولائی ۲۰۱۶ء تا جون ۲۰۱۷ء (موضوع: اردو ادب میں وحدت الوجودی اور وحدت الشہودی عناصر)

□□□